

# التشرف

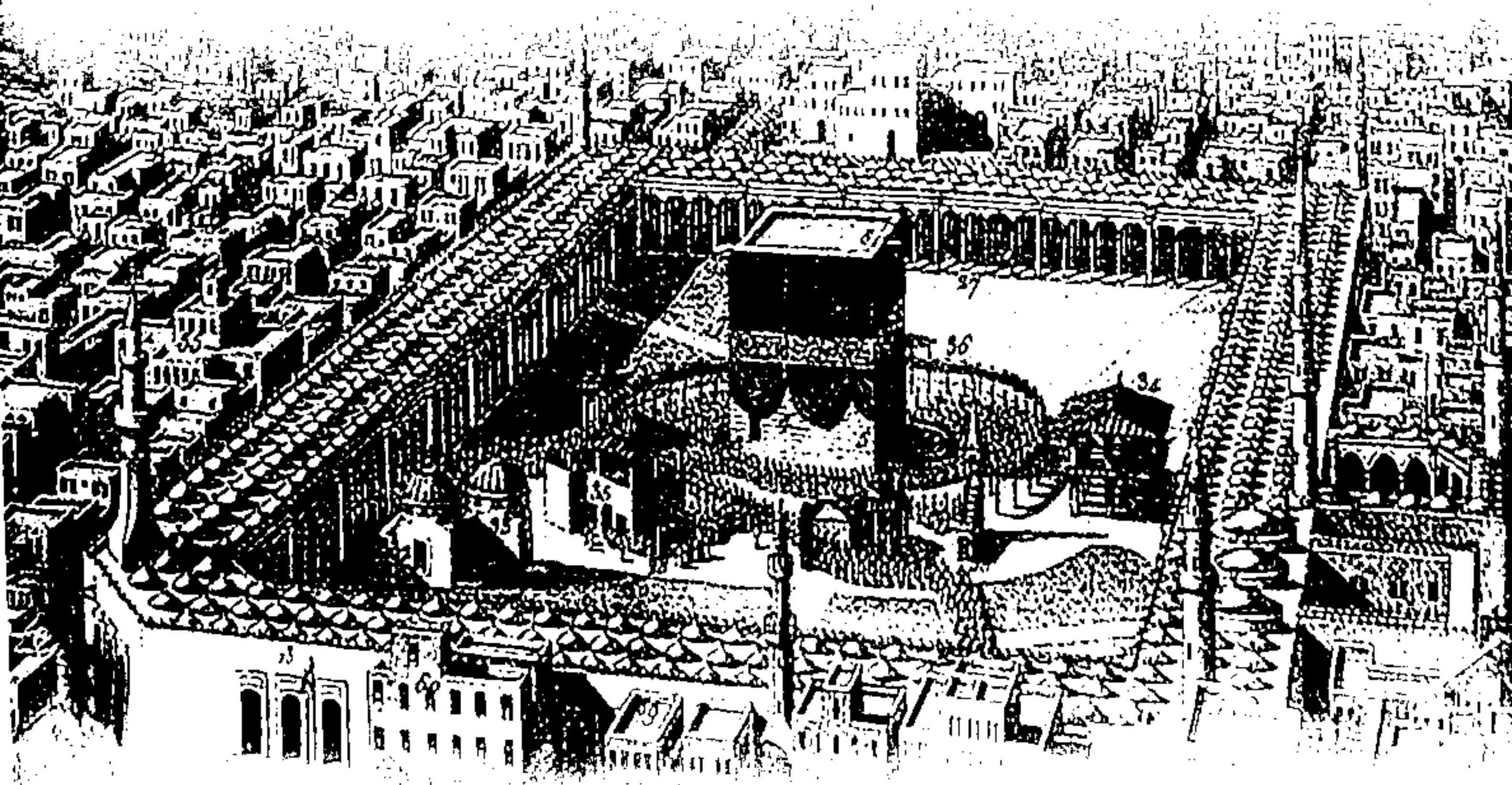
بتعريف حقوق المصطفى ﷺ



مصنف

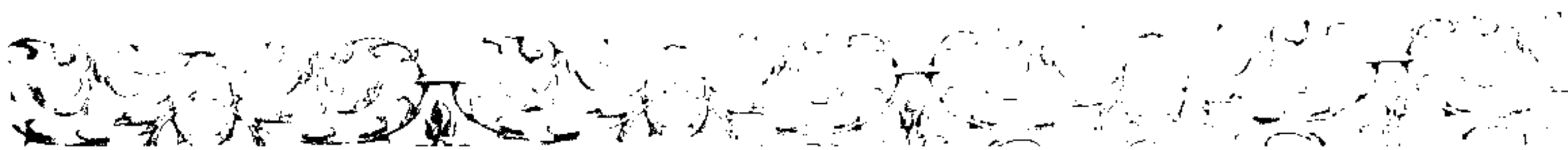
أبو الفضل قاضي عياض مالكي رحمه الله





لکڑی کے ٹکڑے پر اندھ کعبہ کے مشرف کی تقریباً ایک ہزار سال پرانی تصویر کا منظر

*Kābatullah's almost 1000 years Old Picture,  
Engraved on Wooden Piece*



حقوقِ نبی اور سیرتِ رسول ﷺ پر ایک مستند کتاب

السرقات بحرف حقوق

المصطلحات

ترجمہ بنام

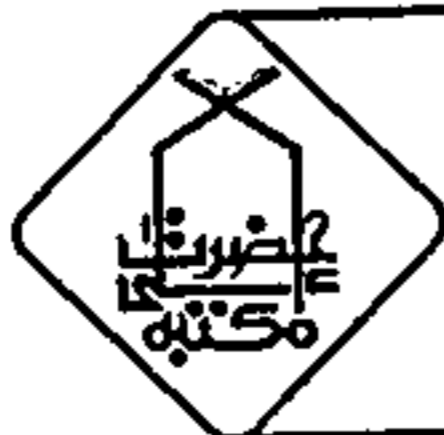
نعیم العطاء فی حدیثِ الجہنمی

مع تخریج احادیث

جلد اول

مصنف: ابو الفضل قاضی عیاض مالک قرظی علیہ السلام

مترجم: حضرت سیدتی علامہ معین الدین نعیمی علیہ السلام



مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور

042-7247301-0300-8842540

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## جملہ حقوق کمپوزنگ و تخریج محفوظ ہیں

موضوع کتاب	حقوق نبی ﷺ و سیرت رسول ﷺ
نام کتاب عربی	الشفاء بعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ
نام اردو ترجمہ	نعیم العطاء فی احادیث المجتبیٰ ﷺ
نام مصنف	ابوالفضل قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ
نام مترجم	حضرت الحاج مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزنگ جدید	سجان گرافکس اینڈ کمپوزنگ سنٹر لاہور
پروف ریڈنگ اردو	احمد رضا
سن اشاعت	19 ذوالحجہ 1424ھ بمطابق 12 فروری 2004ء
صفحات جلد اول	336
ہدیہ	660 روپے

ناشر



مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور

042-7247301-0300-8842540

نوٹ: اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں کافی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ تاہم بشری تقاضا کے مطابق اگر کہیں غلطی رہ گئی ہو تو جو صاحب اس پر مطلع ہوں ادارہ کو ضرور بالضرور اطلاع کریں تاکہ تصحیح کی جاسکے۔ (ادارہ)

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## فہرست الشفاء جلد اول

صفحہ نمبر	عنوان	
8	پہلے اسے پڑھیے	
10	تذکرہ مصنف	
14	تذکرہ مترجم	
20	مقدمہ کتاب	
<b>قسم اول</b>		
26	آیات قرآنیہ، ارشادات عالیہ سے حضور ﷺ کی قدر و منزلت، عظمت و شان کا ثبوت	
<b>پہلا باب</b>		
حضور ﷺ کی ثناء بزبان باری تعالیٰ		
27	حضور ﷺ کی شان میں نازل شدہ آیات قرآنیہ کا بیان	پہلی فصل:
37	اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کو شاہد بنانا اور آپ ﷺ کی تعریف و ثناء بیان کرنا	دوسری فصل:
41	اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کو کمال و لجوئی اور بڑے احسان کے ساتھ یاد کرنا	تیسری فصل:
44	اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کے مراتب عالیہ کی قسم یاد فرمانا	چوتھی فصل:
49	اللہ ﷻ کا اس مقام و مرتبہ کی قسم یاد فرمانا جو بارگاہِ الہی میں حضور ﷺ کو حاصل ہے	پانچویں فصل:
55	اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کو مورد شفقت و کرم بنانا	چھٹی فصل:
58	اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام پر حضور ﷺ کی قدر و منزلت اور فضائل کی خبر دی	ساتویں فصل:
61	اللہ ﷻ کا حضور ﷺ پر درود بھیجنا، آپ ﷺ کی مدد کرنا اور آپ ﷺ کے سبب سے عذاب دفع کرنا	آٹھویں فصل:

- 64 نویں فصل: سورۃ فتح میں حضور ﷺ کی بزرگیاں
- 67 دسویں فصل: کتاب مجید میں حضور ﷺ کا ذکر مبارک

## دوسرا باب

- 71 حضور ﷺ خلق عظیم اور مجموعہ فضائل دینی و دنیوی میں کامل ہیں
- 72 پہلی فصل: حضور ﷺ تمام اوصاف کے جامع تھے
- 73 دوسری فصل: آپ ﷺ کا حلیہ مبارک
- 75 تیسری فصل: آپ ﷺ کی نظافت و پاکیزگی
- 78 چوتھی فصل: آپ ﷺ کا فہم و ذکا، عقل و خرد
- 81 پانچویں فصل: آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت
- چھٹی فصل: آپ ﷺ کی نسبی شرافت، آپ ﷺ کے شہر کی بزرگی اور
- 86 آپ ﷺ کی نشوونما
- 87 ساتویں فصل: ضروریات زندگی کی اقسام سے پہلی قسم
- 90 آٹھویں فصل: ضروریات زندگی کی دوسری قسم
- 94 نویں فصل: ضروریات و مقتضیات حیات کی قسموں کے بیان میں
- 96 دسویں فصل: آپ ﷺ کے فضائل مکتبہ
- 100 گیارہویں فصل: آپ ﷺ کے مختلف فضائل
- 102 بارہویں فصل: آپ ﷺ کا علم اور بردباری
- 108 تیرہویں فصل: آپ ﷺ کا جود و کرم اور سخاوت
- 110 چودھویں فصل: آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری
- 112 پندرہویں فصل: آپ ﷺ کی حیاء و چشم پوشی
- 113 سولہویں فصل: آپ ﷺ کا حسن ادب و معاشرہ اور اخلاق
- 116 سترہویں فصل: آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت
- 119 اٹھارہویں فصل: آپ ﷺ کی وفا، حسن عہد اور صلہ رحمی
- 122 انیسویں فصل: آپ ﷺ کا تواضع فرمانا
- 124 بیسویں فصل: آپ ﷺ کا عدل، امانت، عفت اور صدق قال

127	آپ ﷺ کا وقار، خاموشی، مروت اور نیک سیرتی	ایسویں فصل:
129	آپ ﷺ کا زہد و تقویٰ	بائیسویں فصل:
131	آپ ﷺ کی خشیت و طاعت اور مشقت و ریاضت	تیسویں فصل:
134	انبیاء علیہم السلام کے کمالِ خلق اور محاسنِ جمیلہ	چوبیسویں فصل:
141	آپ ﷺ کی مختلف امور میں عادت مبارکہ	پچیسویں فصل:
146	احادیث کے مشکل الفاظ کے معنی میں	چھیسویں فصل:

### تیسرا باب

147	آپ ﷺ کی قدر و منزلت احادیث کی روشنی میں	
147	آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت اور اسم مبارک کی برکت کے بیان میں	پہلی فصل:
157	آپ ﷺ کے وہ فضائل جو شبِ معراج عطا فرمائے گئے	دوسری فصل:
167	آپ ﷺ کی معراج جسمانی تھی یا روحانی؟	تیسری فصل:
170	معراج روحانی کے دلائل کا رد	چوتھی فصل:
174	آپ ﷺ کا اللہ ﷻ کو دیکھنا	پانچویں فصل:
180	واقعہ معراج میں آپ ﷺ کا اللہ ﷻ سے مناجات کرنا اور کلام کرنا	چھٹی فصل:
182	شبِ معراج آپ ﷺ کا قرب	ساتویں فصل:
184	حضور ﷺ بروز قیامت خصوصی فضیلت کے مکرم ہوں گے	آٹھویں فصل:
187	آپ ﷺ کی محبت و خلت کا بیان	نویں فصل:
193	حضور ﷺ کی فضیلت و شفاعت اور مقامِ محمود کا ذکر	دسویں فصل:
201	حضور ﷺ کی ان بزرگیوں کا بیان جو جنت میں صلہ، درجہ رفیعہ اور کوثر کے ساتھ ہیں	گیارہویں فصل:
202	ان احادیث کا بیان جن میں آپ ﷺ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا	بارہویں فصل:
203	حضور ﷺ کے اسماء گرامی کے بیان میں فضائل کا بیان	تیرہویں فصل:
211	اللہ ﷻ نے اپنے اسماء کے ساتھ آپ ﷺ کے نام رکھے	چودھویں فصل:
222	ایک نکتے کا بیان	پندرہویں فصل:

## چوتھا باب

- 224 آپ ﷺ کے معجزات کے بیان میں  
پہلی فصل: اللہ ﷻ اپنے بندوں کو بغیر واسطہ کے اپنی ذات و صفات اور
- 226 اسماء کا علم عطا فرما سکتا ہے
- 227 نبوت کی لغوی تحقیق
- 228 الرسول کی تحقیق
- 229 وحی کی تحقیق
- 230 معجزات کے بیان میں  
دوسری فصل:
- 234 اعجازِ قرآن کی وجوہات میں سے پہلی وجہ  
تیسری فصل:
- 240 اعجازِ قرآن کی دوسری وجہ  
چوتھی فصل:
- 243 اعجازِ قرآن کی تیسری وجہ  
پانچویں فصل:
- 246 اعجازِ قرآن کی چوتھی وجہ  
چھٹی فصل:
- 248 اعجازِ قرآن بسبب تعجیز قوم  
ساتویں فصل:
- 250 اعجازِ قرآن بسبب رعب و دبدبہ  
آٹھویں فصل:
- 252 قرآن ہمیشہ رہے گا  
نویں فصل:
- 253 اعجازِ قرآن کی مختلف وجوہات  
دسویں فصل:
- 258 معجزہ شق القمر اور جس الشمس  
گیارہویں فصل:
- انکشتہائے مبارک سے پانی بہنا اور آپ ﷺ کی برکت سے اس  
بارہویں فصل:
- 261 کا زیادہ ہونا
- 263 مزید معجزات  
تیرہویں فصل:
- 266 طعام میں زیادتی  
چودھویں فصل:
- درختوں کا کلام کرنا، آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت اور آپ ﷺ  
پندرہویں فصل:
- 271 کی دعوت پر آنا
- 276 کھجور کی ٹہنیوں کا رونا  
سولہویں فصل:
- 278 جمادات سے متعلق معجزات  
سترہویں فصل:



- 281 اٹھارہویں فصل: حیوانات سے متعلق معجزات
- انیسویں فصل: مردوں کو زندہ کر کے کلام فرمانا، چھوٹے و شیرخوار بچوں سے کلام فرمانا
- 286 اور ان سے اپنی نبوت کی شہادت دلوانا
- 290 بیسویں فصل: بیماروں اور مریضوں کو تندرست کرنا
- 293 اکیسویں فصل: اجابتِ دعا
- بائیسویں فصل: حضور ﷺ کے معجزات و برکات اور جو چیز آپ ﷺ سے مس کر گئی
- 297 اس کی حقیقت کا بدلنا
- 302 تیسویں فصل: آپ ﷺ کو غیب پر اطلاع ہونا
- 311 چوبیسویں فصل: عصمتِ نبی ﷺ
- 319 پچیسویں فصل: آپ ﷺ کے روشن معجزات
- 324 چھبیسویں فصل: آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی غیبی خبریں
- 327 ستائیسویں فصل: دلائل و علامات نبوت و رسالت
- 328 اٹھائیسویں فصل: بوقتِ ولادت معجزات
- 331 انیسویں فصل: قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ

جلد اول ختم شد

## پہلے اسے پڑھیے

ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا کہ ہمارے ادارے نے سیرت رسول کریم ﷺ پر ایک ہر دلعزیز کتاب ”الخصائص الکبریٰ“ اپنے قارئین کی نذر کی۔ اس سلسلے میں آپ تمام احباب نے جس طرح ہماری حوصلہ افزائی فرمائی وہ ناقابل بیان ہے یہ آپ کی بڑھائی ہوئی ہمتوں ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اپنے ادارے کی طرف سے آپ کی بارگاہ میں ایک ایسی کتاب پیش کر رہے ہیں کہ جو آج سے تقریباً 1000 سال قبل کی تصنیف ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے فرمائیں کہ سیرت کی شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس کا زمانہ تصنیف اس کتاب کے بعد ہو اور اُس میں اس کتاب سے حوالہ جات کوڈ نہ کئے گئے ہوں۔ اس کتاب سے ہماری مراد ”الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ“ ہے۔

اس کتاب کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب حقوق نبی ﷺ کے بیان میں ہے کیونکہ جس طرح حقوق العباد، حقوق اللہ ﷻ اور دیگر حقوق ہیں اسی طرح نبی ﷺ کے بھی حقوق ہیں ان کا جاننا اور ان کو ادا کرنا ایک امتی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ لہذا حقوق نبی ﷺ کے حوالہ سے اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھنا ضروری ہے۔ ہم نے اس کتاب کو اپنے باذوق قارئین کے ذوق کے مطابق بنانے کے لئے اس کی طباعت کرتے وقت مندرجہ ذیل امور پر خصوصی توجہ دی۔

1. چھوٹے سائز کی دو جلدوں کو بڑے سائز کی ایک جلد میں جمع کر دیا تاکہ قاری کے لئے سہولت رہے۔
2. کمپوزنگ کا سائز بڑا رکھا تاکہ باسانی مطالعہ کیا جاسکے۔
3. قارئین کی سہولت کے پیش نظر پیرا گراف بنائے اس کے علاوہ پروف ریڈنگ، ٹائٹل اور باؤنڈنگ پر خصوصی توجہ دی گئی۔
4. قرآن پاک کی آیات کے مکمل حوالہ جات لگائے گئے نیز ان کا ترجمہ کنز الایمان سے دیا گیا۔
5. تخریج احادیث چونکہ اس دور میں ایک اہم ضرورت ہے اسی لئے اپنے ایک محسن مفتی صاحب کے توجہ دلوانے پر ہم نے امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث شفاء کی تخریج پر مبنی تصنیف ”مناہل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء“ کو اسی کتاب میں احادیث کے بعد نقل کر دیا ہے۔

اس سے ترجمہ کرتے ہوئے مصنف نے جو احادیث کی اسناد کا ذکر عوام کی سہولت کے پیش نظر ترک کیا تھا اُس کی کمی بھی پوری ہو گئی۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں صرف کتب احادیث کے نام تحریر فرمائے جبکہ اس کتاب پر ”الشیخ سمیر القاضی“ نامی ایک محقق نے تحقیق کر کے کتب احادیث کے مکمل حوالہ جات بمع مطبوعہ نیچے حاشیے میں لکھے تھے

ہم نے دونوں سے استفادہ کرتے ہوئے دونوں کو یکجا کر کے نقل کر دیا ہے اور کتب احادیث کے مطبوعات کا حوالہ کتاب کے آخر میں دے دیا ہے۔

کئی مقامات پر محقق کو وہ احادیث کسی سبب سے نہ مل سکیں تو ہم نے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج پر اعتماد کرتے ہوئے ”مناہل الصفاء“ کا حوالہ درج کر دیا ہے۔ بعض احادیث کی تخریج امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ فرمائی تو ہم نے بھی ویسا ہی چھوڑ دیا۔ ہمیں خوشی ہوگی کہ اگر کوئی صاحب اس کے مکمل حوالہ جات کو تخریج کر کے دیں۔

یہاں ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ تخریج کرتے ہوئے ہم نے دو انداز اپنائے ہیں بعض مقامات پر تو اوپر احادیث کے ختم ہونے کے بعد اس کا حوالہ لکھ دیا ہے جبکہ بعض جگہ اوپر حوالہ لکھنے سے قاری کے تسلسل میں فرق پڑتا تھا تو اس جگہ حوالہ نیچے فٹ نوٹ میں دے دیا ہے۔

6. عقیدت و محبت کے اظہار کے لئے کوشش کی گئی ہے کہ ہر بزرگ کے نام کے ساتھ ”رحمۃ اللہ علیہ“ اور صحابی کے نام ساتھ ”رضی اللہ عنہ“، انبیاء کے ناموں کے ساتھ ”الصلی علیہم و آلہم“ اور نبی کریم کے نام کے آگے ”صلی اللہ علیہ وسلم“ اور جہاں کسی نے آپ کو مخاطب فرمایا وہاں ”صلی اللہ علیہ وسلم“ جبکہ اللہ کے نام کے ساتھ ”عز وجل“ کا اضافہ کیا گیا اور پھر ان کو بڑے خوبصورت انداز میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

7. نیز اس کے حسن و تزئین کے کو چار چاند لگانے کے لئے اس کتاب کی ابتداء میں کچھ رنگین صفحات جن میں انتہائی خوبصورت کعبۃ اللہ شریف، جنت البقیع، ریاض الجنۃ، عمامہ جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہے اور حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔

8. مصنف کتاب کا تعارف اور مترجم کا تذکرہ جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہم نے تحریر کر دیا ہے۔ اگرچہ ہم سے قبل بھی مختلف مکاتب فکر کے مختلف مکتبوں نے اس کتاب کو شائع کیا لیکن انشاء اللہ ﷺ آپ کو وہ خوبصورتی جو ہمارے ادارے کی طرف سے شائع ہوتے وقت اس کو دی گئی ہے شاید ہی کہیں مل سکے۔

آخر میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ہم نے حتی الوسع اس کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی خامی آپ محسوس فرمائیں یا کوئی مشورہ عطا فرمانا چاہیں تو ہمیں ضرور یاد فرمائیں۔ انشاء اللہ ﷺ اس معاملے میں آپ لوگ ہمارے دل کے دروازے ہمیشہ کھلے پائیں گے۔ ہمیں اللہ ﷺ کی ذات پاک سے قوی امید ہے کہ آپ کو ہماری یہ کاوش ضرور پسند آئے گی۔ ہماری اللہ ﷺ سے دعا ہے کہ وہ تمام امت مسلمہ کو اس کتاب سے فیض یاب فرمائے۔

خادم مکتبہ اعلیٰ حضرت

محمد اجمل

۲۰ ذوالحجہ بروز جمعرات ۱۴۲۴ھ بمطابق ۱۲ فروری ۲۰۰۴ء

## تذکرہ مصنف

نام:

عیاض بن موسیٰ بن عیاض الجعفی المالکی رحمۃ اللہ علیہ

کنیت:

ابوالفضل

سن ولادت:

476ھ بمطابق 1083ء

مقام ولادت:

سبۃ

آباؤ اجداد:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ ”اندلس“ کے رہنے والے تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مرحوم وہاں سے نقل مکانی کر کے ”فاس“ آگئے پھر وہاں سے ”سبۃ“ تشریف لے گئے۔

تعلیم و تربیت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن اور جوانی کا ابتدائی حصہ ”سبۃ“ ہی میں گزرا اور یہاں کے اکابر علماء و مشائخ رحمہم اللہ سے علم حاصل کیا۔ بیس سال کی عمر میں حافظ الحدیث ابوعلی غسانی صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو رولیت حدیث کی اجازت دے دی تھی۔ حضرت ابوعلی غسانی صدیق رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ ”اندلس“ تشریف لے گئے۔

رسالہ ”نکار“ لکھنؤ کے علماء نمبر میں ہے کہ ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ ”قرطبہ“ تشریف لے گئے وہاں سینکڑوں اساتذہ سے علوم فنون حاصل فرمائے۔

ابوالقاسم بن بشکوال رحمۃ اللہ علیہ ”کتاب الصلہ“ میں فرماتے ہیں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ طلب علم کے لیے ”اندلس“ تشریف لے گئے تو انہوں نے ”قرطبہ“ میں علماء کی ایک بڑی جماعت سے علم حاصل کیا اور حدیث کا بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ حدیث شریف کی طرف ان کی توجہ

زیادہ تھی اور وہ اس کے جمع کرنے میں بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ درجے کی ذہانت و فطانت اور بلند فہم و فراست کے مالک تھے۔ مسائل فقہیہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اس مذہب مالکی کے اساطین میں ہوتا ہے۔

### عہدہ قضا:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کافی عرصہ ”سبتہ“ میں قضا کا کام کیا اور اپنے حسن سیرت سے لوگوں کے دلوں کو گرویدہ کر لیا پھر وہاں سے ”غرناطہ“ چلے گئے وہاں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو قضا کا کام سپرد کیا گیا لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ”غرناطہ“ میں زیادہ دیر قیام نہ فرمایا اور واپس ”قرطبہ“ آگئے جہاں 531ھ بمطابق 1132ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ”قرطبہ“ میں عہد قضا سپرد کیا گیا۔

محمد بن حماد سبئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ 21 سال کی عمر میں مناظرہ کرنے لگے اور 35 سال کی عمر میں عہد قضا پر فائز ہوئے۔

### آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ اور تلامذہ:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا جن کے نام درجنوں تک پہنچتے ہیں جب کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہونے والے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی بھی ایک بڑی تعداد ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں بھی بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔

### خصوصیات:

آپ رحمۃ اللہ علیہ حدیث، علوم حدیث، لغت، نحو، کلام عرب اور ان کے ایام و انساب میں اپنے وقت کے امام تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ شاعری بھی فرمایا کرتے تھے اور کثیر التصانیف بزرگ تھے۔

حضرت محمد بن حماد سبئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سبتہ میں ان سے زیادہ کوئی کثیر التصانیف نہ تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شہر میں وہ بلندی اور برتری حاصل کی کہ جہاں تک ان کے شہر والوں میں سے کوئی بھی نہ پہنچا مگر علم و فضیلت نے ان میں تواضع اور خوف الہی ﷻ ہی کو زیادہ کیا۔

## شفاء شریف:

یوں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد تقریباً 22 کے قریب ہے اور وہ تمام کی تمام علوم کا بیش بہا خزانہ ہیں اور تمام علماء ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

امام علامہ محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ”شرح مسلم“ میں جگہ جگہ ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ امام بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ ”عمدة القاری“ میں اور حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ”فتح الباری“ میں جا بجا ان سے فوائد و نکات احادیث میں خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں۔ شارحین حدیث میں جہاں ”قال القاضی“ کہتے ہیں وہاں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہی مراد ہوتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف میں سے سب سے زیادہ مقبولیت الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ کے حصہ میں آئی بلکہ دیگر تصانیف اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی بقاء کا سبب بھی یہی کتاب ہے۔

## بارگاہ رسالت ﷺ میں الشفاء کی مقبولیت:

تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواب میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے نے دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سونے کے تخت پر تشریف فرما ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر اس پر ہیبت طاری ہو گئی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے بھتیجے ”کتاب الشفاء“ کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اسے اپنے لئے دلیل راہ بناؤ۔

گویا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا کہ جو آج میرا یہ مقام تم دیکھ رہے ہو یہ ”الشفاء“ تحریر کرنے کے سبب سے ہے۔

## الشفاء کا مقام:

بارگاہ رسالت ﷺ میں مقبولیت پانے کے بعد ہر زمانے کے علماء و صلحا کی نظر میں یہ کتاب ایک خصوصی مقام کی حامل ہو گئی اور انہوں نے نظم و نثر میں اس کی تعریف فرمائی ہے ان میں کچھ اشعار ہم نے کتاب کے ٹائٹل پیج کے دوسری طرف بمعہ ترجمہ نقل کئے ہیں۔

اس کتاب کی آج تک تقریباً 26 کے قرب شروحات و تلخیصات ہو چکی ہیں جن میں ”شرح ملا علی قاری“ اور ”نسیم الریاض“ حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ مقبول ہیں۔

### الشفاء پڑھنے کی فضیلت:

حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”شفاء شریف“ کا اسم اس کے مسما کے موافق ہے کیونکہ سلف صالحین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا پڑھنا بیماریوں سے شفاء اور مشکلات کے حل کے لئے بہترین اور مجرب عمل ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کی برکت سے اس کتاب کے پڑھنے سے ڈوبنے، جلنے اور طاعون کی بیماریوں سے نجات رہتی ہے۔

غالباً اسی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو وہاں جادو اثر نہ کرے گا۔

### وصال:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے 9 جمادی الثانی 544 ھ بمطابق 1145ء شب جمعہ کو وصال فرمایا آپ رحمۃ اللہ علیہ مراکش میں مدفون ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک تقریباً 69 برس تھی۔

## تذکرہ مترجم

ولادت:

23 دسمبر 1923ء بمطابق 10 ربیع الثانی 1342ھ

جائے ولادت:

محلہ شہری سرائے، مراد آباد، انڈیا۔

اسم گرامی:

غلام معین الدین

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا نام:

صابر اللہ شاہ چشتی صابری اشرفی نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

خاندان:

گھرانہ سادات

بیعت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ مولانا حکیم سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔

تعلیم و تربیت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد کے زیر سایہ شروع ہوئی پھر 1932ء میں مراد آباد انڈیا کی مشہور دینی درسگاہ ”جامعہ نعیمیہ“ میں تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی اور صدر الفاضل نعیم الدین مراد آبادی رحمہما اللہ کے زیر سایہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل فرمائی۔ جب کہ اسی دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فن طب بھی پڑھا اور 1943ء کو وہاجیہ کالج لکھنؤ سے ”الحکیم الفاضل“ کی سند حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی علوم دینیہ کی تمام درستی کتب بھی اساتذہ سے پڑھ لیں۔

پھر ساتھ ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ شدید بیمار ہو گئے اور بیماری کا یہ سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ سات مرتبہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے موتی جھاوہ نکلی بعد میں فالج گرا جس کا حملہ شدید تھا۔ مرض کی شدت اور



دیرینہ علالت کے بعد کیفیت یہ تھی کہ کھال کے لفافے میں ہڈیوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا مگر زندگی باقی تھی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ شفا یاب ہوئے۔ اس طرح دو سال کے وقفے کے بعد 1945ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی ہوئی۔

**صدرالافاضل کی آپ رحمۃ اللہ علیہ پر عنایات:**

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد مکرم آپ رحمۃ اللہ علیہ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دینی خدمات میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ 1940ء میں جب صدرالافاضل نے اپنی تفسیر ”خزائن العرفان“ کو دوبارہ پرنٹ کرانے کا ارادہ فرمایا تو ترجمہ و تفسیر کے مسودات کی تصحیح کے کام میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا شریک بنایا۔

پھر 1941ء میں جب ”صدرالافاضل“ کو دوسری دفعہ جس بول کا مرض لاحق ہوا تو دو تین دن سعی کرنے کے بعد جب تمام اطباء مایوس ہو گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شدت مرض کے دوران مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے بڑے صاحبزادے حکیم سید ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ قرآن پاک کی طباعت کا کام مکمل نہیں ہوا۔ تصحیح کا کام شاہ جی (آپ رحمۃ اللہ علیہ مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کو پیارے اس نام سے مخاطب فرماتے) سے کرانا اور شاہ جی کے ساتھ گجرات سے مفتی احمد یار خان (رحمۃ اللہ علیہ) کو بلا لینا۔ یہ دونوں طباعت کی تصحیح کریں۔

دوران تعلیم آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر نشر و اشاعت کا کام کیا۔

مزید عنایت و شفقت ملاحظہ فرمائیے کہ جب صدرالافاضل کا وصال ہونے لگا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد و شیخ کے سر کو دبار ہے تھے اور ان کا سر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں تھا کہ اسی اثناء میں صدرالافاضل نے فرمایا شاہ جی میرے کمرے میں سے سب کو باہر جانے کے لئے کہہ دیجئے سوائے آپ کے میرے نزدیک کوئی نہ بیٹھے۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹوں کو بھی باہر جانے کے لئے کہہ دیا پھر کچھ لمحوں کے بعد آپ کا وصال ہوا تو غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت موصوف کی وصیت کے مطابق ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے بعد ان کے بیٹوں اور عزیز واقارب کو اندر بلا لیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ پر صدرالافاضل کی شفقتیں بعد از وصال بھی جاری رہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ جب ”الشفاء“ کا ترجمہ فرما رہے تھے تو صدرالافاضل مسکراتے ہوئے آپ کے خواب میں تشریف لائے۔ یقیناً یہ آپ کے کام سے خوش ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

## تحریک پاکستان میں کردار:

1945ء میں ”تحریک پاکستان“ زوروں پر تھی چونکہ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک کے بانی اور ”آل انڈیا سنی کانفرنس“ کے روح رواں تھے جب انہوں نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں اپنی کوششوں کو تیز کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو آل انڈیا سنی کانفرنس کے مرکزی دفتر کا منصرم مقرر فرمایا تو تمام تر مراسلات، مواصلات، تحصیل و ترسیل وغیرہ کا نظام آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے سپرد تھا۔ پھر جب مولانا صدر الافاضل قیام پاکستان کے لئے دورے پر تشریف لے گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے۔

بنارس کانفرنس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات:

1946ء کی آل انڈیا سنی کانفرنس کو ”تحریک پاکستان“ میں وہی اہمیت حاصل ہے جو قرارداد لاہور 1940ء کو حاصل ہے۔ 1946ء میں متحدہ ہندوستان میں جو جنرل الیکشن ہو رہے تھے اس میں مسلم لیگ کی مخالفت پر کانگریس کی حلیف جماعتیں جمعیت علمائے اسلام (ہند) جمعیت اصرار، جمعیت خاکسار، خدائی خدمت گار اور نیشنلسٹ علماء جن کو خاص گاندھی کی آئینہ بادی حاصل تھی مسلم لیگ کے مقابلہ پر آگئیں۔ اگر خدا نخواستہ اس الیکشن میں مسلم لیگ کو بھاری اکثریت حاصل نہ ہوتی تو پاکستان کے قیام میں مزید پانچ سال تاخیر ہو جاتی۔

بنارس کانفرنس میں برصغیر پاک و ہند کے پانچ سو مشائخ سات ہزار علمائے حق اہل سنت و جماعت اور دولاکھ سے زائد عام حاضرین نے حصہ لیا۔ اس کانفرنس میں برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے سے اسلامیان پاکستان کے نمائندے شامل ہوئے۔ جنہوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب، حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی، حضرت سید محمد محدث جیلانی کچھوچھوی اور پیر صاحب مانگی شریف رحمہم اللہ کی شرکت سے یہ کانفرنس بے حد مقبول ہوئی۔

افسوس کہ پاکستان کے قیام کے بعد مسلمانوں کی تحریک پاکستان کے حق میں اس قسم کی گراں قدر قربانیوں کو صفحہ تاریخ پر جگہ نہ دی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس ان تحریکوں کو ہماری نصابی کتب میں شامل کیا جا رہا ہے جنہوں نے دل کھول کر پاکستان کی مخالفت کی۔

اس کانفرنس کی کامیابی میں حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مثالی کردار روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کانفرنس کے نائب

ناظم تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریک میں علماء و مشائخ کے دوش بدوش کام کیا۔ جس نے مسلمانوں کو تحریک آزادی کی صف میں لاکھڑا کیا۔ بلاشبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے ایک عظیم رہنما تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اسلامیان برصغیر کی مذہبی، سیاسی، ثقافتی، ادبی اور تعلیمی مشکلات کا حل تھے اور مسلمانوں کو جادہ حق پر گامزن کرنے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نمایاں کردار ادا فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کانفرنس کی مکمل روداد بعنوان ”خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ“ مرتب کر کے شائع کروائی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بیشتر کارہائے نمایاں میں سے یہ کارنامہ بھی ہمیشہ روز روشن کی طرح عیاں رہے گا۔

مرشد و استاد کی آپ رحمۃ اللہ علیہ سے محبت:

حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور مرشد بھی تھے اسی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کا اندازہ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ صدرالافاضل کا وصال آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت خدمت شیخ پر معمور تھے۔ یعنی اپنے مرشد کے سر کو دبا کر فیض یاب ہو رہے تھے کہ حضرت صدرالافاضل کی روح پرواز کر گئی۔

پاکستان میں آمد:

تقسیم ملک کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ 1950ء میں پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں آنے کے بعد دوست احباب و اقارب اثاثہ، بیت و دیگر ضروریات زندگی کا فقدان ہونے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ دل برداشتہ نہیں ہوئے بلکہ اپنے مشائخ کے مشن کو جاری رکھنے اور اسے کامیاب بنانے کے لئے کوشاں رہے۔

مرکزی جمعیت علماء پاکستان کے لئے خدمات:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاکستان آنے کے بعد غازی کشمیر حضرت مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو جمعیت کا نائب ناظم اعلیٰ مقرر کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے 1956-57 تک جمعیت کا ترجمان رسالہ ”ہفت روزہ جمعیت“ نکالا اور اس کے لئے بڑی محنت اور جدوجہد فرمائی پھر بعض وجوہات کی بنا پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت سے استعفیٰ دے دیا۔

رسالہ سوادِ عظیم کا اجراء:

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ و استاد حضرت صدرالافاضل کی یاد میں ہفتہ وار ”سوادِ عظیم“ لال کھوہ اندرون موچی دروازہ لاہور سے نکالا اور بڑی استقامت کے ساتھ جب تک زندہ رہے اس

کو شائع کرتے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی مولانا غلام قطب الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر اہتمام جاری رہا اور پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بند ہوا۔ اس رسالے کی خصوصیات یہ تھیں کہ مسلک اہل سنت و جماعت کے تحفظ کے لئے حتی الامکان کوشش فرماتے اور اسی کے ذریعے مخالفین کی فتنہ سازیوں کا سختی سے نوٹس لیتے۔

### تصانیف:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً 45 کے قریب تصانیف و تالیفات اور عربی کتب کا ترجمہ انتہائی مشکل اور کٹھن حالات میں فرمایا اور اکثر کتابیں ایسی تھیں کہ اپنے علم و موضوع کے اعتبار سے وہ انتہائی اہم تھیں۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ اس خوش اسلوبی سے فرماتے کہ بجائے ترجمہ کے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے اصل کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ فن ترجمہ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک زبان کو دوسری زبان کا جامہ پہنانا کس قدر مشکل امر ہے مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ اس فن کے استاد تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے جو فہرست میسر ہو سکی وہ ذیل میں درج کی جا رہی ہے:

1. مدارج النبوت 2 جلد شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
2. الخصائص الکبریٰ 2 جلد امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
3. الشفاء 2 جلد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ
4. ما ثبت من السنۃ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
5. کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
6. بشری الکتب بقاء الحبيب امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
7. اردو ترجمہ بنام دیدار حبیب
8. الذور المنقرہ فی احادیث المشترکہ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
9. الصواعق الہیہ الرد علی الوبیہ علامہ الشیخ محمد سلمان رحمۃ اللہ علیہ
10. نعیم العرفان (اردو ترجمہ نام تکمیل الایمان) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
11. نعیم رسالت مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
12. فتاویٰ صد القاضل مرتبہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
13. نعیم البیان پہلا پارہ (تفسیر قرآن پاک) مرتبہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
14. احقاق حق مرتبہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

15. حیاتِ صدر الفاضل مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
16. فتوح الغیب (ترجمہ بنام شروع الغیب) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
17. مسالک الخفاء (ترجمہ بنام والدین مصطفیٰ ﷺ) امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
18. مناقب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
19. قرۃ العیون (ترجمہ بنام سرور خاطر) فقیہہ ابولیت سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ
20. مواعظ حسنہ حضرت علامہ امام صفوری رحمۃ اللہ علیہ
21. المیلاد نبوی ﷺ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ
22. شواہد النبوة حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ
23. اصول السماع (ترجمہ بنام مسئلۃ السماع) حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
24. العقائد (ترجمہ فقہ اکبر)
25. ترجمہ وصایا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ
26. ترجمہ قصیدہ بدء الامالی

وصال:

انتقال سے چار ماہ قبل آپ رحمۃ اللہ علیہ پر سحر کا حملہ ہوا بس اس وقت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ دن بدن علیل سے علیل تر ہوتے گئے۔ اور ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ کے مصداق کوئی دوا موثر ثابت نہ ہوئی۔ بڑے بڑے نامور معالج آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علاج کے لئے آئے ہر کسی نے یہی کہا کہ مرض کا کچھ پتہ نہیں چلتا بالآخر 13 اگست کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو میوہ ہسپتال میں داخل کروادیا گیا جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے دن 14 اگست 1971ء کو اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ آخری وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر یہ شعر تھا۔

چل دیئے باغ سے چمن پیرا  
گل و گلزار کا خدا حافظ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ مفتی اعجاز ولی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا غلام محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں میانی صاحب کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔



## مقدمہ کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط  
اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَسَلَّمَ

فقہیہ قاضی امام حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الجبھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُنْفَرِدِ بِاسْمِهِ الْاَسْمٰی ۝ الْمُوَحَّصِ بِالْمُلْكِ الْاَعَزِّ الْاَحْمٰی ۝ الَّذِیْ  
لَیْسَ دُوْنَهُ مُنْتَهٰی وَلَا وِرَآءَهُ مَرْمٰی ۝ الظَّاهِرُ یَقِیْنًا لَا تَخِیْلًا وَلَا وَهْمًا ۝ الْبَاطِنُ تَقَدُّمًا  
لَا عَدْمًا ۝ وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا ۝ وَاَسْبَغَ عَلٰی اَوْلِیَآئِهِ نِعْمًا عَمَّا ۝ وَبَعَثَ  
فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ عَرَبًا وَعَجَمًا ۝ وَاَزْكَاهُمْ مَّحْتَدًا وَمَنْهٰی ۝ وَاَرْجَحَهُمْ عَقْلًا  
وَحِلْمًا ۝ وَاَوْفَرَاهُمْ عِلْمًا وَفَهْمًا وَاَقْوَاهُمْ یَقِیْنًا وَعَزْمًا ۝ وَاَشَدَّهُمْ بِهْمُ رَافَةً وَرَحْمًا  
زَكَا دُرُوْحًا وَجِسْمًا ۝ وَحَاشَاہُ عِیًّا وَوَضْمًا ۝ وَاَتَاهُ حِكْمَةٌ وَحُكْمًا ۝ وَفَتَحَ بِہِ اَعْیُنًا  
عُمَیًّا وَقُلُوْبًا غُلْفًا وَاِذَا نَا صُمًّا ۝ فَاَمَّنَ بِہِ وَعَزَّرَهُ وَنَصَرَهُ مَنْ جَعَلَ اللّٰهُ لَہٗ فِیْ مُغْنِمِ  
السَّعَاةِ قِسْمًا ۝ وَكَذَّبَ بِہِ وَصَدَفَ عَنْ اٰیَاتِہِ مَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْہِ الشَّفَاةَ حَتْمًا ۝ وَمَنْ  
كَانَ فِیْ ہٰذِہِ اَعْمٰی فَہُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی ۝ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً تَنْمُوُ وَ  
تَنْمٰی ۝ وَعَلٰی اٰلِہٖ تَسْلِیْمًا۔

(ترجمہ) اللہ ﷻ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں جو اپنے بلند نام میں یکتا جو بلند نام کے ساتھ مخصوص ہے وہی ہے جس کے سوا اور کوئی منتہی نہیں اور اس کے سوا کوئی مطلوب نہیں وہ حقیقتاً ظاہر ہے وہی و خیالی نہیں۔ وہ باطن ہے تقدس کے اعتبار سے معدوم ہونے کے اعتبار سے نہیں۔ رحمت و علم سے تمام کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اپنے محبوبوں کو غایت کرم سے اپنی وافر نعمتوں سے نوازا۔ اس نے انہیں میں سے ان کی جانب ایسا بہترین رسول بھیجا جو عرب و عجم میں بے مثل اور اصل و نسل حسب و نسب اور اصالت میں ان میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ عقل و فراست و دانائی اور بردباری میں ان سے فزوں تر، علم و بصیرت میں ان سے زیادہ یقین محکم اور عزم راسخ میں ان سے

قوی تر رحم و کرم میں ان پر سب سے زیادہ رحیم و شفیق۔ (اللہ ﷻ نے ہر قسم کی بشری آلودگیوں سے) ان کے روح و جسم کو مُصَفّی اور عیب و نقص سے ان کو منزہ رکھا۔ ایسی حکمت و دانائی سے ان کو نوازا کہ جس نے اندھی آنکھوں، غافل دلوں اور بہرے کانوں کو کھول دیا۔

وہی شخص آپ پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی عزت و نصرت کرتا ہے جس کے نصیب میں اللہ ﷻ نے نیک بختی رکھی ہے اور وہی آپ کی تکذیب اور آپ کے معجزات سے روگردانی کرتا ہے کہ جس پر اللہ ﷻ نے بد بختی لازم کر دی ہے کیونکہ جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔ اللہ ﷻ کا ان پر صلوة و سلام ہو اور ایسی رحمتیں ہوں جو ہمیشہ بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہیں اور ان کے آل و اصحاب پر بھی پورا سلام ہو۔

اما بعد! اللہ ﷻ نور یقین کے ساتھ میرے اور تمہارے دل کو منور کرے اور میرے اور تمہارے اوپر ایسی مہربانی کرے جیسی اپنے ان برگزیدہ محبوبوں پر فرماتا ہے جن کو اس نے اپنی مقدس مہمانی سے مشرف فرمایا اور اپنی محبت میں ایسا وارفتہ کیا کہ وہ مخلوق سے بیزار ہو گئے اور اپنی معرفت، ملکوت کے عجائب اور اپنی قدرت کے آثار کے مشاہدہ کے لئے ان کو مخصوص کر دیا۔ ان کے قلوب صافیہ کو مسرور کیا، ان کی عقلوں کو اپنی عظمت شان سے حیرت زدہ کر دیا۔ پس ان محبوبوں نے صرف ایک غم ہی لازم کیا ہے، وہ تیری ذات ہے۔ اور دین و دنیا میں تیرے جلوؤں کے نظارے کے سوا کسی سے سروکار نہیں رکھا۔ صرف اسی کے جمال و جلال کے مشاہدہ میں مگن ہیں۔ اسی کے آثار قدرت، عجائب عظمت میں سرگرداں ہیں۔ اسی (ذات) سے لؤ اور اسی پر توکل کرنے میں معزز ہیں۔ اس کے اس سچے ارشاد کے شیدا ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ لَا تُمۡ ذَرُّهُمۡ فِیۡ خَوۡصِیۡهِمۡ یَلۡعَبُوۡنَ۔ اللہ کہو پھر انھیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں انھیں  
(پے۔ الانعام ۹۱) کھیلتا (ترجمہ کنز الایمان)

پس تم نے مجھ سے بار بار یہ سوال کیا ہے کہ میں ایک ایسا مجموعہ مرتب کر دوں جو حضور سید عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے حقوق اور آپ کی عزت و تکریم کے وجوب پر مشتمل ہو اور ان لوگوں کے حکم میں جو (بسبب غفلت کے) اس واجب التعظیم مرتبت کی معرفت سے غافل یا آپ کے منصب جلیل کے حقوق کی ادائیگی میں تراشہ ناخن کے برابر قاصر ہیں۔

اور یہ کہ اس مجموعہ میں اپنے بزرگوں اور اماموں کے اقوال جمع کر کے ان کو صورتوں اور مثالوں میں بیان کروں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو (اللہ ﷻ تمہیں محبوب بنائے) کہ جو کام میرے سپرد کیا ہے سخت

مشکل کام ہے اور دشوار تر ہے، وہ ایسی خطرناک مرتفع گھاٹی (بلند) ہے کہ میرا دل اس سے (انجام برآری میں) خوف زدہ ہے کیونکہ مقتضائے کلام مُستدعی ہے کہ اصولی گفتگو ہو اور اندازِ بیان جامع مانع ہو جس میں حضور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ سے متعلق علم الحقائق کے رموز و کنایات اور اس کے غوامض و دقائق واضح طریقہ پر بیان کئے گئے ہوں، خواہ وہ آپ کی طرف منسوب کرنا جائز ہو یا اس کی نسبت شرعاً ممنوع ہو۔ (واضح کرنا ضروری ہے) اور یہ کہ نبی رسول رسالت نبوت محبت خلت (دوستی) اور اس مرتبہ عالیہ کی خصوصیات کیا ہیں ان کی معرفت بھی کرا دی جائے۔ یہ وہ دشوار گزار وادی ہے کہ قطاد جیسا پرندہ جو نہایت تیز بین اور سبک رفتار ہے، وہ بھی پرواز سے متحیر ہے، قدم ڈگمگاتے ہیں۔ وہ عقلیں پراگندہ و گمراہ ہوتی ہیں جو نشان علم اور درست فکر و نظر سے راہ یاب نہ ہوں۔ یہاں وہ مزاج الاقام ہیں کہ اگر توفیق و تائید الہی پر اعتماد و بھروسہ نہ ہو تو قدم پھسل جائیں۔

لیکن میں اپنے اور تمہارے لئے اللہ ﷻ سے بخشش و ثواب کا امیدوار ہوں کیونکہ یہ مقام مدح حضور ﷺ اور ان کے رتبہ عالی کے بیان اور خلقِ عظیم کی تعریف گاہ ہے۔ اس میں حضور ﷺ کی ان خصوصیات و حقوق کا بیان ہے جو اس سے پہلے کسی مخلوق میں جمع نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کے حقوق کی معرفت اللہ ﷻ کی ایسی اطاعت ہے جو تمام حقوق سے بلند تر ہے تاکہ اہل کتاب بھی یقین کریں اور اس کو لوگوں میں واضح طور پر بیان کر کے کتمان حق نہ کریں (جیسا کہ ان سے یوم الیقین عہد لیا گیا تھا)۔

اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص سے کوئی علمی بات پوچھی گئی اور اس نے اس کو چھپایا تو اللہ ﷻ قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالے گا۔ (سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۲۳، سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۱۳۹، سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۹۸)

پس میں نے (بخوف و عید حدیث بالا کے) ایسے نکات کی جلدی کی جو مطلب و مقصد کے لئے ضروری ہیں اور اس لئے بھی تعجیل کی کہ مرد اپنے ان گھریلو معاملات سے جو اس پر لازم کئے گئے ہیں کبھی بھی اپنے دل و دماغ کو فارغ نہیں پاتا۔ ہمیشہ ان کی انجام دہی میں سرگرداں رہتا ہے۔ اسی میں وہ اپنے فرض و نفل سے اکثر غافل رہتا ہے جس کے نتیجہ میں احسن تقویم سے بے پرواہ ہو کر ادنیٰ درجہ میں گر پڑتا ہے۔

اگر اللہ ﷻ انسان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اللہ ﷻ اس کے تمام شغل اور غم پورے ختم کر دیتا ہے اور کل قیامت کے دن ایسوں کی تعریف کی جائے گی اور ان کو کوئی برائی نہ پہنچے گی جبکہ وہاں سوائے جنت کی تروتازگی یا عذاب دوزخ کے کچھ نہ ہوگا۔ انسان کو لازم ہے کہ اپنے نفس کا بچاؤ



کرنے اس کو برائی سے محفوظ رکھے اور عمل صالح کر کے اس کا درجہ بڑھائے۔ وہی علم کارآمد ہے جس کے ذریعہ خود بھی منتفع ہو اور دوسروں کو بھی نفع پہنچے۔

اللہ ﷻ ہمارے دلوں کی شکستگی دور کرنے، کبیرہ گناہوں کو بخشے، ہماری تمام کدو کاوش کو آخرت میں ہمارا عمدہ توشہ بنائے، ہمارے مشاغل کو ہماری نجات کا ذریعہ بنائے، قرب خاص سے ہم کو نوازے اور اپنے رحم و کرم کے پردے میں ہمیں ڈھانپ لے۔ (امین)

جب میں نے اس مجموعہ کو مرتب کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے بابوں کی ترتیب دی، اصولوں کو مقرر کیا اور تفصیلات معین کیں اور اس کے حصر و تحصیل کی طرف مشغول ہوا تو میں نے اس مجموعہ کا نام ”الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ“ رکھا۔ اس کو میں نے چار قسموں پر منحصر کیا ہے۔

قسم اول: ان ارشادات الہیہ کے بیان میں جن میں خود اللہ ﷻ نے اپنے قول و فعل میں اپنے نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کی ہے۔ اس میں چار باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی تعریف کی ہے اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت جو اس کی بارگاہ میں ہے اس کا اظہار کیا ہے۔ اس میں دس فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں بیان ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی پیدائش اور اخلاق کے بارے میں مناقب بیان کئے ہیں اور آپ ﷺ میں تمام دینی و دنیاوی فضائل جمع کر دیئے ہیں۔ اس میں چھبیس فصلیں ہیں۔

باب سوم: اس میں وہ صحیح اور مشہور حدیثیں ہیں جن میں آپ ﷺ کی قدر و منزلت جو بارگاہ الہی میں پائی جاتی ہے کا ذکر ہے اور آپ ﷺ کو دارین کے فضائل میں جو خصوصیات مرحمت فرمائیں ان کا بیان ہے۔ اس میں پندرہ فصلیں ہیں۔

باب چہارم: اس میں کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے ہاتھ سے جو معجزات اور نشانیاں ظاہر فرمائیں اور وہ کہ جو آپ ﷺ کو خاص طور پر بزرگیاں عنایت فرمائیں ان کا بیان ہے۔ اس میں اسیس فصلیں ہیں۔

قسم دوم: اس میں حضور ﷺ کے ان حقوق کا بیان ہے جن کی بجا آوری ہر ایک پر واجب کی گئی ہے۔ اس میں چار باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ

کی سنت کا اتباع لازم ہے۔ اس میں چار فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کی محبت لازم ہے اور آپ ﷺ سے عقیدت ضروری ہے۔ اس میں پانچ فصلیں ہیں۔

باب سوم: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کے حکم کی عظمت کی جائے اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور خیر خواہی لازم ہے۔ اس میں چھ فصلیں ہیں۔

باب چہارم: اس میں آپ ﷺ پر صلوة و سلام اور درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے، کے بارے میں بیان ہے۔ اس میں نو فصلیں ہیں۔

قسم سوم: اس میں ان امور کا بیان ہے کہ جو حضور ﷺ کے حق میں محال ہیں اور وہ امور جو حضور ﷺ کے لئے جائز ہیں اور وہ امور جو حضور ﷺ پر ممنوع ہیں اور وہ امور بشریہ جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا صحیح ہے۔

اور یہ ”قسم سوم“ اللہ ﷻ تمہیں عزت دے اس کتاب کا راز اور ان تمام ابواب کے پھلوں کا مغز ہے اور اس سے پہلے کی دونوں قسمیں دراصل ان (امور) کے لئے تمہید و دلائل کے مرتبہ میں ہیں جو ہم اس قسم میں واضح و روشن نکات بیان کریں گے اور یہی قسم مابعد کے لئے بھی حاکم ہوگی اور اس کتاب کی تالیف و تصنیف کا اصل سبب و وعدہ بھی یہی قسم ہے۔ جب ہم اس وعدہ کو پورا کریں گے تو ملعون دشمنوں کے سینے تنگ ہوں گے اور مومن مخلص کا دل یقین و عرفان سے روشن ہوگا اور فضائے صدر اس سے گنجینہ انوار بنے گا اور ہوشمند دانا حضور سید عالم ﷺ کی قدر و منزلت کما حقہ بجالائے گا۔ اس میں دو باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے جو امور دینیہ میں مخصوص ہیں۔ اور جس میں عصمت رسول ﷺ کو خوب ثابت کیا جائے گا۔ اس کی سولہ فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں حضور ﷺ کے دنیوی حالات کا بیان ہے یعنی بشریت کی کیفیت کی بناء پر جو امور آپ ﷺ پر واقع ہوتے رہے۔ اس میں آٹھ فصلیں ہیں۔

قسم چہارم: اس میں ان احکام کی وجوہات کا بیان ہے جو (معاذ اللہ) سب و تنقیص کر کے شان ارفع و اعلیٰ کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں تین باب ہیں۔

باب اول: اس میں وہ امور ہیں جن کی نسبت (اگر معاذ اللہ حضور ﷺ کی طرف کر دی جائے تو وہ) سب و نقص ہیں، خواہ وہ اشارتا ہوں یا صراحتاً (نعوذ باللہ)۔ اس میں نو فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں آپ ﷺ کے شاتم (گالی دینے والا) موذی اور تنقیص کرنے والے کی سزا کا حکم ہے اور اس کی توبہ قبول کرنے، نماز جنازہ پڑھنے اور اس کی وراثت کے بارے میں بیان ہے۔ اس میں تفصیلات ہیں۔

باب سوم:

ہم نے اس کتاب کو باب سوم پر ختم کیا ہے۔ جس کو ہم نے اس مسئلہ کا ضمیمہ اور تکملہ قرار دیا ہے۔ جو اس کے پہلے دو بابوں میں ذکر ہے۔ یعنی اس شخص کے بارے میں حکم لگایا ہے جو کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور حضور سید عالم ﷺ کی آل و اصحاب کو (معاذ اللہ) برا بھلا کہتا ہے۔ ان امور کو اختصار کے ساتھ تفصیلات میں بیان کیا ہے۔ اس پر کتاب کے ابواب و اقسام کا خاتمہ ہے جو اہل ایمان کی پیشانی کو ایمان سے پرانوار کر کے تراجم کے تاج پر چمکتا ڈر شہسوار بنے گا اور ہر قسم کے شکوک و اوہام، تخمین و تخیل کو دور کر کے مومنین کے سینہ کو شفاء اور حق کو ظاہر کرے گا۔ بے وقوف ہٹ دھرم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں اللہ ﷻ ہی سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابوالفضل محمد عیاض مالکی غفرلہ

## قسم اول

آیات قرآنیہ ارشادات الہیہ سے حضور ﷺ کی قدر و منزلت اور عظمت و شان کا ثبوت فقیر قاضی امام ابو الفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ اس کو توفیق عطا فرمائے اور سیدھے راستہ پر گامزن رکھے۔ اس شخص پر کچھ پوشیدہ نہیں جس کو اللہ ﷻ نے تھوڑا سا بھی علم دیا ہے یا تھوڑی سی سمجھ بوجھ دی ہے کہ اللہ ﷻ نے ہمارے نبی مکرم ﷺ کو بڑی قدر و منزلت فرمائی ہے اور آپ ﷺ کو ایسے فضائل و محاسن اور مناقب کے ساتھ مخصوص کیا ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں اور آپ کے مرتبہ جلیلہ کو اتنا بڑھایا ہے کہ لوگوں کی زبان و قلم تھکتے ہیں۔

ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کی تصریح اللہ ﷻ نے اپنی کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں فرمادی اور آپ کے مراتب عالیہ پر لوگوں کو خبردار کیا اور انہیں آپ کے اخلاق و آداب کی تعلیم دی اور بندوں کو ان پر اعتصام و التزام کے وجوب کی تلقین کی ہے۔ بلاشبہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر بے حد و غایت فضل و کرم فرمایا اور آپ ﷺ کو طیب و طاہر کیا اور آپ ﷺ کی مدح و ثناء کی پھر اس پر پوری پوری آپ کو جزادی۔ شروع و انجام میں اسی کی برتری ہے اور اللہ ﷻ کی اول و آخر میں تعریف و تحمید ہے۔

ان میں سے بعض وہ ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنی مخلوق میں علی و جبرئیل اللہ کے ساتھ ظاہر فرمایا اور محاسن جمیلہ، اخلاق حمیدہ، مناصب کریمہ، فضائل حمیدہ سے ممتاز فرمایا اور براہین واضحہ، معجزات باہرہ اور ان کرامات بیّنہ سے تائید کی جن کو معاصرین نے مشاہدہ کیا جس نے آپ ﷺ کی زیارت کی اس نے دیکھا اور بعد والوں کے لئے ان کا علم علم الیقین ہے۔ یہاں تک کہ حقیقت واقعہ کا علم ہم کو حاصل ہوا۔ ہم پر آپ کے انوار کی بارش ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت عالی میں شب اسری (شب معراج) براق پیش کیا گیا کہ جو لگام اور زین سے مزین تھا۔ براق نے حضور ﷺ کو سوار کرنے میں پس و پیش کیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو (احمد مجتبیٰ) محمد (مصلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور شوخی کرتا ہے (خبردار) تجھ پر حضور ﷺ سے بڑھ کر مکرم ذات کوئی سوار نہیں ہوئی۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر براق شرم وندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور گردن جھکا دی۔  
(سنن ترمذی جلد ۴ صفحہ ۳۶۳، مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۳۰، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۸۲، مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۱۳۸، جلد ۴ صفحہ ۲۰۸-۲۰۷)

## پہلا باب

### حضور ﷺ کی ثناء بزبان باری تعالیٰ

جان لو! کہ کتاب مجید میں بے شمار ایسی آیتیں ہیں جو حضور سید عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذکر جمیل کو بیان کرتی ہیں اور آپ کی خوبیوں کا شمار کرتی ہیں۔ آپ کے حکم کی تعظیم بیان کرتی ہیں، آپ کی عزت کو بلند کرتی ہیں۔ ہم نے یہاں صرف انہیں آیات کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جن کے معانی ظاہر و باہر ہیں اور ان کی مراد و مفہوم واضح ہے۔ ہم نے ان کو دس فصلوں میں بیان کیا ہے۔

## پہلی فصل

### حضور ﷺ کی شان میں نازل شدہ آیات قرآنی کا بیان

اس فصل میں ان آیتوں کا ذکر ہے جو حضور ﷺ کی مدح و ثناء اور خوبیوں میں وارد ہیں۔ جیسے کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ. بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ  
(پہلا التوبہ ۱۲۸) رسول (ترجمہ کنز الایمان)

(حضرت فقیہ ابواللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت بالا میں لفظ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ کو فتح (زبر) فا کے ساتھ بعض قراء نے پڑھا ہے (یعنی مِّنْ أَنْفُسِكُمْ تم میں سب سے زیادہ نفس ذات) لیکن جمہور قراء نے ضم (پیش) فا سے پڑھا ہے۔  
(مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

فقہیہ قاضی ابوالفضل فرماتے ہیں: اس کو اللہ ﷻ توفیق دے۔

جانو! کہ اللہ ﷻ نے مومنین کو یا تمام عرب کو یا اہل مکہ کو یا تمام لوگوں کو باختلاف مفسرین آیت بالا میں خطاب فرما کر آگاہ کیا ہے کہ بَعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ. (پہلا عمران ۱۶۳) ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ جس کو وہ اچھی طرح پہچانتے ہیں اور اس کے مرتبہ و مقام صدق

وامانت کو خوب جانتے ہیں اور (کسی حال میں بھی) کذب و عدم خیر خواہی سے متہم نہیں کر سکتے۔ عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس میں حضور ﷺ کی قرابت اور رشتہ داری نہ ہو۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اللہ ﷻ کے اس ارشادِ اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ”مگر قرابت کی محبت“ کے معنی ہی یہ ہیں (کہ سارے عرب حضور ﷺ کو خوب اچھی طرح جانتا پہچانتا ہے)

(صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۰۷، طبرانی جلد ۱۱ صفحہ ۴۳۵-۴۱۶)

اور فتح فاء کی قرأت کی بناء پر معنی یہ ہیں کہ آپ ان میں سب سے زیادہ اشرف ارفع اور افضل ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی انتہائی مدح و تعریف ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے حضور کو دیگر اوصاف حمیدہ اور محامد کثیرہ سے یاد فرمایا اور ان (لوگوں) کے اسلام لانے، ہدایت پانے میں حضور ﷺ کے حرص و خواہش میں مبالغہ کی تعریف کی اور جو دنیا میں ان کو تکالیف پہنچتی ہیں یا آخرت میں پہنچیں گی اس پر حضور ﷺ کا دل تنگ ہونا ظاہر فرمایا ہے اور مومنین صادقین کے لئے حضور ﷺ کی مہربانی، کرم نوازی اور عزت افزائی فرمانا، اللہ ﷻ نے اس کی ثناء کی ہے۔

بعض علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو اپنے ناموں سے دو نام رؤف رحیم خاص طور پر عنایت فرمائے ہیں۔

اسی طرح دوسری آیتوں میں حضور ﷺ کا ذکر ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ. (پہ۔ال عمران ۱۶۴) بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ وہی ہے جس نے ان پر ہوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ (پہ۔الجمعة ۲) (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے مَنَّ أَنْفُسِهِمْ کے بارے میں دریافت کیا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نَسَبًا وَصِهْرًا وَحَسَبًا لَيْسَ فِي أَبَائِي مِنْ لَدُنِّ آدَمَ سَفَاحٌ ”کُلُّهَا نِكَاحٌ“ یعنی تمہارے حسب و نسب اور سسرال میں مبعوث فرمانا مراد ہے میرے آباؤ اجداد میں آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک زنا نہیں ہوا بلکہ سب کے سب نکاح سے پیدا ہوئے۔ (ابن ابی عمر رضی اللہ عنہما فی مسندہ کمانی منال الصفاء للسيوطی صفحہ ۳۱)

ابن الکلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی پانچ سوا مہات (کے حسب و نسب) کے حالات لکھے ہیں لیکن ان میں نے نہ زنا پایا اور نہ زمانہ جاہلیت کی رسمیں دیکھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمان الہی تَقَلَّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (پہلا شعر، ۲۱۹) ”نمازیوں میں تمہارے دورے کو“ (ترجمہ کنز الایمان) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مِنْ نَبِيِّ اِلٰى نَبِيِّ حَتَّى اُخْرِجْتُكَ نَبِيًّا. نبی سے نبی تک یہاں تک کہ میں نے اے محبوب تم کو نبی پیدا کیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۵، مسند بزار جلد ۳ صفحہ ۱۱۰، دلائل النبوة لابن نعیم صفحہ ۵۸)

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ سُبْحٰنَہٗ وَاَعْلٰیہٗ نے اپنی مخلوق کو اس کی اطاعت میں عاجز ہونا جان لیا پھر ان کو اس کی معرفت کرائی تا کہ وہ جان لیں کہ وہ اس کی خدمت و عبادت صفائی قلب کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ بس اللہ سُبْحٰنَہٗ وَاَعْلٰیہٗ نے اپنے اور ان کے درمیان صورتاً مماثلت کر کے ان کی جنس میں سے ایک ایسی مخلوق (انبیاء کرام علیہم السلام) پیدا فرمائی کہ جن کا وصف ہی یہ ہے کہ وہ ان پر لطف و کرم کریں اور اس مخلوق (انبیاء کرام علیہم السلام) کو ان لوگوں کے لئے سفیر و واسطہ اور پیامبر بنایا اور ان کی فرمانبرداری کو اپنی اطاعت اور ان کی پیروی کو اپنی موافقت کہا۔ اللہ سُبْحٰنَہٗ وَاَعْلٰیہٗ فرماتا ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ. جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم

(پہلا النساء، ۸۰) مانا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ارشاد ہوا:

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ (پہلا الانبیاء، ۱۰۷)

ابو بکر محمد بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سُبْحٰنَہٗ وَاَعْلٰیہٗ نے ”رحمت“ کے ساتھ مزین کیا۔ آپ سر اپا رحمت ہیں اور آپ کے تمام خصائل و صفات مخلوق پر رحمت فرمانا ہے۔ جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت (عامہ) سے حصہ پایا وہی (درحقیقت) دین و دنیا میں ہر برائی سے نجات یافتہ اور دونوں جہان میں بامراد ہے۔ کیا تم اللہ سُبْحٰنَہٗ وَاَعْلٰیہٗ کے اس فرمان کو نہیں دیکھتے کہ وہ فرماتا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ (پہلا الانبیاء، ۱۰۷)

لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری بھی رحمت ہے اور حیات باطنی (وفات) بھی رحمت۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں: حَيَاتِيْ خَيْرٌ لِّكُمْ وَ مَوْتِيْ خَيْرٌ لِّكُمْ. (بزار جلد ۱ صفحہ ۳۹۷)

میری یہ زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور یہاں سے کوچ کر جانا (وصال) بھی

تمہارے لئے بہتر ہے۔

نیز حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

إِذَا أَرَادَ اللَّهُ رَحْمَةً بِأُمَّةٍ قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا  
فَجَعَلَهُ لَهَا فَرَطًا وَسَلْفًا.

جب اللہ ﷻ کسی اُمت پر رحمت فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اس اُمت کے نبی کی قبض روح کرتا ہے اس کے بعد ان پر حال و مستقبل میں

(صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۷۹۲) مہربانی فرماتا ہے۔

(حضرت فقیرہ ابواللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین میں عام جن و انس پر رحمت کرنا مراد ہے۔ ایک روایت میں اس سے تمام کائنات و مخلوقات پر رحمت فرماتا ہے۔

مومنین کے لئے رحمت ہدایت کرنا ہے اور منافقین کے لئے رحمت قتل سے محفوظ رکھنا ہے اور کافرین پر رحمت یہ ہے کہ ان پر عذاب میں تاخیر کی جائے۔ (کہ اب وہ دنیا میں عذاب عام سے محفوظ ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ مومنین و کافرین کے لئے رحمت ہیں کیونکہ پچھلی ان امتوں کی طرح جنہوں نے اپنے نبیوں کی تکذیب کی تھی دنیا میں عذاب عام سے بچائے گئے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱ صفحہ ۸۳، طبرانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۰، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۴۷۶)

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبریل الطبیؑ سے دریافت فرمایا: کیا میری رحمت سے تم کو بھی کچھ حصہ ملا ہے؟ عرض کرتے ہیں: ہاں۔ کُنْتُ أَحْسَى الْعَاقِبَةَ فَأَمِنْتُ لِشَاءِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَىٰ بِقَوْلِهِ ”ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُطَاعٍ ثُمَّ أَمِينٍ ط“ (پ۲۔ التکویر ۲۱-۲۰) ”میں اپنے انجام و آخرت سے ڈرتا تھا۔ اللہ ﷻ نے میری مدح میں یہ آ یہ کریمہ ”جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے“ (ترجمہ کنز الایمان) آپ ﷺ پر نازل فرمائی تو اب بے خوف ہوں۔“

حضرت جعفر بن محمد صادق رحمہ اللہ سے اللہ ﷻ کے فرمان ”فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ“ (پ۲۔ الواقعة ۹۱) ”اے محبوب تم پر سلام و اہنی طرف والوں سے“ (ترجمہ کنز الایمان) کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کے سبب سے اصحاب یمن کی سلامتی ہے بلا شک و تردد ان پر یہ سلامتی حضور سید عالم ﷺ کی رحمت و مہربانی کی وجہ سے ہے۔

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ. مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ

(پ۱۔ النور ۳۵)



”اللہ نور (اجالا) ہے آسمانوں اور زمین کا۔“ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موٹی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑزیتون سے۔

کعب احبار اور ابن جبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آیت بالا میں دوسرے لفظ ”نور“ سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ اللہ ﷻ کا فرمان کہ

مَثَلُ نُورِهِ أَيْ نُورِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَهْلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْمَعْنَى اللَّهُ هَادِي أَهْلِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ قَالَ مَثَلُ نُورِ مُحَمَّدٍ إِذَا كَانَ مُسْتَوْدَعًا فِي الْأَصْلَابِ كَمِشْكُورَةٍ صِفَتُهَا كَذَا وَأَرَادَ بِالْمِصْبَاحِ قَلْبَهُ وَالزُّجَاجَةَ صَدْرَهُ أَيْ كَأَنَّهُ كَوْكَبٌ ذُرِّيٌّ لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْحِكْمَةِ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ أَيْ مِنْ نُورِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَضُرِبَ الْمَثَلُ بِالشَّجَرَةِ الْمُبَارَكَةِ وَقَوْلُهُ ‘يَكَاذُ زَيْتُهَا يُضِيءُ أَيْ تَكَاذُ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَيَّنَ لِلنَّاسِ قَبْلَ كَلَامِهِ كَهَذَا الزَّيْتِ وَقَدْ قِيلَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ غَيْرُ هَذَا وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ.

اس کے نور کی مثال یعنی نور محمد ﷺ کی مثال اس کے بارے سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو آسمانوں اور زمین والوں کا ہادی بنایا ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ نور محمد ﷺ کی مثال جبکہ آپ ﷺ آباؤ اجداد کی پشتوں میں تھے ”طاقچہ“ (طاق) کی طرح جس کا حال یہ ہے اور ”مصباح“ یعنی چراغ سے مراد آپ ﷺ کا قلب مبارک ہے۔ ”زجاجہ“ یعنی شیشہ سے مراد آپ ﷺ کا سینہ نور ہے گویا کہ وہ ایک روشن ستارہ ہے کیونکہ اس میں ایمان و حکمت ہے۔ مبارک درخت سے مراد روشن کیا جانا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کے نور سے اور درخت مبارک کی مثال دی گئی۔ اللہ کا فرمان يَكَاذُ زَيْتُهَا سے مراد یہ ہے کہ عنقریب محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت ان کے کلام سے پہلے ظاہر ہوگی جیسا کہ یہ زیتون۔ اس آیت مبارکہ کے اس کے سوا اور بھی معنی بیان کئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اللہ ﷻ نے اس جگہ کے علاوہ دوسرے مقامات میں بھی حضور ﷺ کا ”نور“ اور ”روشن چراغ“ نام رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

قَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ  
 (پ۔ المائدہ ۱۵) آیا اور روشن کتاب۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا  
دَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا.

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور

(پ۲۔ الاحزاب ۴۶-۴۵)

چمکا دینے والا آفتاب۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اسی طرح اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا:

الْم نَشْرَحُ لَكَ صَدْرَكَ.

کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔

(پ۳۔ الم نشرح ۱)

(ترجمہ کنز الایمان)

آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو کھول دیا اور وسیع کر دیا۔ صدر سے یہاں مراد قلب مبارک

ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کے سینہ مبارک کو نور اسلام کے لئے کھول

دیا۔ (تفسیر درمنثور جلد ۸ صفحہ ۵۳۷)

سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نور رسالت کے ساتھ کھول دیا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو علم و حکمت سے بھر دیا۔

بعض مفسرین نے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ ”کیا ہم نے آپ ﷺ کے قلب مبارک کو

پاک نہیں کیا؟ یہاں تک کہ وہ اب وسوسوں کو قبول ہی نہیں کرتا۔“

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِي أَنْقَضَ

ظَهْرَكَ. (پ۳۔ الم نشرح ۲-۳) پیٹھ توڑی تھی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ایک (مجرد) روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ سے جو لغزشیں قبل اظہار نبوت ہوئی ہیں ان

سے آپ ﷺ کا دل پاک کر دیا ہے۔ بعض زمانہ جاہلیت کا بوجھ مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں اس

سے وہ بوجھ مراد ہے جو اظہار رسالت کے وقت آپ ﷺ کی کمزوری رسالت کے بوجھ سے دب گئی تھی

یہاں تک کہ آپ نے اس کو ادا فرمایا یعنی تبلیغ رسالت فرمادی۔ اسے ماوردی اور سلمیٰ رحمہما اللہ نے نقل

کیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کو معصوم بنایا۔ اگر معصوم نہ کرتے تو یقیناً لغزشوں کے بوجھ

سے کمر بھاری ہو جاتی۔ اس کو (فقہیہ ابوالیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ.

اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

(پتہ۔ الم نشرح ۴)

(ترجمہ کنز الایمان)

یحییٰ ابن آدم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت سے) مراد نبوت (کا اعلان) ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اے محبوب جب (بندہ) مجھے یاد کرے گا تو میرے ساتھ تمہیں بھی یاد کرے گا (جس طرح) کلمہ طیبہ میں کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اور بعض اذان و اقامت میں (حضور ﷺ کا ذکر) مراد لیتے ہیں۔

فقیر فقیر قاضی (عیاض) ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ ﷻ کا یہ فرمان حضور ﷺ کے لئے اس کی بارگاہ میں عزت و عظمت، شرافت و منزلت اور آپ ﷺ کی بزرگی پر بڑی حجت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے قلب مبارک کو ایمان و ہدایت کے لئے کھول دیا، علم و حکمت کی صیانت و حفاظت کے لئے وسیع کر دیا اور جاہلیت کے بوجھ کو آپ ﷺ سے دور کر دیا اور جاہلیت کی عادات و خصائل کو جس پر یہ لوگ تھے ان کا دشمن بنا دیا۔ آپ ﷺ کے دین کو ان کے دینوں پر تبلیغ رسالت و نبوت فرما کر غالب کر دیا اور آپ ﷺ کے اوپر سے رسالت و نبوت شدائد کو جو تبلیغ رسالت کی صورت میں پیش آتی تھیں محفوظ کیا اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا۔ آپ نے ان سب کو پہنچا دیا اور آپ کو اعلیٰ مرتبہ عنایت فرمایا۔ آپ ﷺ کے نام کے ذکر کو اتنا بلند کیا کہ اپنے نام کے ساتھ آپ ﷺ کا نام ملا دیا۔

حضرت قتادہ ؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے ذکر کو دنیا و آخرت میں اتنا بلند کیا کہ کوئی خطیب یا کلمہ شہادت کہنے والا یا نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ نہ کہے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۶۳)

حضرت ابوسعید خدری ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جبریل الطبیؑ نے آ کر کہا: **إِنَّ رَبِّي وَرَبَّكَ يَقُولُ تَدْرِي كَيْفَ رَفَعْتُ ذِكْرَكَ؟ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ إِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِي.** میرا اور تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محبوب جانتے ہو کس طرح تمہارے ذکر کو بلند کیا؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: جب میں یاد کیا جاتا ہوں تو میرے ساتھ آپ بھی یاد کئے جاتے ہیں۔

(ابن حبان جلد ۵ صفحہ ۶۲، مسند ابی یعلیٰ جلد ۲ صفحہ ۵۲۲، ۵۲۳)

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایمان کی تکمیل ہی میرے ساتھ آپ ﷺ کے ذکر سے ہوتی

ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ذکر ہی کو اپنا ذکر قرار دیا ہے۔ لہذا جس نے آپ ﷺ کا ذکر کیا اس نے میرا ہی ذکر کیا۔

حضرت جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا يَذْكُرُكَ أَحَدٌ بِالرِّسَالَةِ إِلَّا ذَكَرَنِي  
میری ربوبیت کا اقرار کیا۔

بعض نے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ سے مقام شفاعت بھی مراد لیا ہے۔

اللہ ﷻ کے ذکر کے ساتھ حضور ﷺ کے ذکر کے قبیل سے یہ بھی ہے کہ اللہ ﷻ کی اطاعت کے ساتھ حضور کی اطاعت اور اللہ ﷻ کے نام کے ساتھ حضور ﷺ کا نام ملا کر بیان کرنا ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ. (پ۔ ال عمران ۱۳۲) اور اللہ ورسول کے فرمانبردار رہو (ترجمہ کنز الایمان)  
ایک اور جگہ فرمایا:

وَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ. اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

(پ۔ النساء ۱۳۶) (ترجمہ کنز الایمان)

ان دونوں کو واو عطف کے ساتھ جو مشترک ہوتی ہے جمع کیا ہے۔ کلام میں حضور ﷺ کے سوا کسی کو اللہ ﷻ کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

بالاسناد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے راوی ہیں:

لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ وَشَاءَ فَلَانٌ  
کہے: ”اللہ ﷻ اور فلاں شخص چاہے“ بلکہ یوں

(سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۳۱ عمل الیوم والیلہ صفحہ ۵۴۴) کہو: ”اللہ چاہے پھر فلاں چاہے۔“

خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ادب سکھایا کہ اللہ ﷻ کے ارادہ کو دوسروں پر مقدم کیا کرو۔ (اگر کسی کو ملنا ہی چاہو تو پھر) دوسروں کو تم کے ساتھ ملا سکتے ہو کیونکہ تم ترتیب و تراخی کے لئے آتا ہے بخلاف واو عطف کے کہ وہ اشتراک کے لئے آتا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خطیب نے کہا:

مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشِدَ وَمَنْ يَعْصِيهِمَا فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ خَطِيبٌ الْقَوْمِ أَنْتَ قُمْ أَوْ قَالَ إِذْهَبْ.

(صحیح مسلم کتاب الجمعہ جلد ۲ صفحہ ۵۹۴)

جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ راہ یاب ہے اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی (اس پر) حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو قوم کا برا خطیب ہے، کھڑا ہو جایا فرمایا چلا جا۔

ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دونوں اسموں کو حرف کننا یہ (ضمیر، ما) کے ساتھ جمع کرنے کو ناپسند فرمایا چونکہ اس میں مساوات کا ابہام ہے اور دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یَغْصِبُهُمَا پر وقف ناپسند کیا لیکن ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اس نے وقوف نہیں کیا بلکہ یَغْصِبُهُمَا کے ساتھ فَقَدْ غَوَى کہا تھا۔

مفسرین اور اہل معانی کا اس آئیہ کریمہ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ. بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں (۲۲۔ الاحزاب ۵۶) اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ (ترجمہ کنز الایمان)

میں اختلاف ہے کہ آیا ”يُصَلُّونَ“ اللہ ﷻ اور فرشتوں دونوں کی طرف راجع ہے یا نہیں۔ بعض نے تو اس کو جائز رکھا ہے اور دوسروں نے شرکت کی وجہ سے منع کیا اور ضمیر جمع ”يُصَلُّونَ“ کو ملائکہ کے ساتھ خاص کر کے ”يُصَلِّي“ محذوف مان کر اِنَّ اللّٰهَ يُصَلِّي وَمَلَائِكَتُهُ يُصَلُّونَ تقدیر عبارت کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں حضور ﷺ کے مرتبہ کی ایک یہ بھی شان ہے کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ. جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا

(۵۔ النساء ۸۰) حکم مانا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ایک اور جگہ فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ. اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست

(۳۔ آل عمران ۳۱) رکھے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

چنانچہ ایک روایت کے مطابق جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار کہنے لگے کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو رب (خدا) بنا لیں۔ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا لیا

ہے۔ تو اللہ ﷻ نے ان کو رسوا کرنے کے لئے یہ آئیہ کریمہ  
 قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ۔  
 تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔

(پ۔۳۔ال عمران ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

نازل فرما کر اپنی فرمانبرداری کو رسول کی فرمانبرداری کے ساتھ ملا دیا۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ اس آئیہ کریمہ

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ ۝ ہم کو سیدھا رستہ چلا رستہ ان کا جن پر تو نے  
 الدِّينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (پ۔ فاتحہ ۶-۵) احسان کیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ ابو العالیہ اور حسن بصری رحمہما اللہ نے ”صراط مستقیم“ سے حضور ﷺ کی ذات کریمہ ”أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ سے خیار (پسندیدہ) اور کبار اہل بیت لیے ہیں۔ کبار صحابہ کرام ﷺ مراد لیے ہیں۔ (حکاء عنہما ابو الحسن الماوردی رحمہ اللہ) اور انہیں دونوں سے مکی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت نقل کرتے ہوئے کہا کہ حضور ﷺ اور دونوں صحابہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ابو العالیہ ﷺ سے ’صِرَاطَ الدِّينِ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ‘ کے بارے میں اسی کی مثل روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۵۸، تفسیر درمنثور جلد ۱ صفحہ ۴۰، مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۵۹)

جب اس کی اطلاع حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو فرمایا: خدا کی قسم ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل ٹھیک کہا اور خیر خواہی کی بات کی۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں عبدالرحمن بن زید ﷺ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ حضرت عبدالرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض علماء آئیہ کریمہ  
 فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى۔ اس نے بڑی محکم گرہ تھامی۔

(پ۔ البقرہ ۲۵۶) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ عروہ وثقی (مضبوط گرہ) سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ بعض نے ”اسلام“ بعض نے ”توحید“ کی شہادت بھی مراد لی ہے۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ آئیہ کریمہ  
 وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا۔ اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے۔

(پ۔ ۱۳۔ النحل ۱۸) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ”نِعْمَةُ اللَّهِ“ سے مراد حضور ﷺ ہیں اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

۱۔ اخرج ابن المنذر عن مجاهد وقادہ رضی اللہ عنہما کما فی مناقب الصفاء للسیوطی صفحہ ۳۳

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ  
أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ.

اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں  
نے ان کی تصدیق کی یہی ڈروالے ہیں۔

(پ۲۔ الزمر ۳۳) (ترجمہ کنز الایمان)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین رحمہم اللہ ”جَاءَ بِالصِّدْقِ“ سے حضور ﷺ کو مراد لیتے  
ہیں اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جس نے تصدیق کی وہ بھی وہی ہیں۔

صَدَقَ کو غیر مشدد یعنی تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور دوسروں نے کہا کہ اس سے حق کی  
تصدیق کرنے والے مومنین مراد ہیں اور ایک روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں  
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مراد ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال مروی ہیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ آ یہ کریمہ

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ.

سن لو اللہ کی یاد ہی دلوں کا چین ہے۔

(پ۱۔ الرعد ۲۸) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں ”ذکر اللہ“ سے مراد حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

(تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۶۴۲، تفسیر ابن جریر جلد ۱۳ صفحہ ۹۸)

## دوسری فصل

اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کو شاہد بنانا اور آپ ﷺ کی تعریف و ثناء بیان کرنا  
اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا  
مُبَشِّرًا ۝ وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ  
وَسِرَاجًا مُنِيرًا.

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک  
ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا  
اور ڈرسانا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا

(پ۲۔ الاحزاب ۴۵، ۴۶) اور چمکادینے والا آفتاب۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ نے اس آ یہ کریمہ میں قسم قسم کے مراتب جلیلہ اوصاف حمیدہ آپ ﷺ کی مدح میں  
بیان فرمائے۔ منجملہ یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو شاہد (حاضر و ناظر) اپنی امت پر اپنی طرف سے تبلیغ  
رسالت کی بناء پر بنایا۔ یہ حضور ﷺ کی ہی خصوصیت ہے اور مبشر (بشارت و خوشخبری دینے والا) فرمانبرداروں  
کے لئے اور نذیر (ڈرسانے والا) نافرمانوں کو اور داعی (بلانے والا) توحید الہی اور اس کی عبادت کی طرف

اور سراج منیر (چمک دینے والا آفتاب) کہ حق کی (حق کے لئے) آپ ﷺ سے ہدایت لے ان اوصاف حمیدہ سے یاد کیا۔

ابن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے بلا سناد مروی کہ انہوں نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ایک ملاقات میں دریافت کیا کہ مجھے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ کی خبر دیجئے۔

انہوں نے کہا: ضرور! خدا کی قسم تو رات میں حضور ﷺ کی بعض ایسی صفتیں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر قرآن میں بھی ہے کہ اے نبی بیشک ہم نے آپ ﷺ کو شاہد، مبشر، نذیر اور بے پڑھوں کا محافظ بھیجا۔ آپ ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں میں نے تمہارا نام متوکل (اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا۔ نہ آپ ﷺ بد خلق، سخت دل، بازاروں میں چلانے والے اور نہ برائی کے بدلے برائی کرنے والے ہیں بلکہ عفو و درگزر اور بخشنے والے ہیں۔ اللہ ﷻ آپ ﷺ کی اس وقت تک ہرگز قبض روح نہ فرمائے گا جب تک آپ ﷺ کی وجہ سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ذریعہ باطل دین و ملت کی درستگی نہ فرمادے۔ آپ کے سبب سے اللہ ﷻ اندھے بہرے اور غافل دلوں کو کھولے گا۔ (صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۱۳)

اسی طرح عبد اللہ بن سلام نے وکعب احبار نے سے بھی منقول ہے۔ بعض سندوں سے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی آیا ہے۔ اور نہ بازاروں میں چلائیں گے اور نہ بے حیائی کو اپنا لباس بنائیں گے اور نہ یا وہ گوئی کریں گے میں آپ ﷺ کو ہر خوبی سے آراستہ کر لوں گا اور ہر کمال و خوبی عطا کروں گا۔ تسکین کو آپ ﷺ کا لباس، نیکی کو آپ ﷺ کا شعار بناؤں گا۔ آپ ﷺ کے سینہ مبارک میں تقویٰ رکھوں گا اور حکمت آپ ﷺ کی عقل، صدق و وفا آپ ﷺ کی طبیعت، عفو و خیر خواہی آپ ﷺ کا خلق، عدل آپ ﷺ کی سیرت، حق آپ ﷺ کی شریعت، ہدایت آپ ﷺ کا امام، اسلام آپ ﷺ کی ملت اور احمد آپ ﷺ کا اسم مبارک ہوگا۔ آپ ﷺ کے ذریعہ (لوگوں کو) گمراہی سے ہدایت دوں گا اور آپ ﷺ کے سبب جہالت کے بعد علم سکھاؤں گا اور آپ ﷺ کی وجہ سے گمناہی سے نکال کر بلند کروں گا اور آپ ﷺ کی وجہ سے غیر معروف کو مشہور کروں گا اور آپ ﷺ کی وجہ سے کمی کے بعد زیادتی کروں گا، تنگی کے بعد فراخی دوں گا، جدائی کے بعد جمع کروں گا۔ باہم مختلف قلوب، منتشر خواہشوں اور بکھری ہوئی امتوں کے درمیان محبت و ووداد (ملاپ) پیدا کروں گا۔ آپ ﷺ کی امت کو بہتر امت بناؤں گا جو ان لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۵۹، سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۵

۲۔ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۳

۳۔ تفسیر ابن حاتم سورۃ الفتح عن دھب بن منہ کمانی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۳۳



ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ان صفات و تعریف کی خبر دی جو توریت میں مذکورہ ہیں۔ (توریت میں مذکور ہے کہ) میرا بندہ احمد مختار ہوگا جس کی پیدائش کی جگہ (مولد) مکہ مکرمہ اور ہجرت کا مقام مدینہ منورہ یا طیبہ ہوگا۔ آپ ﷺ کی اُمت اللہ ﷻ کی ہر حال میں بہت حمد کرنے والی ہو گی۔ (سنن داری جلد ۱ صفحہ ۵، طبرانی کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۰۹، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۷۱)

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ.  
وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔ (ترجمہ کنز الایمان) (پ۔ الاعراف ۱۵۷)

نیز فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ.  
تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہو۔ (پ۔ ال عمران ۱۵۹) (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت فقیہہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے لوگوں پر اپنے اس احسان کو یاد دلایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو مومنین پر رحیم (مہربان) رؤف (کرم فرما) ہر ایک سے نرمی کرنے والا بنایا ہے۔ اگر ہم حضور ﷺ کو بدخلق اور سخت گو بناتے تو یقیناً یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے نکل جاتے لیکن اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو درگزر کرنے والا سخی نرم دل خوش رو نیکو کار اور بڑا مہربان بنایا۔ ایسا ہی ضحاکؓ کا بھی قول ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا  
اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔ (ترجمہ کنز الایمان) (پ۔ البقرہ ۱۲۳)

ابوالحسن قالیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اس آیت میں ہمارے نبی ﷺ کی فضیلت اور آپ ﷺ کی اُمت کی فضیلت ظاہر فرمائی ہے اور دوسری آیت میں مذکور ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

هُوَ سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ.  
اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

(پ۔ الحج ۷۸) (ترجمہ کنز الایمان)

اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور (اے امت محمد ﷺ) تم لوگوں پر گواہ بنو۔ اسی طرح اللہ ﷻ یہ بھی فرماتا ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ  
وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا.

تو کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ  
لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و

(پہ۔ النساء ۴۱) نگہبان بنا کر لائیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷺ کا یہ فرمان ”وَسَطًا“ کے معنی عادل و پسندیدہ کے ہیں۔ اس طرح اس آیت کے یہ  
معنی ہوتے ہیں کہ جس طرح ہم نے تمہیں ہدایت کی ہے۔ اسی طرح ہم نے تم کو خاص کر کے فضیلت  
دی ہے۔ بایں طور کہ ہم نے تم کو عادل و پسندیدہ اُمت بنایا تاکہ انبیاءِ سابقین علیہم السلام کے لئے ان کی  
اُمت پر تم گواہی دو اور یہ رسول تمہاری سچائی (صدق) کی گواہی دیں۔

ایک روایت میں ہے۔ اللہ ﷺ (روزِ محشر) جب انبیاءِ کرام علیہم السلام سے پوچھے گا کہ کیا تم نے  
تبلیغ کی؟ (میرا پیغام پہنچایا) انبیاءِ علیہم السلام جواب میں عرض کریں گے: ہاں۔ پھر ان کی اُمتیں کہیں گی۔  
ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا۔ تو اس وقت حضور ﷺ کی اُمت پیش ہو کر انبیاءِ علیہم السلام کی گواہی  
دے گی اور حضور ﷺ ان کو اس (الزامِ عدمِ بشیر و نذیر) سے پاک کریں گے۔ (صحیح بخاری جلد ۱۸ صفحہ ۱۸)

بعض مفسرین یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ تم ہر اس شخص پر حجت ہو جو تمہاری مخالفت کرے اور  
یہ رسول اللہ ﷺ تم پر حجت ہیں۔ اس کو سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی۔ اللہ ﷺ فرماتا ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمٌ صِدْقٍ  
عِنْدَ رَبِّهِمْ.

اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے ان  
کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔

(پہ۔ یونس ۲) (ترجمہ کنز الایمان)

قَدَمٌ صِدْقٍ کی تفسیر میں حضرت قتادہ اور حضرت حسن اور حضرت زید بن اسلم ﷺ کہتے ہیں  
کہ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ لَهُمْ يَعْنِي اس سے مراد حضور ﷺ ہیں کہ ان کی  
شفاعت فرمائیں گے۔ (ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۵۹)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ان کی وہ مصیبت ہے جو ان کے  
نبی کے سبب سے دور ہوتی ہیں۔ (یعنی نبی کا وجود قدم صدق اور خوشی کا سبب ہوتا ہے کہ مصیبتیں ان کے وجود کی برکت سے  
دور ہوتی ہیں۔)

(تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۳۲)

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے نہ

هِيَ شَفَاعَةٌ لِنَبِيِّهِمْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ هُوَ شَفِيعٌ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ.

وہ ان کے نبی محمد ﷺ کی شفاعت ہے کہ اللہ ﷺ  
کے حضور سچے سفارشی ہیں۔

۱۔ عن ابی مردویہ عن ابی سعید کمانی تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۳۲

سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ وہ پہلی رحمت ہے جو حضور ﷺ کے وجود گرامی میں ودیعت کی ہے اور محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صادقین و صدیقین کے امام شفیق، مطاع اور ایسے سائل کہ جن کی بات مانی گئی محمد ﷺ ہے۔ اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے سلمی نے روایت کیا۔

## تیسری فصل

اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کو کمال دلجوئی اور بڑے احسان کے ساتھ یاد کرنا

اللہ ﷻ کے حضور ﷺ پر لطف و مہربانی میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے:  
عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ. اللہ تمہیں معاف کرے تم نے کیوں اذن دے  
(پہلا التوبہ ۲۳) دیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (اس آیت کی تفسیر میں) یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ اللہ ﷻ کا عَفَا اللہ عَنْكَ سے کلام کی ابتداء کرنا اس کا قائم مقام ہے کہ اللہ ﷻ نے اصلاح کرتے ہوئے عزت عطا فرمائی۔

عون بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو پہلے اس سے کہ لغزش کی خبر دیں عنفوی کی خبر دی ہے۔ (تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۱)

حضرت ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء سے نقل کرتے ہوئے اس کے معنی بیان کئے ہیں کہ اے سلیم القلب اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو عافیت دی ہے کیونکہ تم نے ان کو اذن دے دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ کو خطاب میں ابتدا کلام لِمَ أَذْنَتْ سے کیا جاتا تو یقیناً یہ اندیشہ تھا کہ بیت کلام سے آپ ﷺ کا قلب مبارک شق ہو جاتا ہے لیکن اللہ ﷻ نے اپنی رحمت سے حضور ﷺ کو پہلے ہی عنفوی کی خبر دے دی حتیٰ کہ آپ ﷺ کو سکون قلب حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ کیوں آپ ﷺ نے انہیں تخلف (پیچھے رہنے) کی اجازت دے دی یہاں تک کہ عذر خواہی میں پیٹہ چل جاتا کہ کون صادق ہے اور کون کاذب۔

اس انداز خطاب میں اشارہ ہے کہ بارگاہ الہی میں آپ ﷺ کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ جو اہل بصیرت ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ منجملہ اس کے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی قدر و منزلت کی ہو اور آپ ﷺ کو بھلائی سے یاد کیا ہو یہ ہے کہ اس کی گنہ کی معرفت سے پہلے ہی آپ ﷺ کے قلب مبارک کی رگیں شق ہو جائیں۔

نفظو یہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (فانہم) لوگ یہ گمان کرنے لگے ہیں کہ اس آیت میں (معاذ اللہ) اللہ ﷻ نے عتاب فرمایا ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ اس سے بڑی ہیں بلکہ حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا۔ پس جب حضور ﷺ نے ان کو اذن دے دیا تو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا کہ اگر آپ ﷺ ان کو اذن نہ دیتے تو یقیناً یہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے گھر میں ہی بیٹھے رہتے۔ اس کے علاوہ اس بات کی بھی خبر دے دینا ہے کہ ان کو اذن دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ (البتہ اگر اذن نہ دیتے تو نفاق علی الاعلان آشکارا ہو جاتا۔ مترجم غفرلہ)

فقیرہ قاضی (ابوالفضل عیاضؒ اللہ ﷻ ان کو توفیق دے) فرماتے ہیں کہ اس مسلمان پر جو اپنے نفس پر مجاہدہ کرتا ہے اور اس کے اخلاق (عادات) زمام شریعت کے تابع ہیں واجب ہے کہ قرآنی آداب سے اپنے قول و فعل معاملات اور محاورات میں ادب سیکھے کیونکہ ادب ہی معرفت حقیقی کی گنہ ہے اور ادب ہی دینی و دنیاوی گلدستہ ہے۔ اس بے مثال مہربانی پر خوب غور و فکر کرے۔ جو سوال میں اس رب الارباب (مالک الملک اللہ ﷻ) جو کائنات پر بے شمار انعام کرتا ہے اور ہر ایک سے بے نیاز ہے کی جانب سے ہے اور ان فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جو اس میں پنہاں ہیں اور سمجھے کہ کس طرح اظہار ناپسندیدگی (عتاب) سے پہلے لطف و کرم کے ساتھ کلام کی ابتداء فرماتا ہے۔ اگر یہاں بالفرض (معاذ اللہ) کوئی گناہ ہو بھی تو گناہ کے ذکر سے پہلے عفو و بخشش کا ذکر کر کے محبت و انیسیت کی باتیں کی ہیں۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَلَوْ لَا اَنْ تَبْتَنَّاكَ لَقَدْ كُنَّا تَرَكُّنُ  
اَلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا۔  
اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا  
کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے۔

(ترجمہ کنزالایمان)

(پہ۔ اسراء ۷۴)

بعض متکلمین کہتے ہیں۔ انبیاء (سابقین) علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ان کی لغزشوں کے بعد اللہ ﷻ نے عتاب فرمایا ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کو لغزش کے واقعہ ہونے سے پہلے عتاب کیا ہے تاکہ اس کے صدور میں سخت رکاوٹ ہو جائے اور شرائط محبت کی حفاظت بھی ہو۔ (حضور ﷺ پر اللہ ﷻ کا) یہ انتہائی لطف و کرم ہے۔

اس کے بعد اس پر نظر و فکر کرو کہ عتاب اور اس کے خوف کے ذکر سے کہ آپ ﷺ اس کی طرف مائل ہوں، کس طرح اللہ ﷻ نے ثبات و سلامتی کا ذکر کیا ہے۔ دوران عتاب ہی میں برأت اور تخویف کے مابین آپ ﷺ کا مومن و محفوظ ہونا آپ کی بڑی بزرگی ہے۔ اسی طرح اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ هَمَّيْنِ مَعْلُومٍ هِيَ كَمَا تَهْمِينِ رَنْجٍ دِيْتِي هِيَ وَهِيَ بَاتِ  
فَانَّهُمْ لَا يَكْذِبُونَكَ. جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۔ الانعام ۳۳)

اس کی تفسیر میں حضرت علی مرتضیٰؑ فرماتے ہیں کہ ابو جہل نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ ”ہم تم کو تو نہیں جھٹلاتے لیکن جو تم لائے ہو اس کی ہم تکذیب کرتے ہیں۔“ اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ کی قوم نے حضور ﷺ کو جھٹلایا تو اس پر آپ ﷺ کو حزن و ملال ہوا۔ اسی وقت حضرت جبریلؑ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ﷺ کس چیز کا غم کرتے ہیں؟

فرمایا: مجھ کو میری قوم نے جھٹلایا ہے۔

جبریلؑ نے عرض کی: یہ کفار دل میں خوب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ سچے ہیں۔

اللہ ﷻ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس آیت کریمہ میں یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ ﷻ تسلی دیتا ہے اور خطاب میں یہ مہربانی فرماتا ہے کہ آپ ﷺ پر یہ بات ثابت کروں کہ آپ ﷺ ان کے نزدیک سچے ہیں وہ آپ ﷺ کو جھٹلاتے نہیں۔ قول و اعتقاد میں آپ ﷺ کے صدق کے اقراری ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کے اظہار نبوت سے پہلے آپ ﷺ کو ”امین“ کہا کرتے تھے۔ اس کلام کے ذریعہ اللہ ﷻ نے آپ کے اس غبار خاطر کا ازالہ فرمایا ہے جو قوم کے انکار و تکذیب سے پیدا ہو گیا تھا۔ پھر کفار کی برائی بیان کی اور ان کو منکر ظالم قرار دیا۔ (یہ مزید آپ ﷺ پر لطف و کرم ہے) جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ. بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۔ الانعام ۳۳)

اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو اس سے بری کر دیا اور آیات الہیہ کی تکذیب اور اس سے دشمنی و عناد کا طوق ان (کفار) کو پہنا دیا۔ درحقیقت محمد و انکار اسی طرح ہوتا ہے کہ معلوم شے سے انکار کر دیا جائے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا  
وَأَعْلَوْا (پ۔ اہل ۱۲) کالیقین تھا ظلم اور تکبر سے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پھر اللہ ﷺ نے آپ ﷺ کو عزت دی اور آپ ﷺ سے وحشت اس طرح دور کی کہ پہلے لوگوں کا حال بیان کیا پھر ان پر غلبہ و نصرت کا وعدہ فرمایا۔ اللہ ﷺ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولًا مِّن قَبْلِكَ.

اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے۔

(پ۔ الانعام ۳۳)

(ترجمہ کنز الایمان)

بعض قاریوں نے گزشتہ آیه کریمہ میں ”لَا يُكْذِبُونَ“ کو تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ اس طرح اس کے یہ معنی ہوتے ہیں: ”تم کو جھوٹا نہیں پاتے۔“ فراء و کسائی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ ”کفار یہ نہیں کہتے کہ تم جھوٹے ہو۔“

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ”آپ ﷺ کے کذب پر دلیل نہیں لاتے اور نہ اس کو ثابت ہی کرتے ہیں۔“ اور جن قاریوں نے اس کو مشدد پڑھا ہے ان کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ ”تم کو جھوٹ کی نسبت نہیں کرتے۔“ بعض کہتے ہیں کہ ”آپ ﷺ کی طرف کذب کی نسبت کا ان کو اعتقاد نہیں۔“

حضور ﷺ کی خصوصیات اور اللہ ﷺ کا بھلائی سے یاد فرمانے کے بارے میں سے ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ اللہ ﷺ نے تمام نبیوں کو ان کے ناموں سے مخاطب کیا اور ان کو ”يَا نُوحُ“ ”يَا اِبْرَاهِيمُ“ ”يَا مُوسَى“ ”يَا دَاوُدُ“ ”يَا عِيسَى“ ”يَا زَكَرِيَّا“ ”يَا يَحْيَى“ کہہ کر پکارا لیکن حضور ﷺ کو ”يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ“ ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ“ ”يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُ“ ”يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ“ سے خطاب کیا نام لے کر مخاطب نہ فرمایا۔

## چوتھی فصل

اللہ ﷺ کا حضور ﷺ کے مراتب عالیہ کی قسم یاد فرمانا

اللہ ﷺ فرماتا ہے:

لَعَمْرُتِ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ.

اے محبوب تمہاری جان کی قسم بیشک وہ اپنے نشہ

(پ۔ الحجر ۷۲) میں بھٹک رہے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مفسرین کرام رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ ﷺ نے حضور ﷺ کی عمر مبارک (حیات شریف) کی قسم کھائی ہے۔ ”عمر“ اصل میں عین کے ضمہ (پیش) سے ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے فتح (زبر) دیا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ

وَبَقَائِكَ يَا مُحَمَّدَ (صلی اللہ علیک وسلم) اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ کی بقاء کی قسم۔  
اور ایک روایت میں وَعَيْشِكَ (آپ ﷺ کی زندگی کی قسم) اور وَحَيَاتِكَ بھی آیا ہے۔ اس  
میں حضور ﷺ کی انتہائی تعظیم اور بے حد و غایت اکرام و شرف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے  
ہیں:

مَا خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى وَمَا ذَرَأَ وَمَا بَرَأَ نَفْسًا  
أَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ وَمَا سَمِعْتُ اللَّهَ تَعَالَى أَقْسِمُ  
بِحَيَاتِ أَحَدٍ غَيْرِهِ ۚ  
اللہ ﷻ نے کسی مخلوق کو حضور ﷺ سے بڑھ کر  
اپنی بارگاہ میں مکرم پیدا نہیں کیا اور میں نے نہیں  
سنا کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے سوا کسی کی  
زندگی کی قسم کھائی ہو۔

ابو الجوزاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے سوا کسی کی حیات کی قسم نہ کھائی  
کیونکہ حضور ﷺ بارگاہ الہی میں ساری مخلوق سے زیادہ مکرم ہیں۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يَسَّ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ.

یس۔ حکمت والے قرآن کی قسم

(ترجمہ کنز الایمان)

(۲۲۔ یسین ۱۔ ۲)

کلمہ ”یس“ کے معنی میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ ابو محمد کی رحمۃ اللہ علیہ حضور ﷺ سے  
روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: خدا کی بارگاہ میں میرے دس نام ہیں۔ ان میں طہ اور یس  
بھی ہیں۔

(دلائل النبوة لابن نعیم صفحہ ۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۷)

ابو عبد الرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جعفر صادق ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ یس سے مراد  
یا سید ہے جس کے ساتھ حضور ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یس سے ”یا انسان“ مراد لیتے ہیں اور اس سے  
حضور ﷺ (مراد نہیں)۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ قسم ہے اور اسماء الہی میں سے یس بھی ایک نام ہے۔

زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بعض نے کہا کہ اس کے معنی یا مُحَمَّدُ صلی اللہ علیک وسلم ہیں اور  
بعض نے یا رَجُلٌ (اے مرد) بھی کہا ہے اور ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یا مُحَمَّدُ مراد لی ہے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۵۸)

۱۔ دلائل النبوة لابن نعیم صفحہ ۶۳، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۸۸

۲۔ تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۱

(۳) تفسیر ابن جریر جلد ۲۳ صفحہ ۹۷

کعب احبار رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یسّ قسم ہے کہ اللہ ﷻ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے آپ کی قسم کھائی۔ یعنی يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ۔  
(اے محبوب بیشک تم رسولوں میں سے ہو)

پھر فرمایا:

وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ حَكَمْتِ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ حَكَمْتِ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝  
الْمُرْسَلِينَ ۝ (پ۲۔ یس ۲۔ ۳) ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اگر یہ تقدیر لی جائے کہ یسّ آپ کے ناموں میں سے ہے اور یہ کہ یسّ آپ کی قسم ہے تو اس میں آپ کی گزشتہ زمانہ کی تعظیم ہوگی اور دوسری قسم پہلی قسم پر عطف کر کے تاکید مزید ہو جائے گی۔ اور اگر یہ تقدیر لی جائے کہ یسّ کے معنی میں نداء کے ہیں تو اس صورت میں دوسری قسم آپ ﷺ کی رسالت کی تحقیق میں ہو جائے گی جو کہ آپ کی ہدایت کی شہادت میں وارد ہے۔

خلاصہ مراد یہ کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے نام و کتاب کی قسم کھا کر فرمایا: بے شک آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں کہ بندوں کی طرف پیام الہی پہنچاتے ہیں۔

عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ یعنی آپ اپنے ایمان سے ایسی سیدھی راہ پر ہیں کہ جس میں نہ ٹیڑھ ہے نہ حق سے عدول۔

(پ۲۔ یس ۲) (ترجمہ کنز الایمان)  
نقاش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کتاب مجید میں اللہ ﷻ نے کسی نبی کی رسالت کی قسم نہیں کھائی سوائے حضور ﷺ کے۔ اس میں حضور ﷺ کی بڑی تعظیم و توقیر ہے۔ یہ تکریم اس تقدیر (تاویل) کی بناء پر ہے جس نے یسّ سے ”یا سَیِّدُ“ مراد لیا ہے۔

اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:  
أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔  
واقعتاً میں اولاد آدم کا سردار ہوں یہ میں فخر سے نہیں کہتا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۲)

اللہ ﷻ فرماتا ہے:  
لَا أُقِيمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ جَلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ۔  
مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ (پ۲۔ البلد ۲) (ترجمہ کنز الایمان)

بعض نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کے باہر تشریف لے جانے کے بعد میں اس شہر کی قسم نہیں



کھاتا ہوں۔ اس کو مکی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ لآ زائد ہے۔ یعنی میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی کہ آپ ﷺ اس میں رونق افروز ہیں۔ آپ ﷺ کے لئے حلال ہے جو کچھ آپ ﷺ نے اس میں کیا ہے۔ ان سب کے نزدیک البَلَد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

واسطی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یعنی ہم اس شہر کی قسم کھاتے ہیں جس میں زندگی (حیات ظاہری) میں قیام فرما کر اس کو مشرف کیا اور بعد وصال (حیات باطنی) اپنی برکتوں سے اس کو نوازا یعنی مدینہ منورہ۔

اول توجیح زیادہ درست ہے کیونکہ یہ سورہ مبارکہ مکی ہے اور مابعد کی دوسری توجیح کو اللہ ﷻ کا فرمان ”جِلِّ بِهَذَا الْبَلَدِ“ اس کی تصحیح کرتا ہے۔

اسی طرح اللہ ﷻ کا فرمان ”بِهَذَا الْبَلَدِ الْاَمِينِ“ (پ۳۲ تین ۳) کی تفسیر میں ابن عطاء رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے قیام کی وجہ سے اس شہر کو مومن بنایا کیونکہ آپ ﷺ کا ہونا ہی امن ہے جہاں بھی آپ ﷺ رونق افروز ہوں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدٌ ۝  
اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور اس کی اولاد  
(پ۳۲۔ البلد ۳) کی کہ تم ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

جو شخص یہ مراد لیتا ہے کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں تو یہ ایک عام بات ہے اور بعض حضرات ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد لیتے ہیں۔

(لیکن بات یہ ہے کہ) انشاء اللہ ﷻ یہ آیت حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر رہی ہے کیونکہ یہ سورہ مبارکہ دو مقامات پر حضور ﷺ کی قسم پر مشتمل ہے۔  
اور اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْۤ اَذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ ۝  
وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔  
(پ۱۔ البقرہ ۱۔ ۲) (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ حروف قسم کے ہیں کہ اللہ ﷻ نے ان سے قسم کھائی ہے۔  
(تفسیر ابن جریر جلد ۱ صفحہ ۶۸، تفسیر درمنثور جلد ۱ صفحہ ۵۵۷)

ان سے اور ان کے علاوہ دوسروں سے اور بھی اقوال مروی ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ الف سے اللہ ﷻ لام سے جبریل الطیئنیؑ میم سے محمد ﷺ مراد ہیں۔ اسی روایت کو سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ مگر اس کی نسبت حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نہیں کی ہے۔ اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ ﷻ نے جبریل الطیئنیؑ کو حضور ﷺ پر اس قرآن کے ساتھ اتارا جس میں کوئی شک نہیں۔

پہلی توجیہ احتمال قسم پر معنی یہ ہوں گے۔ بے شک یہ کتاب حق ہے کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ پھر اس میں یہ فضیلت ہے کہ آپ ﷺ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ کے فرمان

ق ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ (پ۲-ق۱) عزت والے قرآن کی قسم۔ (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنے حبیب محمد ﷺ کے قلب کی قوت کی قسم اس لئے کھائی کہ وہ خطاب اور مشاہدہ کے برداشت کی طاقت رکھتا ہے۔ درانحالیکہ یہ امر اپنے علو شان کے لحاظ سے مشکل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ق قرآن کا نام ہے۔ بعض اللہ ﷻ کا نام کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک ایسا پہاڑ ہے جو کل زمین کو محیط ہے اور اس کے سوا اور بہت سے اقوال ہیں۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ. اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج

(پ۲-انجم۱) سے اترے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وَالنَّجْمِ سے مراد حضور ﷺ ہیں اور فرمایا کہ نجم (ستارہ) حضور ﷺ کا قلب مبارک ہے۔ ہوی (کی تفسیر میں کہا) کہ انوار الہی سے کھل گیا اور کہا کہ غیر اللہ سے (آپ کا دل) جدا ہو گیا۔ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ کے فرمان

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ. اس صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم۔

(پ۳-الفجر۲) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ فجر سے مراد حضور ﷺ ہیں کیونکہ آپ ہی سے ایمان (کا اجالا) پھوٹ کر نکلتا

ہے۔

## پانچویں فصل

اللہ ﷻ کا اس مقام و مرتبہ کی قسم یاد فرمانا جو بارگاہِ الہی میں حضور ﷺ کو حاصل ہے  
 اللہ ﷻ فرماتا ہے: وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا  
 قَلَىٰ ۝ وَاللَّأخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ أَلَمْ يَجِدَكَ  
 يَتِيمًا فَارْوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ  
 ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (پہ۔ الضحیٰ)

اس سورہ مبارکہ کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ حضور ﷺ نے  
 کسی عذر کی بناء پر رات کے قیام کو ترک کر دیا تھا۔ اس پر ایک عورت (نازیبا) باتیں کہنے لگی تھی۔  
 بعض نے کہا کہ مشرکین نے تاخیر نزول وحی پر طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دی  
 تھیں۔ (صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۳۶)

اس پر یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ (ترمذی جلد ۵ صفحہ ۱۱۲)  
 فقہیہ قاضی ابوالفضل (عیاض) ”اللہ ﷻ ان کو توفیق دے“ نے فرمایا: یہ سورہ مبارکہ حضور ﷺ  
 کی خاص قدر و منزلت اور عظمت و شان پر جو بارگاہِ الہی سے عنایت ہوئی تھیں، چھ وجہوں پر مشتمل ہے۔  
 اول یہ کہ اللہ ﷻ نے قسم کے ساتھ آپ ﷺ کے حال کو بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا:  
 وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ۔ قسم ہے چہرہ انور اور زلفِ عنبریں کی جبکہ وہ  
 (پہ۔ الضحیٰ ۱-۲) ڈھلک کر آجائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ربِ ضحیٰ کی قسم۔ یہ بزرگی کے اعظم درجات میں سے ہے۔  
 دوم یہ کہ بارگاہِ الہی میں آپ ﷺ کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ فرماتا ہے:  
 مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ط تمہارے رب نے تمہیں نہ چھوڑا اور نہ مکروہ  
 (پہ۔ الضحیٰ ۳) جانا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی نہ آپ کو ترک کیا اور نہ مبعوض جانا۔  
 اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کو پسند کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نہ چھوڑا۔  
 سوم یہ فرمایا:

وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى ط

بیشک کچھلی تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے۔

(نپ۔ الضحیٰ ۴)

(ترجمہ کنز الایمان)

ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کا حال آپ ﷺ کے انجام کار میں اللہ ﷻ کے نزدیک اس سے بڑا ہے جو دنیا میں آپ ﷺ کو عزت و کرامت مرحمت فرمائی ہے۔

پہل رحمت اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کچھ شفاعت اور مقام محمود کا ہم نے آخرت میں ذخیرہ رکھا ہے وہ آپ ﷺ کے لئے اس سے بہتر ہے جو ہم نے آپ ﷺ کو دنیا میں عطا فرمایا۔

چہارم میں یہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى ط

اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا

دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ آیت کریمہ دونوں جہان میں بہت سی بزرگیوں، قسم قسم کی نیک بختیوں اور طرح طرح کے انعام و اکرام کے لئے جامع و مکمل ہے۔

ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ ﷻ آپ ﷺ کو دنیا میں فراخی اور آخرت میں ثواب سے راضی کرے گا۔ بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کو حوض کوثر اور شفاعت عطا فرمائے گا۔

اہل بیت نبوت علی جدہم الصلوٰۃ والسلام سے بعض علماء نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس سے زیادہ امید افزا کوئی آیت ہے ہی نہیں اور رسول اللہ ﷺ اس بات سے راضی ہوں گے ہی نہیں کہ آپ ﷺ کا ایک اُمتی بھی دوزخ میں رہ جائے۔ (الحدیۃ لابن نعیم، مسند الفردوس لدیلمی کمانی منابہ الصفاء للسیوطی صفحہ ۳۷)

پہچم یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر جو انعام و اکرام فرمائے ہیں ان کو شمار کرایا ہے اور آخر سورت تک اپنی جانب سے اپنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے آپ ﷺ کو ہدایت یا آپ ﷺ کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت دی۔ بر بنائے اختلاف تفاسیر۔ اور آپ ﷺ کے پاس مال نہ تھا، مال دے کر آپ ﷺ کو غنی کر دیا یا آپ ﷺ کے قلب میں قناعت پیدا کر کے آپ ﷺ کے دل میں غنا ڈال دیا اور آپ ﷺ کو یتیم پایا تو آپ ﷺ کے چچا کو مہربان کر کے ان کے گھر میں آپ ﷺ کو سکونت کرا دی۔

بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کو اللہ ﷻ نے اپنی طرف رجوع کرا دیا۔ بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کو بے مثل پایا تو اپنا بنا لیا۔ بعض اس طرح تفسیر بیان کرتے ہیں کہ ”کیا آپ ﷺ کو نہ پایا کہ آپ ﷺ کے سبب گمراہوں کو ہدایت دی اور فقیر کو آپ ﷺ کے سبب غنی کیا اور یتیم کو آپ ﷺ کے سبب جائے

پناہ ملی۔ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں۔“

اور معروف و مشہور تفسیروں کے مطابق یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو کسی حال میں نہ چھوڑا۔ خواہ آپ ﷺ کی صغریٰ (بچپن) ہو یا آپ ﷺ کے افلاس و یتیمی کی حالت ہو۔ قبل اس کے کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو پہچانیں نہ آپ ﷺ کو چھوڑا اور نہ آپ ﷺ کو دشمن بنایا۔ تو بھلا اب جبکہ آپ ﷺ کو مرتبہ خصوصی مرحمت فرمایا اور اپنا پسندیدہ بنا لیا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

ششم یہ کہ اللہ ﷻ نے جو نعمتیں آپ ﷺ پر کی ہیں ان کے اظہار کا حکم دیا اور جو بزرگیاں آپ ﷺ کو مرحمت ہوئی ہیں ان کے شکر پذیر ہونے اور اعلان کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کے ذکر کو اس آیت سے مشہور کیا۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

(پہلا۔ الضحیٰ ۱۱) (ترجمہ کنز الایمان)

نعمت کا شکر یہی ہے کہ اس کی تحدیث یعنی چرچا کیا جائے کہ یہ حکم حضور ﷺ کے لئے تو خاص ہے لیکن امت کے لئے عام ہے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ (الی قولہ تعالیٰ) لَقَدْ رَأَىٰ اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے (یہاں تک کہ) بیشک اپنے رب کی

(پہلا۔ النجم ۱۸۴) بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

النجم کی تفسیر میں مفسرین کے بکثرت اقوال مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ ”النجم“ اپنے ظاہری معنی پر ہے اور یہ کہ اس سے مراد قرآن ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ

قلب محمد ﷺ ہے اور یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کے فرمان

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقِ ۝ النُّجْمُ الثَّاقِبُ ۝

(پہلا۔ الطارق ۱-۲-۳) خوب چمکتا تارا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس میں بھی النجم سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ سلمیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا۔

یہ آیات کریمہ حضور ﷺ کے فضل و شرف میں اس حد تک پہنچتی ہیں کہ کوئی عدد اس کو گھیر نہیں

سکتا۔ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کی ہدایت اور خواہشات نفسانی کے اتباع سے بچنے، سچائی اور تلاوت قرآن اور یہ کہ یہ کتاب اللہ ﷻ کی ایسی وحی ہے جو آپ ﷺ کی طرف جبریل علیہ السلام لے کر آئے جو مضبوط طاقت والا ہے کی قسم کھائی ہے۔

پھر اللہ ﷻ نے آپ کی فضیلت میں واقعہ معراج اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے اور جو کچھ قدرت الہی کی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں ان کی خبر دے کر آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے اور سورہ اسرئٰی کے شروع میں بھی اللہ ﷻ نے اس پر متنبہ کیا ہے اور جو کچھ حضور ﷺ پر عالم جبروت کا مکاشفہ اور عجائب ملکوت کا مشاہدہ ہوا ہے ایسا ہے کہ جس کو نہ کوئی عبارت احاطہ کر سکتی ہے اور نہ ادنیٰ سماع کی عقول عامہ طاقت رکھتی ہیں۔ اس لئے اللہ ﷻ نے اس کو ایسے اشارہ و کنایہ سے بیان کیا ہے جو تعظیم پر دلالت کرے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے:

فَاَوْحَىٰ اِلَىٰ عَبْدِهِ مَا اَوْحَىٰ.  
وحی فرمائی اپنے بندہ کو جو وحی فرمائی۔

(پہلا۔ انجم ۱۰) (ترجمہ کنز الایمان)

اس قسم کے کلام کو پرکھنے والے بُلْفَاء وحی و اشارہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایجاز کا یہ اعلیٰ درجہ ہے اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ آٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی.  
بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔

(پہلا۔ انجم ۱۸) (ترجمہ کنز الایمان)

جو وحی فرمائی گئی اس کی تفصیل سمجھنے سے عقلیں ماندان آیات کبریٰ کی تعین میں فہمیں عاجز۔ قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں اس پر مشتمل ہیں کہ حضور ﷺ کی ذات و صفات پاک و منزہ ہے اور شب معراج آپ ﷺ کی ذات کو ہر آفت سے محفوظ رکھا۔ آپ ﷺ کے قلب مبارک آپ ﷺ کی زبان اقدس اور آپ ﷺ کے اعضاء کو پاک کر دیا۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (جو آنکھ نے دیکھا اس کو دل نے نہ جھٹلایا) سے آپ کا قلب مبارک اور مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی (وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں) سے آپ ﷺ کی زبان اقدس اور مَا زَاغَ الْبَصْرُ وَمَا طَغٰی (آنکھ نہ کسی طرف پھیری اور نہ حد سے بڑھی) سے آپ ﷺ کی چشم انور کی حالت و کیفیت اللہ ﷻ نے بیان فرمائی۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَلَا اُقْسِمُ بِالْخُنسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنسِ ۝ (الی قولہ تعالیٰ) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ  
شَيْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ۝  
(پہلا۔ انجم ۱۵ تا ۱۷)

تو قسم ہے ان کی جو اٹنے پھریں، سیدھے چلیں، تھم رہیں (تا) اور قرآن مردود  
شیطان کا پڑھا ہوا نہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

لَا أُقْسِمُ أَيُّ أُقْسِمُ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ. یعنی لَا أُقْسِمُ سے مطلب یہ ہے کہ میں  
قسم کھاتا ہوں، بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھا ہوا ہے جو بھیجنے والے (اللہ ﷻ) کے نزدیک کریم  
ہیں۔ ذی قُوَّةٍ قوت والے ہیں اس پہنچانے میں جو آپ ﷺ پر وحی کے ذریعہ بار ڈالا جائے۔  
مَكِينٍ یعنی اللہ ﷻ کے نزدیک آپ ﷺ بڑے درجہ والے بلند مقام ہیں۔ مُطَاعٍ ثُمَّ لِيَعْنِي آسَمَانٍ پر  
مطاع و تبوع ہیں کہ آپ ﷺ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اَمِينٍ یعنی آپ ﷺ وحی کے امانت دار ہیں۔  
علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ رَسُولٍ كَرِيمٍ سے اس جگہ پر حضور ﷺ مراد ہیں  
اور بعد کی تمام صفتیں آپ ﷺ کے لئے ہیں۔ دوسروں نے کہا: اس سے جبریل الطبیؑ مراد ہیں اس بناء  
پر بعد کی تمام صفتیں ان کی ہوں گی۔ وَلَقَدْ رَاَهُ (بیشک انہوں نے اس کو دیکھا) یعنی حضور ﷺ نے ملاحظہ  
فرمایا۔ ایک روایت میں ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا یا جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی  
صورت میں دیکھا۔ اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ. (پ۔ ۲۳۔ التکویر ۲۳) اور یہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں (ترجمہ کنز الایمان)  
ظَنِينٍ کو اگر ظاء سے پڑھا جائے تو اس کے معنی متہم کے ہوں گے اور ضاد سے پڑھا جائے  
تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ”آپ ﷺ لوگوں کو دعوت و تذکیر اور علم و حکمت کی باتوں کے بتانے میں  
بخیل نہیں ہیں۔“ یہ صفت بالاتفاق حضور ﷺ کی ہے۔  
اللہ ﷻ فرماتا ہے:

ن. وَالْقَلَمِ. (پ۔ ۲۹۔ القلم ۱) قلم کی قسم۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ نے ان آیات کریمہ میں جو بھی بڑی قسم کھائی ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کی پاکی بیان  
کی جائے جس کو کفار آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آپ کی وہ تکذیب کرتے ہیں۔ اللہ  
ﷻ نے محبت کی باتیں کر کے مسرور کیا اور آپ کی امیدوں کو فراخ کیا۔ اپنے اس خطاب میں یہ فرمایا:  
مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ. تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

(پ۔ ۲۹۔ القلم ۲) (ترجمہ کنز الایمان)

یہ آیتیں آپ ﷺ کے خطاب میں انتہائی لطف و مہربانی کی حامل ہیں اور بولنے میں اعلیٰ  
درجہ کے آداب کا لحاظ ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے ان دائمی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی جو آپ ﷺ پر

۱۔ اصل کتاب الشفاء میں بِضَنِينٍ (بالظاء) مرقوم ہے، لیکن ہمارے اطراف میں بِضَنِينٍ (بالضاد) ہے۔ (مترجم)

اس کی بارگاہ میں ہے اور وہ غیر منقطع ثواب بتائے جس کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ احسان جتلانے کے لئے نہیں۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے:

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ۔ اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

(پ۔ ۲۹۔ اقلیم ۳) (ترجمہ کنز الایمان)

پھر آپ ﷺ کی ان باتوں سے تعریف کی جو آپ ﷺ کو مرحمت فرمائی اور بتلائی ہیں اور آپ ﷺ کی عظمت کو دوبالا کرنے کے لئے دو حرف تاکید سے کلام کو مستحکم کیا اور فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ اور بیشک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔

(پ۔ ۲۹۔ اقلیم ۴) (ترجمہ کنز الایمان)

”خُلُقٍ عَظِيمٍ“ کی تفسیر میں بعض نے کہا قرآن اور بعض نے اسلام اور بعض نے آپ ﷺ

کی عادت کریمہ مراد لی ہے اور بعض نے کہا کہ آپ کا ارادہ ہی نہیں مگر جو اللہ ﷻ چاہے۔

واسطی کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے حسن قبول کی تعریف کی ہے کہ آپ ﷺ کی

طرف نعمتیں ارسال کر کے آپ ﷺ کو وہ فضیلت مرحمت فرمائی جو آپ ﷺ کے سوا کسی کو میسر نہیں۔ اس

لئے کہ آپ ﷺ کی فطرت میں ہی مہربانی ہے۔ پس پاکی ہے اس مہربان بخشش کرنے والے احسان

کرنے والے بہت نخی (خدا) کی جس نے بھلائی اور ہدایت آپ کی ﷺ خوبو کر دی۔ پھر اس کے کرنے

والے کی تعریف کی اور اس پر اس کو جزا دی۔ پاکی ہے خدا کی اس کی بخشش کیا ہی عام ہے اور اس کی

مہربانیاں کس قدر وسیع ہیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ کو کفار کی بدگوئیوں پر تسلی دی کہ اس پر ان کو عذاب کا وعدہ دیا اور اس

طرح ان کو ڈرایا۔

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝ بِآيَاتِكُمُ الْمَفْتُونُونَ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ

(پ۔ ۲۹۔ اقلیم ۶)

ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝

تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کون

مجنون تھا۔ بیشک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکے اور وہ خوب

(ترجمہ کنز الایمان)

جانتا ہے جو راہ پر ہے۔

پھر آپ ﷺ کی مدح و ثناء کے بعد آپ ﷺ کے دشمنوں کی مذمت کو عطف کر کے ان کی بری

خصلتوں کو بیان کیا ان کے معائب شمار کئے اس میں آپ ﷺ کی فضیلت پیوست کی اور اپنے نبی ﷺ



کی نصرت و حمایت فرمائی اور ان کی دس سے زائد برائیاں بیان کیں اور یہ فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِبِينَ ۝ وَذُوالِ لَوْ تُدْهِنُ فَيُذْهِنُونَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ  
خَلَافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَشَاءٍ ۝ بِنَمِيمٍ ۝ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ ۝ أَيْمٍ ۝ عُتْلٍ ۝  
بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ إِذَا تُلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ  
أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

(پ۔ ۲۹۔ لقلم ۱۵۳۸)

تو جھٹلانے والوں کی بات نہ سناؤ وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں اور ہر ایسے کی بات نہ سنا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل، بہت طعنے دینے والا، بہت ادھر ادھر کی لگاتے پھرنے والا، بھلائی سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار دررشت خو، اس پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا، اس پر کہ کچھ مال اور بیٹے رکھتا ہے، جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں، کہتا ہے اگلوں کی کہانیاں ہیں۔“

(ترجمہ کنز الایمان)

پھر اللہ ﷻ نے اپنی اس سچی وعید کو بیان کرنے کے بعد اس پر ختم کیا کہ:

سَنَسِئُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ۝

قریب ہے کہ ہم اس کی سؤر کی سی تھو تھنی پر داغ

(پ۔ ۲۹۔ لقلم ۱۶) دیں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پس اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کی مدد کرنا، آپ ﷺ کے خود اپنے آپ ﷺ پر مدد کرنے کی نسبت سے بڑھ کر پوری مدد ہے اور اللہ ﷻ کا آپ ﷺ کے دشمنوں بدگوؤں کا رد کرنا نسبت آپ ﷺ کے رد کرنے کے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ بات حضور ﷺ کی فضیلت میں بہت زیادہ ثابت ہے۔

## چھٹی فصل

اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کو مور و شفقت و کرم بنانا

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

طه ۝ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ ۝

اے محبوب! ہم نے یہ قرآن اس لئے نہ اتارا

(پ۔ ۱۶۔ طہ ۲۱) کہ تم مشقت میں پڑو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

طہ کی تفسیر میں بعض نے کہا کہ یہ حضور ﷺ کے ناموں سے ایک نام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اللہ ﷻ کا اسم ہے اور بعض نے اس کے معنی یا رُجُل (اے مرد) اور یا انْسان کہے ہیں اور یہ بھی

کہا گیا کہ یہ حروف مقطعات ہیں جو چند معنی میں ہیں۔

چنانچہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یا طاهر یا ہادی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ (وطء) اور (ھا) سے کنایہ ہے یعنی زمین پر اپنے دونوں قدموں سے کھڑے ہو جائے اور ایک قدم پر اعتماد کر کے اپنی جان کو مشقت میں نہ ڈالے۔ (واللہ اعلم) کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ اے محبوب ہم نے یہ قرآن اس لئے اتارا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑیں۔

یہ آیا کریمہ اس وقت اتری جبکہ حضور ﷺ بیداری اور قیام لیل میں بڑی مشقت اٹھاتے تھے جیسا کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد یہ حدیث مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب نماز پڑھتے تو ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر دوسرا پاؤں اٹھالیتے تھے۔ اس پر اللہ ﷻ نے طہ نازل فرمائی۔ یعنی اے محبوب آپ ﷺ زمین پر پاؤں رکھے ہم نے یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑ جائیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں یہ سب کچھ آپ ﷺ کے اعزاز و اکرام اور خیر خواہی میں ہے۔

اگر ہم طہ کو حضور ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام مانیں جیسا کہ منقول ہے یا اس کو قسم گردانیں تو یہ فعل ما قبل سے ملحق ہوگا۔

اسی طرح آپ ﷺ پر شفقت و عنایت میں سے اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے  
 اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ اَسْفًا اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے۔

(پ۔ الکہف ۶) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی اے محبوب کیا آپ ﷺ اپنی جان کو غضب، غصہ یا گھبراہٹ سے ہلاکت میں ڈال دیں گے اور اسی طرح اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں  
 مُؤْمِنِيْنَ (پ۔ الشعراء ۵) کہ وہ ایمان نہیں لائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پھر ارشاد فرمایا:

اِنْ نَّشَا نُنزِلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاۗءِ اٰیَةً اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر کوئی نشانی  
 فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰصِعِيْنَ ۝ اتاریں کہ ان کے اونچے اونچے اس کے حضور

(پ۔ الشعراء ۴) جھکے رہ جائیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ بھی اسی قبیل میں ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

علائیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو بے شک ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔ تو جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں تو اب جان جائیں گے اور بیشک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تم دل تنگ ہوتے ہو۔ اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور سجدہ والوں میں ہو اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں ہو۔

(ترجمہ کنز الایمان)

فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُونَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَصِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتٰى يٰتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

(پ۱۳۔ الحجر ۹۳-۹۴)

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اور ضرور اے محبوب تم سے پہلے رسولوں کے

ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

وَلَقَدْ اسْتَهْزٰٓؤُا۟ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ.

مکی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اس ذکر سے آپ ﷺ کو تسلی دی اور مشرکوں کی سختیوں پر آپ ﷺ کو قوت برداشت مرحمت فرمادی اور آپ ﷺ کو خبردار کر دیا کہ جو (بد نصیب) شخص آپ ﷺ پر زیادتی کرے گا اس پر ایسا ہی عذاب ہوگا جیسا آپ ﷺ سے پہلے رسولوں کے مکذبین (جھٹلانے والوں) پر ہوا ہے اور اسی تسلی و تشفی کی مثل اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

اور اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو بیشک تم سے پہلے کتنے

ہی رسول جھٹلائے گئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

وَاَنْ يُكٰذِبُوْكَ فَقَدْ كٰذَبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ.

(پ۲۲۔ فاطر ۴)

اور اسی باب میں یہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے:

یوں ہی جب ان سے اگلوں کے پاس کوئی

رسول تشریف لایا تو یہی بولے کہ جادو گر ہے یا

(ترجمہ کنز الایمان)

كَذٰلِكَ مَا اتٰى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رُّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ.

(پ۲۲۔ الذریت ۵۲)

اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو گزشتہ امتوں کے احوال کی خبر دے کر عزت افزائی فرمائی کہ آپ

ﷺ سے پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ماجرا ہوا اور نبیوں کو بھی اسی طرح آزمایا گیا تھا۔ اللہ ﷻ نے

آپ ﷺ کو بھی کفار مکہ کی آزمائشوں پر اس طرح تسلی دی اور یہ کہ یہ آزمائشیں آپ ﷺ ہی کے ساتھ حاصل نہیں ہیں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو خوش کر کے اس کا سبب بتا دیا۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ. (پ۱۔ لڈریت ۵۲) ”یعنی آپ ان سے منہ پھیر لیجئے۔“ (ترجمہ کنز الایمان)  
 فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ. (پ۱۔ لڈریت ۵۲) ”اب آپ پر کچھ الزام نہیں۔“ (ترجمہ کنز الایمان)  
 یعنی ادائے رسالت اور اپنی تبلیغ میں جو آپ ﷺ کے سپرد کی گئی ہے اب آپ ﷺ پر کوئی ملامت نہیں۔ اسی طرح یہ بھی اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۝ اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بیشک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

(پ۲۷۔ الطور ۴۸) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی آپ ﷺ ان کی ایذا پر صبر کریں کیونکہ آپ ﷺ تو ہماری نگہداشت میں ہیں۔ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس طرح بکثرت آیات میں تسلی دی ہے۔

## ساتویں فصل

اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام پر حضور ﷺ

کی قدر و منزلت اور فضائل کی خبر دی

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۖ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۖ قَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝

(پ۳۔ ال عمران ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے اور تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے

اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں

ہوں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ابوالحسن قابلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷺ نے حضور ﷺ کو ایسی فضیلت کے ساتھ خاص کیا جو آپ ﷺ کے سوا کسی کو مرحمت نہ فرمائی اور اس کو اس آیت میں ظاہر بھی فرمادیا۔

مفسرین رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷺ نے وحی کے ذریعہ عہد لیا اور کوئی نبی ﷺ ایسا نہ بھیجا کہ اس نے حضور ﷺ کی تعریف و توصیف نہ کی ہو۔ ان سے عہد لیا کہ اگر تم حضور ﷺ کا زمانہ پاؤ تو بالضرور حضور ﷺ پر ایمان لانا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس عہد کو اپنی قوم پر بیان کر کے ان سے بھی یہ عہد لیں کہ وہ اپنے بعد والوں کو اس کو بیان کرتے رہیں۔ اللہ ﷺ کا ارشاد اُنْمَ جَاءَ كُمْ يَوْمَ نَأْتِي السَّمَاءَ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ۔ ہم زمانہ اہل کتاب کو خطاب ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷺ نے آدم ﷺ سے لے کر ان کے بعد والے کسی نبی ﷺ کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ حضور ﷺ کے بارے میں ان سے یہ عہد لیا گیا کہ اگر آپ ﷺ اس حال میں تشریف لائیں کہ تم زندہ ہو تو آپ ﷺ پر ضرور ایمان لانا اور آپ ﷺ کی ضرور مدد کرنا اور فرمایا یہی عہد اپنی قوم سے بھی لینا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۳۶)

اسی طرح سُدی اور قتادہ رضی اللہ عنہما سے بھی آیتوں کی تفسیر میں مروی ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے حضور ﷺ کی فضیلت پر مشتمل ہے۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۳۷-۲۳۶) اللہ ﷺ فرماتا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ  
وَمِنْ نُوحٍ ۝

(پ۱۔ الاحزاب ۷) اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے۔ (آخر آیت تک)

(ترجمہ کنز الایمان) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ  
۝ (إِلَىٰ قَوْلِهِ) شَهِدْنَا

(پ۱۔ النساء ۱۶۳) بیشک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور ان کے بعد کے پیغمبروں کو بھیجی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضور ﷺ نے وصال فرمایا تو آپ نے روتے ہوئے اپنے کلام میں کہا تھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اے اللہ ﷺ کے رسول ﷺ! خدا

کی بارگاہ میں آپ ﷺ کا مرتبہ یہاں تک ہے کہ آپ ﷺ کو آخر الانبیاء کر کے بھیجا اور پہلوں میں آپ ﷺ کا ذکر اس طرح فرمایا۔ **وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ**. میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! اے اللہ ﷻ کے رسول ﷺ! دوزخی تمنا کریں گے کہ کاش آپ کی اطاعت کرتے اور جب جہنم کے طبقوں میں ان پر عذاب ہو رہا ہوگا تو کہیں گے:

**يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ**. ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور (پ۲۱- الاحزاب ۲۶) رسول کا حکم مانا ہوتا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

قائد ﷺ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

**كُنْتُ أَوَّلَ الْأَنْبِيَاءِ فِي الْخَلْقِ وَ آخِرَهُمْ** خلق میں تو میں اول الانبیاء ہوں اور بعثت میں **فِي الْبَعْثِ**. ان کا آخر۔

(دلائل النبوة لابی نعیم صفحہ ۳۲، فضیلت الناجیہ الحسنہ لابی حاتم صفحہ ۵۶۰)

اسی لئے تو آیت بالا میں اللہ ﷻ نے حضرت نوح علیہ السلام کو غیرہ سے پہلے آپ کا ذکر فرمایا۔ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے ذکر سے پہلے ہمارے حضور ﷺ کا ذکر کرنا آپ ﷺ کی خصوصی فضیلت پر دال ہے حالانکہ حضور ﷺ بعثت کے لحاظ سے ان کے آخر میں ہیں۔ غرضیکہ اللہ ﷻ نے صلب آدم علیہ السلام سے ذریات انبیاء علیہم السلام کو نکال کر ان سے یہ عہد لیا۔ اور فرماتا ہے:

**تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ**. یہ رسول ہیں کہ ہم نے ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ (پ۲۱- البقرہ ۲۵۳) کیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مفسرین کرام رحمہم اللہ **رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ** (کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یعنی حضور ﷺ کو۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو سرخ و سیاہ (عرب و عجم) کی طرف بھیجا اور آپ ﷺ کے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں اور آپ کے ہاتھوں معجزات کا ظہور ہوا اور نبیوں میں کوئی ایسا نہیں کہ اس کو جو فضیلت اور بزرگی دی گئی وہ حضور ﷺ کو بعینہ نہ ملی ہو۔

اور بعض نے کہا کہ حضور ﷺ کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو تو ان کے ناموں سے خطاب فرمایا لیکن حضور ﷺ کو قرآن مجید میں منصب نبوت و رسالت سے مخاطب فرمایا اور ارشاد فرمایا: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** اور **يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ**.

فقہیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کلبی ﷺ سے اس آیت کریمہ

وَأَنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَأَبْرَاهِيمَ. اور بیشک اسی کے گروہ سے ابراہیم ہے۔

(۲۳۔ الصافات ۸۳) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ ہاضمیر کا مرجع حضور ﷺ ہیں، یعنی بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام گروہ محمد ﷺ سے ہیں اور آپ ﷺ کے دین و مذہب پر ہیں اور فرما رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس کو جائز رکھا اور مکی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسی سے روایت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس سے حضرت نوح علیہ السلام مراد ہیں۔

## آٹھویں فصل

اللہ ﷻ کا حضور ﷺ پر درود بھیجنا، آپ ﷺ کی

مدد کرنا اور آپ ﷺ کے سبب سے عذاب کو رفع کرنا

اللہ ﷻ اپنے محبوب ﷺ کو اس کی خبر دیتا ہے کہ ہم آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور آپ ﷺ کی مدد کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے سبب سے ان پر سے عذاب کو دور کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ط اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

(پ۔ الانفال ۳۳) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی جب تک آپ ﷺ مکہ میں تشریف فرما ہیں اور جب آپ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر تشریف لے آئے اور مکہ میں مسلمان کم رہ گئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔ (پ۔ الانفال ۳۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ اس کے اسی فرمان کی طرح ہے:

لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا. (پ۔ الفتح ۲۵) اگر وہ نکل جاتے تو ضرور ہم عذاب دیتے۔

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ. اور اگر یہ نہ ہوتا کہ کچھ مسلمان مرد ہیں۔

(پ۔ الفتح ۲۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور جب مسلمان بھی ہجرت کر کے نکل گئے تو یہ آیت اتری:

وَمَا لَهُمْ إِلَّا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ. انہیں کیا ہے کہ انہیں اللہ عذاب نہ کرے۔

(پ ۹ الاغال ۳۳)

(ترجمہ کنز الایمان)

یہ حضور ﷺ کی رفعت و مرتبت کے اظہار میں انتہائی بات ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ کے سبب اور آپ ﷺ کے تشریف لے آنے کے بعد مسلمانوں کے سبب اہل مکہ پر نزول عذاب نہیں ہے۔ جب سب کے سب مکہ سے ہجرت کر گئے تو اللہ ﷻ نے ان پر مسلمانوں کو مسلط کر کے اور ان پر غلبہ دے کر عذاب دیا اور تلواروں نے ان کا فیصلہ کیا۔ ان کی زمینوں، شہروں اور مالوں پر مسلمانوں کو وارث بنایا۔ اس آیت کی اور بہت سی تفسیریں ہیں۔

ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے والد سے بالا سند مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت کے لئے اللہ ﷻ نے مجھ پر دو امانتیں اتاری ہیں۔ ایک یہ کہ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ (جب تک اے محبوب آپ تشریف فرما ہیں اللہ عذاب نہ کرے گا) اور دوسری یہ کہ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (جب تک بخشش مانگنے والے (مسلمان) موجود ہیں اللہ عذاب دینے والا نہیں) اور جب میں وصال فرما جاؤں گا تو تم میں استغفار چھوڑ جاؤں گا۔ (ترمذی جلد ۴ صفحہ ۳۳۴، تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۵۷-۵۶)

اسی طرح اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ. اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان (پ ۱۰۷ الحج ۱۰۷) کے لئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کے لئے امان ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ ”بدعت“ سے امان ہوں۔ بعض نے اختلاف اور فتنوں سے (امان میں ہونا) مراد لیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جب تک حضور ﷺ ہم میں (حیات ظاہری سے) موجود رہے تو آپ ﷺ کا وجود باوجود بڑا امان تھا۔ اب جب تک آپ ﷺ کی سنت زندہ و باقی رہے گی تو امان بھی باقی ہے اور جب سنت مردہ ہو جائے گی تو بلا اور فتنہ کا انتظار کرنا۔ اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ. بیشک اللہ اور اس کے فرشتے اس غیب بتانے  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. والے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۲۲ الاحزاب ۵۶)

اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ پر خود درود بھیج کر پھر فرشتوں کے ذریعہ درود بھیج کر اور مسلمانوں کو



آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا حکم دے کر آپ ﷺ کی بڑی فضیلت ظاہر کی ہے۔  
ابو بکر بن خورک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ بعض علماء نے حضور ﷺ کے ارشاد و جَعَلْتُ  
قُرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ (نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی) کی یہی تاویل کی ہے، یعنی اللہ ﷻ اور اس  
کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی قیامت تک درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔  
آپ ﷺ پر صلوٰۃ کی نسبت جب فرشتہ یا ہماری طرف سے ہو تو اس کے معنی درود اور دعا کے  
ہیں اور جب اللہ ﷻ کی طرف سے ہو تو اس کے معنی رحمت کے ہیں اور ایک روایت میں ”صلوٰۃ“ کے  
معنی برکت کے بھی ہیں۔

بلاشبہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب خود پر درود بھیجنے کی تعلیم دی تب صلوٰۃ و برکت کے معنی کا  
فرق بھی بتا دیا تھا۔ عنقریب ہم آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے احکام بیان کریں گے۔  
بعض متکلمین کو کھینچنے کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں کہ کاف سے حضور ﷺ پر اللہ ﷻ کی  
جانب سے کفایت مراد ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

(پ ۲۳۔ الزمر ۳۷)

الَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ.

(ترجمہ کنز الایمان)

کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں

اور ”ہا“ سے مراد اس کی ہدایت جو آپ ﷺ پر ہے۔ فرمایا:

(پ ۲۶۔ الفتح ۲)

وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا.

(ترجمہ کنز الایمان)

اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے۔

(پ ۱۰۔ الانفال ۶۲)

اور ”یا“ سے مراد آپ ﷺ کی تائید ہے۔ فرمایا: وَأَيَّدَكَ بِنُصْرِهِ.

”اپنی مدد سے آپ کی تائید کی“

اور عین سے مراد آپ کی عصمت ہے۔ فرمایا:

(پ ۶۔ المائدہ ۶۷)

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ.

(ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

اور ”صاد“ سے مراد آپ پر درود بھیجنا ہے۔ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ. (پ ۲۳۔ الاحزاب ۵۶) اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَإِنْ تَظَاهَرَ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَ جِبْرِيلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ. (پ ۲۸۔ التحريم ۴) اور اگر ان پر زور باندھو تو اللہ ان کا مددگار ہے اور  
جبریل اور نیک ایمان والے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

”صَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ“ کی تفسیر میں بعض نے کہا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام یا ملائکہ مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما یا حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ اور یہ بھی ایک روایت ہے کہ مؤمنین اپنے ظاہر معنی پر ہے۔

## نویں فصل

سورہ فتح میں حضور ﷺ کی بزرگیاں

سورہ فتح میں جس قدر کرامتیں اور بزرگیاں حضور ﷺ کی بیان کی گئی ہیں ان کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (السی قولہ تعالیٰ) بیشک ہم نے آپ کے لئے روشن فتح رکھی ہے  
يُدُّ اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ. (یہاں تک کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔)

(۲۶۔ فتح اتات ۱۰۱)

یہ آیتیں حضور ﷺ کی مدحت و ثناء اور اس مرتبہ و مقام کی آئینہ دار ہیں جو بارگاہ الہی میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور جو قرب و منزلت آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کے نزدیک ہے اس کے انتہاء وصف کے بیان سے (قلم و زبان) قاصر ہے۔

اللہ ﷻ نے اپنے اس فیصلہ کی جو آپ ﷺ کے لئے اس نے مقرر کیا ہے آپ ﷺ کو خبر دی کہ میں آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دشمنوں پر غلبہ دوں گا اور آپ ﷺ کا بول بالا کر کے آپ ﷺ کی شریعت کو بلند کروں گا اور یہ کہ آپ ﷺ ایسے بخشے ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ کے سبب آپ ﷺ کے اگلوں اور پچھلوں کو بخش دوں گا۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے ارادہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے کردنی و ناکردنی امور سب مغفور ہیں۔

مکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے احسان کو سبب مغفرت بنایا ہے اور ہر وہ چیز جو اس خدا کی طرف سے ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ احسان پر احسان اور فضل پر فضل ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے: وَوَيْتَمُ نِعْمَتُهُ عَلَيْكَ (پاؤسف ۶) اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

بعض نے کہا کہ جو آپ ﷺ سے اکڑ کر (تکبر سے) پیش آئے گا اس کو عاجز کر دوں گا اور بعض نے کہا کہ مکہ و طائف کو فتح کرا کے غلبہ دوں گا اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کے ذکر کو دنیا میں بلند

کروں گا اور آپ ﷺ کی مدد کروں گا اور آپ ﷺ کے سبب بخشوں گا۔

پھر آپ ﷺ کو خبردار کیا کہ آپ ﷺ پر اپنی تمام نعمتیں اس طرح پوری کی ہیں کہ آپ ﷺ کے منکروں کو اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کیا اور آپ ﷺ پر ان بڑے بڑے شہروں کو فتح کرایا جو آپ ﷺ کو محبوب تھے اور آپ ﷺ کے ذکر کو رفعت دی اور آپ ﷺ کو اس صراط مستقیم (سیدھے راستے) کی ہدایت دی جو جنت و سعادت تک پہنچا ہے اور آپ کی مدد غالب نصرت سے کی اور آپ ﷺ کی امت مسلمہ کے دلوں میں تسلی و طمانیت پیدا کر کے ان پر احسان کا اظہار فرمایا اور بڑی کامیابی کے بعد اللہ ﷻ کے نزدیک جو ان کا انجام ہے اس کی بشارت دی ان کو معاف کر کے ان کے گناہوں کی پردہ پوشی کی دنیا و آخرت میں ان کے دشمنوں کو ہلاک کیا اور ان دشمنوں کو اپنی رحمت سے دور کر کے ان پر لعنت مسلط کی اور ان کو بری حالت میں بدل دیا۔ پھر اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا۔ اور بیشک ہم نے بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی و ڈر (۲۶۔ الفتح ۸) سنا تا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پھر آپ ﷺ کے محاسن و خصائص شمار کرائے۔ آپ ﷺ کی شہادت اپنے لئے اور اپنی امت کے لئے ان پر تبلیغ رسالت کر کے بیان کی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ”شاهدًا“ یعنی امت کے لئے توحید کا گواہ بنایا اور مُبَشِّرًا یعنی امت کے لئے ثواب آخرت کی خوشخبری دینے والا کیا۔ ایک روایت میں امت کے مغفور ہونے کا۔ نَذِيرًا یعنی آپ ﷺ کے دشمنوں کو عذاب سے ڈرانے والا بھیجا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گمراہیوں سے بچانے والا بھیجا تا کہ اللہ ﷻ پر ایمان لائیں پھر اس ایمان پر وہ شخص سبقت کرے گا جس کو اللہ ﷻ کی طرف سے بہتری ملے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے: وَتُعَزِّرُوهُ ”آپ ﷺ کی تعظیم کرو۔“ بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مدد کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرو۔ وَتُوقِرُوهُ ”آپ ﷺ کی توقیر کرو۔“ بعض قراء نے وَتُعَزِّرُوهُ (بازاء) عزت سے پڑھا ہے یعنی آپ ﷺ کا خوب احترام کرو اور حضور ﷺ کے حق میں تعظیم و توقیر بہت زیادہ کرنا بالکل ظاہر ہے۔ پھر فرمایا: وَتُسَبِّحُوهُ ”اس کی پاکی بیان کرو۔“ ہا کا مرجع اللہ ﷻ کی طرف ہے۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اس سورت میں حضور ﷺ کے لئے مختلف نعمتیں جمع کر دی ہیں۔ منجملہ (ان میں سے) فتح مبین ہے کہ یہ قبولیت کی خبر دینا ہے اور مغفرت ہے یہ محبت کا

اظہار ہے اور نعمتوں کو پورا کرنا ہے یہ خصوصیت کی علامت ہے اور ہدایت ہے کہ یہ آپ ﷺ کی بزرگی کی علامت ہے۔

مغفرت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو تمام عیب و نقص سے منزہ کر دیا اور اتمام نعمت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو درجات کاملہ تک پہنچا دیا اور ہدایت یہ ہے کہ یہ ہدایت مشاہدہ کی طرف ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”اتمام نعمت“ یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو حبیب بنا کر آپ ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی اور آپ ﷺ کے ذریعہ دوسری شریعتوں کو منسوخ کیا اور آپ ﷺ کو مقام ارفع کی طرف عروج مرحمت فرمایا اور آپ ﷺ کی معراج میں یہاں تک نگہداشت فرمائی کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى (پ۲ انجم ۵) سے آپ ﷺ کی تعریف فرمائی اور آپ ﷺ کو سرخ و سیاہ (عرب و عجم) کی طرف مبعوث کیا۔ آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کی امت کے لئے غنیمتوں کو حلال فرمایا اور آپ ﷺ کو شفیع (سفارش کرنے والا) و مُشَفَّعٌ (جن کی شفاعت قبول کی گئی وہ) بنایا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار کیا اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کی رضا کو اپنی رضا کے ساتھ ملا دیا اور آپ ﷺ کو توحید کا ایک رکن بنایا۔ پھر فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۝  
(پ۲ الفتح ۱۰) ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی بیعت رضوان کے وقت وہ خاص اللہ ﷻ ہی سے بیعت کر رہے تھے۔

اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

يَذُ اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ.  
ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔

(پ۲ الفتح ۱۰) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی اسی کے ارادہ سے بیعت تھی۔ ایک روایت میں ”يَذُ اللَّهُ“ سے مراد اللہ ﷻ کی طاقت ہے۔ بعض نے ”اس کا ثواب“ کہا اور بعض نے ”اس کا احسان“ اور بعض نے ”اس کا عہد“ کہا۔ یہ سب تاویلات مرادف المعنی (یک جنس) اور ان کی بیعت کی تاکید اور بیعت لینے والے حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔ اسی قبیل سے یہ فرماتا ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۝ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى ۝  
تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(پ۹ الانفال ۱۷)

اگرچہ اول باب مجاز سے ہے اور یہ حقیقت ہے کیونکہ قتل کرنے والا اور پھینکنے والا حقیقتاً اللہ ﷻ ہی ہے وہی آپ ﷺ کے فعل قتل اور خاک پھینکنے اور اس کے اوپر قدرت کا خالق (پیدا کرنے والا) ہے اور یہ اس کی مشیت ہی ہے کیونکہ یہ انسان کی قدرت میں ہے ہی نہیں کہ جہاں وہ پہنچانا چاہے پہنچا دے۔ یہاں تک کہ ایک کافر بھی ایسا نہ رہا کہ اس کی آنکھیں اس خاک سے نہ بھر گئی ہوں۔ اسی طرح فرشتوں کا ان کو قتل کرنا حقیقتاً ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آخری آیت میں جو مجاز ہے وہ لغت عرب کی بناء پر ہے جو لفظوں کے مقابلہ اور مناسبت کی بناء پر استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی مَا قَتَلْتُمُوهُمْ ان کو تم نے قتل نہیں کیا وَمَا رَمَيْتَهُمْ جب تم نے ان کے چہروں پر کنکریاں اور خاک پھینکی تھی تو تم نے نہ پھینکی تھی لیکن اللہ ﷻ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا یعنی پھینکنے کا فائدہ اللہ ﷻ کی طرف سے ہے پس معنی وہی قاتل (مارنے والا) اور رami ہے آپ برائے نام تھے۔

## دسویں فصل

کتاب مجید میں حضور ﷺ کا ذکر مبارک

اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں حضور ﷺ کی وہ رفعت و منزلت جو اس کی بارگاہ میں ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے بیان فرمائی ہے۔ اُس کے علاوہ یہاں ذکر کی جاتی ہے جو نظم کتاب میں گزر چکی ہے۔ منجملہ (ان سے) فضائل و خصائص میں واقعہ معراج ہے جس کو اللہ ﷻ نے سورہ اسراء (پاسورہ) و انجم پڑا میں بیان فرمایا۔

اس واقعہ معراج میں آپ ﷺ کی عظیم منزلت، قرب و مشاہدہ عجائبات اور اللہ ﷻ کا لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط  
اور تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

(پ۔ المائدہ ۶۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر

(پ۔ الانفال ۳۰) کرتے تھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ.

اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی

(پند التوبہ ۴۰) مدد فرمائی۔

(ترجمہ کنز الایمان)

اور جو کچھ اس واقعہ میں کفار نے حضور ﷺ کو ایذا پہنچانے اور حضور ﷺ کو ہلاک کرنے کا قصد کیا تھا اور خفیہ مجلسیں کیا کرتے تھے اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی مدد کر کے ان کو دور کر دیا اور جب حضور ﷺ نے بوقت ہجرت کا شانہ اقدس سے باہر تشریف لانے کا ارادہ فرمایا تو اللہ ﷻ نے ان کی آنکھوں کی بصارت سلب کر لی اور حضور ﷺ کی غارتور میں ان کفار کی تلاش کو ناکام بنا دیا۔ اس سلسلہ میں اور بھی نشانیاں ظاہر ہوئیں منجملہ (ان میں سے) آپ ﷺ پر تسلی کا نازل ہونا اور سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جس کو محدثین و اہل سیر واقعہ غار میں بیان کرتے ہیں اور ہجرت کی تفصیل وغیرہ میں۔ نیز اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۖ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۚ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

(پند الکوثر ۳۱)

اے محبوب ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ نے اس میں اس کی خبر دی جو کچھ کہ آپ ﷺ کو مرحمت فرمایا۔

الْكَوْثَرُ یعنی کوثر ایک حوض ہے یا وہ نہر ہے جو جنت میں جاری ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد خیر کثیر ہے یا شفاعت ہے۔ بعض نے کہا کہ کثیر معجزات یا عطائے نبوت یا معرفت الہی مراد ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے دشمنوں کو جواب دے کر ان کی تردید فرمائی اور کہا: إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ یعنی آپ کا دشمن اور آپ سے بغض و عداوت رکھنے والا اَبْتَرُ یعنی حقیر و ذلیل ہے یا منقطع النسل ہے یا وہ ایسا (بد بخت) ہے کہ اس کے لئے کوئی خیر ہے ہی نہیں اور فرماتا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سُبُعًا مِّنَ الْمُثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝

اور بیشک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔

○

(ترجمہ کنز الایمان)

(پند الحجر ۸۷)

اس کی تفسیر میں مفسرین کہتے ہیں کہ ”سبع مثنائی“ سے وہ پہلی سات لمبی سورتیں مراد ہیں اور ”قرآن عظیم“ ام القرآن ہے اور یہ بھی کہا کہ سبع مثنائی ام القرآن (سورہ فاتحہ) ہے اور قرآن عظیم سے

اس کی تمام سورتیں مراد ہیں اور یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ سبع مثانی وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو قرآن میں امر، نہی، بشارت، انداز، مثالیں اور نعمتوں کے شمار کا ذکر ہے اور ہم نے آپ ﷺ کو قرآن کریم میں اصول عنایت فرمائے۔

بعض کہتے ہیں کہ أم القرآن (سورۃ فاتحہ) کو مثانی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اور بعض نے یہ کہا بلکہ اللہ ﷻ نے اس کو حضور ﷺ کے لئے مستثنیٰ کر کے دوسرے نبیوں کے سوا آپ ﷺ کو رحمت فرمایا ہے اور قرآن کا نام مثانی اس لئے رکھا کہ اس میں واقعات و قصص دوبارہ (مکرر) آتے ہیں۔

بعض اس کی تفسیریوں کرتے ہیں کہ ”سبع مثانی“ یعنی ہم نے آپ ﷺ کو سات کرامتوں سے بزرگی عنایت فرمائی یعنی ہدایت، نبوت، رحمت، شفاعت، ولایت، تعظیم، تسلی۔  
اور اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ. اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار  
(پ۔ ۱۴۔ النحل ۴۴) اتاری۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَ نَذِيرًا. اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت  
سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے، خوشخبری  
(پ۔ ۲۲۔ سبأ ۲۸) دیتا اور ڈر سنااتا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا. تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا  
(پ۔ الاعراف ۱۵۸) رسول ہوں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیات ہیں اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:  
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ. اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں  
بھیجا کہ وہ انہیں صاف صاف بتائے۔

(پ۔ ابراہیم ۴) (ترجمہ کنز الایمان)

پس ان انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے لئے خاص کیا لیکن حضور ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف بھیجا جیسا کہ حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں: بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ. یعنی مجھ کو سرخ و سیاہ

(عرب و عجم) کی طرف بھیجا گیا۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ. نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک

(پ۱۱ الاحزاب ۵) ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ. اور ان کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

(پ۱۱ الاحزاب ۶) (ترجمہ کنز الایمان)

مفسرین کرام رحمہم اللہ اُولیٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی آپ ﷺ ان کو حکم دیں وہ اسی طرح ان پر جاری ہے جس طرح سردار اپنے غلام کو دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے حکم کا اتباع اپنے نفس کی رائے سے بہتر ہے۔

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ سب بیبیاں حرمت میں مثل ماؤں کے ہیں حضور ﷺ کے بعد ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہ حضور ﷺ کی خاص تکریم ہے اور اس لئے بھی (ان سے نکاح حرام ہے) کہ وہ جنت میں بھی آپ ﷺ کی بیبیاں ہوں گی اور ایک قرأت (شاذہ) میں وَهُوَ أَبٌ لَّهُمْ (یعنی حضور مسلمانوں کے باپ ہیں) وارد ہے مگر یہ قرأت متروک ہے کیونکہ قرآن کے نسخوں کے خلاف ہے۔

(تفسیر درمنثور ۶ صفحہ ۵۶)

اور اللہ ﷻ (حضور ﷺ کی مدحت میں) فرماتا ہے:

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا. (پ۱۱ النساء ۱۱۳)

اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ

جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

فَضْلُ اللَّهِ کی تفسیر میں کہا گیا کہ آپ ﷺ کی نبوت کے ساتھ فضل عظیم مراد ہے۔ بعض نے

کہا جو کچھ ازل میں آپ ﷺ کے لئے فضیلت مقرر ہو چکی ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ

اس رویت الہی کی برداشت رکھتے ہیں جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکتے تھے۔



## دوسرا باب

حضور ﷺ خلق عظیم اور مجموعہ فضائل دینی و دنیوی میں کامل ہیں

اس باب میں بیان ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے محاسن کو خلقت اور عادت کے اعتبار سے مکمل کر کے آپ میں تمام فضائل دیدیہ و دنیویہ ترتیب وار جمع فرمائے۔  
اے وہ شخص جو حضور ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور حضور ﷺ کے فضائل جلیلہ کی تفصیل کا خواہاں ہے، خبردار ہو کہ انسان میں جمال و کمال کی عادتوں کی دو قسمیں ہیں۔

ایک ضرورت دنیوی ہے جو انسان کی فطرت اور دنیاوی حیات کے لئے ضروری ہے اور دوسری مکتسب (کسب) دینی ہے، وہ وہ ہے کہ اس کے کرنے سے اس کی تعریف ہو اور اللہ ﷻ کا قرب خاص میسر ہو۔

پھر اس کے بھی دو فن ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ کسی میں دو وصفوں میں سے ایک خالص (محض) ہو اور دوسرا یہ کہ دونوں وصف متماز ج و متداخل (ملے جملے) ہوں لیکن ضروری محض یہ ہے کہ کسی مرد کو ان میں اختیار و کسب کی مجال نہ ہو، جیسے امور عادی و فطری یعنی پیدائشی کمال حسن، قوت عقل، صحت فہم، فصاحت زبان، قوت حواس اور اعضاء معتدل حرکات، شرافت نسب، عزت قومی، وطنی کرامت اور ہر وہ چیز جو زندگی سے ملحق اور اس کے ضروریات کی مقتضی ہیں، جیسے غذا، نیند، لباس، مکان، تزویج، مال و جاہ وغیرہ (کہ یہ سب ضروریات محضہ میں شامل ہیں) اور کبھی یہ آخری خصلتیں آخرت کے ساتھ بھی ملحق ہو جاتی ہیں جبکہ ان سے مقصود تقویٰ اور بدن کی ایسی مدد ہو جو آخرت کے (پیش نظر) طریقہ پر ہو اور وہ ضرورت حدود و قواعد شریعت پر ہوں۔

لیکن اخروی اعمال یہ ہیں کہ تمام اخلاق عالیہ اور آداب شریعہ دیدیہ، علم، بردباری، صبر، شکر، انصاف، زہد، تواضع، عفو، عفت، سخاوت، شجاعت، حیاء، مروت، خاموشی، سکون، وقار، مہربانی، حسن آداب و معاشرت وغیرہ۔ یہی وہ خصائل ہیں جن کے مجموعہ کو حسن خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض خصلتیں تو کسی کی فطری عادت و جبلت ہوتی ہیں اور بعضوں میں نہیں ہوتیں، ان کو حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات لازمی ہے کہ اصل پیدائشی شعبہ سے متعلق ہو، جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ ﷻ ہم بیان کریں گے اور یہی اخلاق و خصائل جب ان سے اللہ ﷻ کی رضا اور آخرت کی فلاح مقصود و مراد نہ ہو تو دنیاوی بن جاتے ہیں لیکن بایں ہمہ عقل سلیم کے نزدیک بالاتفاق

یہ سب کے سب محاسن و خوبیاں ہی ہیں، اگرچہ حسن و فضیلت کے موجبات و اسباب کے بیان میں اختلاف کرتے ہوں۔

## پہلی فصل

حضور ﷺ تمام اوصاف کے جامع تھے

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب خصائل کے کمال و جلال اس طرح پر ہیں جیسا کہ ہم نے (اوپر) بیان کیا ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اگر اتفاق سے زمانہ میں کوئی شخص ایک یا دو وصف کا حامل مل گیا تو اس کو مشرف و معزز مانا جاتا ہے۔ یہ شرافت یا تو نسب کی وجہ سے یا جمال سے یا قوت یا علم یا بردباری یا شجاعت یا سخاوت سے ہوگی، مگر اس کی قدر اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کے نام کو تمثیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور اس وصف کی وجہ سے دلوں میں اس کے اثر و عظمت کا سکہ جم جاتا ہے اور یہ بات گزشتہ دیرینہ زمانہ سے چلی آتی ہے۔

پھر اس ذات اقدس کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جس میں یہ تمام کے تمام محاسن و خصائل علی وجہ الکمال اس طرح پر مجتمع ہوں کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو اور نہ وہ احاطہ بیان میں لائی جاسکتی ہوں اور نہ کسب و حیلہ کی گنجائش۔ صرف اللہ ﷻ ہی کسی کو یہ خاص طور پر مرحمت فرمادے۔ فضیلت نبوت، رسالت، خلقت (محبوبیت)، محبت، برگزیدگی، اسرئ (سیر طلوت)، زویت و قرب و نزدیکی رب تبارک و تعالیٰ، وحی، شفاعت، وسیلہ بزرگی، بلند درجہ، مقام محمود، ذریعہ، معراج، عرب و عجم (سرخ و سیاہ) کی طرف بعثت، انبیاء کے ساتھ نماز پڑھنا، اُمم سابقہ اور انبیاء کرام علیہم السلام پر گواہی دینا، اولاد آدم ﷺ کی سرداری، لواء الحمد، خوشخبری دینا، ڈر سنانا، اللہ ﷻ صاحب عرش کی بارگاہ میں تمکین و طاعت، امانت، ہدایت، رحمۃ للعالمین، مقام رضا کا پانا، سوال کا قبول ہونا، کوثر، سماع قبول، اتمام نعمت، عفو گزشتہ و آئندہ، وضع و زر (بوجہ کا اٹھانا)، ذکر کی بلندی، مدد سے سرفراز کرنا، نزول سکینہ، ملائکہ سے تائید، کتاب و حکمت، سبع مثانی اور قرآن عظیم کو دینا، تزکیہ، اُمت اللہ ﷻ کی طرف بلانا، اللہ ﷻ اور فرشتوں کی جانب سے درود بھیجنا، لوگوں کو اس کا حکم دینا، جس کا اللہ ﷻ نے مشاہدہ کرایا، ان سے تکلیف اور سخت و شدید عبادت کو دور کرنا، آپ کے نام کی قسم کھانا، آپ ﷺ کی دعاؤں کا قبول فرمانا، پتھروں اور گونگوں کا کلام کرنا، مردوں کا زندہ کرنا، گونگوں کو سنانا، آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، کم کو زیادہ کرنا، چاند کو ٹکڑے کرنا، سورج کو واپس لوٹانا، اشیاء کو منقلب کرنا و بدلنا، رعب و ہیبت سے مدد دیا جانا، غیب پر

اطلاع دینا، بادلوں کا سایہ کرنا، کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، تکلیفوں سے نجات دینا، لوگوں کے شر سے بچانا، یہاں تک کہ کوئی عقل ان کو نہیں گھیر سکتی اور آپ ﷺ کو ایسا علم عطا فرمانا کہ اس کو سوائے اس علم کے عطا کرنے والے اور اس سے فضیلت دینے والے (خدا) کے کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہی ہے جس نے آپ ﷺ کے لئے آخرت میں بڑے بڑے مرتبے اور مقدس درجے سعادت حسی کے مرتبے میں وہ زیادتی مرحمت فرمائی کہ عقلیں ان کے نیچے ہی ٹھہر جاتی ہیں اور ان کے ادراک سے وہم و خیال تک متخیر ہو جاتے ہیں۔

## دوسری فصل

### آپ ﷺ کا حلیہ مبارک

اللہ ﷻ تم کو عزت دے، اگر تم یہ کہو کہ اس بیان سے مجھلا اتنا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ لوگوں میں سب سے بلند عزت اور مرتبہ میں سب سے بڑے اور خوبیوں میں سب سے زیادہ کامل ہیں اور کمال خصائل کی تفصیل میں مذہب حسن کی طرف گئے ہو، تو مجھے اس بات نے شوق دلایا کہ میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف و فضائل کی تفصیلات پر بھی مطلع ہو جاؤں۔

تو جان لو! اللہ ﷻ میرے اور تمہارے دلوں کو نورایماں سے منور کرے اور نبی کریم ﷺ کی محبت مجھ میں اور تم میں اور دوگنی ہو۔ جب تم نے ان خوبیوں اور کامل خصلتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا، جو کسی انساں کے کسب و اختیار سے باہر ہیں اور وہ پیدائشی ہیں تو تم نے حضور ﷺ کو ضرور ایسا پایا ہوگا کہ وہ ان تمام خصائل و محاسن کے جامع ہیں اور مختلف اقسام کی نیکیوں کے احاطہ کرنے والے ہیں اور یہ کہ تمام ناقلین اخبار و احادیث کا اس بارے میں اتفاق ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ بعض تو ان میں قطعی اور یقینی درجہ تک پہنچ چکے ہیں۔ اب قدرے تفصیل سراپا ملاحظہ ہو۔

آپ ﷺ کی صورت اور اس کا جمال، اور آپ ﷺ کا اعضاء و قوی کے متناسب ہونے میں تو بہت سی احادیث صحیحہ و مشہورہ منقول و مروی ہیں، منجملہ (ان میں سے) ان کے ان صحابہ کرام ﷺ یعنی حضرت علی، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ہریرہ، حضرت براء بن عازب، أم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن ابی ہالہ، حضرت ابن ابی جحیفہ، حضرت جابر ابن سمرہ، حضرت أم معبد، حضرت ابن عباس، حضرت معرض بن معقیب، حضرت ابی طفیل، حضرت عداء بن خالد، حضرت خریم ابن فاتک، حضرت حکیم بن حزام وغیرہم ﷺ سے یہ حدیث مروی ہے کہ

حضور ﷺ کا گوارنگ سیاہ و کشادہ آنکھیں سرخ ڈورے والی لمبی پلکیں روشن چہرہ باریک ابرو اونچی بنی (ناک) چوڑے دانت گول چہرہ فراخ پیشانی، گھنی ریش مبارک جو سینہ کو ڈھانک لے، شکم و سینہ ہموار، چوڑا سینہ بڑے کاندھے بھری ہوئی ہڈی، موٹے بازو، کلاسیاں و پنڈلیاں ہتھیلیاں فراخ، قدم چوڑے ہاتھ پاؤں لمبے بدن مبارک جب برہنہ ہو (جب کرنا وغیرہ اوپر سے اٹھا ہوتا) تو خوب چمکتا، سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر، میانہ قد نہ زیادہ طویل نہ زیادہ قصیر، باوجود اس کے جو سب سے زیادہ لمبا شخص ہوتا اگر آپ کے برابر کھڑا ہوتا تو اس سے بلند معلوم ہوتے (یہ آپ کا معجزہ تھا)

آپ ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے نہ بلدا، جب آپ ﷺ ہنستے تو دندان مبارک مثل بجلی کے چمکتے، بارش کے اولے کی طرح سفید و شفاف۔ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ نور کی جھڑیاں آپ ﷺ کے دندان مبارک سے جھڑ رہی ہیں، گردن نہایت خوبصورت نہ آپ ﷺ کا چہرہ بہت بھرا ہوا تھا نہ بہت لاغر، بلکہ بدن کے مناسب ہلکا گوشت تھا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۲۹۸)

حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی بالوں والے کو کہ اس کے بال کندھوں تک لٹکتے ہوں، سرخ لباس میں حضور ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہ دیکھا۔

(سنن داری جلد ۱ صفحہ ۳۵، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۱۵، شمائل ترمذی صفحہ ۳)

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہ دیکھا، گویا آپ ﷺ کے رخسار مبارک میں سورج تیر رہا ہے۔ جب آپ ﷺ مسکراتے تھے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۱۰، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۵۰، ابن حبان جلد ۸ صفحہ ۷۴)

حضرت جابر بن سمرہ ؓ سے کسی نے کہا کہ آپ کا چہرہ تلوار کی طرح چمکتا تھا۔ آپ ﷺ نے کہا: نہیں بلکہ چاند و سورج کی طرح چمکتا تھا اور آپ کا چہرہ گول تھا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۳)

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی تعریف کی رفعت میں کہا کہ آپ ﷺ دور سے بہت خوبصورت اور قریب سے نہایت شیریں اور حسین معلوم ہوتے تھے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۲۷۹)

حضرت ابن ابی ہالہ ؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مثل چمکتا تھا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۱)

حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے حضور ﷺ کی تعریف میں یہ آخری الفاظ بیان فرمائے کہ جو شخص اچانک آپ ﷺ کو دیکھتا، وہ خوفزدہ ہو جاتا اور جو آپ ﷺ سے ملاقات کرتا وہ حضور ﷺ سے محبت کرتا

(شمائل ترمذی صفحہ ۲۱)

تھا۔

ہر وہ شخص جو حضور ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان ہے، کہتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے مماثل ہو۔

غرضیکہ حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کتب احادیث میں شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہیں۔ ہم ان سب کو لکھنے سے عاجز ہیں بلکہ ہم آپ ﷺ کی تعریف میں چند نکتوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ مجملًا وہ حدیث مقصد میں کفایت کر سکتی ہے جو ذکر کی ہے اور ان فضلوں کو ایک حدیث جامع پر ختم کر دیا جس پر تم انشاء اللہ ﷻ واقف ہو جاؤ گے۔

## تیسری فصل

### آپ ﷺ کی نظافت و پاکیزگی

حضور ﷺ کے جسم مبارک کی نظافت اور بدن اقدس اور اس کے پینہ کی خوشبو اور اس کا میل کچیل اور عیوبات جسمانیہ سے پاک و صاف ہونا یہ ہے کہ اس بارے میں بھی اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو وہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کے سوا کسی میں پائی ہی نہیں جاتی۔

مزید برآں یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو شرعی نفاست و پاکیزگی اور دس فطری خصلتوں سے بھی مزین کیا۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: بُنِيَ الدِّينُ عَلَى النَّظَافَةِ دِينِ كِي بِنِيَادِ پَا كِي ز كِي پَر  
(سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۹۸)

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے جسم مبارک کی خوشبو سے بڑھ کر کسی عنبر، کستوری اور کسی چیز کی خوشبو کو نہ پایا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۴)

حدیث: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان کے رخسار کو چھوا تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے دست اقدس میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو پائی کہ گویا ابھی آپ نے عطار کے ڈبہ سے اپنے ہاتھ کو باہر نکالا ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی مروی ہے کہ خواہ آپ نے خوشبو لگائی ہوتی یا نہیں لیکن آپ ﷺ جس سے بھی مصافحہ فرماتے تو وہ شخص سارے دن اس کی خوشبو سے معطر رہتا۔

اگر آپ ﷺ کسی بچہ کے سر پر (شفقت سے) اپنے دست اقدس کو پھیرتے تو وہ بچہ خوشبو سے پہچانا جاتا (کہ اس پر حضور نے دست شفقت پھیرا ہے) (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۵)

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ آپ ﷺ کو پسینہ آ گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ایک شیشی لائیں اور حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کو جمع کرنے لگیں۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا: میں اس کو اپنی خوشبوؤں میں رکھوں گی کہ یہ سب سے عمدہ اور طیب خوشبو ہے۔  
(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۸۲، سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۳۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”تاریخ کبیر“ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ جس کو چہ و بازار سے گزر فرماتے پھر کوئی شخص اس طرف سے گزرتا تو وہ خوشبو سے پہچان جاتا کہ آپ ﷺ ادھر سے گزرے ہیں۔

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ کی خوشبو بلا خوشبو لگائے ہوتی تھی (یعنی آپ کے جسم کی ذاتی خوشبو ہوتی تھی)

**حدیث:** مزنی اور حرابی رحمہما اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے اپنی سواری کے پیچھے مجھ کو بٹھا لیا۔ اس وقت میں نے آپ ﷺ کی مہر نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا تو کستوری کی خوشبو مجھے معلوم ہوئی۔  
(مختصر تاریخ ابن عساکر جلد ۵ صفحہ ۳۶۱)

حضور ﷺ کے شامل و اخبار میں بعض محدثین نے بیان کیا کہ جب حضور ﷺ رفع حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین شق ہو کر آپ ﷺ کا بول و براز نکل جاتی۔ صرف وہاں خوشبو ہی خوشبو معلوم ہوتی۔ محمد بن سعد کاتب واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک حدیث أم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ بیت الخلاء جاتے ہیں لیکن وہاں پر ہم رفع حاجت کا کوئی نشان نہیں پاتے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تم کو معلوم نہیں کہ زمین ان فضلات کو نکل جاتی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام سے نکلتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی ایسی چیز ہرگز نہ دیکھو گی۔ (حاکم جلد ۲ صفحہ ۷۲)  
گو یہ حدیث مشہور نہیں لیکن اہل علم کا ایک طبقہ یہ ضرور مانتا ہے کہ حضور ﷺ کا بول و براز پاک تھا اور یہی بعض شوافع کا قول ہے۔ جس کو امام ابو نصر بن صباغ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”شامل“ میں نقل فرمایا اور دونوں قولوں کو علماء سے نقل کر کے ابو بکر بن سابق المالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”البدیع فی فروع المالکیہ“ اور اس سے قبل میں ان کی تخریج کو بھی بیان کیا جن مسائل میں مذہب مالکی پر شوافع کی تفریعات نہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے وجود اقدس میں کوئی ایسی چیز ہے ہی نہیں جو مکروہ و ناپسندیدہ ہو۔

**حدیث:** حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے اس بارے میں یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ؐ کو غسل دیا۔ پس میں دیکھنے لگا کہ کوئی ایسی چیز تو نہیں نکلی جو میت میں سے نکلتی ہے۔ میں نے وہاں کچھ نہ پایا۔ تب میں نے کہا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم) آپ کی زندگی بھی طیب و طاہر اور آپ کی ممات (بعد وصال) بھی پاک و صاف۔ فرماتے ہیں کہ بدن اقدس سے ایسی خوشبو نکلی کہ میں نے اس سے قبل کبھی نہ پائی تھی۔

(سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۴۷، حاکم جلد ۳ صفحہ ۳۶۲)

اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا تھا۔ جب آپ نے حضور ؐ کے وصال کے بعد پیشانی کا بوسہ دیا تھا۔

(مراہیل ابوداؤد صفحہ ۱۷۷، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۵۷)

اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ مالک ابن سنان ؓ نے غزوہ احد میں (آپ کے زخم سے) خون پی لیا تھا اور اس کو چوسا تھا اور اس کو حضور ؐ نے ان کے لئے جائز قرار رکھتے ہوئے فرمایا: اس کو آگ ہرگز نہ پہنچے گی۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۸۰)

اسی طرح عبداللہ بن زبیر ؓ نے حضور ؐ کے چھپنے (نجاست سبکی) کا خون پی لیا تھا۔ اس وقت حضور ؐ نے ان سے فرمایا: **وَيْلٌ لَّكَ مِنَ النَّاسِ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِنْكَ** افسوس ہے لوگوں پر تم سے اور افسوس ہے تم پر لوگوں سے اور اس پر انکار نہ فرمایا۔

(حاکم جلد ۳ صفحہ ۳۵۵، بزاز جلد ۳ صفحہ ۱۳۵)

اسی طرح ایک عورت کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے حضور ؐ کا بول مبارک (پیشاب) پی لیا تھا۔ اس پر آپ نے اس عورت سے فرمایا: **لَنْ تَشْتَكِي وَجَعَ بَطْنِكَ أَبَدًا** یعنی کبھی تجھ کو پیٹ کی بیماری نہ ہوگی اور ان میں سے کسی کو بھی حضور ؐ نے منہ دھونے کا حکم نہ فرمایا نہ دوبارہ ایسا کرنے سے منع فرمایا اور وہ حدیث جس میں عورت نے حضور ؐ کا بول مبارک پی لیا تھا صحیح ہے۔

دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم و بخاری رحمہما اللہ کی طرح صحت میں التزام کیا ہے اور اس عورت کا نام ”برکتہ“ ہے اس کے حسب و نسب میں اختلاف ہے۔

ایک روایت میں وہ عورت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور ؐ کی خدمت کرتی تھی۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور ؐ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو چار پائی (سراہنے) کے نیچے رکھا تھا اور حضور ؐ رات کو اس میں بول کیا کرتے تھے۔ پس ایک رات حضور ؐ نے اس میں بول کیا۔ پھر (صبح کو) پیالہ دیکھا تو اس میں کچھ نہ پایا۔ حضور ؐ نے برکت سے اس بارے میں دریافت فرمایا۔ تو برکت نے عرض کیا: میں رات کو اٹھی تو پیاس لگ رہی تھی میں نے اس کو لالی میں پی لیا۔ اس حدیث کو ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سوا دوسروں نے بھی روایت کیا۔

(ابوداؤد کتاب الطہارت جلد ۱ صفحہ ۲۸، نسائی فی البول واناہ جلد ۱ صفحہ ۳۱، ابن حبان جلد ۲ صفحہ ۳۲۸)

حضور اکرم ﷺ اس حال میں پیدا ہوئے کہ آپ ﷺ بخون (ختہ شدہ) اور ناف بریدہ تھے۔

(دلائل النبوة لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۵۳، مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی صغیر و اوسط جلد ۸ صفحہ ۲۳۸)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا والدہ ماجدہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسا پاک و صاف جنا کہ (عموماً پیدائش کے وقت جو آلائش نکلتی ہے) کسی قسم کی ناپاکی نہ تھی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی حضور ﷺ کا ستر نہ دیکھا۔

(شامل ترمذی صفحہ ۱۸۳، سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷)

حضرت علی مرتضیٰ ﷺ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضور ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے سوا اور کوئی غسل نہ دے کیونکہ جو بھی میرے ستر پر نظر ڈالے گا وہ اندھا ہو جائے گا۔

(بزاز جلد ۱ صفحہ ۴۰۰، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۳۲)

عکرمہ ﷺ کی وہ حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ ہے کہ حضور ﷺ سو گئے یہاں تک کہ نیند کی آواز معلوم ہونے لگی۔ پس حضور ﷺ بیدار ہوئے اور آپ ﷺ نے نماز شروع کر دی اور وضو نہیں کیا اس پر حضرت عکرمہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ محفوظ تھے (یعنی حضور کی نیند غفلت کی نہ تھی جو ناقص وضو ہوتی)

(صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۹-۱۱۷، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

## چوتھی فصل

### آپ ﷺ کا فہم و ذکا، عقل و خرد

حضور ﷺ کی عقل کامل اور اس کی ذکاوت اور آپ ﷺ کے حواس مبارکہ کی قوت اور زبان کی فصاحت اور افعال و حرکات میں میانہ روی و مناسبت اور حسن و جمال میں ملاحظت یہ ہے کہ یقیناً آپ تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند ان میں سب سے زیادہ ذکی تھے۔

جو شخص حضور ﷺ کی تدابیر پر غور کرے گا خواہ وہ تدابیر آپ ﷺ کے باطنی یا ظاہری اخلاق کریمہ سے متعلق ہوں یا عام و خاص سیاست سے وابستہ ہوں وہ سب کے سب آپ ﷺ کے حالات عجیبہ اور خصائل حمیدہ کے علاوہ آپ ﷺ کے ان علم و فضل پر جو اللہ ﷻ کی جانب سے آپ ﷺ پر علم کا اضافہ ہوا ہے جس کو شریعت مطہرہ نے ثابت کیا ہے اور جن کو نہ کبھی آپ ﷺ نے کسی سے سیکھا اور نہ



کبھی پہلے سے اس کی مشق کی اور نہ ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ آپ ﷺ کے مرتبہ و فضیلت پر دلالت کرنے والی پائے گا اور آپ ﷺ کے کمال عقل و بصیرت کا بالضرور قائل ہو کر رہے گا۔

اور یہ بات بالکل بدیہی ہی ہے اس کے لئے کسی ثبوت و دلیل یا بیان و تقریر کی قطعاً حاجت نہیں۔ وہب بن منبہہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اکہتر چھلی کتابوں میں پڑھا ہے ان سب میں یہی پایا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل میں اعلیٰ اور رائے میں افضل ہوں گے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ میں نے ان سب میں یہی پایا کہ اللہ عزوجل نے جب سے دنیا پیدا کی ہے اس وقت سے دنیا کے خاتمہ تک جس قدر عقل تمام لوگوں کو ملی ہے وہ حضور ﷺ کی عقل کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تمام دنیا کے ریت کے ذرات کے مقابلہ میں ریت کا ایک ذرہ ہوتا ہے۔

مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنے پیچھے مقتدیوں کی حالت بھی اس طرح ملاحظہ فرماتے جس طرح کوئی سامنے ہو۔ اور یہی تفسیر تَقْلُبُكَ فِى السَّاجِدِينَ (پ ۱۹ ائمل ۲۱۹) کے فرمان میں انہوں نے کی ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۰، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۲۰، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ ص ۶۰)

موطا (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ بیشک میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ (موطا امام مالک رحمۃ اللہ کما فی منابہ الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۵)

اسی طرح صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ یہ وہ زیادتی ہے جس کو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی (صحت نبوت کی) حجت کے لئے زیادہ فرمایا۔

بعض روایات میں یہ ہے کہ اِنِّى لَا نُنْظَرُ مِنْ وَّرَائِىْ كَمَا اُنْظَرُ مِنْ بَيْنَ يَدَىْ. (بلاشبہ یقیناً میں اپنے پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کوئی میرے سامنے ہو)۔

(مصنف عبدالرزاق، حاکم جلد ۱ صفحہ ۲۳۶، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۸۹)

دوسری روایت میں یہ ہے کہ اِنِّى لَا بُصِرُ مِنْ قَفَاىْ كَمَا اُبْصَرُ مِنْ بَيْنَ يَدَىْ میں اپنی گردن کے پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کوئی میرے سامنے ہو۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱۹)

بقی بن مخلص رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ اندھیرے میں اس طرح دیکھتے جس طرح روشنی میں اور بہت سی روایتوں میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرشتوں کو اور

شیاطین کو دیکھا ہے اور نجاشی (بادشاہ حبش) کا جنازہ آپ ﷺ کے پیش نظر کیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور بیت المقدس اس وقت پیش نظر کیا گیا جب قریش نے آپ ﷺ سے اس کی توصیف بیان کرنے کی خواہش کی اور جب آپ ﷺ نے اپنی مسجد شریف کی تعمیر فرمائی تو کعبہ سامنے لایا گیا اور حضور ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ ثریا میں گیارہ ستارے دیکھ لیا کرتے تھے۔

یہ تمام روایتیں چشم مبارک سے ملاحظہ فرمانے پر محمول ہیں۔ یہی قول حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسروں کا ہے لیکن بعض نے ان کو علم کی طرف پھیرا ہے حالانکہ ظاہر عبارات اس کے مخالف ہیں اور اس میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کے خصوصی فضائل ہیں۔

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے۔ وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمائی تو آپ ﷺ کیونٹی کواندھیری رات میں سات فرسخ سے صاف دیکھ لیتے تھے۔ (مجم صغیر طبرانی صفحہ ۶۲)

یہ کچھ دشوار نہیں ہے کہ یہ ہمارے نبی حضور ﷺ کو معراج کے بعد ان باتوں اور فائدوں کے ساتھ خاص کر دیا ہو جو اس باب میں ہم نے ذکر کی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے رب کی نشانیوں کو دیکھا۔

یہ تو حدیثوں میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے رکانہ (پہلوان) جو اپنے وقت کا مانا ہوا قوی پہلوان تھا کوزیر کیا اور آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور یہ کہ رکانہ کے باپ (ابو رکانہ) کو آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت میں زیر کیا حالانکہ وہ بہت قوی اور بہادر تھا لیکن تین مرتبہ آپ ﷺ نے اس کو پچھاڑا۔ (سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۲۱، سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۱۵۸-۱۵۷)

**حدیث:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ چلنے میں تیز کسی کو نہ دیکھا۔ آپ ﷺ پر گویا آپ ﷺ کے نیچے زمین لپیٹی جاتی تھی۔ ہم چلنے میں دشواری محسوس کرتے تھے مگر حضور ﷺ اپنی سبک و نرم رفتار میں چلتے جاتے تھے۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۱۰، دلائل نبویہ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۲۰۹)

اور یہ بھی حضور ﷺ کی خاص صفت ہے کہ آپ ﷺ کی ہنسی (صرف) تبسم ہوتی تھی اور جب آپ ﷺ کسی کی طرف نظر التفات (توجہ) فرماتے تو پوری طرح توجہ فرماتے اور جب آپ ﷺ چلتے تو اچھی رفتار چلتے۔ گویا کہ اوپر سے نیچے ڈھلوان پر چل رہے ہیں۔

۱۔ مسند ابی یعلیٰ جلد ۷ صفحہ ۲۵۸، دلائل النبویہ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۵۶/۲۵۷

۲۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۵۷

۳۔ اخبار مدینہ ابن بکار رحمہ اللہ کما فی منال الصفاء صفحہ ۴۶

## پانچویں فصل

### آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت

آپ ﷺ کی زبان کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کا یہ حال تھا کہ حضور ﷺ اس صفت میں سب سے افضل مقام پر ہیں اور ایسا ہر موقع پر ہوتا کہ کوئی غافل آپ ﷺ کی طبعی سلاست پر محمول کئے بغیر نہ رہتا۔ آپ ﷺ کا کلام نکتہ رس الخیف اور مختصر مگر جامع (بلاغت) سے بھرپور زوائد سے معری اور معانی میں صحیح ہوتا۔ بلا تکلف جوامع الکلم آپ ﷺ کو مرحمت ہوئے جو حکمت کے عجائبات سے پر ہوتے اور آپ ﷺ کو محاورات عرب پر پورا عبور حاصل تھا۔ عرب کے ہر قبیلہ سے اس کی زبان اس کے محاورات ان کی بولی میں ان پر (معارضہ) فرماتے یہاں تک کہ بسا اوقات صحابہ کرام ﷺ کو بھی دشواری ہوتی اور آپ ﷺ سے اس کی شرح دریافت کرتے۔

جو شخص بھی آپ ﷺ کے ارشادات (احادیث کریمہ) پر غور و فکر کرے گا وہ اس کو جان لے گا اور اس کو متحقق ہو جائے گا کہ آپ ﷺ جس طرح قریش و انصار سے کلام فرماتے تھے ویسا اہل حجاز و نجد سے نہ فرماتے تھے۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے ذی الشعار ہمدانی، طفہۃ النہدی، قطن بن حارثہ علیہ، اشعث بن قیس، وائل بن حجر کنذی وغیرہ جو حضور موت کے سردار اور یمن کے بادشاہ تھے کلام فرمایا۔

آپ ﷺ کے اس خط پر غور کرو جو ہمدان کی طرف لکھ کر بھیجا تھا۔ اس میں آپ ﷺ نے لکھا کہ تمہارے لئے چوٹیاں پست زمین اور سخت زمین ہے۔ اس کی لاوارث زمین میں تم اپنے جانور چراؤ۔ ہمارے لئے ان کے جانوروں اور کھجوروں میں اتنا ہے جو وہ معاہدہ اور امانت سے دیں اور ان کے لئے زکوٰۃ میں وہ معاف ہے جو بوڑھے اونٹ اور اونٹ کے بچے اور بوڑھی گائے جو کہ چرنے کے لئے نہ جائیں اور سرخ رنگ کے مینڈھے ہیں اور ان سے اس کی زکوٰۃ لی جائے گی جو گائے اور اونٹ چھ سالہ ہو اور وہ گھوڑے جو پانچ سالہ ہوں۔ (غریب الحدیث جلد ۱ صفحہ ۲۸۰)

اسی طرح آپ ﷺ کے اس فرمان پر غور کریں ”جونہد“ سے فرمایا۔ اے اللہ ﷻ ان کے خالص دودھ اور لسی اور مکھن میں برکت دے۔ ان کے بادشاہ کو بہت سامال دے اور ان کے تھوڑے پانی کو بہت سا کر دے۔ اے اللہ ﷻ ان کے مال و اولاد میں برکت دے وہ مسلمان ہے جو نماز کو قائم

کرے اور وہ نیکو کار ہے جو زکوٰۃ ادا کرے اور وہ مخلص ہے جو گواہی دے کہ خدا کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں۔

اے اولاد ہند! حالت شرک کی امانتیں اور بادشاہوں کے وظیفے (تمہارے ہیں) زکوٰۃ کو نہ روکو؛ زندگی میں حق سے تجاوز نہ کرو اور نمازوں میں سستی نہ کرو۔ حضور ﷺ نے نصاب زکوٰۃ میں لکھا کہ تمہارے لئے بوڑھے اونٹ اور گائے اور وہ جانور جو ابھی بچے ہیں اور وہ گھوڑا سواری کا لگام والا (جوڑتا) ان کو تمہاری چراگاہ سے نہ روکا جائے گا۔ بڑے درخت نہ کاٹے جائیں گے دودھ والے جانور کو نہ روکا جائے گا اور جب تک تم دل میں نفاق نہ پیدا کرو اور بد عہدی کا اظہار نہ کرو گے۔ اس وقت تک بقیہ کھاؤ جو اقرار کرے اس پر عہد کی وفا اور ذمہ لازم ہے اور جو انکار کرے اس پر زیادتی (یعنی جزیہ) ہے۔

(حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

اور آپ ﷺ کے اس خط پر بھی غور کرو جو وائل بن حجر سرداران یمن اور ان کے خوبصورت نوجوانوں کو لکھا۔ اس میں تھا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک ایسی بکری جو دبلی ہو نہ موٹی بلکہ درمیانی دیا کرو۔ اگر دینہ برآمد ہو تو اس میں پانچواں حصہ دو جو کنوارہ شخص زنا کرے اس پر سو (100) درڑے لگاؤ اور ایک سال کے لئے شہر بدر کر دو (شہر بدر کا حکم مذہب حنفی میں منسوخ ہے مترجم) اور جو شادی شدہ زنا کرے اسے رجم کر دو (پتھروں سے مار ڈالو) دین میں سستی نہ کرو اور خدا کے فرائض میں لا پرواہی نہ برتو۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(غریب الحدیث جلد ۱ صفحہ ۱۳۷ مجم صغیر ۱۳۱)

وائل بن حجر سرداران یمن کے امیر تھے غور کرو۔ یہ خطوط اس خط سے کہاں ملتے ہیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لکھ کر دیا تھا اور وہ فرائض میں مشہور ہے۔ چونکہ ان لوگوں کی بول چال ہی ایسی تھی اور ان کی بلاغت ہی یہ تھی اور ان کے محاورات ہی یہ تھے۔ اس لئے حضور ﷺ نے ان کے لئے ان ہی کا طرز خطاب روا کیا تا کہ لوگوں پر وہ باتیں ظاہر کریں جو آپ ﷺ پر اللہ ﷻ نے نازل فرمائی ہیں اور یہ کہ لوگوں کو آپ ﷺ اسی طرح تعلیم دیں جس طرح ان کی بول چال ہے۔

(دلائل النبوة لابن نعیم کفانی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۴۸)

جیسا کہ عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ فَإِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْطِئَةُ وَالْيَدُ السُّفْلَى هِيَ الْمُنْطَاةُ. اوپر کا ہاتھ دینے والا اور نیچے کا ہاتھ لینے والا ہے۔ عطیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری لغت میں کلام فرمایا۔ (مسند رک جلد ۲ صفحہ ۳۲۷ سنن بیہقی کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۸)

اسی طرح حدیث عامری رضی اللہ عنہ میں ہے جب انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے سے سوال کر یعنی جو چاہے سوال کر۔ یہی عامری بول چال ہے۔ (دلائل النبوة لابن نعیم کفانی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۴۸)

لیکن حضور ﷺ کے عام ارشادات وہ فصاحت کے شاہکار جوامع الکلم اور حکمتوں سے بھرپور ہیں اور وہ زبان استعمال فرمائی ہے جس میں شاعروں کے بالعموم دیوان ہیں اور وہ عام کتب میں جاری و ساری ہیں ان میں سے حضور ﷺ کے بعض ارشادات تو ایسے ہیں کہ ان کا فصاحت و بلاغت میں کوئی موازنہ ہی نہیں کر سکتا۔ جیسے الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَوْنَ دِمَاءً وَهُمْ وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَذْنَاهُمْ وَهُمْ يَدُّ عَلَى عَنَنْ سِوَاهُمْ تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں ان میں سے ادنیٰ شخص کے ذمہ لینے سے سب پر وفا ہو جاتی ہے وہ سب ایک ہاتھ ہیں ان پر جو ان کا مخالف ہے۔ یعنی وہ سب متحد و متفق ہیں اور یہ اتفاق ان کی زبردست طاقت ہے۔

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۸۹۵، سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۱۸۳۰، سنن نسائی جلد ۸ صفحہ ۲۲)

اور حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ "النَّاسُ كَأَسْنَانِ الْمَشْطِ وَالْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ<sup>۱</sup> وَلَا خَيْرَ فِي صُحْبَةِ مَنْ لَا يَرَى لَكَ مَا تَرَى لَهُ<sup>۲</sup> وَالنَّاسُ مَعَادِنٌ<sup>۳</sup> وَمَا هَلَكَ إِمْرُؤٌ عَرَفَ قَدْرَهُ<sup>۴</sup> وَالْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ<sup>۵</sup> وَهُوَ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ<sup>۶</sup> وَرَحِمَ اللَّهُ عَبْدًا<sup>۷</sup> قَالَ خَيْرًا فَعَنِمَ أَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ.

یعنی لوگ کنگھی کے دانوں کی طرح ہیں اور آدمی اس کے زمرہ میں ہے۔ جس سے وہ محبت رکھتا ہے اس شخص کی صحبت میں بھلائی نہیں جو تیرے لئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور لوگ کانیں (معدن) ہیں اور وہ آدمی ہلاک نہیں ہوتا جو اپنی قدر پہچانتا ہے جس سے مشورہ طلب کیا جاتا، وہ امانت دار ہوتا ہے۔ وہ جب تک کلام نہ کرے مختار ہے۔ اللہ ﷻ اس پر رحم کرے جو اچھی بات کہے تو وہ غنیمت ہے یا خاموش رہا تو سلامتی ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں: أَسْلِمَ وَتَسَلَّمَ اسلا م لاسلامتی میں رہے گا۔ وَأَسْلِمَ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ. اور اسلا م لا کہ اللہ ﷻ تجھ کو دو گنا ثواب رحمت فرمائے گا۔

۱۔ مکارم الاخلاق لابن لال عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہما، کما فی منابہ الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۹

۲۔ بخاری شریف جلد ۸ صفحہ ۳۳، مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۰۳، ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۲

۳۔ الکامل لابن عدی جلد ۳ صفحہ ۱۰۹

۴۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۲۲-۱۲۳، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۳

۵۔ تاریخ ابن سمانی کما فی منابہ الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۹

۶۔ ابوداؤد شریف جلد ۲ صفحہ ۳۳۳، ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۲، دارمی جلد ۲ صفحہ ۲۱۹

۷۔ مسند الفردوس للذہبی جلد ۲ صفحہ ۲۵۹، الاحیاء جلد ۳ صفحہ ۷، والفیض القدر جلد ۲ صفحہ ۲۲

(بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۳۰، مسلم شریف جلد ۳۱ صفحہ ۱۳۹۶)

وَأَنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبَكُمْ مِنِّي مَجَالِسَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَحْسَنُكُمْ إِخْلَاقًا. اور بیشک تم میں وہ شخص مجھے زیادہ محبوب ہے اور قیامت کے دن وہ میرے زیادہ قریب ہوگا جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

(سنن ترمذی شریف جلد ۳ صفحہ ۳۳۹)

الْمُؤَطَّنُونَ أَكْنَافًا الَّذِينَ يَأْلِفُونَ وَيُؤَلَّفُونَ. متواضع اور خاکسار وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ لَعَلَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِمَا لَا يَعْنِيهِ. شاید کہ وہ لایعنی اور لغو باتیں کرتا رہا اور بے فائدہ کنجوسی کرتا رہا ہو۔

(سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۳۸۲)

اور حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ذُؤَالْوَجْهَيْنِ (دورخی) باتیں کرنے والا اللہ ﷻ کے نزدیک اچھا نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد شریف جلد ۵ صفحہ ۱۹۱-۱۹۰)

اور حضور ﷺ نے قِيلَ وَقَالَ (کج بخش) اور کثرت سوال، اضاغت مال اور (جائز و ناجائز) جمع مال اور والدین کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری شریف جلد ۸ صفحہ ۸۲، مسلم شریف جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۰-۱۳۳۱)

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں: جہاں کہیں ہو اللہ ﷻ سے ڈرتا رہے برائی کے بدلے نیکی کر کیونکہ نیکی برائی کو مٹا دیتی ہے، لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آئے بہترین کام میانہ روی ہے۔ اپنے دوست کو کم رازدار بنا ممکن ہے کہ وہ کسی وقت تیرا دشمن ہو جائے۔

(الادب المفرد صفحہ ۲۳۲، سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

ارشاد ہے سب سے بری اندھیری قیامت کی تاریکی ہے۔

(بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۱۱۳، مسلم شریف جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۶، ترمذی جلد ۴ صفحہ ۲۶۲)

حضور ﷺ نے بعض دعائیں اس طرح کی ہیں۔ اے اللہ ﷻ میں تجھ سے اس رحمت کا سوال کرتا ہوں جو تیرے نزدیک میرے دل کی ہدایت کرنے والی ہو اور میرے کام مجھ پر آسان کر دے، میری پراگندگی کو دور کر دے۔ میرے دل کی اصلاح فرما دے اور میرے ظاہر کو اس سے بلند کر دے اور میرے عمل سنوار دے۔ میری درستگی کو بتلا دے اور اس سے میری محبت وابستہ کر دے اور مجھ کو ہر برائی سے محفوظ رکھ۔

اے اللہ ﷻ! قضا وقت صحت و درستگی، شہیدوں کا مرتبہ، نیکیوں کی زندگی اور دشمنوں پر فتح یابی

۱۔ سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۲۳۹، حاکم جلد ۱ صفحہ ۵۲

۲۔ تاریخ ابن سمانی صفحہ ۵۱

کی دعا مانگتا ہوں۔ (سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۱۳۷)

محدثین کی ایک جماعت نے محدثین کے کثیر افراد سے حضور ﷺ کے مراتب و مقامات آپ ﷺ کی مجالس آپ ﷺ کے خطبے آپ ﷺ کی دعائیں آپ ﷺ کے جوابات آپ ﷺ کے عہد و پیمان اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ان میں کسی کو اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ کے ارشادات اس مرتبہ کے فصیح و بلیغ ہیں کہ کسی کے کلام کو ان پر قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا اور وہ اس قدر لائق ہیں کہ کوئی اس کے ہم مثل لانے پر قادر ہی نہیں۔

بلاشبہ محدثین نے جو کلمات جمع کئے ان پر کوئی قدرت رکھتا ہی نہیں کہ ان کو دل میں سمو کر اپنے الفاظ میں ہم معنی و مطلب ڈھال کر بیان کر سکے۔ جیسے حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ حَمِي الْوَطِيسُ<sup>۱</sup> (تنور گرم ہوا) یعنی لڑائی بھڑکی مَاتَ حَتْفَ الْفِه<sup>۲</sup> وہ اپنی موت مرا یعنی بغیر مار پیٹ اور قتل وغیرہ کے مرا اور فرمایا: وَلَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُعْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ<sup>۳</sup>۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ وَالسَّعِيدُ مَنْ وَعِظَ بِغَيْرِهِ<sup>۴</sup>۔ نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔

اس قسم کے اور دوسرے ارشادات ہیں جن کے دیکھنے والے کو اس کے مضامین محو حیرت بنا دیتے ہیں اور وہ الفاظ کے مختصر ہونے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔

بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ہم نے کسی کو آپ ﷺ سے بڑھ کر فصیح نہیں دیکھا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے کون روک سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم صاف عربی میں میری زبان پر نازل ہوا۔<sup>۵</sup> ایک اور مرتبہ فرمایا: میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں مگر یہ کہ میں قریشی ہوں اور بنی سعد میں پرورش ہوئی۔ (انہما جلد ۱ صفحہ ۱۷۱)

اسی سبب سے حضور ﷺ کے لئے بدری فصاحت، شیریں کلامی، دیرینہ خالص عربی بولی اور اس کی مضبوطی جمع کر دی گئی۔ پھر آپ ﷺ کے کلام میں جلا (رونق) تائید الہی ﷻ سے بھی ہوئی جو اس وحی کی مدد کے ذریعہ جس کے علم تک انسان کے علم کی رسائی اور اس کا احاطہ ممکن نہیں۔

۱۔ مسلم شریف جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۹ دلائل النبوة جلد ۵ صفحہ ۱۲۷

۲۔ الشعب للبيهقي رحمه الله كافي منال الصفاء للسيوطي صفحہ ۵۲

۳۔ بخاری شریف جلد ۸ صفحہ ۲۷

۴۔ الدیلمی عن عقبہ بن عامر رحمہ اللہ کانی منال الصفاء للسيوطی صفحہ ۵۲

۵۔ الشعب فی طریق عباد من العوام کانی منال الصفاء للسيوطی صفحہ ۵۲

اُمّ معبد رضی اللہ عنہا نے آپ کے کلام میں فصاحت و بلاغت کی تعریف میں کہا کہ آپ شیریں کلام تھے نہ زیادہ بولتے (کہ سننے والے کو گراں گزرے) اور نہ کم بولتے (کہ سننے والے مفہوم ہی نہ سمجھے) آپ کا کلام ایک موتیوں کی لڑی ہوتا کہ موتی پر دیئے گئے ہیں۔ آپ ﷺ بلند آواز اور خوش گلو تھے۔

## چھٹی فصل

آپ ﷺ کی نسبی شرافت، آپ ﷺ کے شہر کی بزرگی اور آپ ﷺ کی نشوونما

ان کے ثبوت کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں اور نہ ان کا بیان مشکل ہے۔ یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ آپ ﷺ قبیلہ بنی ہاشم کے منتخب اور خالص نسل قریش میں سے ہیں۔ سارے عرب میں آپ ﷺ اشرف اور والدین کے لحاظ سے آپ ﷺ سب میں معزز ہیں اور آپ ﷺ اس شہر مکہ کے رہنے والے ہیں جو اللہ ﷻ اور اس کے بندوں کے نزدیک تمام شہروں میں سب سے زیادہ مکرم ہے۔

**حدیث:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بالا سند مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیشک میں اولاد آدم علیہ السلام کے پے در پے بہتر زمانوں میں بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس قرن میں ہوا جس میں کہ ہوں۔ (بخاری شریف کتاب النقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۱، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۱۸، جلد ۲ صفحہ ۲۸۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ ﷻ نے مخلوق کو پیدا فرما کر مجھے ان کے بہتر زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ میں پیدا فرمایا، پھر قبیلوں کو پسند کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا۔ پھر گھروں کو پسند کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں بنایا۔ اس لئے میں ان کے بہترین افراد اور بہترین گھروں میں سے ہوں۔ (سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۳۲، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۷۴)

واشلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قبیلہ بنی کنانہ کو منتخب کیا، پھر قبیلہ بنی کنانہ میں سے قریش کو فضیلت دی، پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو اشرف کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو پسند کیا۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۳۳، صحیح مسلم جلد ۵ صفحہ ۱۷۸۲)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنی مخلوق میں سے بنی آدم کو پسند کیا، پھر بنی آدم میں سے اہل عرب کو پھر عرب میں سے قریش کو پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو پھر ہاشم میں مجھ کو پسند فرمایا۔ اس لئے میں بہتروں میں سب



سے بہتر، ہمیشہ رہا ہوں۔ پس جو عرب سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت کی بنا پر محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھتا ہے۔

(طبرانی جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۰، حاکم جلد ۲ صفحہ ۸۷-۸۶، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۱ صفحہ ۶، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی روح اقدس حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل اللہ ﷻ کی بارگاہ میں نور تھی۔ وہ نور اقدس اللہ ﷻ کی تسبیح میں مشغول تھا اور فرشتے آپ ﷺ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ پھر اللہ ﷻ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو وہ نور اقدس آپ ﷺ کی صلب میں رکھا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اللہ ﷻ نے زمین کی طرف صلب آدم علیہ السلام میں اتارا۔ پھر مجھ کو صلب حضرت نوح علیہ السلام میں منتقل کیا۔ پھر صلب ابراہیم علیہ السلام میں مجھ کو (نار نمود میں) ڈالا اسی طرح ہمیشہ اللہ ﷻ مجھ کو معزز و مکرم پشتوں (اصلاب) اور طیب و پاکیزہ رحموں (رحم مادر) میں منتقل فرماتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھ کو ان والدین سے پیدا فرمایا جو کبھی زنا کے قریب تک نہ گئے تھے۔

(ابن عمر العدنی فی مسندہ کمانی منابہ الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۳)

اس حدیث کی صحت پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ شعر گواہ ہے جو حضور ﷺ کی مدح و ثنا میں مشہور ہے۔

## ساتویں فصل

ضروریاتِ زندگی کی اقسام سے پہلی قسم

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زندگی کی ضروریات جس چیز کی خواستگار ہوتی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ اول: کمی کی فضیلت، دوم: کثرت کی فضیلت، سوم: مختلف حالتیں

لیکن کمی کی مدح و کمال شرعاً اور عادتاً ہر طرح بالاتفاق محمود ہے جیسے غذا اور نیند (کہ کم غذا کھانا اور کم سونا تعریف کے لائق ہے) اہل عرب اور تمام حکماء اس میں کمی کی ہمیشہ تعریف کرتے رہے ہیں اور ان میں زیادتی و کثرت کی برائی بیان کرتے رہے ہیں کیونکہ زیادہ کھانا پینا، نیند اور حرص و شہوت پر دلالت کرتا ہے اور شہوت کا غالبہ دنیا و آخرت میں نقصان دہ ہے اور جسم کی بیماریاں، سانس کی تنگی اور امتلاء دماغ کا موجب ہوتا ہے۔

اور کم کھانا پینا، قناعت، نفس پر بھروسہ، قاطع شہوت، موجب صحت، صفائے قلب اور ذہن کی

تیزی پر دلالت کرتا ہے۔ جس طرح نیند کی زیادتی سستی، کمزوری، کند ذہنی، ضعف اعصاب، کسلمندی، عاجزی کی عادت، بے فائدہ عمر کی اضاعت، قساوت قلب اور اس کی غفلت و موت پر شاہد ہے اور یہ بالکل بد یہی بات ہے اور ہمارے مشاہدے میں ہے اور گزشتہ امتوں اور حکیموں اور شعرائے عرب کے کلاموں میں اور اخبار و احادیث صحیحہ آثار سلف و خلف میں بتواتر منقول ہے جس پر کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ ہم نے اس کو یہاں اختصاراً اور (اس کی) شہرت کی بناء پر اسی پر اکتفا کیا۔

حضور اکرم ﷺ ان دونوں (غذا و نیند کی) قسموں میں بہت ہی کم حصہ لیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی وہ عادت کریمہ ہے جس پر کسی کو مجال انکار نہیں اور یہ وہی عادت ہے جس کا حکم حضور ﷺ نے دیا ہے اور اس کی ترغیب دلائی ہے۔ خصوصاً ان دونوں میں باہمی ربط ہے۔

**حدیث:** مقدم بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بالاسناد مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اولاد آدم علیہ السلام نے پیٹ سے بڑھ کر برا کوئی برتن نہیں پر کیا حالانکہ اولاد آدم علیہ السلام کے لئے چند لقمے کافی تھے جو اس کی زندگی باقی رکھ سکتے تھے اور اگر وہ کھانے پر اتنا ہی مجبور ہے تو (بھوک کے تین حصے کرے) ایک ثلث غذا، ایک ثلث پانی اور ایک ثلث سانس کے لئے رکھے اور نیند کی زیادتی دراصل کھانے پینے کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۷۱، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱، حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۳۱)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تھوڑا کھانا رات کی بیداری کا مالک بنا دیتا ہے۔ سلف کے بعض علماء فرماتے ہیں کہ زیادہ نہ کھاؤ اور نہ زیادہ پانی پیو اور نہ زیادہ سوؤ ورنہ تم زیادہ نقصان اور خسارہ اٹھاؤ گے۔

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ سب سے زیادہ محبوب کھانا آپ ﷺ کے نزدیک وہ ہے جو مل کر کھایا جائے یعنی اس کھانے پر زیادہ ہاتھ پڑیں۔ (صحیح بخاری باب الاطلاق جلد ۷ صفحہ ۲۱، صحیح مسلم باب الحق جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۳)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی کھانا شکم سیر ہو کر نہ ملاحظہ فرمایا۔ اگر آپ ﷺ کا شانہ اقدس میں جلوہ فرما ہوتے تو کبھی ان سے کھانا طلب نہ فرماتے اور نہ خواہش ہی ظاہر فرماتے۔ اگر وہ لوگ کھانا پیش کر دیتے تو ملاحظہ کر لیتے اور جو کچھ بھی وہ کھانا لاتے قبول فرما لیتے اور جو وہ پلاتے پی لیتے۔

اس پر حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے معارضہ نہیں کیا جاسکتا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے میں اہنڈیا میں گوشت نہیں دیکھتا۔ دراصل آپ ﷺ کے اس سوال کا مقصد ان کے اس گمان کو

دور کرنا تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ (صدقہ کا) گوشت بطور ہدیہ بھی حضور ﷺ کے لئے حلال نہیں ہے۔ یہ سنت کی تعلیم کے لئے سوال تھا۔ جب ان کو دیکھا کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے پیش نہیں کرتے باوجودیکہ حضور ﷺ خوب جانتے تھے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو حضور ﷺ پر کسی طرح ترجیح نہیں دیتے تھے تو ان کے گمان کی تصدیق فرماتے ہوئے ان کو مسئلہ کی ناواقفیت پر آگاہ فرمایا اور یہ فرما دیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے تو یہ صدقہ ہے لیکن ان کی طرف سے ہمارے لئے یہ ہدیہ ہے۔

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی حکمت میں ہے کہ اے میرے بیٹے جب تو معدہ کو بھرے گا تو تیری فکر سو جائے گی اور تیری حکمت گونگی ہو جائے گی اور تیرے خدا کی بندگی سے بیٹھ جائیں گے۔  
سحون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس شخص کو علم فائدہ نہیں پہنچاتا جو اتنا کھائے کہ پیٹ بھر جائے۔  
صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: خبردار! میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

(صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۶۲، سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۳۰، سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۸۹)

ٹیک لگانا یہ ہے کہ کھاتے وقت سہارا لے اور بیٹھنے میں مکمل ٹیک لگانا یہ ہے کہ چوکڑی مار کر بیٹھے اور اسی کے مشابہ وہ نشست ہے جو بیٹھنے والا کسی پر تکیہ لگائے۔ ان صورتوں میں کھانے والا بہت کھا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کھانا اس طرح تناول فرماتے کہ آپ پاؤں کے بل بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے رکھتے اور فرماتے ہیں

کہ میں بندہ ہوں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح غلام بیٹھتا ہے۔

(مسند الفردوس جلد ۱ صفحہ ۳۲۱، طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۳۸۱، مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۵، تاریخ ابن عدی جلد ۵ صفحہ ۱۹۷)

اور محققین کے نزدیک ٹیک لگانے کے یہ معنی نہیں کہ کسی پہلو پر جھک جائے۔

اسی طرح حضور ﷺ بہت کم سوتے تھے۔ اس پر بکثرت آثار صحیحہ شاہد ہیں۔ پھر بھی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ عَيْنِي تَنَامَانٍ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔ بیشک میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا اور حضور ﷺ کی نیند اہنے پہلو پر ہوتی تھی۔ اس سے کم سونے پر مدد لیتے تھے۔

(شمائل ترمذی صفحہ ۲۱۹، عمل الیوم والیومہ صفحہ ۳۶۰)

کیونکہ بائیں طرف دل ہے اور وہ باطنی اعضاء ہیں (جن پر) بائیں طرف لیٹنے سے نیند میں خوشگوار

۱۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۶۱۶

۲۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۲، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۰۹

اس کا دل معلق اور بے چین رہتا ہے تو جلدی وہ بیدار ہو جاتا ہے اور گہری نیند اس کو مستغرق نہیں کرتی۔

## آٹھویں فصل

### ضروریاتِ زندگی کی دوسری قسم

ضروریاتِ زندگی کی دوسری قسم جس کی زیادتی و کثرت پر بالاتفاق تعریف کی جاتی ہے اور اس کی کثرت پر فخر کیا جاتا ہے جیسے نکاح اور بلند مرتبہ لیکن نکاح یہ تو شرعاً بالاتفاق محمود ہے کہ یہ کمال و صحت مردانگی کی دلیل ہے۔ اس کی کثرت پر عادتاً ہمیشہ فخر کیا جاتا ہے اس پر مدح کرنا پرانی خصلت ہے لیکن شریعت مطہرہ میں تو یہ سنت ماثورہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس بات میں وہ شخص افضل ہے جس کی زیادہ بیبیاں ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۴)

اس سے ان کا اشارہ حضور ﷺ کی طرف ہے۔

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نکاح کیا کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تم سے اور امتوں پر فخر کروں گا۔ آپ نے تَبَتُّل یعنی نکاح کر کے معلق چھوڑ دینے کو منع فرمایا۔ باوجودیکہ اس میں قطع شہوات اور غرض بصر (آنکھوں کا پست کرنا) ہے۔ حالانکہ ان دونوں پر حضور ﷺ نے اپنے اس فرمان میں تنبیہ فرمائی ہے۔

کہ جب استطاعت ہو تو چاہئے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو پست کر دیتا ہے اور نظرونگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ علماء کرام نے نکاح کرنے کو زہد کے خلاف نہیں دیکھا۔ سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور سید المرسلین ﷺ کو بیویاں محبوب تھیں تو پھر اس میں زہد کیا ہو سکتا ہے (یعنی یہ زہد کے خلاف نہیں)۔

اس طرح ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بلاشبہ صحابہ کرام ﷺ میں جو زہد ہیں وہ بیویاں اور لونڈیاں رکھتے تھے یعنی وہ کثیر الزواج تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ، حضرت حسن اور حضرت ابن عمرؓ کثیر الزواج معروف ہیں۔

اکثر علماء نے اس کو مکروہ جانا ہے کہ انسان خدا کے دربار میں اس حال میں پہنچے کہ وہ ناکتدا

۱۔ مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۲۵۳

۲۔ صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۵ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۰

۳۔ صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۴ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۸، طبرانی کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۹

(غیر شادی شدہ) ہو اگر یہ سوال کیا جائے کہ نکاح اور کثرت ازواج کیونکر فضیلت کا موجب بن سکتی ہے حالانکہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی اللہ ﷻ نے ان کے غیر شادی شدہ (حصورا) ہونے کے باوجود تعریف کی ہے پس وہ کیونکر ثنائے باری ﷻ کے مستحق ہو سکتے تھے جبکہ وہ اس فضیلت سے عاجز تھے اور یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ وہ عورتوں سے الگ رہے اگر یہ امر ایسا ہی ہوتا جیسا کہ بیان کرتے ہو تو ضرور وہ نکاح کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حضور (غیر شادی شدہ) کی تعریف کی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نامرد تھے یا ان کا سِرّ مرد (مردانہ شرم گاہ) تھا ہی نہیں بلکہ اس پر بڑے بڑے مفسرین اور علماء ناقدین کا انکار منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو نقص و عیب ہے جو انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں۔ بلکہ حصورا کے معنی یہ ہیں کہ وہ گناہوں سے معصوم تھے اور وہ گناہ نہ کرتے تھے بعض کہتے ہیں وہ گناہ (زنا) سے رکے ہوئے تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ نفسانی خواہشات سے مجتنب (الگ) تھے اور بعض نے کہا کہ ان کا عورتوں کی طرف میلان تھا ہی نہیں۔

اب تم کو یہ بات معلوم ہو گئی ہوگی کہ نکاح پر قدرت نہ ہونا عیب و نقص ہے اور فضیلت یہ ہے کہ نکاح پر قدرت ہو پھر (نفسانی شہوت کا) قلع قمع کرے یا تو مجاہدہ کے ساتھ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا یا خدا کی طرف سے کفایت ہو جیسا حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حال تھا۔ یہ ایک زائد فضیلت ہے کیونکہ بسا اوقات شہوت مشغول کر دیتی ہے اور اس کو دنیا میں ڈال دیتی ہے۔ پھر وہ شخص جس کو یہ قدرت بھی دی گئی ہو اور اس کا مالک بھی بنایا گیا ہو اور اس میں امور ضروریہ کو قائم بھی کرے پھر وہ اپنے رب ﷻ سے غافل نہ رہے اس کا بڑا درجہ ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کا یہی حال و مرتبہ تھا کہ آپ ﷺ کو بیویوں کی کثرت اپنے رب ﷻ کی عبادت سے نہ روکتی تھی بلکہ اس نے آپ ﷺ کی زیادتی میں اور زیادتی کی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ان بیویوں کو پاک دامن عقیقہ بنا دیا۔ بلکہ آپ ﷺ بیویوں کے حقوق قائم فرماتے ان کے معاش کی جستجو کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو یہ صراحت کے ساتھ بتا دیا تھا کہ اگرچہ بیویوں کی کثرت اہل دنیا کے لئے حظ (لذت) میں سے ہے مگر میرے لئے یہ دنیا کا حظ نہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ تَمَهَّارِي دُنْيَا مِثْلِي مِنْ دُنْيَاكُمْ۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے جو عورتوں اور خوشبو کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا یہ دونوں اگرچہ اوروں کے لئے دنیاوی لذت ہے مگر حضور ﷺ کے لئے یہ دنیا کے لئے نہیں ہے بلکہ اخروی فوائد کے لئے ہیں۔ بسبب اس کے کہ ہم نے ترویج کے سلسلہ میں ذکر کیا اور خوشبو کا استعمال فرشتوں کی

ملاقات کے لئے تھا اور ایسے بھی کہ خوشبو کا استعمال جماع پر برا بیچتہ کرتا ہے اور اس کا مددگار ہے اور سبب جماع کا مہیج و محرک ہے لیکن ان دونوں یعنی عورتوں اور خوشبو سے محبت ان کے مذکورہ فوائد کے لئے نہ تھی بلکہ کسی اور سبب کے لئے تھی نہ کہ قطع شہوت کے لئے۔

آپ ﷺ کی خالص محبت ذات الہی اور اپنے مولا کے مشاہدہ قدرت اور اس سے مناجات میں تھی۔ اس لئے حضور ﷺ نے دونوں محبتوں کو جدا جدا بیان کر کے دونوں کی حالتوں کا فرق بتا دیا۔ پس فرمایا: نماز کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دی گئی۔ سوا ب حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عورتوں کی آزمائش میں مبتلا ہونے سے باز رہنے میں برابر ہو گئے اور عورتوں کے ساتھ قیام فرمانے سے فضیلت میں ان سے بڑھ گئے۔ اسی لئے حضور ﷺ ان میں سے ہیں جن کو طاقت دی گئی اور بہت ہی دی گئی۔ اسی لئے حضور ﷺ کو آزاد عورتوں کو نکاح میں لانے کی تعداد مباح کر دی گئی۔ جو آپ ﷺ کے سوا کسی کے لئے مباح نہیں۔

ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضور ﷺ ایک ہی وقت میں دن یا رات میں گیارہ عورتوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم باتیں کیا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ نسائی نے اس کی تخریج کی ہے۔ اسی طرح ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ طاؤس سے مروی کہ حضور ﷺ کو جماع میں چالیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ اسی کے مثل صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضور ﷺ کی آزاد شدہ لونڈی سلمیٰ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک رات نو بیویوں پر دورہ فرمایا اور دوسری کے پاس جانے سے قبل آپ ﷺ نے غسل کیا اور فرمایا: یہ بہت اچھا اور پاکیزہ طریقہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات سو عورتوں کے یا ننانوے عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ انہوں نے ایسا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پیٹھ میں سو آدمیوں کی طاقت تھی۔ حالانکہ ان کے حبلہ عقد میں تین سو بیبیاں یا ان کی تحویل میں تین سو باندیاں تھیں (شک راوی ہے) نقاش رحمہ اللہ اور ان کے سوا دوسروں نے نقل کیا سات سو بیبیاں اور تین سو باندیاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام باوجود کمال زہد اور اپنے ہاتھ سے کسب معاش کے آپ ﷺ کی ننانوے بیبیاں تھیں اور جب ایک اور عورت سے نکاح کر کے سو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ ﷻ نے اس پر خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ هَذَا أَحْيَىٰ لَكَ تَسْعَ وَتَسْعُونَ نَعْبَةً. بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس نناوے  
(پ ۲۳-۲۴) دُنیاں ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ مجھ کو لوگوں پر چار باتوں  
میں فضیلت دی گئی ہے: 1- سخاوت 2- شجاعت 3- کثرت جماع 4- قوت گرفت۔  
(طبرانی اوسط بسند جید کمانی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۶)

لیکن جاہ و مرتبہ۔ سو عقلاء کے نزدیک یہ عادتاً محمود ہے۔ اس کے جاہ و جلال کے موافق ہی  
لوگوں کے دلوں میں عظمت ہوتی ہے۔ بیشک اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں ارشاد  
فرمایا:

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (پ ۳-۴) ال عمران ۴۵) باعزت ہوگا دنیا و آخرت میں۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
لیکن اس کی آفتیں بہت ہیں۔ پس وہ بعض لوگوں کے لئے آخرت کے فائدہ کے لحاظ سے  
مضر ہے۔ اسی وجہ سے بعض نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کو برا کہا ہے اور اس کی ضد (گنہی) کی  
مدح کی ہے۔

اور شریعت میں گنہی کی مدح اور زمین پر اترانے کی مذمت آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے وہ مرتبہ عنایت فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل اظہار نبوت اور بعد اظہار نبوت لوگوں کے  
دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عظمت و ہیبت تھی۔ حالانکہ کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھلاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذا میں پہنچاتے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔  
مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی  
ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ اس بارے میں بکثرت خبریں مشہور ہیں۔ عنقریب بعض حدیثیں آنے  
والی ہیں۔

بلاشبہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے نہ دیکھا ہوتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ہیبت زدہ ترسیدہ ہو جاتا  
تھا۔ جیسا کہ قبیلہ نامی عورت سے مروی ہے کہ جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ لرزہ بر اندام ہو گئی۔  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مسکین عورت تو تسلی رکھ۔ (سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۶۷۱ شامل ترمذی ص ۱۱۸ طبقات ابن سعد)  
حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک مرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا تو وہ لرزے  
لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اطمینان رکھ میں بادشاہ (یا فرشتہ) نہیں ہوں۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۶۹)  
لیکن نبوت و شرافت منزلت و رسالت اور اصطفاء ذکر امت میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم مرتبہ

دنیا میں ہے وہ تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ پھر آخرت میں تو آپ ﷺ اولاد آدم کے سردار ہیں۔ اسی فصل کے معنی و مطلب کے لئے تو ہم نے اس تمام قسم کو تحریر کیا ہے۔

## نویں فصل

ضروریات و مقتضیات حیات کی قسموں کے بیان میں

ضروریات زندگی کی تیسری قسم یہ ہے کہ وہ مختلف حالات جن کے ساتھ تعریف و توصیف کی جاتی ہے اور ان کو سبب فخر جانا جاتا ہے اور ان کی وجہ سے فضیلت دی جاتی ہے۔ (ان میں سے ایک) مال کی زیادتی ہے۔ فی الجملہ مالدار عام لوگوں کے اعتقاد میں بڑا ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی حاجتیں پوری کر لیتا ہے اور اس کے سبب اس کے اغراض و مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں ورنہ فی نفسہ (مالدار میں) کوئی فضیلت نہیں ہوتی پس جب مال کی یہ صورت ہو اور مالدار جب اپنے مقاصد کے حصول اور ان لوگوں کی اغراض پر جو اس کے پاس امیدیں لے کر آئیں۔ ان پر مال خرچ کر لے اور اس کے ذریعہ مرتبت، تعریف اور نیک دل لوگوں میں عزت کا خریدار ہو تو وہ مالدار اہل دنیا کے نزدیک فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔

اور وہ مالدار جب اپنے مال کو نیکی کی راہوں میں خرچ کرے اور آخرت کی بھلائی کے لئے اس کو صرف کرے اور اس انفاق (خرچ کرنے) سے اس کا مقصد اللہ ﷻ کی خوشنودی اور آخرت کی بھلائی ہو تو یہ ہر حال میں سب کے نزدیک فضیلت رکھتا ہے اور جب مالدار بخیل و کنجوس ہو اس کے مصارف میں اور اس کے جمع کرنے کا حریص ہو تو مال کی کثرت نہ ہونے کے برابر ہوئی یہ مالدار کے لئے عیب و نقص ہوگا اور وہ مال اس کو سلامتی کی راہ پر گامزن نہیں رکھے گا بلکہ اس کو بخالت کے رذیل گڑھے اور کمینگی کی برائی میں ڈال دے گا۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ فی نفسہ مال میں کوئی تعریف اور فضیلت نہیں ہے بلکہ صرف اس لئے اس کی تعریف ہے۔ وہ دوسروں کو دیتا ہے اور اس کے مصارف پہ خرچ کرتا ہے۔ لہذا مال کا جمع کرنے والا اگر اس کی جگہ پر خرچ نہ کرے اور اس کو اس کے راستوں پر صرف نہ کرے تو وہ درحقیقت غنی (مالدار) نہیں اور نہ وہ مال اس کو بے پرواہ بناتا ہے اور نہ یہ بات کسی عقلمند کے نزدیک تعریف کے لائق ہے بلکہ وہ دائمی فقیر ہے (کہ ہر وقت مال کے حرص میں محتاج ہے) اور وہ اپنی کسی غرض تک نہ پہنچے گا کیونکہ جو مال اب اس کے ہاتھ میں ہے جو اس کو اغراض تک پہنچانے والا تھا وہ اس پر تسلط و غلبہ نہیں رکھتا (کہ



وہ اس کو خرچ کرے) وہ ایسا شخص ہو گیا جو کسی غیر کے خزانہ کا محافظ و نگہبان ہو اور وہ مال و خزانہ اس کا اپنا نہ ہو۔ گویا کہ اس کے ہاتھ میں اس سے کچھ بھی نہیں ہے اور مال کا خرچ کرنے والا بھرپور غنی ہے کیونکہ اس نے مال کے فوائد حاصل کئے ہیں۔ اگرچہ اس کے ہاتھ میں مال میں سے کچھ نہ بچے۔

اب ذرا ہمارے نبی حضور ﷺ کی عادت کریمہ اور سیرت مبارکہ پر نظر ڈالو اور مال میں آپ کے اخلاق حسنہ پر غور کرو تو تم حضور ﷺ کو اس حال میں پاؤ گے کہ آپ ﷺ کو زمین کے خزانے دیئے گئے، شہروں کی کنجیاں دی گئیں اور مال غنیمت آپ ﷺ کے لئے حلال کیا گیا۔ جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی پر حلال نہ تھا۔ حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں ملک حجاز، یمن اور تمام جزیرہ عرب اور جو اس کے قریب شام و عراق وغیرہ تھیں فتح ہوئے۔ ان کا خمس (پانچواں حصہ) اور جزیرہ اور صدقہ اتنا لایا گیا کہ اور بادشاہوں کے لئے اس سے بہت تھوڑا آتا تھا۔ پھر مختلف ملکوں کے بادشاہ آپ ﷺ کی خدمت میں تحفہ جات بھیجتے لیکن ان میں سے کسی پر بھی آپ ﷺ نے اپنے آپ کو ترجیح نہ دی اور نہ ان میں سے ایک درہم بھی اپنے لئے نہ روکا بلکہ ان تمام کو ان کے مصارف کی جگہوں پر خرچ فرمادیتے اور دوسروں کو غنی بنا دیتے اور مسلمانوں کی طاقت اس سے بناتے۔

اور فرماتے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور رات کو اس میں سے ایک دینار بھی رہے۔ مگر وہ دینار جو قرض کے طور پر لیا ہو۔

(صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۶۸۷، صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۲)

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں بہت سی اشرفیاں آئیں آپ ﷺ نے ان کو تقسیم فرمادیا۔ ان میں سے چھ اشرفیاں باقی بچ گئیں۔ تو وہ ایک بیوی کو دے دیں۔ آپ ﷺ کو نیند نہ آئی یہاں تک کہ ان کو بھی تقسیم فرمادیا اور فرمایا: اب مجھے چین و سکون ملا۔

(ابن سعد عن عائشہ بهذا اللفظ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۷)

آپ ﷺ نے دنیا سے اس حال میں کوچ فرمایا کہ آپ کی ذرہ آپ ﷺ کے عیال کے خرچ میں گروی پڑی ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۲۴، سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۳۴، سنن نسائی صفحہ ۲۸۸) آپ ﷺ اپنے خرچ لباس اور رہائش میں اسی قدر پراکتفا کیا ہوا تھا۔ جتنے سے آپ ﷺ کی ضرورت پوری ہو سکے۔ ماسوا میں آپ ﷺ زاہد تھے۔ جو بھی آپ ﷺ کو لباس مل جاتا اسی کو پہن لیتے۔ اکثر آپ ﷺ کا لباس عمامہ اور گاڑھے کپڑے کی چادر اور گھنا تہبند ہوتا اور دیباچ کی سنہری قبائیں حاضرین پر تقسیم فرمادیتے اور جو موجود نہ ہوتا اس کے لئے اٹھارہ کھتے۔

کیونکہ لباس میں اور زیب و زینت میں کوئی شرافت اور جاہ و جلال نہیں ہے۔ یہ تو عورتوں کی زینت ہے اور بہتر وہ لباس ہے جو کہ پاک و صاف اور درمیانہ ہو اور وہ لباس ایسا ہو کہ اس کے ہم جنس پہنتے ہوں۔ اپنے ہم جنسوں کی مروت کو نہ توڑے اور نہ اعلیٰ و ادنیٰ کے کناروں کی شہرت تک پہنچے اور بیشک شریعت نے اس کی مذمت کی ہے۔ لوگوں کے نزدیک عادتاً لباس میں فخر کرنا یہ ہے کہ اپنے آپ میں یہ فخر کرے کہ میرے پاس بہت کچھ ہے اور میں خوشحال ہوں۔

یہی حال عمدہ مکان، کشادہ منزل، زیادتی سامان و خدمتگار اور سواریوں پر فخر کرنے کا ہے۔ جو شخص زمین کا مالک ہو اور اس کی طرف ہر جانب سے مال غنیمت، جزیہ اور صدقات وغیرہ آتے ہوں پھر وہ ان سب کو زہد کی بناء پر چھوڑ دے وہی شخص مال کی فضیلت کا جائز حقدار ہے۔ اس خصلت کی بنا پر وہ مالک فخر ہے اگرچہ فضیلت اس پر فخر کو زیادہ کر سکے (حالانکہ حضور ﷺ کا مرتبہ اس سے کہیں بلند و بالا ہے) مال میں فی نفسہ کیا فضیلت ہے۔

اور حضور ﷺ کی ذات اقدس تو مدح و توصیف کی قسموں میں فضائل کا نچوڑ ہیں اور آپ ﷺ کا زہد تو فانی ہونے والی چیزوں میں ہے اور جہاں لوگ بخل کرتے ہیں وہاں حضور ﷺ خرچ کرتے ہیں۔

## دسویں فصل

### آپ ﷺ کے خصائل مکتبہ

اخلاق حمیدہ اور آداب شریفہ کی وہ خصلتیں جو حاصل کی جاسکتی ہوں اور ایسے خلیق کی فضیلت پر تمام عقلمند متفق ہوں اور ان میں سے کسی ایک وصف کا بھی وہ متصف ہو اس کی عزت و تکریم کرتے ہوں تو اس کا کیا مرتبہ جو ایک سے زائد فضائل کا مجموعہ ہو۔

شریعت نے ان تمام اخلاق کی تعریف کی ہے اور ان کا حکم دیا ہے اور جو ان اخلاق کا پیکر ہو اس کو ہمیشگی کی سعادت کا مژدہ دیا ہے اور بعض کی تو یوں تعریف کی ہے کہ وہ نبوت کے جزو میں سے ہے۔ اس کا نام ”حسن خلق“ ہے۔ وہ تو اے نفسانی میں معتدل اور اس کے اوصاف میں متوسط ہو کہ اس میں نہ کسی طرف سے جھکاؤ ہو اور نہ کسی طرف سے انحراف، یہ تمام اخلاق حمیدہ ہمارے نبی مکرم ﷺ میں انتہائے کمال پر اور توسط و اعتدال کی آخری حد تک موجود تھے۔ حتیٰ کہ اللہ ﷻ نے اس کی یوں تعریف فرمائی ہے:

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ (۲۹۔ اقلیم ۴) بیشک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ اس کی رضا پر راضی اور اس کی ناراضگی پر ناراض رہتے۔  
(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۱۰)

حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:  
بِعِثْتُ لِأَتِمَّ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ.  
میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا  
(موطا امام مالک صفحہ ۲۸۸، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸۱) کروں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خلق میں سب سے زیادہ بہتر تھے۔ حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ بھی اسی کے مثل کہتے ہیں۔  
(صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۶۹۲، جلد ۴ صفحہ ۱۸۰۵)

محققین نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کی خلقت میں ہی اس طرح (کے) جبلی اور فطری اخلاق تھے جو کسب و ریاضت سے بغیر عطیۃ الہی اور خصوصیات ربانی حاصل ہی نہیں ہو سکتے۔ یہی حال باقی تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ جس نے ان کے بچپن سے لے کر مبعوث ہونے تک کے حالات دیکھے ہوں اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ جس طرح حضرت عیسیٰ و موسیٰ و یحییٰ و سلیمان وغیرہ علیہم السلام کے حالات سے معلوم ہوئے ہیں بلکہ یہ اخلاق جبلی طور پر پیدائشی تھے اور ان میں فطری طور پر علم و حکمت و دیعت و امانت تھی۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا (پ۱۔ مریم ۱۲) اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کتاب الہی کا علم ان کے بچپن میں ہی دے دیا گیا تھا۔ معمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کی عمر ابھی دو یا تین سال کی تھی کہ بچوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کیوں نہیں کھیلتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں کھیل کود کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ (الذمہ صفحہ ۹۰)

اللہ ﷻ کے فرمان

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ.  
اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا۔

(پ۱۔ ال عمران ۳۹) (ترجمہ کنز الایمان)  
کی تفسیر میں مروی ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے اس حال میں تصدیق کی کہ وہ ابھی تین سال کے بچے تھے اور فرمایا کہ ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس حال میں تصدیق کی کہ وہ شکم مادر میں تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا سے فرماتی تھیں کہ میں ایسا پاتی ہوں کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ سجدہ تہیت کر رہا ہو۔ اس کی جو تمہارے پیٹ میں بچہ ہے۔ بلاشبہ یہ تو اللہ ﷻ

کی نص ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ (مریم) سے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا اور کہا کہ لَا تَحْزَنِي. (پ۱۔ مریم ۲۳) ”غم نہ کھا۔“ اس قرأت پر جس میں کہ مِنْ تَحْتِهَا ہے۔ یعنی اس نے جو اس کے نیچے تھا اور اس روایت کی بنا پر کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پکارنے والے تھے۔ اس میں مہد (جھولے) میں آپ علیہ السلام کے کلام فرمانے پر نص ہے۔ پس آپ علیہ السلام نے فرمایا:

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ لَدَ اتَّابِي الْكِتَابِ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا  
میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور  
مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) بنایا۔

(پ۱۔ مریم ۳۰)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۗ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَ  
عِلْمًا. (پ۱۔ الانبیاء ۷۹) ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو  
حکومت اور علم عطا کیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس حکم کا ذکر ہے جب کہ آپ علیہ السلام بچے تھے اور ایک  
سنگسار عورت اور بچے کا مقدمہ پیش آیا تھا اور آپ علیہ السلام کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی  
پیروی کی تھی۔ (تاریخ ابن عساکر صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۳ صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۳۰)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب آپ علیہ السلام کو ملک عطا فرمایا گیا اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر  
بارہ سال کی تھی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ قصہ ہوا۔ آپ علیہ السلام نے بچپن میں اس کی  
داڑھی پکڑی تھی۔ مفسرین اللہ ﷻ کے اس فرمان

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ. اور بیشک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ان کی  
(پ۱۔ الانبیاء ۵۱) نیک راہ عطا کر دی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کو صغیر سنی میں ہی ہدایت دے دی تھی۔ اس کو مجاہد رضی اللہ عنہ  
اور اس کے سوا دوسروں نے نقل کیا۔

ابن عطا رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو پیدا ہونے سے پہلے ہی جن لیا تھا۔

بعض نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ایک فرشتہ آپ علیہ السلام کی خدمت  
میں اللہ ﷻ نے بھیجا کہ وہ اللہ ﷻ کا حکم سنا، دل میں اس کی معرفت کراتا اور آپ علیہ السلام کی زبان پر  
اس کا ذکر جاری کراتا۔ اس وقت آپ علیہ السلام نے کہا کہ میں نے کیا اور یہ نہ فرمایا کہ میں اسے کروں

گا۔ یہ آپ ﷺ کا رُشد تھا۔

بعض نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم ﷺ آگ میں ڈالے گئے اور آپ ﷺ کی آزمائش کی اس وقت آپ سولہ سال کی عمر کے تھے اور جب حضرت اسحاق ﷺ (بقول صاحب شفاء ورنہ یہ واقعہ حضرت اسماعیل ﷺ کا ہے مترجم) ذبح کی آزمائش میں ڈالے گئے تو اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ حضرت ابراہیم ﷺ نے جب کوکب اور چاند سورج سے استدلال کیا تو اس وقت آپ ﷺ کی عمر پندرہ مہینے تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف ﷺ کو جب ان کے بچپن کی حالت میں ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تو اللہ ﷻ نے وحی فرمائی کہ

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا.

(پ۔ ۱۲۔ یوسف ۱۵) کام جتا دے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس کے علاوہ اور بھی احادیث میں اس قسم کے ذکر ہیں۔

اہل سیر رحمہم اللہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے سنایا ہمارے نبی ﷺ جب پیدا ہوئے تو پیدا ہوتے ہی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ زمین پر پھیلانے اور سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ابتداء ہی سے بتوں کی پرستش اور شعر گوئی سے نفرت و دشمنی تھی اور میں نے جاہلیت کی باتوں کا جو جاہلیت کے زمانہ کے لوگ کرتے تھے۔ سوائے دو دفعہ کے کبھی ارادہ نہیں کیا۔ سو خدا نے مجھے ان دونوں سے بھی بچالیا پھر وہ کام نہ کیا۔

(مجمع الرواؤد جلد ۸ صفحہ ۲۲۶)

پھر یہ امر ان کے لئے مضبوط ہو جاتا ہے اور پے در پے ان پر خدا کی مہربانیاں ہونے لگتی ہیں اور ان کے قلوب میں انوار عرفانیہ تاباں ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ ﷻ ان کو نبوت کے ساتھ ان خصائل شریفہ کے انتہائی مقام تک بغیر مزادلت و مشقت کے پسند کر لیتا ہے اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا

اور جب اپنی پوری قوت کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا۔ (پ۔ ۲۲۔ یوسف ۲۲) (ترجمہ کنز الایمان)

ہم ان انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کو پاتے ہیں کہ وہ ان اخلاق میں سے بعض پر پیدا ہوئے نہ کہ تمام اخلاق پر اور بعض ان اخلاق پر پیدا کئے جاتے ہیں تو ایسوں کو تمام اخلاق کا حصول و اکتساب خدا کی عنایت سے آسان ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ خدا کی مخلوق میں سے بعض بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ذہین، فطین، راست گو اور جوانمرد ہوتے ہیں اور بعض اس کے برعکس، پس کسب کے ذریعہ ناقص کامل ہو سکتا ہے اور ریاضت و مجاہدہ سے امر معدوم کو حاصل کر لیتا ہے اور اس کا منحرف (ادنیٰ و اعلیٰ کا) معتدل بن جاتا ہے۔ لہذا ان دونوں حالتوں کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کی حالتیں جدا گانہ ہوتی ہیں۔ ہر ایک کو اس کی توفیق دی گئی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا۔ اسی لئے سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ خلق پیدائشی ہے یا کسبی۔ بعض علماء سلف نے طبری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ خلق حسن بندہ میں جبلی اور پیدائشی ہے۔ اس کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ صحیح وہی بات ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر خصلت پر مومن کی تخلیق ہوتی ہے۔ مگر خیانت و کذب پر (کہ یہ انسان کا خود کسی عمل ہے)

(مصنف ابن شیبہ کما فی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۹)

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ شجاعت اور بزدلی یہ دونوں پیدائشی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے رکھتا ہے۔

(تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن حاتم کما فی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۹)

یہ اخلاق محمودہ اور خصائل جمیلہ و شریفہ بہت ہیں لیکن ہم اس جگہ اصولی تذکرہ اور جمیع اخلاق کی طرف اشارہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کی تحقیق کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

## گیارہویں فصل

### آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف فضائل

اخلاق و خصائل کے فروع کی اصل ان کے چشموں کا عنصر اور ان کے دائروں کا مرکز وہ عقل ہے جس سے علم و معرفت پیدا ہوتے ہیں اور اسی سے اصابت رائے تیزی ذہن، درستگی، حسن ظن، عاقبت اندیشی، مصالحہ نفس، مجاہدہ خواہشات، حسن سیاست و تدبیر، فضائل کی طلب، رذائل سے احتراز

وغیرہ اور اوصاف حمیدہ متفرع ہوتے ہیں اور ہم نے اس کا اشارہ کر دیا ہے کہ یہ تمام خوبیاں حضور ﷺ میں موجود ہیں۔

اور علم میں حضور ﷺ کی دستگاہ اس انتہائی بلند مقام تک ہے کہ کوئی بشر آپ ﷺ کے سوا وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے آپ ﷺ کی جلالت شان معلوم ہوتی ہے اور جتنی بھی اس سے شاخیں نکل سکتی ہیں اس شخص پر ثابت ہو جائیں گی جو آپ ﷺ کے حالات و سیرت کا متلاشی ہے اور جو آپ ﷺ کے جوامع کلمات کا مطالعہ کرے۔ آپ ﷺ کی خوبیاں اور آپ ﷺ کی نرالی سیرت اور آپ ﷺ کے کلام کی حکمتیں اور آپ کے اس علم کو جو تورات و انجیل اور کتب سماویہ میں موجود ہیں۔

عقلمندوں کی حکمتوں اور گزشتہ اُمتوں کی تاریخوں اور ان کے واقعات و حوادث اور ضرب الامثال اور لوگوں کی سیاست شریعتوں کے احکام، نفس آداب کے اصول اور پسندیدہ خصائل اور مختلف علوم وغیرہ میں موجود ہیں۔

تو ان علماء نے حضور ﷺ کے کلام کو ان میں پیشوا پایا اور آپ ﷺ کے اشادات کو حجت بنایا۔ جیسے خواب میں آپ ﷺ کی تعبیر بتانا، طب، حساب، فرائض اور نسب وغیرہ کا جاننا۔ ان سب کو انشاء اللہ ﷻ ہم آپ ﷺ کے معجزات میں بیان کریں گے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے نہ کہیں (متداول طریقہ پر) تعلیم پائی اور نہ کسی مدرسہ میں پڑھا اور نہ گزشتہ کتابوں کا مطالعہ کیا نہ ان کے علماء کی مجلسوں میں بیٹھے بلکہ آپ ﷺ ایسے نبی و اُمی تھے کہ ان میں سے کسی علم میں مشہور و معروف نہ تھے یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو کھول دیا، اپنے امور ظاہر کئے، آپ ﷺ کو علم سکھایا، پڑھایا اور یہ بات بدیہی طور پر بحث و مطالعہ کے بعد سمجھی جاتی ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات آپ ﷺ کی نبوت پر برہان قاطع ہے۔

پس ہم تمام قصوں کے بیان اور بعض قضیوں کے ذکر سے طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ ان کا مجموعہ اس قدر ہے کہ کوئی اس کو حصر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کے جمع کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ آپ کی عقل کے موافق ہی آپ ﷺ کے معارف تھے۔ جن کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو سکھایا اور آپ ﷺ کو علم مَا كَانَ وَمَا يَكُون یعنی گزشتہ و آئندہ کے حالات اور خدا کے عجائبات قدرت و ملکوت اعلیٰ پر اطلاع بخشی۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۗ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ (پ۔ النساء، ۱۱۳) پر بڑا فضل ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

آپ ﷺ پر فضل کے اندازہ کرنے میں عقلیں متحیر ہیں اور زبانیں گنگ ہیں کہ آپ ﷺ کے اوصاف کا احاطہ کر سکیں یا وہاں تک ان کی رسائی ہو سکے۔

## بارہویں فصل

### آپ ﷺ کا حلم اور بردباری

حضور ﷺ کا حلم بردباری اور باوجود قدرت کے عفو و کرم اور ناگوار امور پر آپ ﷺ کے صبر فرمانے کے بیان میں۔ ان لقبوں میں باہم فرق ہے۔

کیونکہ ”حلم“ ایک ایسی حالت کا نام ہے جو اسباب محرکہ یعنی برا بیچتہ کرنے والے اسباب کی موجودگی میں ثابت و برقرار رہے۔

اور ”تحمل“ یعنی بردباری ایسی حالت کا نام ہے جو مصائب و آلام کے وقت اپنی جان کو روک لے اور ان کو برداشت کرے اور اسی کے ہم معنی و مطلب ”صبر“ ہے۔

اور ”عفو“ اس حالت کو کہتے ہیں جو (بدلے لینے کے وقت) بدلہ کو ترک کر دے یعنی معاف کر دے۔

یہ وہ اوصاف ہیں کہ اللہ ﷻ نے ان کے ساتھ اپنے نبی ﷺ کو متصف کیا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ۔ اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم

(پ۔ الاعراف ۱۹۹) دو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مروی ہے کہ جب یہ آیت حضور ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے جبریل الطیبؑ سے اس کا مطلب دریافت کیا۔ عرض کیا: میں اللہ ﷻ سے پوچھ کر عرض کروں گا۔

چنانچہ وہ گئے اور آئے۔ پھر عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! آپ کو اللہ ﷻ حکم دیتا ہے کہ آپ اس سے ملیں جو آپ کو چھوڑتا ہے اور اس کو عطا فرمائیں جو آپ کو محروم رکھتا ہے اور اس کو معاف فرمادیں جو آپ پر ظلم کرتا ہے اور یہ ارشاد فرمایا:

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ

اور جو افتاء تجھ پر پڑے اس پر صبر کرے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۔ لقمن ۱۷)

۱۔ تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۱۰۵ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۲۸ اخلاق النبی ص ۶



اور فرماتا ہے:

فَاَصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أَوْلُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ. (پ۲۶۔ الاحقاف ۳۵) کیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ط

اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۸۔ النور ۲۲)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ (پ۳۱۔ الشوریٰ ۴۳) ہمت کے کام ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس میں خفا نہیں کہ آپ ﷺ کا حلم و تحمل بکثرت منقول ہے۔ ہر حلیم میں کوئی غلطی اور کوئی بے فائدہ بات معلوم ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ کا یہ حال ہے کہ کثرت ایذا کے باوجود آپ ﷺ کا صبر ہی بڑھتا اور بیوقوفوں کی زیادتیوں پر آپ ﷺ کا حلم ہی زیادہ ہوتا رہتا۔

حدیث: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی حضور ﷺ کو دو باتوں میں سے کسی ایک بات پر اختیار دیا جاتا تو ان میں سے آسان کو پسند فرماتے جب تک گناہ نہ ہو مگر گناہ کی بات ہوتی تو اس سے لوگوں کی نسبت بہت دور رہتے۔ آپ ﷺ نے اپنے لئے کبھی انتقام نہ لیا۔ سوائے اس کے کہ وہ حدود الہی کی بے حرمتی کرے تب آپ ﷺ اللہ ﷻ کے حدود کیلئے بدلہ لیتے۔ (صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۲۶، صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۸۱۳، موطا امام مالک صفحہ ۷۸۷)

مروی ہے کہ غزوہ احد میں جب آپ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ کا چہرہ انور ہولہان ہو گیا۔ یہ بات صحابہ کرام ﷺ پر سخت گراں گزری۔ سب نے عرض کیا کہ حضور ﷺ ان پر بدعاف فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَمْ أَبْعَثْ لِعَانًا وَلَكِنِّي بُعِثْتُ دَاعِيًا  
وَرَحْمَةً أَلَّهُمْ إِهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا  
يَعْلَمُونَ ۱  
میں لعن کرنے والا نہیں بھیجا گیا لیکن مجھ کو اللہ کی  
طرف بلانے والا اور رحمت فرمانے والا بھیجا  
ہے۔ اے خدا میری قوم کو ہدایت دے وہ مجھ کو  
نہیں جانتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک

۱۔ شعب الایمان میں کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ نقل ہے۔ جیسا کہ منال الصفاء امام سیوطی صفحہ ۶۰ پر فرماتے ہیں۔

و سلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے یوں دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرُ عَلَيَّ الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ اے میرے رب کافروں میں سے زمین پر کوئی  
ذیبا را۔ (پ۲۹۔ الجن ۲۲) بسنے والا نہ چھوڑ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اگر آپ ﷺ بھی اسی طرح ہم پر بددعا فرماتے تو ہم آخر تک ہلاک ہو جاتے کیونکہ آپ ﷺ کی کمر دوہری کی گئی اور آپ کا چہرہ انور زخمی کیا گیا اور آپ ﷺ کے اگلے چاروں دانت شہید کئے گئے۔ باوجود اس کے آپ ﷺ نے کلمہ خیر کے سوا بددعا سے انکار ہی فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اے خدا میری قوم کو معاف فرما دے۔ یہ نا سمجھ ہیں۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق دے۔ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد پر غور کرو کہ اس میں کس قدر فضیلت، درجات، احسان، حسن خلق، کرم نفس، غایت صبر اور حلم جمع ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے صرف ان سے سکوت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ معاف بھی فرما دیا۔ پھر شفقت و محبت فرماتے ہوئے ان کے لئے دعا اور سفارش بھی فرمائی۔

پس فرمایا:

اے خدا ان کو بخش دے یا فرمایا کہ ان کو ہدایت دے۔ پھر اس شفقت و رحمت کا سبب بھی بیان فرما دیا کہ لِقَوْمِي ۝ کہ یہ میری قوم ہے۔ پھر ان کی عذر خواہی کے طور پر ان کی جہالت کی وجہ میں فرمایا: فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ ”یہ نا سمجھ ہیں۔“

اور اس پر بھی غور کرو کہ جب ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا کہ انصاف فرمائیے۔ یہ تقسیم خدا کی خوشنودی کے لئے نہیں ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے اس کے سوا کچھ نہ فرمایا اور اس کو اس کی جہالت و نا فہمی پر خبردار کیا اور اس کو نصیحت کی۔

فرمایا:

تجھ پر افسوس ہے۔ اگر میں انصاف نہ کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اگر میں نے ہی انصاف نہ کیا تو میں ناکام و ناقص رہوں گا اور جو صحابی اس کے قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو منع فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۵، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۳۹)

اور (یہ بھی مقام فکر ہے) کہ جب غوث بن حارث نے حضور ﷺ کو بے خبری میں قتل کرنے کا قصد کیا۔ در آنحالیکہ حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے تنہا آرام فرماتے تھے۔

ناقلین واقعات غزوات میں سے ایک شخص نقل کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہ کہا

اور آپ ﷺ اس وقت بیدار ہوئے جب وہ تلوار سونت کر آپ کے سر پر کھڑا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ اب کون تم کو میری تلوار سے بچائے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ۔ تب اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے تلوار پکڑ کر فرمایا: بتا کون اب تجھ کو میرے وار سے روکے گا؟ اس نے کہا:

آپ اچھے پکڑنے والے بنیں۔ پس آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور اس کو معاف کر دیا۔ پھر وہ اپنی قوم میں آیا اور کہا: میں تمہارے پاس ایسے شخص سے مل کر آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہتر ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۶، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۷۲، ۲۷۳)

آپ ﷺ کی بڑی مہربانیوں اور عفو و درگزر کے واقعات میں سے اس یہودیہ کا قصہ ہے جس نے آپ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دیا تھا۔ صحیح روایت میں ہے کہ اس نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب العہدۃ جلد ۳ صفحہ ۱۲۳، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۷۲۱)

آپ ﷺ نے لبید بن العصم پر جبکہ اس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا، کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ تمام حالات کا علم ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر عتاب تک نہ فرمایا چہ جائیکہ سزا دیتے۔

(سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۱۱۳، مسند امام جلد ۲ صفحہ ۳۶۷، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۱۹)

ایسے ہی عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین پر باوجودیکہ ان کے قول و عمل سے بڑی زیادتیاں پہنچیں۔ آپ ﷺ نے مواخذہ نہیں فرمایا حتیٰ کہ بعض نے ان کے قتل کا بھی اشارہ کیا تھا۔ ان کو بھی منع کر دیا اور فرمایا: ایسا نہ ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد (ﷺ) تو اپنے اصحاب ہی کو قتل کرنے لگے۔

(کتاب المناقب، صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۲۸، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ پر ایک گاڑھے کی چادر حاشیہ دار تھی۔ اس کو ایک اعرابی نے شدت و سختی سے کھینچا۔ یہاں تک کہ چادر کے حاشیہ کا اثر آپ ﷺ کے گردن پر نمودار ہو گیا۔

پھر اس نے کہا: اے محمد (ﷺ) میرے ان دونوں اونٹوں پر وہ مال جس کو خدا نے تمہیں دیا ہے لا دو، کیونکہ تم مجھے نہ اپنے مال اور نہ اپنے باپ کے مال میں سے دیتے ہو۔

نبی کریم ﷺ خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ مال تو اللہ ﷻ ہی کا ہے۔ میں تو اس کا بندہ ہوں۔ پھر فرمایا:

اے اعرابی تم سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ جو تم نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اس نے کہا:

نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کس سبب سے؟

اعرابی نے کہا: اس لئے کہ آپ ﷺ کی یہ عادت کریمہ ہے ہی نہیں کہ آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے لیں۔ تب حضور ﷺ اس پر مسکرا دیئے۔ پھر حکم دیا کہ اس کے ایک اونٹ کو جو سے اور دوسرے کو کھجور سے بھردو۔  
(صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۲۶، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱، ادب اللہ للہیعی ص ۱۲۶، ۱۲۵)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی ظلم کا بدلہ لیتے نہیں دیکھا۔ جب تک کہ وہ اللہ ﷻ کے محرمات کی بے حرمتی نہ کرے اور کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہ مارا۔ سوائے اس صورت کے کہ آپ ﷺ جہاد فی سبیل اللہ فرما رہے ہوں۔ نہ کبھی آپ ﷺ نے کسی خادم کو مارا اور نہ کسی بیوی کو۔  
(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۲۳۰، ادب اللہ للہیعی جلد ۸ صفحہ ۳۶)

ایک شخص گھسیٹ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور اس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: تو مت ڈر تو مت ڈر۔ اگر تیرا یہ ارادہ ہے تو ہرگز اس پر قادر نہ ہوگا۔  
(طبرانی و مسند امام احمد عن جعدۃ کمانی الصفاء للسیوطی صفحہ ۶۲)

حضور ﷺ کی خدمت میں زید بن سعنے اسلام لانے سے قبل آیا اور اپنے قرض کا تقاضا کیا اور آپ ﷺ کے کپڑے کو آپ ﷺ کے کندھوں سے کھینچ لیا اور کپڑے کو اکٹھا کر کے پکڑ لیا اور سختی کے ساتھ کلام کیا۔ پھر کہا کہ اے عبدالمطلب کے فرزند تم دیر کرنے والے وعدہ خلاف ہو۔

حضرت عمرؓ نے اس کو جھڑکا اور سختی سے جواب دیا اور نبی کریم ﷺ مسکرا رہے تھے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرؓ! ہم اس سے سو اور بات کرنے کے خواہشمند تھے۔

یعنی یہ کہ مجھ کو اچھی طرح ادا کرنے کو کہتے اور اس کو اچھے تقاضے کی نصیحت کرتے۔ پھر فرمایا:

اس کی مدت میں ابھی ایک تہائی وقت باقی ہے اور حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ اس کا مال ادا کر

دو اور اس کو بیس صاع مزید دے دو کیونکہ تم نے اس کو خوفزدہ کیا ہے۔

پس یہی سبب زید بن سعنے کے اسلام لانے کا بنا۔ کیونکہ وہ کہتا تھا کہ میں نے حضور ﷺ

کے چہرہ انور سے تمام علامات نبوت معلوم کر لی تھیں۔ صرف دو باقی تھیں کہ میں نے ان کا امتحان نہ کیا

تھا۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ کا علم آپ ﷺ کے امی ہونے پر بڑھ جائے گا اور آپ ﷺ کی ﷺ (ظاہری) شرف

لا علمی آپ ﷺ کے علم ہی کو اور زیادہ کرے گی۔ سو میں نے اس کو بھی آزمایا اور ویسا ہی پایا جیسا کتب

سابقہ سا وہ میں آپ ﷺ کی تعریف لکھی تھی۔

(دلائل النبوة لابن نعیم صفحہ ۹۱، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۳۲، دلائل النبوة للہیعی جلد ۶ صفحہ ۲۷۸)

احادیث میں حضور ﷺ کی باوجود قدرت و طاقت آپ ﷺ کے حلم و صبر اور غفو کے واقعات اس کثرت سے ہیں جو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہم نے تصنیفات معتبرہ سے صحیح حالات کا ذکر کیا ہے جو تواتر اور یقین کی حد تک ہیں۔

آپ ﷺ کو قریش کی ایذاؤں اور جاہلوں کی تکالیف اور مصیبتوں کا ہر وقت سامنا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو ان پر مظفر و فتح یاب کیا اور ان پر حاکم کر دیا۔ حالانکہ وہ اپنی جماعت کے استیصال اور اپنے گروہ کی ہلاکت میں شک نہیں کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے سوائے معافی و درگزر کے کچھ نہ کیا اور فرمایا: تم کیا گمان کرتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ انہوں نے کہا: آپ ﷺ سے بھلائی کی امید ہے کیونکہ آپ ﷺ سخی بھائی ہیں اور سخی بھائی کے فرزند ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں آج وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

لَا تَثْرِبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. (پ۔ یوسف ۹۳) تم پر کچھ ملامت نہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (سبحان اللہ)

(تحفۃ الاشراف جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۳ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۸۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقام معجم میں صبح کی نماز کے وقت اسی مرد اترے۔ تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مقاتلہ کریں۔ پس وہ سب کے سب گرفتار کر لئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

(صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۶۲ سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ تحفۃ الاشراف جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)

اس پر یہ آئیے کریمہ نازل ہوئی:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ. اور وہی ہے جس نے ہاتھ تم سے روک دیئے۔

(۲۶۔ الفتح ۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

وہ ابوسفیان جب گرفتار کر کے لائے گئے جنہوں نے مختلف قبیلوں کو اکٹھا کر کے آپ ﷺ پر چڑھائی کی تھی اور انہوں نے حضور ﷺ کے چچا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر کے ان کا مثلہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو بھی معاف فرما دیا اور نرمی سے کلام کیا اور یہ فرمایا:

اے ابوسفیان! افسوس کیا ابھی تم پر وہ وقت نہیں آیا کہ تم کہو لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ. انہوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ ﷺ کتنے حلیم ہیں اور کیسے ملانے والے ہیں اور کس قدر

کریم ہیں؟

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۳، مکارم الاخلاق صفحہ ۷۱)

حضور ﷺ لوگوں کی نسبت غصہ سے بہت دور اور خوشی میں سریع السیر (خوشی کی طرف جلدی

کرنے والے) تھے۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۳، مکارم الاخلاق صفحہ ۷۱ بالفاظ دیگر)

## تیرہویں فصل

آپ ﷺ کا جو دو کرم اور سخاوت

جو دو کرم سخاوت و جوانمردی یہ قریب قریب ہم معنی ہیں لیکن بعضوں نے ان میں کچھ فرق بھی کیا ہے۔

کرم کے معنی یہ ہیں کہ خوشی دل سے ان کاموں میں خرچ کرنا جتنی مرتبہ اور نفع ہو۔ اس کو جرأت بھی کہتے ہیں اور یہ خست (کنجوسی) کی ضد ہے۔

اور سماحت یعنی سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ خوشی دل سے اپنے اس حق سے جو دوسرے کے پاس ہے باز رہنا۔ یہ شکا سے یعنی بخل کی ضد ہے۔

اور سخاوت یہ ہے کہ بسہولت خرچ کرے اور غیر پسندیدہ باتوں سے دور رہے۔ یہ جوڈ ہے جو تنگی کی ضد ہے۔

ان اخلاق کریمہ میں بھی حضور ﷺ کا کوئی برابر نہ تھا اور نہ کوئی ان میں آپ ﷺ کا معارض۔ جو بھی آپ کو پہچانتا تھا وہ تعریف کرتا تھا۔

**حدیث:** جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے بالا سند مروی ہے کہ وہ کہتے کہ حضور ﷺ سے جب کبھی کوئی سوال کرتا تو آپ ”لا“ یعنی نہیں کبھی نہ فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۱۲۳، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۵، شمائل ترمذی صفحہ ۲۷۹) حضرت انس اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۵، سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۳۳، مسند الطیالسی صفحہ ۲۳۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر سخی تھے اور رمضان المبارک میں تو بہت ہی سخاوت فرماتے تھے اور جب بھی جبریل علیہ السلام حاضر بارگاہ ہوتے تو آپ تیز ہوا سے زیادہ بھلائی میں سخاوت فرماتے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۲، ۱۸۰۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ دو پہاڑوں کے درمیان کی برابر بکریاں عنایت فرمادیں۔ جب وہ اپنی قوم میں گیا۔ اس نے کہا: مسلمان ہو جاؤ

بیشک محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ کبھی فاقہ کا خوف رہتا ہی نہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۷)

بہت لوگوں کو آپ ﷺ نے سوانٹ تک دیئے۔ صفوان کو آپ نے سو دیئے پھر سو دیئے۔<sup>۱</sup> یہ اخلاق تو آپ ﷺ کے بعثت سے پہلے تھے۔ آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل نے کہا: آپ ﷺ سب دیتے ہیں اور معدوم یعنی اخروی بھلائی کھاتے ہیں۔<sup>۲</sup> آپ نے ہوازن کو ان کے قیدی لوٹا دیئے۔ ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔ (صحیح بخاری کتاب الحکام جلد ۹ صفحہ ۵۹، مغازی جلد ۵ صفحہ ۱۲۶)

آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اتنا سونا دیا کہ وہ اس کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری باب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۷۶) آپ ﷺ کی خدمت میں نوے ہزار درہم آئے۔ آپ اس کو بورے پر رکھ کر کھڑے ہو گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے کسی سائل کو نہ لوٹا یا یہاں تک سب تقسیم فرما دیئے۔ (ابوالحسن بن الضحاک فی الشمائل عن الحسن مرسل کما فی منابہ الصفاء للسیوطی صفحہ ۶۴)

اس وقت ایک سائل نے حاضر ہو کر سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اب میرے پاس کچھ نہیں۔ لیکن تم میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس آ جائیں گے میں ادا کر دوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اتنی تکلیف نہیں دی جس پر آپ ﷺ قادر نہ ہوں۔ حضور ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۸۱)

انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ ﷺ خرچ کیجئے۔ عرش کے مالک اللہ ﷻ سے کمی کا خوف نہ کیجئے۔ حضور ﷺ مسکرا دیئے اور خوشی کے آثار آپ ﷺ کے چہرہ انور پر نمودار ہو گئے اور فرمایا: مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک طباق کھجور اور کلڑی لایا تو آپ نے لپ بھر کے زیور اور سونا مرحمت فرمایا۔

(سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۸۵، مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۲۶۳، ۲۵۱، ۱۰۸، ۳۱، ۳۷، ۲۶۹)

بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کل کے لئے کبھی کوئی چیز جمع کر کے نہ رکھتے تھے۔

(سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰، شمائل ترمذی صفحہ ۲۸۰)

غرضیکہ حضور ﷺ کے جو دو کرم کے واقعات بکثرت ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سوال کیا تو اس کو آپ نے نصف وسق یعنی میں صاع عطا فرمائے۔ ایک اور شخص نے آ کر تقاضہ کیا۔ آپ

۱۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۶

۲۔ صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۴۳، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۳

نے اس کو ایک وسق یعنی ساٹھ صاع دیئے اور فرمایا: نصف تیرے قرضہ میں اور نصف تم کو بخشش میں۔

## چودھویں فصل

آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری

شجاعت اور نَجْدَہ ایک فضیلت ہے۔

شجاعت یہ ہے کہ غضب کی قوت ہوتے ہوئے اس کو عقل کے تابع کر دیا جائے۔

نجدہ یہ ہے کہ موت کے وقت نفس مطمئن ہو اور اس کے اس فعل کی تعریف کی جائے۔ یہ

خوف کی ضد ہے۔

حضور ﷺ کی شجاعت و بہادری اس مرتبہ تک تھی کہ کوئی اس سے ناواقف نہ تھا۔ یعنی مشہور

تھی۔ آپ ﷺ کو بہت سے سخت مواقع پیش آئے کہ بڑے بڑے بہادر شجاع نہ ٹھہر سکے۔ مگر آپ ﷺ

ثابت قدم رہے اور نہ ہٹے۔ مقابلہ کیا مگر پیٹھ نہ دکھائی۔ نہ وہاں سے ایک انچ ادھر ادھر ہوئے۔ کوئی

شجاع ہو مگر وہ بھاگنے پر مجبور ہوتا ہے وہ دور شمار میں آتا ہے اور اس کے ٹل جانے کی یاد باقی رہتی ہے

لیکن حضور ﷺ ہر مقام پر ثابت قدم ہی رہے۔

حدیث: حضرت براءؓ سے بالاسناد مروی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا: کیا غزوہ حنین کے دن تم

لوگ حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ کہا لیکن رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے تھے۔ پھر کہا کہ میں نے

حضور ﷺ کو سفید دراز گوش پر دیکھا اور ابوسفیانؓ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ درآنحالیکہ حضور

ﷺ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَلِّبِ. یعنی میں وہ نبی ہوں جو جھوٹا نہیں اور میں

عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔

پس اس دن حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی بہادر نہ دیکھا گیا۔ ایک راوی کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ

اپنے دراز گوش (نجر) سے اتر گئے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۲۶ صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۳۰۰)

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباسؓ سے نقل کیا۔ جب مسلمان اور کافر گتھم گتھا ہو گئے اور

مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تو حضور ﷺ اپنے دراز گوش (نجر) کو ایڑی لگا کر کفار کی طرف بڑھتے تھے

اور میں اس کی لگام پکڑے ہوئے تھا اور آپ ﷺ کو روکتا تھا کہ جلدی نہ کریں یہاں تک کہ ابوسفیان

ﷺ نے آپ ﷺ کی رکاب پکڑ لی۔ پھر پکارا: اے مسلمانو! (آخ حدیث تک) (صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۸)



ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غصہ فرماتے۔ حالانکہ آپ ﷺ کا غضب صرف اللہ ﷻ کے لئے ہوتا۔ تو کوئی چیز آپ ﷺ کے غضب کی تاب نہ لاسکتی تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے بڑھ کر کسی کو بہادر صاحب حوصلہ سخی اور ہر معاملہ میں خوش نہ دیکھا۔  
(مقدمہ داری جلد ۱ صفحہ ۳۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب لڑائی شدت اختیار کر جاتی اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں تو ہم رسول اللہ ﷺ کے بچاؤ کی فکر کرتے۔ لیکن آپ ﷺ سے زیادہ کوئی بھی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ بدر کے دن بیشک تم نے مجھ کو دیکھا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں تھے اور آپ ﷺ ہم سے آگے دشمن کے قریب تھے اور اس دن سب سے بڑھ کر آپ ﷺ لڑائی میں تھے اور کہتے ہیں کہ بہادر وہی گنا جاتا تھا جو دشمن کے قریب ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نزدیک ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۴۰۱ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۵۸ جلد ۵ صفحہ ۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے بہتر سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات مدینہ کے لوگ گھبرا گئے اور لوگ آواز کی جانب چل پڑے تو دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس جانب سے واپس آ رہے ہیں۔ گویا آپ ﷺ اس آواز کی طرف پہلے ہی پہنچ گئے تھے اور خیر کی خبر لائے تھے۔ آپ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر بلا زین و کاشی سوار ہو کر تلوار گلے میں لٹکا کر تشریف لے گئے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے ہرگز خوفزدہ نہ ہو۔

(صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۸۰۲ صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۰)

عمران بن حصین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب کسی لشکر کے مقابل ہوتے تو مسلمانوں میں سے سب سے پہلے حملہ کرتے۔  
(مکارم اخلاق صفحہ ۵۴)

اور جب ابی ابن خلف (مناقب) نے یوم احد حضور ﷺ کو دیکھا تو وہ کہتا تھا: کہاں ہیں محمد! اگر وہ بچ گئے تو میری خیر نہیں۔ بدر کے دن جب نبی کریم ﷺ آئے اور اس سے فدیہ لیا گیا تو اس نے کہا تھا: میرے پاس ایک گھوڑا ہے اس کو روزانہ ایک رطل بھر چنے کا ٹوکرا کھلا کر پالوں گا تا کہ اس پر سوار ہو کر آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) شہید کر دوں۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: (اوبد بخت) انشاء اللہ ﷻ میں ہی تم کو قتل کروں گا۔

پس جب جنگ احد میں اس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو تیزی سے گھوڑا بڑھا کر حضور ﷺ پر

حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں نے اس کا راستہ روک لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو۔

اسی طرح حضور ﷺ نے حارث بن صمہ سے مبارزت فرمائی۔

تو آپ ﷺ نے اس کو اس طرح جھنجھوڑا کہ کفار ایسے بھاگے جس طرح اونٹ کی کمر سے مکھی بھینھناتی اڑتی ہے جب اونٹ حرکت کرتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کا مقابلہ فرمایا اور اس کی گردن میں اس شدت سے نیزے کی اتنی ماری کہ وہ گھوڑے پر قلابازی کھاتا، لڑکھڑاتا گرا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی ایک پسلی توڑ دی۔

جب قریش کی طرف واپس لوٹا تو وہ کہتا تھا: مجھ کو محمد (ﷺ) نے قتل کر دیا اور قریش کہتے تھے: کچھ مضا نلقہ نہیں۔ اس پر اس نے کہا: اگر وہ لوگ اس درد کا احساس کرتے جو مجھ کو ہوا تھا تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ کیا یہ نہ کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک دیتے تو یقیناً وہ مجھ کو قتل کر دیتے۔ غرضیکہ وہ مقام شرف میں مکہ واپس آتے آتے مر گیا۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۵۸، طبقات ابن سعد جلد ۲، صفحہ ۲۶، مصنف عبدالرزاق جلد ۵ صفحہ ۳۵۶، ۳۵۷)

## پندرہویں فصل

### آپ ﷺ کی حیا و چشم پوشی

حیا وہ ایک ایسی رقت ہے جو انسان کے چہرے پر اس وقت نمودار ہوتی ہے جب وہ کسی مکروہ عمل کو دیکھے جس کا نہ کرنا بہتر ہو۔

اغْضَاءُ یعنی چشم پوشی۔ یہ ایک وہ صفت ہے جب انسان کسی ایسی چیز کو دیکھے جس کو اپنی طبیعت سے برا جانتا ہو پھر اس سے منہ پھیرے۔

تو اس میں بھی حضور نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حیا فرمانے والے اور سب سے بڑھ کر غرض بصر یعنی چشم پوشی کرنے والے تھے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّ ذَالِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ  
(پ۲ الاحزاب ۵۳) لحاظ فرماتے تھے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بالا سنا مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سے زیادہ حیا والے تھے۔ جب حضور ﷺ کسی چیز سے کراہت فرماتے تو ہم حضور ﷺ کے چہرہ انور سے پہچان جاتے۔ حضور ﷺ کا چہرہ انور لطیف تھا۔ ظاہری جلد باریک تھی۔ آپ ﷺ حیا کی وجہ سے

جس بات کو مکروہ سمجھتے اس سے رُو دَرُورُو (بالشاذہ) کلام نہ کرتے۔ یہ آپ ﷺ کی شریف النفسی تھی۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۱۵۱ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۸۰۹ شامل ترمذی صفحہ ۲۸۳)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کسی کی طرف سے کوئی ناگوار اطلاع ملتی تو آپ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ فلاں کا کیا حال ہے وہ ایسا کہتا ہے۔

بلکہ آپ یہ فرماتے: فلاں قوم کیا کرتی ہے یا فلاں قوم کیا کہتی ہے۔ اس سے ان کو باز رہنے کی تلقین فرماتے اور ایسا کرنے والے کا نام نہ لیتے تھے۔

(سنن ابوداؤد شریف جلد ۵ صفحہ ۱۴۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہ فرمایا اور آپ ﷺ کسی کی موجودگی میں ناگوار بات کی نسبت کلام نہ فرماتے تھے۔ پس جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس سے کہہ دیتے کہ اس کو دھو ڈالو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تم اس کو کہہ دیتے کہ اس کو اتار دے۔ (تو وہ اتار دیتا)

(سنن ابوداؤد صفحہ ۵ صفحہ ۱۴۳ شامل ترمذی صفحہ ۲۷۳)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فحش گوئی اور نہ عمدہ فحش بات کہتے اور نہ بازاروں میں چلا چلا کر باتیں کرتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے۔ بلکہ اس کو معاف کر دیتے درگزر فرماتے۔

(شامل ترمذی صفحہ ۲۷۳ سنن ترمذی جلد ۴ صفحہ ۲۳۶)

بروایت عبداللہ بن سلام اور عبداللہ بن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہما تو ریت میں ایسا ہی مروی ہے۔ انہیں سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ حیا کی وجہ سے کسی کے چہرے پر نظر جما کر باتیں نہ فرماتے تھے۔ اور آپ کسی کی مکروہ بات کو اضطراب اُکنا یا فرما دیتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ کفای منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۶۸)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے کبھی حضور ﷺ کا ستر نہ دیکھا۔

(ابن ماجہ جلد ۱ باب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ شامل ترمذی صفحہ ۲۸۳)

## سولہویں فصل

آپ ﷺ کا حسن ادب و معاشرہ اور اخلاق

حضور اکرم ﷺ کا حسن معاشرہ آپ ﷺ کا ادب اور لوگوں سے آپ ﷺ کے وسعت

اخلاق کے بارے احادیث صحیحہ بکثرت مذکور ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وصف جمیل میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا اور لوگوں سے زیادہ کشادہ سینہ اور سب سے بڑھ کر صادق القول اور سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے برتر معاشرہ و برتاؤ تھا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۲، شمائل ترمذی صفحہ ۲۸۰، صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵)

**حدیث:** قیس ابن سعد رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا۔ اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے آخر میں کہا کہ جب آپ ﷺ نے لوٹنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا دراز گوش (نجر) پیش کر کے اس پر ایک کبیل ڈال دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہوئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قیس رضی اللہ عنہ سے کہا: تم حضور ﷺ کی مصاحبت میں ساتھ جاؤ۔ قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سوار ہو جاؤ۔ میں نے انکار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ۔ میں مجبوراً واپس آ گیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم آگے بیٹھ جاؤ کیونکہ سواری کا مالک اس کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ آگے بیٹھے۔ (سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۳۸۳، عمل الیوم والیلہ صفحہ ۱۱۵)

رسول اللہ ﷺ لوگوں سے الفت فرماتے اور ان سے نفرت نہ کرتے تھے اور آپ ﷺ ہر قوم کے بااخلاق فرد کی تکریم کرتے اور ان کو ان پر حاکم مقرر کرتے (بدخلق) لوگوں کو خوف خدا دلاتے اور ان سے احتراز فرماتے نہ یہ کہ ان سے منہ پھیر لیں یا بدخلقی کریں۔ اپنے اصحاب کی نگرانی فرماتے اور اپنے ہمنشیں کو اس کا حصہ مرحمت فرماتے۔ حاضر مجلس میں کوئی یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی اور بھی اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کے نزدیک مکرم ہے۔ جو شخص بھی آپ کے پاس بیٹھتا یا کسی ضرورت سے زیادہ قریب ہوتا تو حضور ﷺ صبر فرماتے یہاں تک کہ وہ خود ہی اٹھ کر چلا جائے تو چلا جائے اور جو شخص بھی اپنی حاجت کے لئے آپ ﷺ سے سوال کرتا تو اس کو دے کر بھیجتے یا اس سے نرم بات کرتے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کا اخلاق اس قدر وسیع تھا کہ تمام لوگوں پر وہ محیط تھا۔ گویا ﷺ آپ سب کے باپ (بلکہ اس سے بڑھ کر) تھے اور تمام مسلمان آپ ﷺ کے نزدیک حق میں مساوی تھے۔

ابن ابی حالہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کی یہی تعریف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمیشہ خوش رو، خوش خلق اور نرم دل رہتے اور آپ ﷺ سے کبھی بھی بد خلقی، بد کلامی، بازار میں چلا کر بولنا، بد گوئی اور عیب چینی صادر نہ ہوئی اور نہ آپ ﷺ خواہ مخواہ کسی کی مدح سرائی کرتے۔ جس چیز کو نہ چاہتے اس سے تغافل کرتے اور کوئی آپ ﷺ سے مایوس نہ ہوتا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۷)

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ

لَا نَفْضُوا مِنْ حَوْلِكَ م (پ۔ال عمران ۱۵۹)

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو بیشک وہ تمہارے گرد سے پریشان ہوتے۔ (ترجمہ کنز الایمان) اور فرماتا ہے:

ادْفَعِ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ. (پ۔۲۴۔جم سجدہ ۳۴) برائی کو بھلائی سے ٹال۔ (ترجمہ کنز الایمان) جو آپ ﷺ کو بلانا آپ ﷺ اس کی سنتے جو ہدیہ پیش کرتا قبول فرماتے تھے۔ اگرچہ ایک ٹکڑا گوشت ہی کا ہوتا اور آپ ﷺ اس کا بدلہ دیتے۔

(سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۹۷ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۸۰۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے کبھی بھی مجھ سے اُف نہ فرمایا اور نہ کبھی میرے کسی کام کو کہا کہ یہ کیوں کیا اور نہ کسی کا کہ نہ کرنے پر یہ فرمایا: یہ کیوں نہ کیا؟ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۴ فی الادب المفرد صفحہ ۱۷ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰) اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اخلاق میں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص نہ تھا اور آپ ﷺ کے صحابہ یا گھر والوں میں سے کوئی بھی حضور ﷺ کو بلاتا تو آپ ﷺ لبیک ہی فرماتے۔ (دلائل النبوة لابن تیمیہ کمانی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۶۹)

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی مجھے نہ روکا اور جب بھی مجھے دیکھتے تو آپ مسکرا دیتے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۲۶)

حضور ﷺ اپنے صحابہ سے خوش کلامی بھی فرماتے اور ان سے مل کر بیٹھتے اور ان سے باتیں کرتے اور ان کے بچوں کو پیار کرتے، گود میں بٹھاتے اور آزاد مرد غلام باندی اور غریب کی دعوت قبول فرماتے اور عیادت (بیمار پرسی) شہر کے آخر کونے تک جا کر کرتے اور کسی معذور کا عذر قبول فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری باب غزوة تبوک جلد ۶ صفحہ ۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جس نے کان میں بات کی تو آپ ﷺ اس وقت اس کی سماعت فرماتے جب تک وہ خود علیحدہ نہ ہو جاتا اور جو کوئی بھی آپ کا دست مبارک پکڑ لیتا۔ آپ ﷺ اس سے اس وقت تک ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا اور کبھی یہ نہ دیکھا گیا کہ آپ ﷺ نے اپنے ہم نشین سے آگے گھٹنے کر کے بیٹھے ہوں اور جو بھی حضور ﷺ سے

۱۔ سنن ابن ماجہ باب التجارات جلد ۲ صفحہ ۷۷۰ شامل ترمذی صفحہ ۲۶۳

۲۔ سنن ابوداؤد باب الادب جلد ۵ صفحہ ۱۳۷، کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۵۸

ملاقات کرتا تو اس سے پہلے سلام کرتے اور اپنے صحابہ سے پہلے خود مصافحہ فرماتے اور کبھی یہ نہ دیکھا گیا کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے سامنے پائے اقدس پھیلا کر بیٹھے ہوں کہ اس سے جگہ میں کسی کے لئے تنگی ہو اور آپ ﷺ اس کی عزت کرتے جو بھی حاضر بارگاہ ہوتا اور بسا اوقات اس کے لئے اپنا کپڑا یا اپنے نیچے کا بستر بچھا دیتے اور اس کو اس پر بیٹھنے کی تاکید فرماتے اگر چہ وہ انکار کرتا۔

اپنے صحابہ کی کنیت مقرر فرماتے اور ان کو ان کے اچھے ناموں سے مخاطب کرتے۔ یہ ان کی عزت افزائی تھی۔ آپ ﷺ کسی کی بات کو قطع نہ فرماتے اگر اس کی بات لمبی ہو جاتی تو یا تو منع کر دیتے یا کھڑے ہو جاتے اور یہ بھی مروی ہے کہ یا تو انتہا تک سماعت فرماتے یا خاموش بیٹھے رہتے۔

یہ بھی مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں آیا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ ﷺ نماز کو مختصر کر کے اس سے آنے کا مطلب پوچھتے۔ جب آپ ﷺ اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر نماز شروع کر دیتے۔ آپ ﷺ لوگوں سے زیادہ تبسم فرماتے اور ان سے پاکیزہ تر تھے۔ جب تک کہ آپ ﷺ پر قرآن نازل نہ ہوتا یا وعظ و خطبہ نہ فرماتے ہوتے۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کا حضور ﷺ سے بڑھ کر تبسم نہ دیکھا۔  
(شمائل ترمذی صفحہ ۱۸۹ مسند امام احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نماز فجر کے بعد مدینہ منورہ کی باندیاں پانی بھرا برتن لاتیں اور حضور ﷺ ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے اور بسا اوقات سردی کا موسم بھی ہوتا تھا اور اس سے لوگ تبرک حاصل کرتے تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۲)

## سترہویں فصل

### آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت

حضور ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت تمام مخلوق پر اس کے بارے میں اللہ ﷻ فرماتا ہے:

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ  
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝

(پ۔ التوبہ۔ ۱۲۸) کمال مہربان رحم فرمانے والے (ترجمہ کنز الایمان)

۱۔ سنن ابوداؤد باب الادب جلد ۵ صفحہ ۳۷۹

۲۔ دارقطنی کفای منابہ السفا للسیوطی صفحہ ۷۰

اور فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ  
اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں  
(پکا۔ الانبیاء ۱۰۷) کے لئے۔  
(ترجمہ کنز الایمان)

بعض علماء حضور ﷺ کی فضیلت میں کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنے ناموں سے دو نام اس آیت کریمہ بِالْمُؤْمِنِينَ رَوْفٌ رَّحِيمٌ میں عطا فرمائے۔  
اور اسی کی مثل ابو بکر بن فواک رحمتہ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

**حدیث:** ابن شہاب رحمتہ اللہ علیہ سے بالا سند مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ فرمایا اور غزوہ حنین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ کو سواونٹ غنیمت دیئے۔ پھر سواونٹ پھر سواونٹ۔

ابن شہاب رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے ہم سے کہا۔ صفوان رضی اللہ عنہ کہتا تھا کہ خدا کی قسم حضور ﷺ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا بہت عطا فرمایا۔ حالانکہ میں حضور ﷺ کو مخلوق میں سب سے برا سمجھتا تھا لیکن حضور مجھے برابر عنایت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اب میرا یہ حال ہے کہ مخلوق میں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی مجھے محبوب نہیں۔

مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے آ کر حضور ﷺ سے کچھ مانگا۔ حضور ﷺ نے اس کو عنایت فرما دیا۔ پھر فرمایا: کیا میں نے تم پر احسان کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں اور نہ تم نے کچھ احسان کیا۔ اس پر مسلمان غضبناک ہوئے اور اس کے مارنے کو کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو اشارے سے روک دیا۔ پھر حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور اس کی طرف مزید مال بھیجا۔ پھر فرمایا: کیا میں نے تم پر احسان کیا؟ اس نے کہا: ہاں۔ اللہ ﷻ آپ ﷺ کو اہل و عیال کی جانب سے برکت دے۔ پھر اس سے حضور ﷺ نے فرمایا:

تو نے مجھ سے جو کہا کہا لیکن میرے صحابہ کے دل میں تیری طرف سے انقباض ہے اگر تو پسند کرے تو تو ان کے سامنے بھی وہی کہہ دے جو تو نے مجھ سے کہا ہے تاکہ تیری طرف سے ان کے دل بھی صاف ہو جائیں۔

اس نے کہا: بہت اچھا۔

جب دوسرا دن آیا یا شام آئی تو وہ اعرابی آیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک یہ وہی دیہاتی ہے۔ اس نے جو کچھ کہا کہا پس میں نے اس کو کچھ

اور دیا۔ اب وہ کہتا ہے کہ میں راضی ہو گیا، کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ اس دیہاتی نے کہا: ہاں اللہ ﷻ آپ ﷺ کو اہل و عیال کی جانب سے برکت دے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: میری اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کی اونٹنی ہو اور وہ بھاگ جائے۔ پھر لوگ اس کے پیچھے دوڑیں مگر وہ اونٹنی قریب ہونے کی بجائے دور ہی بھاگتی جائے۔ اس وقت اس کا مالک ان سے کہے کہ میرے اور اونٹنی کے معاملہ میں تم دخل مت دو۔ میں اس کے لئے تم سے زیادہ نرم ہوں اور وہ خوب جانتی ہے۔ پس وہ اونٹنی کے آگے سے آیا اور زمین کی سبزی دکھا کر اس کو پکڑ لیا اور لوٹا لایا۔ یہاں تک کہ وہ آگئی اور بیٹھ گی اور اس کے اوپر کجاوہ باندھ دیا اور اس پر سیدھا بیٹھ گیا اور اگر میں تم کو چھوڑ دیتا جیسا کہ اس نے کہا تھا تو تم اس کو قتل کر دیتے اور وہ جہنم میں جاتا۔

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶-۱۵ کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۶۰-۱۵۹)

حضور ﷺ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تم میں سے کوئی میرے صحابہ کے بارے میں کچھ نہ پہنچائے۔ پس میں اس کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا تمہاری طرف گزر ہو تو میرا دل صاف ہو۔

(سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۳۶۹، سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۱۸۳)

حضور ﷺ کو اُمت پر شفقت، تخفیف اور ان پر آسانی اس قدر منظور تھی کہ بعض وہ باتیں ناپسند فرماتے تھے جس میں یہ خوف ہو کہ کہیں ان پر فرض نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر اُمت کے بارے مجھے یہ بات شاق نہ ہوتی تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ ہر وضو کے ساتھ مسواک ضرور کریں اور رات کی نماز (تہجد) اور صوم وصال (پے در پے روزے رکھنا) سے صحابہ کو منع فرمانا اور عمارت کعبہ میں داخل ہونے کو اس لئے ناپسند فرمانا کہ کہیں اُمت دشواری میں نہ پڑ جائے اور اللہ ﷻ سے اس کی آرزو کرنا کہ میرا سب اور لعنت (کفار پر) کرنا اُمت کے لئے رحمت کر دے اور حضور ﷺ کا یہ حال مبارک کہ جب کسی بچے کے رونے کی آواز کو نماز میں سنا تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتے۔

(یہ سب حضور ﷺ کی شفقتوں میں سے ہے) (صحیح بخاری کتاب الاذان جلد ۱ صفحہ ۱۱۸، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۴۲)

حضور ﷺ کی شفقتوں میں سے یہ بات بھی تھی کہ اپنے رب ﷻ سے دعا مانگی اور اس کا عہد لیا کہ میں جس شخص کو بھی برا کہوں یا لعنت بھیجوں تو اے مولا تو اس کو اس شخص کے لئے سبب پاکیزگی، رحمت، دعا، طہارت اور ایسی قربت جو قیامت کے دن مجھ سے نزدیک کر دے بنا دے۔<sup>۵</sup>

۱۔ صحیح بخاری کتاب الجمعہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۲۰

۲۔ صحیح بخاری کتاب الوضو جلد ۱ صفحہ ۲۴۲، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۴۱

۳۔ صحیح بخاری کتاب الصوم جلد ۳ صفحہ ۳۴۲، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷۶

۴۔ سنن ابوداؤد کتاب الناسک جلد ۲ صفحہ ۵۲۶، سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۸۰

۵۔ صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۸ صفحہ ۶۵، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۰۹، ۲۰۰۸، ۲۰۰۷، سنن امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۹۰



اور جب کوئی قوم حضور ﷺ کو جھٹلاتی تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہو کر عرض کرتے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے حق میں آپ کی قوم کی وہ باتیں جو آپ کی تردید کرتی ہیں، سنی ہیں اور بیشک پہاڑوں کے فرشتے کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کا حکم بجالائے جو کچھ آپ کی مرضی ہو۔

پھر پہاڑوں کے فرشتے نے آپ کو پکارا اور حضور پر سلام عرض کیا اور کہا: مجھے جو چاہے حکم دیجئے۔ اگر آپ چاہیں تو دونوں پہاڑان پر الٹ دوں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلکہ میں تو اس کی خواہش رکھتا ہوں کہ اللہ ﷻ ان کی پشتوں سے وہ لوگ پیدا فرمائے جو اللہ ﷻ کی عبادت کریں اور اس میں وہ کسی کو شریک نہ کریں۔

ابن منذر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ جبریل امین علیہ السلام نے حضور ﷺ سے عرض کیا: اللہ ﷻ نے آسمان زمین اور پہاڑوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اطاعت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت (دعوت) کو ڈھیل دیتا ہوں۔ شاید کہ اللہ ﷻ ان کو توبہ نصیب کرے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۱، صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۳۲۰)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کو جب کبھی بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کو پسند فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۹۱، صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۳۲۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہماری حالت و طبیعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ بخوف اس بات کہ ہم اکتانہ جائیں۔

(صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۲۱، صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۲۱۷۳)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوئیں جو سخت مزاج تھا۔ اس کو آگے پیچھے کرتیں (تاکہ وہ سدھر جائے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نرمی اختیار کرو۔

(صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۲۰۰۴)

## اٹھارہویں فصل

آپ ﷺ کی وفا، حسن عہد اور صلہ رحمی

حضور ﷺ کے اخلاق کریمہ میں وفا، حسن عہد اور صلہ رحمی یہ ہے کہ

حدیث: عبد اللہ بن حسانہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعثت یعنی اظہار نبوت سے

قبل میں نے حضور ﷺ سے ایک معاملہ خرید و فروخت کا کیا تھا۔ اس کا کچھ روپیہ باقی رہ گیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ آ کر آپ ﷺ کو روپیہ ادا کروں گا۔ میں بھول گیا۔ تین دن کے بعد مجھے یاد آیا۔ میں آیا اور دیکھا کہ حضور ﷺ ہنوز اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:  
اے جوان! تو نے مجھے تکلیف دی تین دن سے اسی جگہ تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۲۶۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جب کوئی ہدیہ لاتا تو آپ فرماتے: اس کو فلاں عورت کے گھر لے جاؤ۔ جو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی ہے۔ وہ عورت ان کو بہت محبوب رکھتی تھی۔

(ابن حبان جلد ۹ صفحہ ۷۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جس قدر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر غیرت کھائی ہے کسی عورت پر اتنی غیرت نہ کھائی۔ میں نے حضور ﷺ کو ان کا ذکر کرتے سنا ہے۔ جب بھی آپ بکری ﷺ ذبح فرماتے تو ان کی سہیلیوں کو ضرور ہدیہ ارسال فرماتے۔ آپ ﷺ سے ان کی بہن نے اجازت مانگی تو آپ ﷺ ان کے آنے سے خوش ہوئے۔

ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں آئی۔ آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور اچھی طرح خیریت دریافت کی۔ جب وہ چلی گئی تو فرمایا: یہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں آتی تھی۔ ایمان کی خوبیوں میں سے حسن سلوک بھی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المغائل جلد ۵ صفحہ ۳۲ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۸)

بعض علماء نے آپ ﷺ کی یوں تعریف بیان کی ہے کہ آپ ﷺ اپنے قرابت داروں سے ملتے تھے بغیر اس تخصیص کے کہ کون ان میں افضل ہے۔ (یعنی ہر ایک سے ملتے تھے)  
حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ فلاں کی اولاد میرے ورثاء میں نہیں۔ سوائے اس کے کہ ان سے قرابت ہے۔ سو اس کی برتری سے ان کو ترجیح دیتا ہوں۔ یعنی ملتا ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الاداب جلد ۸ صفحہ ۱۹۸ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۸)

بیشک حضور ﷺ نے امامہ بنت زینب (نواسی رسول ﷺ) کو اپنے کندھے پر اٹھا کر نماز پڑھی ہے۔ پس جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو ان کو نیچے اتار کر سجدہ کرتے پھر جب کھڑے ہوتے تو ان کو اٹھا لیتے۔

ابوققادہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نجاشی (بادشاہ حبش) کی طرف سے ایک وفد بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور ان کی تواضع کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خدمت کے لئے کافی ہیں۔

فرمایا: یہ ہمارے صحابہ کی (بوقت ہجرت از مکہ تا حبش) خاطر کرتے رہے ہیں۔ اب میری خواہش ہے کہ میں ہی ان کی خاطر کروں۔  
(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷)

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماء ہوازن کے قیدیوں میں آئی اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے چادر شریف بچھا دی اور فرمایا: اگر تم میرے پاس عزت و محبت سے رہنا چاہو تو رہ سکتی ہو۔ ورنہ میں تمہیں کچھ سامان دے کر تمہاری قوم کی طرف لوٹا دوں۔ تو انہوں نے اپنی قوم میں جانا پسند کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان دے کر واپس کر دیا۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۹ البدیۃ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۳/۱۶۴)

ابوالطفیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بچپن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک عورت آئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے چادر بچھائی۔ میں نے کہا: یہ عورت کون ہے؟ صحابہ نے کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ہیں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۳۵۳ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۹)

عمرو بن السائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے چادر کا تھوڑا حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (رضاعی) والدہ آ گئیں تو آپ نے چادر کا دوسرا حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھالیا۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۳۵۳ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۰۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثویبہ باندی ابولہب کو اپنے دودھ پلائی کے صلہ میں کپڑے بھیجا کرتے تھے۔ پھر جب وہ فوت ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرابت داروں کو دریافت کیا: کہا گیا کہ کوئی باقی نہیں ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۰۹/۱۰۸)

حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہیں؟ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ ہرگز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی کرتے ہیں اور کل کا بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں کو کھلاتے اور مہمان کی تواضع کرتے ہیں اور مصیبتوں پر

## انیسویں فصل

### آپ ﷺ کا تواضع فرمانا

حضور ﷺ کا تواضع کرنا باوجودیکہ آپ ﷺ جلیل المنصب اور رفیع المرتبت ہیں۔ پس لوگوں میں سب سے بڑھ کر تواضع تھے اور تکبر آپ ﷺ سے معدوم تھا۔

اس خصوص میں تم کو صرف یہ حدیث کافی ہے کہ حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ کیا آپ ﷺ نبی بادشاہ ہونا پسند کرتے ہیں یا نبی بندہ؟ تو آپ ﷺ نے نبی بندہ ہونا پسند فرمایا۔ اس وقت آپ ﷺ سے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی اسی تواضع کی بنا پر اللہ ﷻ قیامت کے دن آپ ﷺ کو تمام اولاد آدم علیہ السلام کی سرداری مرحمت فرمائے گا اور آپ ﷺ ہی وہ پہلے شخص ہوں گے جو شفاعت کریں گے۔

(مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۶۹)

**حدیث:** ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عصاء مبارک پر ٹیک لگائے جب ہم پر تشریف لائے۔ تو ہم آپ ﷺ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عجیبوں کی طرح نہ کھڑے ہو کہ وہ ایک دوسرے کی یونہی تعظیم کرتے ہیں اور فرمایا: میں تو ایک بندہ ہوں۔ اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۳۹۸ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۱)

حضور ﷺ دراز گوش (نخچر) پر سوار ہوتے تو کسی کو اپنے پیچھے بٹھالیا کرتے تھے اور مسکینوں کی عیادت کرتے اور غریبوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول کرنے اور اپنے صحابہ میں مل جل کر اس طرح بیٹھ جایا کرتے کہ جہاں جگہ ملتی۔

(شامل ترمذی صفحہ ۲۶۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بڑھایا (کہ انہوں نے خدا کا بیٹا مان لیا معاذ اللہ) میں تو بندہ ہی ہوں تو مجھ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ کہو۔

(بخاری کتاب الانبیاء جلد ۴ صفحہ ۱۳۳ ابوداؤد کتاب الرقاق مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۶۰-۵۵-۴۷-۴۳-۲۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت جس کی عقل میں خلل تھا آئی۔ اس نے کہا: مجھے آپ ﷺ سے ایک حاجت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام فلاں! تو مدینہ کے جس راستہ پر

چاہے بیٹھ جاو ہیں بیٹھ کر تیری ضرورت پوری کروں گا۔ وہ بیٹھ گئی تو حضور ﷺ بھی بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو گئی۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دراز گوش (نچر) پر سوار ہوتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول فرماتے تھے۔ بنی قریظہ کے دن آپ ﷺ دراز گوش پر سوار تھے جس کی مہار کھجور سے بٹی ہوئی رسی کی تھی اور اس پر پالان تھا۔

(سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۱، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کی روٹی اور باسی سالن پر بلائے جاتے تو بھی دعوت قبول فرمالتے تھے اور کہا کہ حضور ﷺ نے پرانے کجاوہ پر حج فرمایا۔ اس پر جو صوف کی چادر تھی وہ چادر ہم سے زیادہ کی نہ تھی۔ اسی حال میں آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی:

اے اللہ ﷻ اس کو خالص حج بنا جس میں ریا و نمود نہ ہو۔ حالانکہ یہ حج آپ ﷺ نے اس وقت کیا تھا جب آپ پر زمین کے خزانے کھول دیئے گئے تھے اور اس حج میں سواونٹ ہدی (قربانی) کے لئے ساتھ لے گئے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الحج باب حجتہ النبی ﷺ جلد ۲ صفحہ ۸۸۶)

اور جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور آپ ﷺ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اللہ ﷻ کے حضور میں عاجزی و تواضع سے سر کو پالان پر جھکا دیا تھا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کے اگلے لکڑی کے سرے پر آپ کا سر لگ جائے۔

(دلائل للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۶۹-۶۸ متدرک جلد ۳ صفحہ ۴۷۷ مسند ابی یعلیٰ جلد ۶ صفحہ ۱۲۰)

حضور ﷺ کے متواضعانہ حالات میں سے ایک آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ مجھ کو یونس ابن متیؑ پر فضیلت نہ دو اور نہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت دو اور نہ مجھ کو موسیٰ علیہ السلام پر پسند کرو اور ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے مستحق ہیں۔ جتنی دیر حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں رہے اتنے دن میں رہتا تو بلانے والے کی پکار کو مان لیتا اور آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے آپ کو یا خیر البریہ کہا تھا۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے۔

۱۔ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۳۳، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۸۱۵، شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۳

۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۶۵، شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۳، بیہقی جلد ۵ صفحہ ۴۴۴

۳۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۲۶، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۶

۴۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۲۶، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۳

۵۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۱۷، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۹

۶۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۹

عنقریب ان احادیث پر اس کے بعد انشاء اللہ بحث آئے گی۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حسن اور ابی سعید وغیرہ رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کی تعریف میں مروی ہے اور بعضوں نے کچھ زیادہ بھی کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے گھر میں اپنے اہل خانہ کا کام میں ہاتھ بٹاتے اور اپنے کپڑوں کو صاف فرماتے اور اپنی بکری کا دودھ دوہتے اور اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے، اپنی نعلین گانٹتے، اپنی خدمت آپ کرتے اور گھر کی صفائی کرتے اور اونٹ کے عقال ڈالتے اور اس کو چارہ دیتے اور خادم کے ساتھ کھانا ملاحظہ فرماتے اور خادمہ کے ساتھ آٹا گندھواتے اور بازار سے اپنا سامان خود لاتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۱۳، شمائل ترمذی صفحہ ۲۷۰، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کی باندیوں سے کوئی باندی حضور ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیتی تو حضور ﷺ کو جہاں چاہتی لے جاتی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا کام کر دیتے۔

ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا۔ حضور ﷺ کے رُعب سے اس کے بدن پر رُعب آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خوفزدہ نہ ہو، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک عورت کا فرزند ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ (صحیح بخاری باب الہجر جلد ۸ صفحہ ۱۸، ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ بازار گیا۔ آپ ﷺ نے قبا خریدی اور تولنے والے سے کہا: اس کو جھکتا تول۔ پورا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ وزن کرنے والا جلدی اٹھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دینے لگا۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: ایسا ہی عجمی اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں، میں تو تم میں سے ایک مرد ہوں۔ پھر آپ نے قبا لے لی۔ میں آگے بڑھا کہ حضور ﷺ سے یہ بوجھ لے لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شے کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے کہ وہی اس کو اٹھائے۔ (طبرانی اوسط فی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۷۶)

## بیسویں فصل

آپ ﷺ کا عدل، امانت، عفت اور صدق قال (راست گوئی)

حضور ﷺ کا عدل و انصاف، امانت و پاکبازی اور سچائی کا حال یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ امانت دار سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کا انصاف اور ان میں سب سے زیادہ پاکباز اور راست گو تھے۔ جب سے آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، ان اوصاف کا آپ ﷺ کے سخت سے سخت تر دشمن اور مخالف کو بھی اعتراف تھا اور اظہار نبوت سے قبل آپ ﷺ کو امین کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو امین اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ ﷺ میں اللہ ﷻ نے اخلاق صالحہ جمع فرمادیں تھے۔ اللہ ﷻ کے فرمان مُطَاع ثُمَّ اَمِينٌ ط (پ۔ الانور ۲۱) کی تفسیر میں اکثر مفسرین یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں۔

جب قریش کا خانہ کعبہ کی تعمیر میں اختلاف ہوا کہ کون حجرا سود کو نصب کرے تو انہوں نے فیصلہ کیا صبح جو سب سے پہلے داخل ہو وہ نصب کرے۔ چنانچہ حضور ﷺ داخل ہوئے۔ یہ واقعہ قبل اظہار نبوت کا ہے۔ قریش نے بیک زبان کہا کہ یہ تو محمد ﷺ ہیں یہ امین ہیں ہم ان سے راضی ہیں۔ ربیع ابن خثیم ؓ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مقدمات فیصلے کے لئے حضور ﷺ کے پاس لے جاتے تھے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں آسماں میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین۔

**حدیث:** حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بالاسناد مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے ابو جہل نے کہا: ہم آپ ﷺ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت کریمہ

لَا يُكَذِّبُوكَ. (پ۔ الانعام ۳۳) (النمل ۱۰) وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

نازل فرمائی۔ اس کے علاوہ دوسروں نے بھی کہا کہ ہم آپ ﷺ کی تکذیب نہیں کرتے اور نہ ہم میں آپ ﷺ جھوٹے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انخس بن شریق ابو جہل سے بدر کے دن ملا۔ اس نے کہا:

اے ابوالحکم! اس وقت میرے اور تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے جو ہماری باتوں کو سنے مجھے بتلاؤ کہ کیا محمد ﷺ سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابو جہل نے جواب دیا کہ خدا کی قسم بلاشبہ محمد (ﷺ) بالکل سچے ہیں اور انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۷ صفحہ ۱۱۶ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۰۶) ہرقل (بادشاہ روم) نے حضور ﷺ کے بارے میں ابوسفیان ؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم ان کو اظہار نبوت سے پہلے جھوٹا پاتے تھے؟ ابوسفیان ؓ نے کہا: نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۵ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۳)

نضر بن حارث نے قریش سے کہا: کیا تم میں حضور ﷺ نے بچپن نہیں گزارا، کیا تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور تم سب سے زیادہ راست گو اور تم میں سب سے بڑھ کر امانت دار نہ تھے۔ یہاں تک کہ جب تم نے ان کی کنپٹی کے بالوں میں سفیدی دیکھی اور تمہارے پاس خدا کا کلام لائے تو تم

کہنے لگے کہ وہ ساحر جادوگر ہیں۔ نہیں خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں ہیں۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۰۱)

حضور ﷺ کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں نے کبھی اس عورت کے ہاتھوں کو نہ چھوا جو آپ ﷺ کی ملک میں نہ ہو (یعنی بیوی یا باندی نہ ہو) (صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۶۶)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو حضور ﷺ کی تعریف میں ہے ذکر ہے کہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے بڑھ کر راست گو تھے اور صحیح حدیث میں ہے کہ تجھ پر افسوس ہے کہ اگر میں ہی عدل نہ کروں تو پھر کون عدل کرے گا۔ اگر میں عدل نہ کروں تو میں نقصان و خسارہ میں ہوں۔

(شامل ترمذی صفحہ ۲۱)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب بھی حضور ﷺ کو دو کاموں میں سے ایک کے اختیار کرنے کو کہا گیا۔ تو آپ ﷺ نے جب تک اس میں گناہ نہ ہو آسان کو اختیار کیا اور اگر اس میں گناہ ہو تو اور لوگوں سے زیادہ اس سے بچتے تھے۔

ابوالعباس مُمَرِّذُ رَحْمَةِ اللَّهِ عَلَيْهِ فَرَمَاتِي هِيَ كَه كَسْرِي (ایران کے بادشاہ نوشیرواں) نے اپنے دنوں کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا اور کہتا کہ ہوا کا دن سونے کے لئے، ابر کا دن شکار کے لئے، بارش کا دن پینے کھلنے کے لئے اور سورج یعنی روشنی کا دن ضروریات کے لئے مناسب ہے۔ ابن خالوئیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ (نوشیرواں) ان میں دنیاوی سیاست کا بہترین جاننے والا تھا۔ (جیسا کہ قرآن کریم میں ہے)

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا سِرَّهُمْ  
عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ۝  
اور آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

(۲۱۔ الروم ۷) (ترجمہ کنز الایمان)

لیکن ہمارے نبی ﷺ نے اپنے دن کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ اللہ ﷻ کے لئے اور ایک حصہ اپنے اہل کے لئے اور ایک حصہ اپنے لئے۔ پھر اپنے حصہ کو بھی اپنے اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ پس آپ ﷺ خاص لوگوں سے عام لوگوں کی مدد لیا کرتے تھے اور فرماتے کہ تم لوگ ان محتاج و غریب لوگوں کی حاجتیں مجھ تک پہنچاؤ جو میرے پاس تک نہیں آ سکتے ہیں کیونکہ جو شخص ایسے لوگوں کی حاجت پہنچاتا ہے جو خود نہیں پہنچا سکتا، اللہ ﷻ اس کو بڑی گھبراہٹ والے دن (قیامت) میں امن دے گا۔

(شامل ترمذی صفحہ ۲۶۵)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کسی کو دوسرے شخص کے گناہ کے بدلے میں نہیں پکڑا کرتے تھے اور نہ کسی کی تصدیق دوسرے کے خلاف کرتے تھے۔ (مراہیل لابی داؤد حدیث ۴۶۸)



ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علیؑ سے اور وہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ میں نے کبھی جاہلیت کے دور میں اہل جاہلیت کے کاموں کے کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ سوائے دو مرتبہ کے پھر ان دونوں کاموں میں اللہ ﷻ میرے اور میرے ارادہ میں حائل ہو گیا۔ پھر میں نے کبھی ارادہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اللہ ﷻ نے مجھ کو رسالت سے مشرف کیا۔ مزید فرمایا

میں نے ایک رات اپنے ساتھی لڑکے سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا، اگر تو میری بکریاں سنبھال لے تو میں مکہ میں جا کر جوانوں کی طرح وہ باتیں کروں جو وہ کرتے ہیں۔ پس میں اس ارادہ میں نکلا یہاں تک کہ میں مکہ کے پہلے مکان میں آیا تو میں نے کسی کی شادی کے سلسلہ میں وہاں دف اور باجہ بجنے کی آواز کوسنا۔ میں وہاں بیٹھ گیا کہ دیکھوں کیا گاتے ہیں؟ میرے کانوں پر غیبی طور پر کسی نے تھپکنا شروع کر دیا اور میں سو گیا۔ پھر میں دن چڑھے ہی بیدار ہوا اور لوٹ آیا اور میں کچھ نہ کر سکا۔ پھر ایک دفعہ ایسا ہی ایک اور واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد پھر کبھی میں نے ایسا ارادہ نہیں کیا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۳ دلائل النبوة لابن نعیم صفحہ ۱۳۳ البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ انھصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۹)

## اکیسویں فصل

### آپ ﷺ کا وقار خاموشی، مروّت اور نیک سیرتی

**حدیث:** خارجہ بن زیدؓ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ مجلس میں باوقار تھے۔ آپ کے اعضاء سے کوئی چیز نہ نکلتی (جو وقار کے خلاف ہو)

(مراسیل ابوداؤد باب الادب صفحہ ۲۴۱)

ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مجلس میں تشریف رکھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے احتباء کر لیتے تھے۔ (یعنی گھنوں کو کھڑا کر کے ان کو ہاتھوں یا کپڑے سے گھیر لینے کو احتباء کہتے ہیں) حضور ﷺ کی اکثر نشست احتباء پر ہوتی۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۱۹ سنن ابوداؤد باب الادب جلد ۵ صفحہ ۱۷۵)

جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ چہار زانو بیٹھتے اور کبھی بغیر احتباء تشریف رکھتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۲۶۳-۲۶۳-۱۳۱ کی مثل نسائی جلد ۳ صفحہ ۸۰ ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۱۷۸)

یہ قبیلہ کی حدیث میں ہے۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۱۸)

اور آپ ﷺ خاموش طبیعت تھے کہ بلا ضرورت کلام نہ فرماتے تھے۔ جو اچھی بات نہ کہے اس سے پہلو تہی فرماتے تھے اور آپ ﷺ کا ضحک (ہنسا) صرف مسکرانا ہوتا۔ آپ ﷺ کی مجلس علم و حیا

اور خیر و امانت کی مجلس ہوتی۔ اس میں زور زور سے بولنا نہ ہوتا اور بے پردہ عورتیں نہ بیٹھتیں۔ جب آپ ﷺ کلام فرماتے تو آپ ﷺ کے صحابہ سر جھکا دیتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ کی تعریف میں ہے کہ آپ ﷺ آگے کو جھک کر اور نرمی سے چلتے تھے۔ گویا کہ اوپر سے نیچے کی طرف چل رہے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ چلتے تو اپنے تمام اعضاء کو سمیٹ کر چلتے۔ اس شان کے ساتھ کہ نہ اس میں گھبراہٹ ہوتی اور نہ سستی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بہتر طریقہ حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔

(صحیح بخاری باب الادب جلد ۸ صفحہ ۲۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں ترتیل و ترسیل تھی یعنی ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے۔

(ابوداؤد کتاب الادب جلد ۲ صفحہ ۲۹۳)

ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خاموشی چار صفتوں پر مبنی تھی۔ علم، قوت، تقدیر، تفکر۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح باتیں کرتے کہ اگر شمار کرنے والا شمار کرنا چاہے تو کر سکے۔ آپ ﷺ عطر اور عمدہ خوشبو کو پسند فرماتے اور ان دونوں کو اکثر استعمال فرماتے اور دوسروں کو ان کی تلقین کرتے تھے۔

(صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۲۹۸)

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے تمہاری دنیا میں سے عطر اور بیوی محبوب ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۲۹۸)

حضور ﷺ کی مرآت میں سے یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونکنے سے منع فرمایا اور اپنے سامنے جو قریب ہو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ مسواک کرنے اور انگلیوں کے جوڑوں کو صاف کرنے اور خصال فطرت یعنی ختنہ کرنے، موئے زیر ناف لینے، مونچھوں کے کترنے، ناخنوں کے کاٹنے، بغلوں کے بال لینے، کلی کرنے، داڑھی بڑھانے کا حکم دیا۔

(صحیح بخاری کتاب اللباس جلد ۷ صفحہ ۱۳۷، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۲۲-۲۲۱، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۹۴)

۱۔ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۰۹، طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۸۰، ابوداؤد باب الاثریۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۵، ترمذی جلد ۳ صفحہ ۲۰۳، ابن ماجہ جلد ۲

صفحہ ۱۰۹۳-۱۱۳۳

۲۔ صحیح بخاری کتاب الاطعمۃ جلد ۷ صفحہ ۵۹، مسلم شریف جلد ۳ صفحہ ۱۵۹۹-۱۶۰۰

## بائیسویں فصل

آپ ﷺ کا زہد و تقویٰ

دنیا میں آپ ﷺ کے زہد و تقویٰ کا حال اخبار و احادیث سے پہلے گزر چکا ہے۔ جو آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے بیان میں اس کتاب میں آچکی ہیں۔ وہ تمہارے لئے بہت کافی ہیں۔ اب یہاں مختصر سا بیان کافی ہے۔

آپ ﷺ دنیا میں تھوڑے پر قناعت کرتے اور اس کی نمود و نمائش سے اجتناب فرماتے تھے۔ حالانکہ تمام دنیا آپ ﷺ کی وجہ سے پیدا کی گئی اور آپ ﷺ پر فتوحات بکثرت ہوئیں۔ باوجود اس کے آپ ﷺ نے جب وصال فرمایا تو آپ ﷺ کی ایک زرہ یہودی کے یہاں گھریلو اخراجات کے سلسلہ میں گروی پڑی ہوئی تھی اور آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: **اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا**۔ اے اللہ ﷻ رزق کو اولاد محمد (ﷺ) کے لئے توشہ بنا۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۸۲ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)

**حدیث :** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی تین دن متواتر شکم سیر ہو کر گیہوں کی روٹی نہ کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وصال فرمایا۔

(صحیح بخاری باب الاطعمۃ جلد ۷ صفحہ ۶۵ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹)

دوسری روایت میں ہے کہ جو کی روٹی دو دن متواتر شکم سیر ہو کر نہ کھائی۔ اگر چاہتے تو یقیناً اتنا ملتا کہ کسی کے دل میں خطرہ ہی نہ رہتا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی گندم کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اللہ ﷻ سے وصال فرمایا۔

**اُمّ المؤمنین** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں نہ دینا رہتے نہ درہم اور نہ بکری تھی نہ اونٹ۔

عمر بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ترکہ میں کچھ نہ چھوڑا سوائے ہتھیاروں اور ایک نچر اور تھوڑی زمین کے وہ بھی صدقہ کر دی گئی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۲۶)

**اُمّ المؤمنین** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے میرے گھر میں اس حال میں انتقال فرمایا کہ کوئی چیز ایسی نہ تھی جو کوئی جگر والا کھاتا صرف ایک طاقیہ میں کچھ جو تھے۔ حالانکہ حضور ﷺ نے فوراً مجھ سے فرمایا تھا کہ مجھ پر یہ پیش کش کی گئی تھی کہ مکہ کے میدان کو میرے لئے سونا کر دیا جائے۔

میں نے عرض کیا: نہیں اے میرے رب ﷺ! ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں جس دن میں بھوکا رہوں اس دن تیری بارگاہ میں مناجات کروں اور تجھ سے دعا مانگوں اور جس دن کھاؤں اس دن تیری حمد کروں اور تیرا شکر کروں۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۸۱ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۳-۲۲۸۲)

دوسری حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ ﷻ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ ﷺ پسند فرمائیں تو ان پہاڑوں کو سونا کر دوں۔ جہاں آپ ﷺ تشریف لے جائیں آپ ﷺ کے ساتھ جائیں۔ آپ ﷺ نے تھوڑی دیر سر کو نیچا رکھا پھر فرمایا:

اے جبریل علیہ السلام! دنیا تو اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کہیں مال نہ ہو۔ اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم اللہ ﷻ اس قول ثابت پر آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھے۔ (مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۵ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۷۱)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم آل محمد ﷺ کا یہ حال تھا کہ ایک ایک مہینہ گھر میں آگ تک روشن نہ ہوتی تھی صرف کھجور اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۸۲)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے حال میں وصال فرمایا کہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اہل خانہ نے جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہ بھرا تھا۔ حضرت عائشہ ابوالوامامہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ ﷺ مع اہل خانہ متواتر کئی کئی راتیں یونہی گزارتے کہ کوئی چیز کھانے کی نہ پاتے تھے۔

(صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۶۵ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۲۸۱ ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰-۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی نہ دسترخوان پر کھایا نہ پیالیوں میں اور نہ پتلی روٹی (چپاتی) اور نہ مسلم بکری آپ ﷺ کے لئے کبھی تیار ہوتی۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۸۲)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا بستر جس پر آپ آرام فرماتے تھے چمڑے کا ہوتا جس میں کھجور کے ریشہ (جملز) بھرے ہوتے۔

(صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۸۲ شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۱ صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۶۵ ابوداؤد کتاب اللباس)

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا بستر

اپنے گھر میں کبیل کا ہوتا جس کو دوہرا کر دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ اس پر آرام فرماتے۔ ایک رات میں نے اس کی چارتہہ کر دی۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا: تم نے رات میرے لئے کیا بستر بچھایا تھا؟ میں نے اس کو بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ اس پر نیند نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا اور آپ ﷺ کبھی کھجور کے چھلکوں سے بنی ہوئی چارپائی پر بھی آرام فرماتے جس سے آپ کے پہلو میں نشان پڑ جاتے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۲۸، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۰، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۴۴)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا شکم مبارک کبھی بھی نہ بھرا اور نہ کبھی کسی سے اس کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ کو شکم سیر ہونے سے فاقہ زیادہ پسند تھا۔ بلاشبہ آپ ﷺ ساری ساری رات بھوکے رہتے مگر یہ بھوک اگلے دن کے روز کو نہ روکتی۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو رُوئے زمین کے خزانے، پھل، میوے اور فراخ زندگی اپنے رب ﷻ سے مانگ لیتے اور جب میں آپ ﷺ کے پیٹ پر ہاتھ پھیرتی تو آپ کی اس حالت اور بھوک کو دیکھ کر رحم آتا اور رو پڑتی تھی۔ اور میں عرض کرتی: میں آپ ﷺ پر قربان اگر آپ ﷺ دنیا میں سے اتنی غذا لے لیا کریں جو آپ ﷺ کی بھوک کے لئے کافی ہو (تو کیا مضائقہ) آپ ﷺ فرماتے: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے دنیا سے کیا سروکار! میرے بھائی اولوالعزم رسولوں نے اس سے زیادہ شداکد و مصائب پر صبر کیا ہے۔ وہ اسی حال میں گزر گئے اور اپنے رب ﷻ کے حضور پہنچ گئے۔ سو اللہ ﷻ نے ان کو عمدہ ٹھکانہ دیا اور بہترین جزا عطا فرمائی اور میں حیا کرتا ہوں کہ اگر یہاں خوشحالی میں رہوں تو کل ان سے کم درجہ میں رہوں۔ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں کہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں (رسولوں) کے ساتھ جا ملوں۔ فرماتی ہیں: اس کے بعد ایک مہینہ بھی قیام نہ فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنی حیات ظاہری پوری کر لی۔

## تیسویں فصل

آپ ﷺ کی خشیت و طاعت اور مشقت و ریاضت حضور ﷺ کا خوف و طاعت الہی کرنا اور اس کے لیے عبادت میں مشقت برداشت کرنا یہ اپنے رب ﷻ کے علم و معرفت کے موافق تھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا۔

**حدیث:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و عرفان حاصل ہے۔ اگر تم جانتے تو یقیناً تم ہنتے کم اور روتے زیادہ۔ ہماری روایت میں ابو عیسیٰ ترمذی نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ زیادہ کیا ہے کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چلاتا ہے اس کو چلانا ہی چاہئے اس میں چار انگلی کی بھی ایسی جگہ نہیں جس میں کوئی فرشتہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سجدہ نہ کرتا ہو۔ خدا کی قسم اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو یقیناً تم ہنتے کم اور روتے زیادہ اور بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرتے اور جنگل میں نکل جاتے اور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگتے اور کہتے کہ کاش میں درخت ہوتا جو کاٹا جاتا۔ یہ کلام ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ ہی صحیح ہے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی نمازیں پڑھا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پھول گئے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم متورم ہو جاتے تھے۔ آپ سے کہا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب اگلے پچھلوں کے تمام ذنوب معاف فرمادیئے ہیں۔ فرمایا:

کیا میں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

اسی کے مثل حضرت ابو سلمہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل بیہنگلی کا ہوتا تھا۔ تم میں سے کون ہے کہ وہ طاقت رکھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے تھے۔ فرماتی ہیں: روزہ رکھتے تھے تو ہم کہتے اب کبھی افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے تھے تو ہم کہتے اب روزہ نہیں رکھیں گے۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم جلد ۳ صفحہ ۲۷۷ صحیح مسلم صلوٰۃ المسافرین جلد ۱ صفحہ ۵۴۱)

اسی کے مثل ابن عباس ام سلمہ اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ چاہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتا دیکھو تو نماز پڑھتے ملتے۔ اگر تم چاہو کہ حالت خواب میں محو استراحت دیکھو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ملتے۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم جلد ۳ صفحہ ۲۲۲ صحیح مسلم کتاب الصوم جلد ۲ صفحہ ۸۱۱ شمائل ترمذی صفحہ ۲۲۲ ۲۲۵)

سنن ابن ماجہ کتاب الصوم جلد ۱ صفحہ ۵۲۶ صحیح بخاری کتاب الصوم جلد ۱ صفحہ ۲۲۲)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ آپ نے مسواک کی پھر وضو کیا، کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

۱۔ سنن ترمذی کتاب الزہد جلد ۳ صفحہ ۲۸۱، سنن ابن ماجہ کتاب الزہد جلد ۲ صفحہ ۱۳۰۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۸۷، صحیح مسلم کتاب المناقین جلد ۲ صفحہ ۲۱۷۲

آپ ﷺ نے سورہ بقرہ شروع کی۔ جب آپ ﷺ کسی آیت رحمت کی تلاوت فرماتے تو کچھ وقفہ کرتے اور دعا مانگتے اور جب کسی آیت عذاب کو پڑھتے تو آپ ﷺ وقفہ کرتے اور اس سے پناہ مانگتے۔ پھر آپ ﷺ نے قیام کی برابر طویل رکوع کیا۔ اس میں پڑھا: **سُبْحَانَ ذِي الْعَجْرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْعَظْمَةِ**۔ پاک ہے وہ ذات جو صاحب شوکت و ملک اور عظمت والی ہے۔ پھر سجدہ کیا اور یہی پڑھا۔ دوسری رکعت میں آل عمران پڑھی پھر سورت پھر سورت پڑھی۔ اسی طرح آپ ﷺ کرتے رہے۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۳۹، شمائل ترمذی صفحہ ۲۵۰، نسائی باب الدعاء فی السجود جلد ۲ صفحہ ۲۲۲)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور کہا کہ پھر سجدہ کیا قیام کے برابر اور اسی کے برابر دو سجدوں کے درمیان جلسہ کیا اور کہا کہ آپ ﷺ نے سورہ بقرہ اور آل عمران اور نساء اور مائدہ پڑھی۔ (صحیح مسلم باب الاستحباب تطویل القراءة فی صلوٰۃ الیل جلد ۱ صفحہ ۵۳۶)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور ایک ہی آیت قرآن کو پڑھتے پڑھتے رات تمام کر دی۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۳۲)

عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ کے شکم پاک سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے ہانڈی پکتی ہے۔

(شمائل ترمذی صفحہ ۲۵۵، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۳، سنن نسائی باب البكاء فی الصلوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۱۳)

ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمگین و متفکر رہتے تھے۔ کسی آن آپ ﷺ کو راحت نہ تھی اور حضور ﷺ نے فرمایا: میں ہر روز سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔ ایک روایت میں ستر مرتبہ آیا ہے۔ (سنن ابوداؤد باب الوتر جلد ۱ صفحہ ۲۳۷، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۵۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کی سنت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معرفت (الہی) میری اصل پونجی ہے اور عقل میرے دین کی جڑ ہے اور محبت میری بنیاد ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکر الہی میرا غمخوار ہے اور پاکبازی میرا خزانہ ہے اور غم میرا ساتھی ہے اور علم میرا ہتھیار ہے اور صبر میری چادر ہے اور رضا میری غنیمت ہے اور فقر میرا فخر ہے اور زہد میری حرفت ہے اور یقین میری طاقت ہے اور صدق میرا مددگار ہے اور طاعت میرا حسب ہے اور جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ میرے دل کا پھل اس کے ذکر میں ہے اور میرا غم اپنی اُمت کے لئے ہے اور میرا شوق میرے رب ﷻ کی طرف ہے۔

## چوبیسویں فصل

انبیاء علیہم السلام کے کمالِ خلق اور مہاسنِ جمیلہ

آگاہ ہو اور اللہ ﷻ ہمیں تمہیں توفیقِ خیر مرحمت فرمائے کہ بلاشبہ تمام نبی و رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام صفات کے علی وجہ کمال، ولادت، حسن صورت، نسبی شرافت، پاکیزہ اخلاق اور تمام خوبیوں کے حامل تھے۔ ان صفتوں میں تمام خوبیاں آ جاتی ہیں کیونکہ یہ ہی کمال کی صفات ہیں اور انسانی کمال و اکمال اور تمام فضیلتوں کے وہی جامع تھے۔ اس لئے کہ ان کا رتبہ تمام مرتبوں میں بزرگ اور ان کا درجہ تمام درجات میں اعلیٰ و ارفع ہے لیکن اللہ ﷻ نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ  
وہ رسول ہیں ہم نے ایک کو ایک پر فضیلت دی۔  
(پ۔۳۔ال عمران ۱) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اخْتَرْنَا هُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ  
بیشک ہم نے ان کو پسند کیا ہے علم کے لئے تمام  
جہان والوں پر۔ (پ۔۲۵۔الدخان ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

حضور ﷺ فرماتے ہیں: سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہو گا وہ چودھویں رات کے چاند کی صورت والے ہوں گے۔ پھر آخر حدیث میں فرمایا:

(وہ گروہ) ایک ہی آدمی کی خلقت پر جو ان کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی صورت ہوں گے۔  
ان کا طول ستر ہاتھ آسمان میں ہے۔ (صحیح بخاری باب بدء الخلق جلد ۲ صفحہ ۹۳، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۷۹-۲۱۷۸)  
حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (شب معراج) دیکھا۔ پس وہ ایک ایسے مرد تھے جن کی ناک اونچی باریک اور درمیان میں اٹھی ہوئی تھی۔ گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ میں سے تھے۔

میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو وہ معتدل جوان اور ان کے چہرہ پر جھریاں، سرخ رنگ تھے گویا کہ وہ حمام میں سے نکلے ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام لاغر بدن مثل تلوار کے تھے اور فرمایا: میں اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ان (ابراہیم علیہ السلام) سے زیادہ مشابہ ہوں۔ ایک اور حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا: گندم گوں مردوں میں جن کو تم دیکھتے ہو وہ سب



سے زیادہ خوبصورت تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۵۳ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت لوط رضی اللہ عنہ کے بعد نبیوں کو ان کی قوم کی شریف نسلوں میں سے بھیجتا رہا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ صاحب ثروت یعنی مال و منال میں زیادہ ہوتے تھے۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۶۱)

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ سے اور دارقطنی نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ ﷻ نے ہر نبی کو خوبصورت اور خوش آواز پیدا فرمایا اور تمہارے نبی ﷺ ان میں سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش آواز ہیں۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۵۴)

حدیث ہرقل (بادشاہ روم) میں ہے۔ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں صاحب نسب (شریف) ہیں اور یونہی ہر رسول ﷺ ان کی شریف نسلوں میں تشریف لاتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۲۵)

اللہ ﷻ نے حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ط نِعْمَ الْعَبْدُ ط إِنَّهُ  
أَوَّابٌ ۝ (پ۔ ص ۲۳) بہت رجوع کرنے والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ نے حضرت یحییٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (الی قولہ) وَيَوْمَ  
يُبْعَثُ حَيًّا ۝ (پ۔ مریم ۱۲ تا ۱۵)

اور جس دن زندہ اٹھایا جائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ  
مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ  
الصَّالِحِينَ.

پ۔ ال عمران ۳۹) ہمارے خاصوں میں سے ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ  
إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

پ۔ ال عمران ۳۳) آل اور عمران کی آل کو سارے جہاں سے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا. (پہلا اسرئیل ۳) بیشک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔

اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُشْرِكُ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ هُ اسْمُهُ  
الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهَا فِي  
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ وَيُكَلِّمُ  
النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ  
الصَّالِحِينَ.

(پہلا عمران ۴۶-۴۵)

اے مریم! اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس  
سے ایک کلمہ کی جس کا نام ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم  
کا بیٹا رودار (باعزت) ہوگا دنیا اور آخرت میں  
قرب والا اور لوگوں سے بات کرے گا پالنے  
میں اور پکی عمر میں اور وہ خاصوں میں سے  
ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ نَدَّ اتَّانِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي  
نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ م  
وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ  
حَيًّا ۝

(پہلا مریم ۳۱-۳۰)

بچہ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے  
مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں دینے والا  
(نبی) کہا اور کس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں  
ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی۔

(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ  
أَذُوا مُوسَى. (پہلا الاحزاب ۶۹) اے ایمان والو! ان جیسا نہ ہونا جنہوں نے  
موسیٰ کو ستایا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام مرد باحیا اور انتہائی ستر پوش تھے کہ وہ  
کسی کو اپنے جسم کا کوئی حصہ حیا کی وجہ سے نہ دکھاتے تھے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا.

تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا۔

(پہلا الشعراء ۲۱)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور ان میں سے ایک جماعت کی تعریف میں فرمایا:

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنٌ۔  
بیشک میں تمہارے لئے اللہ کا امانت دار رسول  
(پ۔ الشعراء ۱۳۲) ہوں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

اِنْ خَيْرٌ مِّنْ اسْتَاَجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ۝  
بیشک بہتر نہ کر وہ جو طاق تورا امانت دار ہو۔  
(پ۔ القصص ۲۶) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

فَاَصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اَوْلَوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔  
پس آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے رسولوں نے  
(پ۔ الاحقاف ۳۵) صبر کیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ط کُلًّا هَدٰیْنَا  
(الی) فِیْہِذَا هُمۡ اِقْتَدٰہُ ط  
اور ہم نے انہیں اسحاق و یعقوب عطا کئے۔ ان  
سب کو ہم نے راہ دکھائی (یہاں تک کہ) تو تم انہیں  
(پ۔ الانعام ۸۳ تا ۹۰) کی راہ چلو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس کے بعد اللہ ﷻ نے انبیاء علیہم السلام کی اصلاح ہدایت اجتباء (پسندیدگی) حکم اور نبوت کے اوصاف کی بڑی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

فَبَشِّرْ نَاہُ بِغُلَامٍ عَلِیْمٍ۔ (پ۔ ۱۹۷)  
تو ہم نے اس کو مرثدہ دیا جاننے والے بچے کا۔  
(پ۔ التھفت ۱۰۱) بر دبار کا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَلَقَدْ فَتٰنَا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاہَهُمْ  
رَسُوْلٌ کَرِیْمٌ ۝ اَنْ اَذُوْا اِلَیَّ عِبَادًا لِلّٰہِ ط  
اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنٌ ۝  
اور بیشک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو  
جانچا اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف  
لایا کہ اللہ کے بندوں کو مجھے سپرد کر دیوے  
بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔  
(پ۔ الدخان ۱۸-۱۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ خدانے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر  
(پ۳۳۔ الصّفت ۱۰۲) پائیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ مُخْلِصًا. (پ۱۶۔ مریم ۵۱) بیشک وہ چنا ہوا تھا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے فرمایا:

نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ کیا اچھا بندہ، بیشک وہ رجوع لانے والا۔

(پ۲۳۔ ص ۳۰) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَإِذْ كُرِّعِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَإِذْ كُرِّعِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۝ إِنَّا  
أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ.

(پ۲۳۔ ص ۲۸۲) ہوئے پسندیدہ ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ أَوَّابٌ. (پ۲۳۔ ص ۳۰) بیشک وہ بڑا رجوع لانے والا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پھر فرمایا:

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَأَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ  
الْحِطَابِ ۝ اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے  
حکمت اور قول فیصل دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا:

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ إِنِّي  
حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ ۝ مجھے زمین کے خزانوں پر کر دے بیشک میں  
حفاظت والا علم والا ہوں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا:

سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا.

(پ۲۳۔ الصّفت ۳۷) خدانے چاہا عنقریب مجھ کو صابر پائیں گے۔

(ترجمہ کنزالایمان)

حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ خدانے چاہا عنقریب مجھ کو نیکو کاروں میں پاؤں  
(پ۲۔ القصص ۲۷) گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَكُم عَنْهُ ط  
ط إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط  
اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے میں تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں میں تو جہاں تک بنے سنوارنا چاہتا  
(پ۱۲۔ ہود ۸۸) ہوں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

وَلَوْ طَأْتُ نِيَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا (پ۱۔ الانبیاء ۷۴) اور لوط کو ہم نے حکم اور علم دیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
اور فرمایا:

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ . بیشک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے۔

(پ۱۔ الانبیاء ۹۰) (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دائمی علم تھا جن کا ذکر بہت سی آیتوں میں ان کی عادتوں اور خصلتوں اور اخلاق کی نسبت کیا گیا۔ جن سے ان کا کمال معلوم ہوتا ہے اور بہت سی احادیث میں ان کا تذکرہ آچکا ہے۔ جیسے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بلاشک و تردد میں کریم ابن کریم ابن کریم ہوں۔ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں جو نبی ابن نبی ابن نبی ابن نبی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام ہیں جن کی آنکھیں تو سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے۔  
(صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان عليه السلام باوجودیکہ ان کو بڑا ملک و سلطنت عطا فرمائی ہوئی تھی مگر اللہ ﷻ کی جناب میں ان کے خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ وہ آسمان کی طرف نظر نہ اٹھاتے تھے اور لوگوں کو تو قسم قسم کے لذیذ کھانے کھلاتے اور خود جو کی روٹی کھاتے تھے۔<sup>۱</sup>

آپ کی طرف وحی کی گئی کہ اے عابدوں کے سردار! اے زاہدوں کے پیشوا کے فرزند! آپ کا حال یہ تھا کہ ایک بڑھیا اس حالت میں آپ کو روک لیتی تھی کہ آپ ہوا کے دوش پر اپنے لشکر کے

۱۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ متدرک جلد ۲ صفحہ ۵۷۱۔ ۵۷۰

۲۔ الزهد امام احمد بن حنبل صفحہ ۹۱

ہمراہ پرواز کر رہے ہوں۔ آپ ﷺ ہوا کو حکم دیتے تو ہوا ٹھہر جاتی۔ پھر اس کی ضرورت پر غور فرماتے پھر روانہ ہو جاتے۔

حضرت یوسف ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ کا کیا حال ہے کہ زمین کے خزانوں کے مالک ہوتے ہوئے پھر بھوکے رہتے ہیں۔ فرمایا: مجھے یہ خوف دامن گیر ہے کہ میں اگر شکم سیر ہو گیا تو کہیں کسی بھوکے کو بھول نہ جاؤں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ حضرت داؤد ﷺ پر زبور کی قرأت آسان کر دی گئی تھی۔ آپ حکم دیتے کہ سواری پر زین کسی جائے۔ قبل زین کنسے کے آپ زبور کی تلاوت کر لیتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے ہاتھ کی کمائی ہی کھاتے تھے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَأَلْنَا لَهُ الْحَدِيدَ ۝ أَنْ أَعْمَلَ سَابِغَاتٍ ۝ وَأَنْ يَبْنِي فِي السَّرْدِ.  
اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا سکیں اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھیں۔ (پ۔ ۲۲۔ سب۔ ۱۰۔ ا۔ ۱۱) (ترجمہ کنز الایمان)

آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ سے عرض کیا تھا کہ مجھے اپنے ہاتھ کی کمائی کا اتنا رزق دے کہ وہ بیت المال سے مستغنی کر دے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نماز حضرت داؤد ﷺ کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزہ حضرت داؤد ﷺ کا روزہ تھا۔ وہ آدھی رات کو سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سوتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ لُحُوفِ كَا لِبَاسِ يَهْنَتِے اور بالوں کا بستر ہوتا اور جو کی روٹی نمک وریہ ملی ہوئی کھاتے تھے۔ اپنے پانی کو آنسوؤں سے ملاتے۔ بعد لغزش کسی نے ان کو ہنستا ہوا نہ دیکھا۔ اپنے رب ﷻ کے حیا کی وجہ سے کسی نے آسمان کی طرف نظر اٹھاتے نہ دیکھا۔ اپنی ساری عمر روتے ہوئے ہی گزاری۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اتنا روئے ہیں کہ آپ ﷺ کے آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی تھی۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے رخساروں پر انہوں نے لکیریں ڈال دی تھیں۔ بعض نے کہا کہ آپ ﷺ چھپ کر گھر سے نکلتے اور اپنی عادت و خصلت کی معلومات حاصل کرتے تھے۔ آپ ﷺ اپنی تعریف سنتے تو تواضع و انکسار اور زیادہ کرتے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ سے کسی نے کہا: اگر آپ گدھا رکھتے تو اچھا تھا۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۱۶

۲۔ کتاب التَّوْحِيدِ ص ۷۱

آپ نے فرمایا: میں اللہ ﷻ کے نزدیک اس سے برتر ہوں کہ میں گدھے کے ساتھ وقت گزاروں۔  
آپ اُن کا لباس پہنتے درختوں کے پتے کھاتے اور آپ کوئی مکان نہ رکھتے تھے۔ جہاں بھی نیند آ  
جاتی وہیں سو جاتے۔ آپ کے نزدیک سب سے پیارا نام یہ تھا کہ کوئی مسکین کہہ کر یاد کرے۔

(کتاب الزہد صفحہ ۵۵)

بعض کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں پر پہنچے تو کمزوری کی وجہ سے  
آپ علیہ السلام کے پیٹ سے سبزی کے دانے نظر آتے تھے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے تمام نبیوں کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ کسی کو فقر سے، کسی کو  
جوؤں سے اور یہ ان کے لئے تمہارے تحفے سے زیادہ محبوب تھا۔ (مستدرک کتاب الرقاق جلد ۲ صفحہ ۳۰۷)  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خنزیر (سور) سے کہا جب وہ آپ کو ملا۔ ”سلامتی کے ساتھ جا۔“ اس  
بارے میں آپ سے کہا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں مکروہ جانتا ہوں کہ اپنی زبان کو بری بات سے  
آلودہ کروں۔

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کھانا تر گھاس تھی اور خشیت الہی سے اتنے روتے  
تھے کہ آنسوؤں سے ان کے رخساروں پر گڑھے پڑ گئے تھے اور آپ علیہ السلام وحشی جانوروں کے ساتھ  
کھاتے تاکہ آپ علیہ السلام لوگوں سے نہ ملیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۹)

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے وہب رحمہ اللہ سے روایت کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تختوں سے سایہ لیتے اور  
پتھر کے گڑھے میں کھاتے اور جب پینے کی خواہش ہوتی تو پتھر کے گڑھے سے پانی اس طرح پیتے  
جس طرح دلیہ (جو پایہ) پیتا ہے۔ یہ اللہ ﷻ کے حضور میں تواضع تھا۔ اسی وجہ سے اللہ ﷻ نے اپنے  
شرف ہمکلامی سے نوازا۔

انبیاء علیہم السلام کی یہ سب خبریں لکھی ہوئی ہیں اور ان کے اوصاف کمالیہ اخلاق جمیلہ عادات و  
شائل حسنہ مشہور و معروف ہیں۔ ہم ان کے بیان سے کلام کو طویل نہیں کرتے اور ان کی طرف توجہ نہ  
کرو جو بعض جاہل مورخین و مفسرین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اور وہ ان کی شان کے مخالف ہے۔

## پچیسویں فصل

آپ ﷺ کی مختلف امور میں عادت مبارکہ

اللہ ﷻ تم کو عزت دے، ہم نے حضور ﷺ کے چند اخلاق حمیدہ فضائل جلیلہ اور خصائل جمیلہ

بتا دیئے ہیں اور ان سب کی صحت و تطابق بھی دکھادی ہے۔ یہ سب کچھ آثار و احادیث سے ہم نے بیان کیا ہے۔ بروجہ قناعت و کفایت ورنہ حضور ﷺ کا مقام بڑا وسیع ہے۔

حضور ﷺ کے حقوق کا باب تو اتنا دراز ہے کہ اس کے ختم ہونے سے پہلے ہی دلائل منقطع ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی خصوصیات کے علم کا سمندر اتنا دافر ہے کہ کوئی ڈول اسے مگر کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن ہم نے ان میں سے صرف وہ چیزیں بیان کی ہیں جو معروف ہیں اور اکثر صحاح اور مشہور کتابوں میں مروی ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں کل میں سے قلیل اور بہت میں سے تھوڑے پراکتفا کیا ہے۔ اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان فصلوں کو ابن ابی ہالہ ﷺ کی حدیث حسن ختم کر دیں کیونکہ وہ حدیث حضور ﷺ کے شمائل و اوصاف کا دافر مجموعہ ہے اور آپ ﷺ کی سیرت و فضائل پر پورا پورا ذخیرہ ہے۔ ہم اس کے ساتھ آخر میں ایک ایسی تنبیہ بھی جو الفاظ و معانی کے لطیف نکتوں پر مشتمل ہوگی، ملائیں گے۔

**حدیث:** بروایات متعددہ بالا اسناد حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ ﷺ سے حضور ﷺ کے جلیہ مبارک کے بارے سوال کیا۔ کیونکہ وہ آپ ﷺ کی بہت تعریفیں کرتے تھے۔ میں نے خواہش کی کہ مجھے بھی وہ کچھ بیان کر دیں تاکہ میں اس کو حفظ کر لوں۔ چنانچہ انہوں نے بیان کرنا شروع کیا اور کہا کہ

رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر خوب بھرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند جگمگاتا تھا۔ آپ ﷺ کا قد نہ زیادہ لمبا تھا نہ پست، آپ ﷺ کا سر مبارک بڑا، آپ ﷺ کے بال متوسط تھے کہ نہ بالکل سیدھے اور نہ خمراز اگر بالوں کو دو طرفہ نہ کرتے تو مانگ نکل آتی ورنہ نہیں، آپ ﷺ کے بال کانوں کی لو سے بڑھے ہوتے اگر آپ ﷺ ان کو چھوڑتے، آپ ﷺ کا رنگ گورا، پیشانی کشادہ ابرو باریک اور لمبے باہم ملے ہوئے نہ تھے دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت بھر جاتی، آپ ﷺ کی ناک باریک اور اونچی، اس میں نور تھا جو بلند تھا، جو شخص بلا تامل دیکھتا وہ گمان کرتا کہ درمیان میں حصہ اونچا ہے، آپ ﷺ کی داڑھی گھنی، آپ ﷺ کی آنکھیں سیاہ، رخسار پتلے فراخ دہن، چمکتے ہوئے کھلے دانت، آپ ﷺ کی گردن شفاف گویا صاف چاندی کی خوبصورت صراحی، آپ ﷺ کے اعضاء معتدل بھرے ہوئے گوشت والے باہم ملے ہوئے پیٹ اور سینہ ہموار، چوڑا سینہ، دونوں کندھوں کے مابین فاصلہ فریبہ جوڑوں والے برہنہ بدن کی حالت میں

۱۔ شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۵ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۲۸۶



بدن چمکتا گلے سے ناف تک بالوں کی لکیر مثل ایک خط کے نظر آتی، پستان بالوں سے خالی اس کے سوا کلائی، موٹھے اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے بازو لمبے، ہتھیلی چوڑی اور گوشت سے بھری ہوئی، دونوں قدم بھی بھرے ہوئے انگلیاں لمبی، اعصاب لمبے آپ ﷺ کے دونوں قدم درمیان سے قدرے بلند صاف و نرم کہ ان دونوں پر سے پانی فوراً بہ جائے جب ان پر پانی ڈالا جائے۔

چلنے میں اطمینان سے قدم اٹھاتے وقار کے ساتھ جھک کر چلتے قدم مبارک تھے جب آپ ﷺ چلتے تو گویا آپ ﷺ اوپر سے نیچے اتر رہے ہیں جب آپ ﷺ کسی طرف متوجہ ہوتے تو پورے انہماک سے متوجہ ہوتے نگاہ نیچی رکھتے زمین پر آپ ﷺ کی نظر بہ نسبت آسمان کی طرف نظر کرنے سے زیادہ تھی آپ ﷺ کی نظر اکثر گوشہ چشم سے ہوتی، اپنے صحابہ کے پیچھے چلتے جو ملاقات کرتا اس کو اس سے پہلے آپ ﷺ سلام کرتے۔

میں نے کہا: حضور ﷺ کے گفتار کی صفت بیان کیجئے۔

کہا: رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمگین و متفکر رہتے آپ ﷺ کے لئے کوئی لمحہ چین و راحت کا نہ تھا بلا ضرورت کلام نہ کرتے خاموشی طویل ہوتی۔ گفتگو کی ابتداء و اختتام جبروں کے ساتھ ہوتی۔ آپ ﷺ جوامع الکلم تھے جس میں وضاحت ہوتی نہ فضول ہوتا نہ کمی نرمی ہوتی سختی نہ ہوتی، نہ کسی کی تذلیل ہوتی۔ نعمت کو بڑی سمجھتے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ کسی چیز کی برائی نہ کرتے کسی ذائقہ کی مذمت نہ کرتے اور نہ خواہ مخواہ اس کی تعریف کرتے آپ ﷺ کے غضب کے سامنے کوئی کھڑا نہیں رہ سکتا۔ جبکہ کسی حق کے لئے کوئی مانع ہوتا یہاں تک کہ اس حق کی مدد کرتے اور اپنے نفس کے لئے کبھی آپ ﷺ غضب نہ کرتے اور نہ اس کی حمایت کرتے۔

جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کا اشارہ فرماتے اور جب تعجب کرتے تو اس کو پلٹتے اور جب بات کرتے تو اس کو ہتھیلی سے ملا لیتے اور اپنے داہنے انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی پر مارتے اور جب آپ ﷺ خفا ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور الگ ہو جاتے اور جب خوش ہوتے تو نگاہیں نیچی کرتے۔ آپ ﷺ کا ہنسنا مسکرانا ہوتا۔ اس حالت میں آپ ﷺ کے دندان مبارک مثل اولے کے شفاف نظر آتے۔ حضرت حسن ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے بھائی) حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے ایک عرصہ تک اس حدیث کو بیان نہیں کیا۔ پھر جب میں نے ان کو یہ بیان کیا تو وہ مجھ سے پہلے ہی سبقت لئے ہوئے تھے اور ان کو یاد تھی۔ پھر اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضور ﷺ کے حالات معلوم کئے کہ کس طرح آپ ﷺ کا شانہ اقدس میں داخل ہوتے، کس طرح اس سے نکلتے، کس طرح

بیٹھتے اور کیا حالت تھی؟ تو بیان میں سب کچھ بتلا دیا۔

حضرت امام حسین ؑ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے والد) علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے حضور ﷺ کے مکان میں داخل ہونے کی کیفیت دریافت کی۔ تو فرمایا:

آپ ﷺ اپنے کاشانہ میں دخول کے مجاز و ماوزن تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ مکان میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو دخول کے تین حصے کرتے۔ ایک حصہ اللہ ﷻ کے لئے اور ایک حصہ اپنے اہل کے لئے اور ایک حصہ اپنے لئے۔ پھر اپنے حصہ کو اپنے اور دوسرے عام لوگوں میں تقسیم فرما دیتے۔ پس اس کو عام پر خواص کے ذریعہ لوٹا دیتے۔ غرضیکہ کوئی بات عوام سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ آپ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ اُمت کے حصہ میں اپنی مرضی سے اہل فضل کو ترجیح دیتے اور ان کا حصہ دین میں ان کے مرتبہ کے مطابق ملتا۔ ان میں کوئی ایک ضرورت والا کوئی دو ضرورت والے کوئی کئی ضرورت والے ہوتے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور ان کو ان کی اصلاح میں مشغول رکھتے اور اُمت کی ان کا حال معلوم کر کے اصلاح فرماتے اور ان کو وہ خبریں سناتے جو ان کے لئے مفید ہوتیں اور فرماتے:

تم میں ہر ایک موجود و حاضر کو چاہئے کہ وہ تم میں جو غائب ہے اور مجھ تک اپنی حاجت پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا، اس کی حاجت مجھ تک پہنچائے کیونکہ جو شخص بادشاہ تک اس شخص کی حاجت پہنچا دے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو اللہ ﷻ قیامت کے دن اس کے دونوں قدموں کو ثابت (قائم) رکھے گا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اس قسم کی باتیں ہوتیں اور نہ آپ ﷺ اس کے سوا کچھ کسی سے قبول فرماتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سفیان بن وکیع ؓ کی حدیث میں فرمایا: صحابہ آپ ﷺ کی مجلس میں حاجت مند ہوتے اور شکم سیر ہو کر جدا ہوتے اور فقیہ بن کر نکلتے۔

میں نے کہا: آپ ﷺ کے نکلنے کی مجھ کو حالت بیان فرمائیے آپ ﷺ اور کیا کرتے تھے۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ اپنی زبان مبارک کو قبضہ میں رکھتے۔ وہی فرماتے جو اُمت کے لئے نفع بخش ہوتا۔ ان سے محبت کرتے ان کو جدا نہ کرتے ہر قوم کے کریم کی عزت فرماتے اور اس کو ان پر حاکم مقرر کرتے (برے) لوگوں سے حذر (خوف) کرتے اور ان سے بچتے نہ یہ کہ ان سے منہ پھیر لیتے یا بد خلقی کرتے۔ اپنے صحابہ کی خبر گیری کرتے اور لوگوں سے لوگوں کے حال پوچھتے، اچھی چیز کی تعریف و خوبی بیان کرتے اور بُری چیز کی برائی اور اس کی رسوائی بیان کرتے۔ آپ ﷺ کا حکم متوسط ہوتا نہ کہ

مختلف یعنی زیادہ نرم و سخت نہ ہوتا۔ آپ ﷺ اس خوف سے غافل نہ رہتے کہ لوگ کہیں غافل نہ ہو جائیں یا سست نہ پڑ جائیں۔ آپ ﷺ ہر حالت کے لئے تیار تھے۔ آپ ﷺ حق میں کمی نہ کرتے اور غیر حق کی طرف تجاوز نہ کرتے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے قریب ہوتے وہ بہتر لوگوں میں سے ہوتے۔ آپ ﷺ کے نزدیک ان میں وہ افضل تھا جو خیر خواہی کی باتیں زیادہ کرتا اور آپ ﷺ کے نزدیک وہ بڑے مرتبہ والا ہوتا جو لوگوں کے لئے نفع رساں اور موجب تقویت ہوتا۔

اس کے بعد میں نے مجلسی کیفیت معلوم کی کہ آپ ﷺ اس میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی نشست و برخاست اللہ ﷻ کے ذکر کے لئے ہی ہوتی اور کسی جگہ کو اپنے لئے وطن نہ بناتے اور دوسروں کو وطن بنانے سے منع فرماتے۔ جب کسی قوم کی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور اس کا حکم بھی دیتے۔ ہر مصاحب کو اس کا حصہ دیتے یہاں تک کہ کوئی مصاحب یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی بھی اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کے نزدیک مکرم ہے۔ جو شخص بھی کسی ضرورت سے آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ ﷺ اُڑ کے رہتے۔ یہاں تک کہ وہ خود ہی چلا جاتا۔ جو شخص بھی آپ سے اپنی حاجت کے لئے سوال کرتا آپ ﷺ یا تو اسے کچھ دیتے یا نرم بات کچھ فرما دیتے۔ آپ ﷺ کا دست مبارک اور آپ ﷺ کا خلق کریم لوگوں کے لئے وسیع تھا گویا آپ ﷺ ان کے لئے بمنزلہ باپ کے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک حق میں سب برابر تھے۔ البتہ تقویٰ ان (لوگوں) کو زیادہ قریب اور بڑھانے والا تھا۔

دوسری روایت میں صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک وہ سب حق میں برابر تھے۔ آپ ﷺ کی مجلس حلم و حیاء اور صبر و امانت کی مجلس تھی۔ کوئی شخص اس میں آواز اونچی نہ کرتا اور اس میں عورتیں بے پردہ نہ ہوتیں اور نہ اس میں کوئی یا وہ کوئی ہوتی اور یہ فقرہ ان دونوں روایتوں کے علاوہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تقویٰ کی بنا پر مہربانی اور انکساری کرتے۔ بڑوں کی عزت کی جاتی اور چھوٹوں پر لطف و کرم حاجت مندوں کی مدد کرتے اور مسافروں پر مہربانی۔

پھر میں نے مصاحبوں، ہم نشینوں پر حضور ﷺ کے ساتھ سلوک کا حال دریافت کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ خندہ رُو، خوش خلق اور متواضع رہتے۔ آپ ﷺ نہ بد خلق، نہ سخت طبیعت، نہ چلانے والے نہ یا وہ گو اور نہ عیب لگانے والے تھے اور نہ خواہ مخواہ کسی کی تعریف کرنے والے، جس کی حاجت نہ ہوتی اسی سے تغافل کرتے اور آپ ﷺ سے کوئی مایوس نہ رہتا۔ آپ ﷺ نے اپنے پر تین چیزیں ترک کر دی تھیں: (1) ریا، (2) ذخیرہ اندوزی اور (3) فضول باتیں۔ لوگوں پر تین

باتیں ترک کر رکھی تھیں: (1) کسی کی برائی نہ کرتے (2) کسی کو عار نہ دلاتے (3) اس کے عیوب تلاش نہ کرتے۔

آپ ﷺ وہی بات کہتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ ﷺ کلام فرماتے ہوتے تو صحابہ ﷺ سر جھکا دیتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں اور جب حضور ﷺ خاموش ہو جاتے تب بات کرتے اور حضور ﷺ کی مجلس میں کبھی جھگڑا نہ کرتے۔ جب آپ ﷺ سے کوئی بات کرتا تو سب خاموش ہو جاتے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جاتا۔ ان کی باتیں ایسی تھیں گویا وہ پہلا ہی شخص ہے۔ صحابہ کرام ﷺ کی ہنسی پر آپ ﷺ بھی مسکرا دیتے اور ان کے تعجب پر آپ بھی متعجب ہو جاتے۔ کسی مسافر کی سخت کلامی پر آپ ﷺ صبر فرماتے اور فرماتے:

جب تم کسی حاجت مند کو دیکھو کہ وہ طلب کرتا ہے تو اس کی مدد کرو اور کسی کی تعریف پسند نہ فرماتے۔ مگر یہ کہ وہ گرویدہ ہو۔ کسی کی بات نہ کاٹتے اگر وہ بات لمبی کر دیتا تو یا تو اشارہ سے روک دیتے یا کھڑے ہو جانے سے قطع فرما دیتے۔ یہاں سفیان بن وکیع ﷺ کی حدیث ختم ہو گئی۔

دوسری حدیث میں اتنا اور ہے کہ میں نے پوچھا کہ حضور ﷺ کے سکوت کی کیا کیفیت تھی؟ فرمایا: آپ کا سکوت چار باتوں پر تھا: (1) حلم (2) حذر یعنی خوف (3) تقدیر (4) تفکر۔

لیکن تقدیر کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں پر نظر کرتے اور ان کے احوال سننے میں برابری کرتے اور تفکر کا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ ان چیزوں پر غور فرماتے جو باقی رہیں اور فنا ہو جائیں۔ حضور ﷺ کے لئے آپ کے صبر ﷺ میں حلم جمع کر دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کو کوئی چیز اتنی غضب میں نہ لاتی کہ آپ ﷺ کو ہلکا کر دے اور آپ ﷺ کے لئے حذر میں چار باتیں جمع کر دی گئیں:

1. اچھی بات کو آپ لیتے تاکہ لوگ آپ ﷺ کی پیروی کریں۔
2. بری بات ترک فرما دیتے تاکہ لوگ اس سے باز رہیں۔
3. اصلاح امت کے لئے رائے میں کوشش فرماتے اور آپ ﷺ اس پر قائم رہتے۔
4. جو امت کے لئے دنیا و آخرت میں مفید و کارآمد ہو۔ انتھی الوصف بحمد اللہ وَعَوْنِهِ.

## چھبیسویں فصل

احادیث کے مشکل الفاظ کے معنی میں

اس باب کی آخری فصل میں احادیث کے غریب اور مشکل الفاظ کا ترجمہ صاحب کتاب

الشفاء نے کیا ہے۔ چونکہ ترجمہ میں وہ گزر چکی ہیں اس لئے غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ (ترجم)

## باب سوم

آپ ﷺ کی قدر و منزلت احادیث کی روشنی میں

یہ باب ان احادیث صحیحہ مشہورہ کے بیان میں ہے جن میں حضور ﷺ کی خدا کی بارگاہ میں عظیم قدر و منزلت ہے اور آپ ﷺ کی ان مکرم خصوصیات کا ذکر ہے جو دونوں جہان میں آپ ﷺ کو حاصل ہیں۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ انواع بشر میں سب سے زیادہ بزرگ اولاد آدم علیہ السلام کے سردار اور اللہ ﷻ کے نزدیک مرتبہ میں تمام لوگوں سے افضل اور آپ ﷺ کا درجہ سب سے اعلیٰ اور قرب میں سب سے بلند ہے۔

اس امر کو ملحوظ رکھنا کہ احادیث کریمہ جو آپ ﷺ کے مرتبہ و مقام کے اظہار میں ہیں بہت زیادہ ہیں۔ ہم نے صرف ان میں سے صحیح و مشہور پر اکتفا کیا ہے اور ہم نے ان کے معانی و مفہوم کو بارہ فصلوں پر منحصر کر دیا ہے۔

## پہلی فصل

آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت اور اسم مبارک کی برکت کے بیان میں

اس بارے میں کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جو آپ ﷺ کی منزلت و برگزیدگی اور آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت و بزرگی اور اولاد آدم میں آپ ﷺ کی سرداری ہے اور ان خصوصیات کے ذکر میں جو دنیا میں آپ ﷺ کے مرتبہ کی زیادتی اور آپ ﷺ کے اسم مبارک کی برکت ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ ﷻ نے مخلوق کو دو قسموں میں تقسیم کر کے ان میں سے مجھے بہتر قسم میں کیا۔

یہ اللہ ﷻ کے اس فرمان میں ہے کہ أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝ أَصْحَابُ الشِّمَالِ ط

(پ۲۔ الواقعہ ۳۱۔ ۲۷)

یعنی داہنے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے پس میں اصحاب یمن میں سے ہوں اور میں ان میں سب سے بہتر

پھر اللہ ﷺ نے ان دو قسموں کو تین کیا اور مجھ تینوں میں سب سے بہتر میں رکھا۔ یہ اللہ ﷺ کے اس فرمان میں ہے۔ فَاصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ وَالسَّبِقُونَ السَّابِقُونَ۔ (پک الواقعہ ۱۰۲۸)

تو داہنی طرف والے اور کیسے داہنی طرف والے اور بائیں طرف والے اور کیسے بائیں طرف والے جو سبق لے گئے وہ سبق ہی لے گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پھر اللہ ﷺ نے تینوں کے قبائل بنائے۔ پس مجھے ان میں سے بہتر قبیلہ میں کیا اور یہ اللہ ﷺ کے اس فرمان میں ہے:

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ۔ اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان (پک الحجرات ۱۳) رکھو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو اللہ ﷺ کے نزدیک اولاد آدم ﷺ میں سب سے بڑھ کر متقی و مکرم ہوں یہ فخر نہیں اظہار حال ہے۔ پھر ان قبیلوں کے گھر بنائے تو مجھے ان میں سے بہتر گھر میں کیا۔ یہ اللہ ﷺ کے اس فرمان میں ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الَّذِي تَرْتَابُونَ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ فَتَفْسَدُوا وَتَكْفُرُوا۔ (پک الاحزاب ۳۳) سے ناپاکی دور فرمادے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت ابوسلمہ ؓ سے نقل کرتے ہوئے ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے لئے نبوت کب ضروری قرار دی گئی؟ فرمایا: اس حالت میں کہ آدم ﷺ ابھی روح و جسد کے مابین تھے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۲۵)

واشلہ بن اسقع ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد میں حضرت اسماعیل ؑ کو برگزیدہ فرمایا۔

حضرت انس ؓ کی حدیث میں ہے کہ اللہ ﷺ کے نزدیک میں اولاد آدم ﷺ میں سب سے زیادہ مکرم ہوں اور یہ فخر نہیں۔

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبریل

الطیة آئے اور کہا کہ میں نے زمین کے تمام مشارق و مغرب روند ڈالے میں نے محمد ﷺ سے بڑھ کر کسی مرد کو افضل نہیں پایا اور کسی باپ کے بیٹوں کو بنی ہاشم سے افضل نہ دیکھا۔

(دلائل النبوة لابن نعیم، طبرانی اوسط کما فی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شب معراج حضور ﷺ کی خدمت میں براق لایا گیا۔ تو اس نے شوخی کی۔ جبریل الطیہ نے اس سے کہا: کیا حضور ﷺ کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ حالانکہ تجھ پر آپ ﷺ سے زیادہ خدا کا مکرم کوئی سوار نہ ہوا۔ تو وہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

(ترمذی تفسیر سورۃ بنی اسرائیل جلد ۲ صفحہ ۳۶۳، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۲۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ جب اللہ ﷻ نے آدم الطیہ کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کے صلب میں رکھ کر زمین پر اتارا اور مجھ کو حضرت نوح الطیہ کی پشت میں رکھ کر کشتی کو پار کیا اور حضرت ابراہیم الطیہ کی صلب میں مجھ کو رکھ کر آگ میں اتارا۔ پھر ہمیشہ یونہی اصلا ب مکرمہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھ کو اپنے والدین سے پیدا فرمایا جو کبھی برائی (زنا) کے قریب تک نہ گئے۔

(الحدیث ابن ابی عمر العدنی مسندہ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۹۰)

اسی طرح حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے اپنے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:

مِنْ قَبْلِهَا طُبَّتْ فِي الظَّلَالِ وَفِي مُسْتَوْدِعٍ حَيْثُ يُخَصَفُ الورَقُ

حضور ﷺ ولادت سے پہلے (صلب آدم میں) سائیوں میں تھے اور استحقاق (آدم و حوا علیہم السلام)

میں تھے۔ جہاں ورق بدن پر لپیٹے جاتے ہیں۔ (یعنی جنت میں)

ثُمَّ هَبَطْتُ الْبِلَادَ لَا بَشَرَ أَنْتَ وَلَا مُضْغَةً وَلَا عَلَقٌ

پھر آپ شہروں کی طرف اترے درانحالیکہ نہ آپ بشر تھے نہ مضغہ (گوشت کا توہڑا) اور نہ خون

بستہ تھے۔

بَلْ نُطْفَةٌ تَرَكِبُ السَّفِينِ وَقَدْ الْجَمَ نَسْرًا وَأَهْلَهُ الْغَرَقُ

بلکہ ایک نطفہ تھے جو کشتی میں سوار ہوئے اور نسر کو لگام دی درانحالیکہ کشتی کے باہر قوم

نوح الطیہ غرق تھی۔

تُنْقَلُ مِنْ صَالِبِ إِلَى رَحِمِ إِذَا مَضَى عَالَمٌ إِذَا طَبَقُ

آپ اصلا ب (پشت پدر) رحم (مادر) کی طرف منتقل ہوئے۔ جب ایک زمانہ گزر گیا اور دوسرا

زمانہ آیا۔

بعض نسخوں میں ان شعروں کا بھی اضافہ ہے۔

ثُمَّ اخْتَوَى بَيْتَكَ الْمُهَيَّمِنُ مِنْ خِنْدَفَ عَلِيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ  
پھر آپ کے گھر کو شاہد نسب خندف (ابن مفرک بیوی کا نام ہے) نے بلندی کو گھیر لیا جس کے پٹکے تھے۔

وَأَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُورِكَ الْأُفُقُ  
اور آپ جب پیدا ہوئے تو تمام زمین روشن ہو گئی اور آپ کے نور سے آفاق جگمگائے۔  
نَحْنُ فِي ذَلِكَ الضِّيَاءِ وَفِي النُّورِ وَ سُبُلِ الرُّشَادِ نَخْتَرِقُ  
اب ہم اس روشنی اور نور و ہدایت کے راستہ میں داخل ہو گئے ہیں۔  
يَا بَرْدَ نَارِ الْخَلِيلِ يَا سَبِيًّا لِعِصْمَةِ النَّارِ وَهِيَ تَحْتَرِقُ  
اے حضرت خلیل علیہ السلام کی آگ ٹھنڈی کرنے والے اور آگ سے بچنے کا سبب بحال یہ کہ وہ آگ جل رہی تھی۔

حضور ﷺ سے حضرت ابو ذر اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ کو پانچ اور ایک روایت میں چھ چیزیں دی گئیں۔ جو کسی نبی علیہ السلام کو مجھ سے پہلے نہیں ملیں۔

1. ایک مہینہ کی مسافت تک رعب و دبدبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی۔
2. میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاک بنا دی گئی۔ اب میری امت کا ہر شخص جہاں بھی ہو نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ سکتا ہے۔
3. مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر حلال نہ تھا۔
4. مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔
5. مجھے منصب شفاعت مرحمت فرمایا گیا

اور ایک روایت میں اس عبارت کی جگہ یہ ہے کہ مجھ سے کہا گیا سوال کیجئے دیا جائے گا اور دوسری روایت میں ہے کہ میری امت مجھ پر پیش کی گئی اب مجھ پر تابع و متبوع کوئی مخفی نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے احمر و اسود (عرب و عجم) کی طرف بھیجا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ”اسود“ سے مراد

۱۔ صحیح بخاری باب التیمم جلد ۱ صفحہ ۶۲ (مذید حوالا جات کے لئے مناعل الصفاء للسیوطی صفحہ ۹۱)

۲۔ صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث جابر جلد ۱ صفحہ ۳۷۱



عرب ہے۔ اس لئے کہ ان کے رنگوں پر گندم گوئی رنگ غالب ہوتا تھا جو سیاہی کی قسم کا ہے اور احمر سے مراد عجم ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے امتوں کی سفیدی و سیاہی مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ احمر سے مراد انسان اور اسود سے مراد جن ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رعب کے ساتھ میری نصرت کی گئی اور جوامع الکلم مجھے دیا گیا اور میں سو رہا تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں اور ایک روایت میں ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔ (صحیح مسلم جلد کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۷۲-۳۷۱)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے آگے جانے والا (فرط) ہوں اور میں تمہارا گواہ ہوں اور بیشک میں خدا کی قسم یقیناً اس وقت اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی اور بیشک مجھے خدا کی قسم تم سے اس بات کا خوف نہیں کہ میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن تم سے اس کا خوف ہے کہ کہیں تم دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔ (صحیح بخاری کتاب البراق جلد ۸ صفحہ ۱۰۱ صحیح مسلم کتاب الطہارۃ جلد ۶ صفحہ ۲۱۸ سنن نسائی کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۹۲ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۲۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں محمد نبی اُمی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مجھ کو جوامع الکلم اور اس کی مہریں دی گئیں اور مجھ کو دوزخ کے خزانچی اور حاملین عرش بتائے گئے۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے قیامت کے سامنے بھیجا گیا۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۹۲، ۵۰)

ابن وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

سوال کیجئے اے محمد صلی اللہ علیک وسلم میں نے عرض کی:

اے رب ﷻ میں کیا سوال کروں۔ تو نے حضرت ابراہیم ؑ کو خلیل بنایا، حضرت موسیٰ

ؑ کو کلام سے نوازا، حضرت نوح ؑ کو برگزیدہ کیا، حضرت موسیٰ ؑ کو وہ ملک عطا فرمایا جو ان کے بعد کسی کو لائق نہیں۔ اللہ ﷻ نے فرمایا: جو چیز اے محبوب تم کو دی ہے وہ ان سے بہتر ہے۔

آپ ﷺ کو میں نے کوثر عطا فرمائی۔ آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا کہ اس کے ساتھ

آسمان کے درمیان پکارا جاتا ہے اور آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے زمین کو پاک بنایا اور آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کئے۔ آپ تو لوگوں میں مغفور

چلتے ہیں۔ یہ باتیں میں نے آپ سے پہلوں کے لئے نہیں کی ہیں۔ آپ کی امت کے دلوں کو مصاحف بنایا (کہ وہ قرآن کو حفظ کرتے ہیں) اور آپ کے لئے آپ کی شفاعت کو پردہ میں رکھا ہے۔ آپ کے سوا کسی نبی ﷺ کے لئے میں نے نہیں چھپایا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۰۲)

دوسری حدیث میں ہے جس کو حذیفہ ؓ نے روایت کی ہے۔ مجھ کو رب العزت ﷻ نے بشارت دی ہے کہ میرے ساتھ جنت میں میری امت میں سے سب سے پہلے جو داخل ہوں گے وہ ستر ہزار ہیں اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے جن کا کوئی حساب کتاب نہ ہوگا اور مجھے یہ عنایت کیا کہ میری امت نہ بھوکی رہے گی اور نہ مغلوب ہوگی اور مجھ کو عطا فرمائی نصرت عزت رعب جو کہ میری امت کے سامنے ایک مہینہ کی مسافت تک جاری ہے۔ میرے لئے اور میری امت کے لئے مال غنیمت حلال کیا۔ ہم پر بہت سی وہ چیزیں حلال کیں جو ہم سے پہلوں کے لئے حلال نہ تھیں اور ہم پر دین میں تنگی نہ رکھی گئی۔ (تاریخ ابن عساکر کمانی منابہ الصفاء للسیوطی صفحہ ۹۲)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: نبیوں میں کوئی نبی ایسا نہیں جس کو ایسی نشانیاں نہ دی گئی ہوں جن کو دیکھ کر ایمان لائے۔ لیکن مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ وحی قرآن ہے کہ اللہ ﷻ نے مجھ پر وحی فرمائی۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح بخاری باب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۷۵ صحیح مسلم فی کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۵۱/۲۵۲)

محققین اس حدیث کے معنی میں کہتے ہیں۔ جب تک دنیا باقی ہے آپ ﷺ کے معجزات باقی رہیں گے اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے تمام معجزات اسی وقت جاتے رہے۔ حاضرین کے سوا کسی نے ان کو نہ دیکھا اور قرآن ایسا معجزہ ہے کہ اس پر قیامت تک زمانہ کے بعد زمانہ گزرتا جائے لوگ کھلے طور پر واقف رہیں گے نہ کہ خبر کے طور پر۔ اس سلسلہ میں بہت طویل بحث ہے۔ یہ صرف خلاصہ ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں آخر میں کتاب کے باب المعجزات میں کچھ مزید بیان کریں گے۔

حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے مروی ہے کہ ہر نبی کو سات نبیاء یعنی صاحب شرافت وزیر دیئے گئے لیکن تمہارے نبی ﷺ کو چودہ نجیب (وزیر) دیئے گئے۔ ان میں سے ابو بکر، عمر، ابن مسعود اور عمار ؓ ہیں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۳۹)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے مکہ سے ہاتھیوں کو توروک لیا مگر اہل مکہ پر اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور یہ بات میرے بعد کسی کے لئے حلال نہیں اور میرے لئے بھی صرف

دن کی ایک گھڑی کے لئے حلال کیا گیا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۲۸ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۸۸)

عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ﷻ کا بندہ اور نبیوں کا آخر (خاتم) اس وقت سے ہوں جبکہ آدم ﷺ ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ میں اپنے والد حضرت ابراہیم ﷺ کا وعدہ ہوں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم ﷺ کی بشارت۔

(مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ ابن حبان جلد ۸ صفحہ ۱۰۶ مستدرک جلد ۸ صفحہ ۳۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے تمام آسمان والوں اور انبیاء علیہم السلام پر محمد ﷺ کو فضیلت دی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آسمان والوں پر کیا فضیلت ہے؟ فرمایا: یہ کہ اللہ ﷻ آسمان والوں سے فرماتا ہے:

وَمَنْ يُقْلُ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهُ مَنْ دُونِهِ فَذَلِكَ  
فَجَزِيهِ جَهَنَّمَ ط  
اور جو کوئی ان میں سے یہ کہے کہ میں اس کے سوا  
معبود ہوں، اس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۔ الانبیاء ۲۹)

اللہ ﷻ نے محمد ﷺ سے فرمایا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝  
بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۲۔ فتح ۱)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: انبیاء علیہم السلام پر کیسے فضیلت ہے؟ فرمایا: اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ. (پ۳۔ ابراہیم ۴)

اور محمد ﷺ کے لئے فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ (پ۴ سبأ ۲۹) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے بھیجا۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت

نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم کو اب آپ اپنے بارے میں خبر دیجئے۔

اسی کے مثل ابو ذر اور شداد بن اوس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ہاں میں اپنے والد ابراہیم ﷺ کی دعا ہوں کہ انہوں نے

کہا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ. اے رب ہمارے بھیج ان میں ایک رسول انہیں

(پ۔ البقرہ ۱۲۹) میں سے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور میری بشارت حضرت عیسیٰ عليه السلام نے دی۔ میری پیدائش کے وقت میری والدہ ماجدہ نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس کی روشنی سے بصرہ کے محل اور شام کی زمین روشن ہو گئی اور سعد بن بکر کی اولاد میں مجھے دودھ پلایا گیا۔

انہی ایام میں میں اپنے (رضاعی) بھائی کے ساتھ اپنے گھروں کے پیچھے بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک دو مرد سفید لباس میں میرے قریب آئے۔ دوسری حدیث میں ہے تین مرد آئے۔ ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا لائے اور مجھ کو پکڑ کر میرے پیٹ کو چاک کیا۔ اس حدیث کے علاوہ دوسری حدیث میں ہے کہ گردن سے لے کر پیٹ کے نرم حصہ تک چاک کیا۔ پھر میرا دل نکال کر اس کو چیرا اور اس سے سیاہ خون جما ہوا (علقہ) نکال کر دور کیا۔ اس کے بعد میرے دل اور میرے پیٹ کو اسی سرد پانی (برف) سے دھویا اور صاف کیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ پھر ان دونوں مردوں نے کوئی چیز لی دیکھا تو وہ نور کی انگوٹھی ان کے ہاتھ میں تھی کہ دیکھنے والا حیرت زدہ ہو جائے۔ انہوں نے اس سے میرے دل پر مہر لگائی اور اسے ایمان و حکمت سے پر کیا۔ اس کے بعد اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ دوسرے مرد نے شق شدہ جگہ پر اپنا ہاتھ پھیرا پس وہ درست ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل عليه السلام نے کہا کہ دل سخت ہے۔ اس میں دو آنکھیں ہیں جو دیکھتی ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں۔ پھر ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

امت کے دس مردوں کے ساتھ وزن کرو۔ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بڑھ گیا۔ پھر کہا کہ امت کے سو مردوں کے ساتھ وزن کرو۔ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بھی وزنی تھا۔ پھر کہا کہ امت کے ہزار مردوں سے وزن کرو۔ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بھی وزنی تھا۔ پھر کہا کہ آپ کو چھوڑ دو اگر تم ان کو ساری امت کے ساتھ بھی وزن کرو گے تب بھی بھاری ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ پھر انہوں نے مجھے سینہ سے لگا کر میرے سر اور آنکھوں کو بوسہ دیا اور کہا: اے حبیب اللہ ﷺ آپ ڈریے نہیں۔ اگر آپ ﷺ کو معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کے ساتھ کیسی بھلائی کی گئی تو آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

اس حدیث کے بقیہ میں ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ ﷻ کے نزدیک آپ ﷺ کا بڑا اعزاز و

اکرام ہے۔ بیشک اللہ ﷻ اور اس کے فرشتہ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اس کے بعد وہ چلے گئے۔ اب میں اس امر کو بخوبی دیکھ رہا ہوں۔

ابو محمد مکی اور فقیہہ ابواللیث سمرقندی رحمہما اللہ عنہم اور دیگر علماء رحمہم اللہ نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کے وقت بارگاہ الہی میں عرض کیا:

اللَّهُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَ اے خدا حضور ﷺ کے طفیل مجھ کو خطا سے معاف یُرْوِى وَ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي۔

اور ایک روایت میں کہ میری توبہ قبول فرما۔ اللہ ﷻ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کہاں

سے محمد ﷺ کو جانا؟

عرض کیا: میں نے جنت کے ہر مقام پر لا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ لکھا ہوا دیکھا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ محمد ﷺ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ اسی سے میں نے جانا کہ تیرے نزدیک تیری تمام مخلوق میں آپ ﷺ ہی سب سے برتر عزت والے ہیں۔ پس اللہ ﷻ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔ اسی قائل کے نزدیک یہ تفسیر اس آیه کریمہ کی ہے:

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کلمات

(پ۔ البقرہ ۳۷) سیکھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

دوسری روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے اپنے سر کو تیرے عرش کی طرف اٹھایا۔ تب میں نے اس میں لکھا دیکھا: لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ۔ اسی وقت میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک آپ کے سوا (ان جیسا) کوئی عظیم المرتبت نہیں ہے جیسا تو نے اپنے نام کے ساتھ آپ کا اسم مبارک ملا یا۔

پس اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی فرمائی۔ قسم ہے مجھے اپنے عزت و جلال کی بیشک آپ ﷺ تمہاری اولاد میں سب سے آخری نبی ہیں۔ وَلَوْلَا هَا مَا خَلَقْتُكَ۔ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو اے آدم علیہ السلام میں تم کو پیدا نہ فرماتا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد ﷺ تھی اور ایک روایت میں ابو البشر تھی۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۸۹)

سُرَّتْحَ بْنِ يُونُسَ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ ﷻ کے چند فرشتے

گشت کرتے ہیں۔ ان کی عبادت یہ ہے کہ جس گھر میں احمد یا محمد نام کا کوئی مرد ہو تو تھے سے اسی مناسبت کی بناء پر (اس کا) اعزاز و اکرام کریں۔

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ قاضی ابی الحرماءؒ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب معراج جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو عرش پر لکھا دیکھا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ. اس مرتبہ کے ساتھ میری رفعت سے تائید فرمائی گئی۔

(معجم الصحابة و طبقات کما فی منال الصفا للسیوطی)

تفسیر میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیہ کریمہ

وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا ۗ

اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۔ الکہف ۸۲)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ سونے کی تختیاں تھیں جس پر لکھا تھا: اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے وہ کیونکر رنج اٹھاتا ہے اور اس شخص پر جو جہنم کا یقین رکھتا ہے وہ کیونکر ہنستا ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا اور اہل دنیا کے انقلابات کو دیکھتا ہے وہ کیونکر دنیا میں مطمئن ہے۔

أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدِي ۗ فِي اللَّهِ وَعَلَيْهِ هَوِّنُوا حُرُوبَكُمْ مَعَهُ يَوْمَئِذٍ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَنِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى ۚ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ

نہیں۔ محمد ﷺ میرے بندے اور میرے رسول ﷺ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر مکتوب ہے۔ اِنِّي اَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ. ”میں ہی اللہ ﷻ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ہیں میں اس کو عذاب نہ دوں گا جو اس کا قائل ہو۔

منقول ہے کہ ایک پرانے پتھر پر یہ مکتوب پایا گیا۔ مُحَمَّدٌ تَقِيٌّ مُصَلِّحٌ وَ سَيِّدٌ اٰمِيْنٌ. محمد ﷺ پر ہیزگار اصلاح کرنے والے اور سردار و امین ہیں۔

سہم نظاری رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ خراسان کے ایک شہر میں ایک بچے کو دیکھا کہ اس کے پہلو میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور دوسرے پہلو میں مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ. مکتوب تھا۔

مورخین نے ذکر کیا ہے۔ ہندوستان کے کسی شہر میں ایک سرخ گلاب کا پھول ہے۔ اس پر سفید خط سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ. مکتوب ہے۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا کہے گا جس کا نام ”محمد“ ہے وہ کھڑا ہو جائے تاکہ حضور ﷺ کے نام کی برکت سے جنت میں داخل ہو

جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”سماع“ میں اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”جامع“ میں مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں نے اہل مکہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس گھر میں ”محمد“ نام کا کوئی شخص ہو وہ ضرور بڑھے گا اور ان کو رزق (دافر) دیا جائے گا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں ”محمد“ نام کے ایک یا دو یا تین شخص ہوں ان کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔ (طبقات ابن سعد کما فی منابہ الصفا للسیوطی صفحہ ۹۵)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ ﷻ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو ان میں سے دل مصطفیٰ ﷺ کو پسند فرمایا اور اپنی بارگاہ میں برگزیدہ کیا۔ اب آپ ﷺ کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۵۳)

نقاش رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی کہ

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْزُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ط  
اور تمہیں یہ نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ  
یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیویوں سے نکاح  
(۲۲۔ الاحزاب ۵۳) کرو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو حضور نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور خطبہ دیا۔ فرمایا: اے گروہ مومنین! بیشک اللہ ﷻ نے مجھ کو تم پر بہت فضیلت دی اور میری بیویوں کو تمہاری بیویوں پر بہت فضیلت دی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۳۵)

## دوسری فصل

آپ ﷺ کے وہ فضائل جو شبِ معراج عطا فرمائے گئے

حضور ﷺ کے ان فضائل میں جو شبِ معراج بزرگیاں عطا فرمائی گئیں اور مناجاتِ رویت الہیٰ امامت انبیاء علیہم السلام سدرۃ المنتہیٰ تک عروج اور اپنے رب ﷻ کی بڑی نشانیوں کے ملاحظہ فرمانے میں مرتبہ دیا گیا۔

حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے واقعہ معراج ہے۔ جس میں آپ کی رفعت درجات اور ترقی منازل مضمحل ہیں۔ جن کی قرآن کریم نے خبر دی اور احادیث صحیحہ نے ان کی تشریح کی۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ  
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ  
الْأَقْصَى. (پا۔ بنی اسرائیل ۱)  
پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات  
مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔  
(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ (الی) لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ  
آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى. (پا۔ النجم ۱۸-۱۹)  
اے چمکتے تارے (محمد) کی قسم جب معراج سے  
اترے (یہاں تک کہ) بیشک اپنے رب کی بڑی  
نشانیوں دیکھیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

صحت واقعہ معراج ﷺ میں مسلمانوں میں اصلاً اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ نص قرآنی  
سے ثابت ہے۔ جو حضور ﷺ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے اور اس کے عجائبات اور ہمارے نبی ﷺ کی  
خصوصیات کی تشریح احادیث کثیرہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان میں جو کامل تر ہیں ان کو پہلے بیان کریں۔ اسی ضمن میں اشارتاً  
ان احادیث کا بھی ذکر کر جائیں جن کا ذکر کرنا محلاً ضروری ہو۔

حدیث: حضرت انس ابن مالک ؓ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ  
میرے پاس براق لایا گیا۔ جو ایک چوپایہ سفید رنگ نسبتاً گدھے سے اونچا نچر سے پست تھا۔ وہ  
اپنے قدم وہاں رکھتا جہاں نظر کی انتہا ہے۔ فرمایا: میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا اور اس کو اس  
حلقہ سے باندھ دیا جہاں انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھتے تھے۔ پھر مسجد میں داخل ہو کر اس میں دو  
رکعت نماز پڑھی۔ جب باہر نکلا تو جبریل ؑ نے ایک پیالہ میں شراب اور دوسرے میں دودھ پیش  
کیا۔ میں نے دودھ کو پسند فرمایا۔

جبریل ؑ نے عرض کیا: آپ ﷺ نے فطرت کو اختیار فرمایا۔ پھر مجھے آسمان پر لے جایا  
گیا۔ جبریل ؑ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

پوچھا گیا: تم کون ہو؟ جواب دیا۔ جبریل ؑ۔

پھر پوچھا گیا: کون تمہارے ساتھ ہے؟ کہا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کیا ان کو حکم ہوا ہے؟ کہا:  
انہیں حکم ہوا ہے۔ تو ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت آدم ؑ ہیں۔  
انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔

پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں بھی جبریل ؑ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ سوال



ہوا کہ کون؟ کہا: جبریل علیہ السلام۔ سوال ہوا: کون تمہارے ساتھ ہے؟ جواب دیا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر پوچھا: ان کو حکم ملا ہے؟ جواب دیا: انہیں حکم دیا گیا ہے۔ پس دروازہ کھل گیا۔

اس وقت کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں بھی جبریل علیہ السلام سے اسی طرح سوال و جواب ہوئے۔ دروازہ کھلا تو دیکھا کہ میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوں۔ جن کو ساری دنیا کا نصف حسن دیا گیا ہے۔ انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر چوتھے آسمان پر بھی یونہی سوال جواب کے بعد دروازہ کھلوا یا۔ دیکھا تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔ انہی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (پ۔ مریم ۵۷) ہم نے ان کو بلند مکان دیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا اور وہی سوال و جواب ہوئے۔ دروازہ کھلا تو دیکھا وہاں ہارون علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر چھٹے آسمان پر بھی یہی ہوا۔ تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں بھی وہی کچھ ہوا۔ دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے ہیں۔ اس جگہ کا حال یہ ہے کہ ستر ہزار ایسے فرشتے روزانہ آتے ہیں جن کی دوبارہ آنے کی باری نہیں آتی۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ پر لے جایا گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ (ایک بیری کا درخت اس) کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر تھے اور اس کے پھل (بیر) منلوں کے برابر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اس کو اللہ تعالیٰ نے ڈھانپ لیا تو وہ بدل گیا۔ تو مخلوق میں کسی کی طاقت نہیں کہ اس کے حسن و خوبی کی تعریف کر سکے۔ پس اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ اس کے بعد جب میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف اترا تو انہوں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟

فرمایا: پچاس نمازیں۔ عرض کیا: آپ اپنے رب کی طرف واپس ہو کر تخفیف (کمی) کی درخواست کیجئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ میں نے اپنی امت بنی

اسرائیل کو آزا لیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب ﷻ کی طرف واپس آیا اور عرض کیا: اے رب ﷻ میری امت پر کمی کیجئے۔ تو اس اللہ ﷻ نے پانچ کم کر دیں۔ پھر جب موسیٰ ﷺ کی طرف آیا اور ان سے کہا کہ پانچ کی کمی ہوگئی۔ تو عرض کیا: آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر واپس جا کر کمی کی درخواست کیجئے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ ﷻ اور حضرت موسیٰ ﷺ کے مابین آنا جانا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

اے محمد (ﷺ) دن رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ہر ایک نماز دس کے برابر ہے۔ گویا وہ پچاس نمازیں ہی محسوب ہوں گی اور جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو عمل میں نہ لائے تو ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر عمل کرے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے اور اس کو عمل میں نہ لائے تو کچھ نہ لکھا جائے گا اور اگر وہ اس کا مرتکب ہو ہی گیا تو صرف ایک ہی بدی لکھی جائے گی۔ فرمایا: جب میں نے اتر کر حضرت موسیٰ ﷺ کو اس کی خبر دی۔ تو انہوں نے کہا: اپنے رب ﷻ کی طرف جائیے اور کمی کی درخواست پھر کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے موسیٰ ﷺ میں رب ﷻ کی طرف بار بار جاتا رہا ہوں اب حیا معلوم ہوتی ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق خیر دے فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہایت عمدہ صحیح بیان کیا ہے اور کوئی دوسرا اس سے بہتر بیان نہیں کر سکا۔ دوسروں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بہت کچھ غلط ملط کیا ہے۔ خصوصاً شریک ابن نمیر کی روایت کہ انہوں نے اس کے شروع میں حضور ﷺ کی خدمت میں فرشتے کا آنا اور آپ ﷺ کے بطن مبارک کا شق کرنا اور آب زم زم سے اس کا دھونا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ تو وحی سے قبل آپ ﷺ کے عہد طفولیت کا ہے۔ بلاشبہ شریک ابن نمیر نے اپنی حدیث میں اس کو مانا ہے کہ یہ واقعہ نزول وحی سے پہلے کا ہے اور واقعہ معراج کا تذکرہ کیا ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ نزول وحی کا واقعہ ہے اور بہت سوں نے کہا ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے۔ بعض نے کہا کہ نزول وحی سے پہلے کا ہے۔

ثابت نے ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے بیان کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ دائی حلیمہ سعدیہ کے یہاں ایام رضاعت میں بچوں کے ساتھ تھے تو انہوں نے آپ ﷺ کے قلب مبارک کو شق کیا۔ یہ واقعہ معراج کی حدیث سے بالکل علیحدہ ہے۔ جیسا کہ لوگوں نے روایت کیا ہے اور

دونوں قصوں کی تصحیح کی ہے اور واقعہ معراج میں بیت المقدس تک اور سدرۃ المنتہیٰ تک جانا یہ علیحدہ واقعہ بیان کیا ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ بیت المقدس تک گئے اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھے ہیں۔ اس نے ان تمام اشکال کو دور کر دیا جن کا اوروں نے وہم ڈالا تھا۔

(صحیح بخاری المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ کتاب توحید جلد ۹ صفحہ ۱۲۰ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۴۸)

یونس رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب اور شریک بن انس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر کی چھت پھاڑی گئی۔ جبریل علیہ السلام اترے میرے سینے کو چاک کیا۔ پھر آب زم زم سے اس کو دھویا پھر ایمان و حکمت سے پر ایک سونے کا طشت لائے۔ اس سے میرے سینے کو بھرا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف لے گئے۔ اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۶۶ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے اس میں تقدیم و تاخیر ہے اور کچھ زیادتی و کمی ہے اور آسمانوں میں انبیاء علیہم السلام کی ترتیب میں اختلاف ہے۔

(سنن نسائی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱۱ صفحہ ۱۸-۲۱۷)

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ زیادہ عمدہ اور صحیح

ہے۔

واقعات معراج کی احادیث میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے مفید نکتے پیدا ہوتے ہیں ان کو ہم اپنے مقاصد و مطالب میں بیان کریں گے۔

مجملاً ان میں سے حدیث ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ ہے کہ اس میں ہر نبی کا یہ قول ہے کہ مَرَحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْآخِ الصَّالِحِ. یعنی مرحبا ہواے نبی صالح اور صالح بھائی سوائے آدم و ابراہیم علیہم السلام کے کہ انہوں نے کہا: وَالْإِبْنِ الصَّالِحِ. یعنی اے صالح فرزند!

اور اس میں طریق ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ پھر مجھے اوپر لے گئے۔ یہاں تک کہ ایک کشادہ ہموار مقام پر پہنچا کہ اس میں قلموں کے چرچرانے کی آواز سنتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا۔ اس کو ایسے رنگوں نے ڈھانپ لیا کہ میں نہیں جانتا وہ کیا ہیں۔ فرمایا: پھر جنت میں داخل کیا گیا۔

مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آگے بڑھا تو

وہ روئے۔ ندا کی گئی: کیوں روتے ہو؟ عرض کیا کہ اے میرے رب ﷺ یہ وہ شخص ہے جس کو میرے بعد تو نے بھیجا اور ان کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد صفحہ نمبر ۱۲۸ صحیح بخاری کتاب اصولہ جلد ۱ صفحہ ۶۶ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۲۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو جماعت انبیاء میں دیکھا کہ نماز کی تیاری کی جا رہی ہے۔ تو میں نے ان کی امامت کی۔ ایک کہنے والے نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم یہ داروغہ دوزخ مالک ﷺ ہیں۔ ان کو سلام سے نوازیئے۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے مجھے سلام پیش کیا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر چلے کہ یہاں تک کہ بیت المقدس آئے۔ براق سے اتر کر اس کو ایک پتھر سے باندھ دیا۔ فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب نماز ختم ہو چکی تو کہنے لگے: اے جبریل علیہ السلام یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ یہ محمد ﷺ اللہ ﷻ کے رسول خاتم النبیین ہیں۔

انہوں نے کہا: کیا تم ان کی طرف بھیجے گئے ہو؟

کہا: ہاں۔ سب نے کہا: اللہ ﷻ آپ کو حیات دے یہ بھائی اور خلیفہ ہیں۔ کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ ہیں۔ پھر انہوں نے ارواح انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی اور اپنے رب ﷻ کی حمد بجالائے۔ ان میں سے ہر ایک کی گفتگو کا ذکر کیا۔ وہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام ہیں۔

پھر نبی کریم ﷺ کے کلام کا ذکر کیا کہ بلاشبہ محمد ﷺ اپنے رب ﷻ کی حمد بجالائے۔

فرمایا: تم سب نے اپنے رب ﷻ کی تعریف کی اور میں اپنے رب ﷻ کی یہ تعریف کرتا ہوں کہ پاکی ہے اس اللہ ﷻ کی جس نے مجھے رحمۃ اللعالمین اور تمام لوگوں کی طرف بشیر و نذیر کر کے بھیجا اور اس نے مجھ پر وہ قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو بہتر امت کیا اور میری امت کو درمیانی امت بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہی اول اور آخر ہے اور میرے سینہ کو کھول دیا اور ہر برائی کو مجھ سے دور کیا اور میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اسی وجہ سے تم پر محمد ﷺ فضیلت پائے۔ پھر ذکر کیا کہ حضور ﷺ کو آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جیسا کہ گزارا۔ (صحیح مسلم نسائی ترمذی بحوالہ تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۲۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے۔ وہ چھٹے آسمان پر ہے۔ جو کچھ زمین سے اوپر چڑھتا ہے۔ وہاں اس کی انتہا ہو جاتی ہے اور وہاں روک لئے جاتے ہیں اور جو چیز اوپر سے اترتی ہے وہ بھی وہیں منتہی ہوتی ہے وہاں سے قبض کر لی جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ فرماتا ہے:

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ۝

جب سدرہ پر چھارہا تھا جو چھارہا تھا۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۲- النجم ۱۶)

فرمایا کہ وہ سونے کے پتنگے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۵۷، مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۸۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ہے مروی ہے کہ مجھ سے کہا گیا کہ یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ہر ایک عمل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ پر فوت ہوتا ہے پہنچتے ہیں۔

یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے جس کی جڑ میں سے چار نہریں جاری ہیں۔ ایک نہر صاف پانی کی دوسری نہر دودھ کی جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا، تیسری نہر شراب کی جو پینے والوں کے لئے لذیذ ہے، چوتھی نہر صاف شہد کی۔

سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار ستر سال تک چل سکتا ہے۔ اس کا ایک پتہ مخلوق کو ڈھانکنے والا ہے۔ اس کو نور اور فرشتوں نے ڈھانک لیا ہے۔ خدا کے فرمان اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى (پ۱۲- النجم ۱۶) کا یہی مفہوم ہے۔

اللہ سبحانہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: مانگئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔

تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنا کر ان کو بڑا ملک دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو نے کلام فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑا ملک دیا، لو ہے کو ان کے لئے نرم کیا اور پہاڑوں کو ان کے لئے تابع فرمان۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم دے کر جن و انس، شیاطین اور ہوا کو ان کا تابع فرمان بنایا اور ان کو ایسا ملک دیا جو ان کے بعد کسی کو لاحق نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توریت و انجیل سکھائی اور ان کو مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو تندرست بنانے والا کیا۔ ان کو اور ان کی والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی اور وہ مردود ان دونوں پر کوئی راہ نہیں پاتا۔

تب اللہ سبحانہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: میں نے تم کو خلیل اور حبیب بنایا اور یہ توریت میں

مکتوب ہے کہ محمد ﷺ رحمٰن کے حبیب ہیں۔ اور میں نے تم کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور تمہاری امت کو ایسا کیا کہ وہی اول اور وہی آخر ہیں اور میں نے تمہاری امت کو ایسا کیا کہ ان کے لئے خطبہ جائز نہیں۔ جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں۔ تم میرے بندے اور میرے رسول ہو اور اے محبوب میں نے تم کو خلقت کے اعتبار سے تو پہلے اور بعثت کے لحاظ سے آخر بنایا اور میں نے تم کو سبع مثانی دیا جو کہ میں نے کسی نبی کو تم سے پہلے نہیں دیا اور میں نے تم کو سورہ بقرہ کی آخری آیتیں (خاص طور پر) دیں۔ وہ میرے عرش کے نیچے کا خزانہ ہے جو تم سے پہلے کسی نبی کو نہ دیا اور میں نے تم کو شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا۔

اور دوسری روایت میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں (خاص طور پر) دی گئیں۔ یعنی پانچ نمازیں، سورہ بقرہ کی آخری آیتیں اور آپ ﷺ کی امت کے ان لوگوں کو ہلاک کرانے والے گناہ کبیرہ سے بخشش جنہوں نے کبھی خدا کا شرک نہ ٹھہرایا اور فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى (پ۲۔ انجم ۱۱) دل نے جھوٹ نہ کہا جو جو دیکھا (ترجمہ کنز الایمان)

جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔

شریک ﷺ کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ساتویں آسمان میں دیکھا فرمایا۔ ان کو یہ مرتبہ ان کے کلیم ہونے کی وجہ سے ملا۔

فرمایا: پھر مجھے اس سے اوپر لے گئے۔ اس مقام کو سوائے اللہ ﷻ کے کوئی نہیں جانتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میرا یہ گمان تھا کہ کوئی مجھ سے بڑھ کر ہوگا۔ (یہ راوی کا تصرف معلوم ہوتا ہے حالانکہ توریت میں اس کی فضیلت مذکور ہے۔) (نیم الریاض کمانی منال السفالسیوطی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک دن بیٹھا ہوا تھا کہ جبریل علیہ السلام آئے اور میرے دونوں کندھوں کو ہلایا بس میں کھڑا ہوا اور اس درخت کی طرف جو وہاں تھا بڑھا اور اس میں پرندوں کے دو گھونسلے کی مانند ایک میں میں بیٹھا اور دوسرے میں وہ (جبریل علیہ السلام) پھر وہ بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ اس نے مشرق اور مغرب کو ڈھانپ لیا اور اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا میں ادھر ادھر دیکھتا رہا اور میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گویا ایک باریک کپڑا ہے جو زمین سے ملا ہوا ہے۔ میں نے ان کے مرتبہ علم کو جان لیا جو اللہ ﷻ نے مجھ پر دیا ہے۔ (یہ ان کی جزوی فضیلت ہے ورنہ کلی

فضیلت حضور ﷺ کو حاصل ہے۔ مترجم) میرے لئے آسمان کے دروازے کھلوائے گئے اور میں نے نور اعظم کو دیکھا اور میرے پیچھے پردہ ڈالا گیا کہ اس کی دراڑیں موتی اور یاقوت کی تھیں۔ پھر اللہ ﷻ نے جو چاہا مجھے وحی فرمائی۔

(مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۷۵)

بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی مرتضیٰ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی کہ جب اللہ ﷻ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے رسول ﷺ کو اذان سکھائے تو جبریل علیہ السلام ایک جانور لائے۔ جس کو براق کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہونے لگے تو اس نے شوخی کی۔

جبریل علیہ السلام نے کہا: ٹھہر جا۔ خدا کی قسم تیرے اوپر حضور ﷺ سے بڑھ کر خدا کی بارگاہ میں کوئی مکرم بندہ سوار نہیں ہوا۔

پھر آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے یہاں تک کہ اس پردے کے قریب تک لے گیا جو اللہ ﷻ کے قریب تھا۔ آپ ﷺ اس حالت میں تھے کہ پردے یعنی حجاب کے پیچھے سے ایک فرشتہ نکلا۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے جبریل علیہ السلام یہ کون ہے؟

کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ خدا کی بارگاہ میں بہت مقرب ہوں لیکن اس فرشتہ کو جب سے میں پیدا ہوا ہوں۔ اس سے پہلے نہ دیکھا۔

فرشتے نے کہا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اس کو پردے کے پیچھے سے کہا گیا کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں۔ پھر فرشتے نے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. اس سے پردے کے پیچھے سے کہا گیا: میرے بندے نے سچ کہا۔ میں خدا ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بقیہ کلمات اذان کو اسی طرح ذکر کیا گیا مگر حَسْبِيَ عَلٰی الصَّلٰوةِ ۝ حَسْبِيَ عَلٰی الْفَلَاحِ کے جواب کا ذکر نہیں کیا اور کہا پھر فرشتے نے حضور ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور آپ ﷺ کو آگے لے گیا تب آپ ﷺ نے آسمان والوں کی امامت فرمائی جس میں آدم و نوح علیہما السلام بھی تھے۔

(مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۳۲۹ تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۱۹)

ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہما اس کے راوی نے کہا کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کی شرافت کو تمام آسمان وزمین والوں پر کامل کر دیا۔

قاضی ابوالفضل (میاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق خیر دے۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حجاب (پردے) کا جو ذکر ہے وہ پردہ مخلوق کے حق میں ہے نہ کہ خالق کے حق میں۔ وہ لوگ محبوب ہیں اور اللہ ﷻ جل اسمہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کو چھپائے۔ اس لئے کہ پردہ میں وہ چیز ہو سکتی

ہے جو اندازہ میں آئے اور وہ ہمارے حواسِ خمسہ میں آنے والی ہو لیکن اس کے پردے مخلوق کی آنکھوں، عقلوں اور فہموں پر ہیں۔ جس کے ساتھ وہ چاہے جیسا چاہے اور جب چاہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ خود فرماتا ہے:

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ط ہاں ہاں بیشک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار (پ۔ ۳۰۔ المطففین ۱۵) سے محروم ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس پردہ والی حدیث کے کہ فرشتہ پردے میں سے نکلا واجب ہے کہ یہ معنی کئے جائیں کہ وہ ایک پردہ تھا کہ دوسرے فرشتے اس فرشتہ کے سوا اللہ ﷻ کی عظمت و سلطنت، عجائبِ ملکوت و جبروت پر آگاہ نہ تھے۔ حدیث کے اس معنی پر جبریل علیہ السلام کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ فرشتہ جو پردے کے پیچھے سے نکلا ہے۔ وہ ہے جس کو اپنی خلقت سے لے کر اس وقت تک اس سے پہلے نہ دیکھا۔ یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ پردہ ذاتِ الہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اس پر کعب احبار رضی اللہ عنہما کے قول سے بھی دلیل لائی جاسکتی ہے۔ جو انہوں نے سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر میں بیان کی ہے۔ کہا کہ اس کی طرف فرشتوں کا علم منتہی ہوتا ہے اور اس کے نزدیک سے خدا کا حکم پاتے ہیں۔ اس سے آگے ان کا علم بڑھتا نہیں۔

لیکن اس حدیث میں یہ قول کہ رحمن (اللہ ﷻ) سے متصل ہے تو یہ حذف مضاف اللہ ﷻ پر محمول کیا جائے گا یعنی عرشِ رحمان سے متصل ہے یا اس کی بڑی آیات کے کسی امر سے یا اس کے معارف کے حقائق کے مبادی سے جس کو وہی زیادہ جانتا ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَسئِلِ الْقُرْیَةَ. (پ۔ یوسف ۸۲) اور اس بستی سے پوچھ دیکھئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حدیث میں یہ قول کہ پردے کے پیچھے سے کہا گیا کہ میرے بندے نے سچ کہا میں اکبر ہوں۔ اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اس جگہ سے حضور ﷺ نے کلامِ الہی کو سنا لیکن پردے کے پیچھے سے جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا كَسَى آدَمٰی كُوْنٰیٰی پٰہیٰۤا كہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پر وہ

(پ۔ الشوریٰ ۵۱) عظمت کے ادھر ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی رویت سے بشر کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ بات بالکل درست ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو (بے حجاب) دیکھا تو ہو سکتا ہے کہ



آپ ﷺ اس مقام کے علاوہ کسی اور وقت میں دیکھا ہو یا اس سے پہلے دیکھا ہو اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے پردے اٹھادیئے گئے ہوں۔ یہاں تک کہ آپ نے رویتِ الہی کی۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

## تیسری فصل

آپ ﷺ کی معراج جسمانی تھی یا روحانی؟

علماء سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ کی معراج روحانی تھی یا جسمانی۔ اس میں تین قسم کی روایتیں ہیں۔

ایک گروہ اس طرف ہے کہ یہ معراج روحانی تھی اور یہ نیند میں دیکھنا ہے۔ باوجودیکہ اس بات میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی خواب حق اور وہ وحی ہے۔ اس طرف حضرت معاویہ ؓ گئے ہیں اور حضرت حسن ؓ سے حکایت کی ہے اور انہیں سے اس کے خلاف بھی مشہور ہے۔ اس کی طرف محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي آرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا لِلنَّاسِ  
آزمائش کو۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(۱۵۔ الاسراء ۶۰)

اور وہ حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس کو گم نہیں کیا اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ ایک دن میں سوراہا تھا اور حضرت انس ؓ کی روایت کے بموجب کہ حضور ﷺ مسجد حرام میں سوراہے تھے اور قصہ معراج بیان کیا۔ پھر اس کے آخر میں کہا جب بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا (یہ دلائل معراج منامی کے قائلین کے ہیں)

اکابر علماء سلف اور تمام مسلمان اس طرف گئے ہیں کہ حضور ﷺ کی معراج بیداری میں جسمانی تھی اور یہی قول حق ہے اور حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت حذیفہ، حضرت عمر، حضرت ابی ہریرہ، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابو جہ بدری، حضرت ابن مسعود، حضرت ضحاک، حضرت سعید بن جبیر، قتادہ، ابن مسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج، کا یہی مذہب ہے اور یہی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر حجت ہے اور یہی مذہب طبری، امام ابن حنبل، رحمہما اللہ اور مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت کا ہے اور یہی مذہب اکثر فقہائے متاخرین، محدثین، متکلمین اور مفسرین رحمہم اللہ کا ہے۔

اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کو بیداری کی حالت میں جسمانی معراج بیت المقدس تک ہوئی اور آسمانوں تک روحانی ہوئی۔ وہ اللہ ﷻ کے اس قول سے حجت پکڑتے ہیں۔

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى.

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو لے گیا ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک راتوں رات۔

(پہلا۔ الاسراء) (ترجمہ کنز الایمان)

پس وہ مسجد اقصیٰ تک اس معراج کی انتہا کو مانتے ہیں جس میں تعجب و حیرت واقع ہے اور اس میں آپ ﷺ کی بڑی قدر و مدح وہاں تک تشریف لے جانے اور معراج ہونے کی کرامت نکلتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر معراج جسمانی مسجد اقصیٰ سے آگے تک بھی ہوتی تو اس کو اللہ ﷻ ذکر فرماتا۔ اس کا ذکر حضور ﷺ کی مدح میں اور اضافہ کرنا۔ پھر یہ دونوں گروہ اس میں مختلف ہیں کہ کیا حضور ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی یا نہیں۔ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا دوسروں کی حدیث پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم آپ اور جبریل علیہ السلام براق کی پشت پر سوار تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ اور وہ واپس آ گئے۔

(تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۱۶ سورۃ الاسراء)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق دے کہتے ہیں کہ حق و صحیح بات انشاء اللہ ﷻ اس میں یہی ہے کہ حضور ﷺ کو معراج جسم و روح دونوں کے ساتھ شب معراج میں ہوئی اور اسی پر آیہ کریمہ اور معتبر اخبار صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ ظاہر اور حقیقت سے تاویل کی طرف عدول نہیں کرنا چاہئے۔

سوائے امر محال کے اور حضور ﷺ کی معراج جسمانی اور حالت بیداری میں کوئی استحالہ نہیں۔ اس لئے کہ اگر منامی (خواب میں) ہوتی تو اللہ ﷻ ”رُوحٌ عَبْدُهُ“ فرماتا ”بِعَبْدِهِ“ نہ فرماتا اور یہ کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۝

آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

(پہلا۔ النجم ۱۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اگر خواب میں ہوتی تو یہ نہ نشانی ہے اور نہ معجزہ اور نہ کفار اس سے تعجب کرتے اور نہ اس کو

جھلاتے اور نہ ضعیف الاعتقاد مسلمان مرتد ہوتے اور نہ فتنے میں پڑتے۔ اس لئے کہ ایسی خوابوں کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ بلکہ یہ انکار اسی وجہ سے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے جسم و بیداری کی حالت میں معراج کی خبر دی ہے۔ کیونکہ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز پڑھنے کا حدیث میں ذکر ہے۔ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دوسروں کی روایت کے بموجب آسمانوں میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

پھر جبریل علیہ السلام کا براق لانا، معراج کی خوشخبری دینا، آسمانوں کے دروازے کھلوانا اور یہ کہا جانا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اور یہ کہنا کہ محمد ﷺ اور انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا ان کی ساری باتیں ان کا مرجبا کہنا، نمازوں کا فرض ہونا اور اس میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنا جانا اور بعض حدیثوں کے مطابق جبریل علیہ السلام کا میرا ہاتھ پکڑنا، آسمان پر لے جانا، پھر اتنا اونچا لے جانا کہ ہموار میدان آ جائے وہاں قلموں کے چرچرانے کی آواز سننا، سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا وہاں کی سیر کرنا۔ یہ سب احادیث میں مذکور ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ معراج آنکھوں دیکھا حال ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے آنکھوں سے دیکھا خواب نہ تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۷۱، مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۷۲)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حجر اسود کے پاس سو رہا تھا کہ جبریل علیہ السلام آئے اور پیچھے سے مجھے بلایا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے نظر نہ آیا پھر لیٹ گیا۔ تین دفعہ یوں ہی ہوا۔ تیسری مرتبہ میرے کندھوں کو پکڑ کر اس نے ہلایا اور مجھے مسجد کے دروازے تک لے گیا تو وہاں ایک جانور تھا اور براق کی خبر دی۔ (تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۲۶)

حضرت أم ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میرے گھر سے ہی معراج کرائی گئی۔ اس وقت عشاء کی نماز پڑھ کر ہمارے درمیان حضور ﷺ سو گئے۔ جب صبح فجر سے کچھ قبل حضور ﷺ نے ہم کو جگایا۔ جب آپ ﷺ اور ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تو فرمایا:

اے أم ہانی! میں نے تمہارے ساتھ عشاء کی نماز جیسا کہ تم نے دیکھا اس وادی میں پڑھی۔ پھر بیت المقدس میں جا کر اس میں نماز پڑھی۔ پھر صبح کی نماز اب تمہارے ساتھ جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو پڑھی ہے۔ یہ حجت ہے اس بات پر کہ آپ ﷺ کی معراج جسمانی تھی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ شداد بن اوس ایک روایت میں ان سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شب معراج کی صبح حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے رات کو کا شانہ اقدس میں

تلاش کیا۔ آپ کو نہ پایا؟ ان کو جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام اٹھا کر بیت المقدس لے گئے تھے۔  
(تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے شب معراج مسجد اقصیٰ کے سامنے نماز پڑھی۔ پھر میں صخرہ میں داخل ہوا تو ایک فرشتے کو تین برتن لئے کھڑا پایا۔ (الی اخرا الحدیث)  
(تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۶)

یہ تصریحات بالکل ظاہر ہیں۔ ان میں کوئی استحالہ نہیں اور اپنے ظاہری معنی میں ہی محمول ہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا:  
میرے مکان کی چھت پھاڑی گئی۔ اس وقت میں مکہ میں تھا۔ پس جبریل علیہ السلام اترے اور میرا شرح صدر کیا۔ پھر آب زم زم سے غسل دیا۔ آخر قصہ تک۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اوپر لے گئے۔  
(معراج کرائی) (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے پاس (آنے والے) آئے اور مجھ کو زم زم تک لے گئے اور میرا شرح صدر کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رکاوٹ محسوس کی جب قریش مجھ سے معراج کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ وہ مجھ سے ان چیزوں کا سوال کرتے تھے جن کو میں نے محفوظ نہ کیا تھا۔ تو میں نے سخت ہچکچاہٹ محسوس کی جو کہ اس سے پہلے کبھی مجھے محسوس نہ ہوئی تھی تو اللہ ﷻ نے اس کو اٹھا کر میرے پیش نظر کر دیا۔ اسی کے مثل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۲ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۵۶، ۱۵۷)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔  
پھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف واپس آیا بحالیکہ انہوں نے اپنا پہلو بھی بدلانا تھا۔

## چوتھی فصل

معراج روحانی کے دلائل کا رد

یہ فصل ان دلائل کے ابطال میں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ معراج (نوی) خواب میں تھی۔ وہ اللہ ﷻ کے اس قول کو حجت میں لاتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا لِالَّتِي آرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً ۗ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكْتُمُونَ  
 لِلنَّاسِ ۝ (۱۵۔ اسری ۶۰) لوگوں کی آزمائش کو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس کو اللہ ﷻ نے رویا قرار دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ کا فرمان سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ ۚ (۱۵۔ اسری ۱) اس کو رو د کرتا ہے۔ اس لئے کہ اسری حالت نوم کے لئے بولا ہی نہیں جاتا اور فِتْنَةً لِلنَّاسِ اس کی تائید کرتا ہے کہ وہ رویا عینی مشاہدہ تھا۔

اور معراج جسمانی (شخصی) تھی۔ اس لئے کہ خواب میں دیکھنا تو فتنہ ہے ہی نہیں اور نہ اس کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے خواب میں اس کی مثل کائنات میں ایک گھڑی کے اندر مختلف اطراف میں چلا جاتا ہے۔ علاوہ بریں اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت قصہ حدیبیہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی اور جو کچھ لوگوں کے دلوں میں اس سے واقع ہوا اس کو بیان کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

لیکن ان کی یہ دلیل کہ حضور ﷺ نے حدیث میں مَنَامًا (خواب) کہا ہے اور دوسری حدیث میں بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ (میں نیند اور بیداری کے درمیان تھا) آیا ہے اور یہ قول کہ وَهُوَ نَائِمٌ (در آنحالیہ سوراہا تھا) اور یہ قول کہ تَمَّ اسْتَيْقَظْتُ (پھر میں بیدار ہوا) اس کو حجت میں نہیں لایا جاسکتا۔

اس لئے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں سب سے پہلے فرشتہ اس حالت میں پہنچا ہو کہ آپ ﷺ سوتے ہوں یا شروع اٹھانے کے وقت آپ ﷺ سوتے ہوں۔ حدیث میں یہ کہیں نہیں ہے کہ معراج کے سارے واقعات میں آپ سوتے رہے ہوں۔ البتہ آپ کا یہ فرمانا کہ پھر میں بیدار ہوا تو مسجد حرام میں تھا۔ شاید کہ اسْتَيْقَظْتُ بمعنى أَصْبَحْتُ (یعنی صبح کی میں نے) مراد ہو یا واپسی کے بعد آ کر سو گیا۔ پھر جاگا تو مسجد حرام میں تھا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ معراج لمبی رات تک نہ تھی۔ بلکہ وہ تورات کے کچھ حصہ میں تھی اور کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ میں بیدار ہوا تو مسجد حرام میں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت کے عجائبات کے مطالعہ نے ڈھاک لیا تھا اور آپ کے باطن کو ملاء اعلیٰ کے مشاہدہ نے اور اپنے رب کی بڑی نشانیوں کے ملاحظہ نے وارفتہ کر دیا تھا۔ آپ بشری حالت میں اسی وقت لوٹے جب مسجد حرام میں واپس آ گئے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی نیند اور بیداری حقیقی معنی میں ہو جو الفاظ کا ظاہری اقتضاء ہے لیکن معراج جسمانی ہوئی اس حال میں کہ آپ کا قلب حاضر تھا۔

اور انبیاء علیہم السلام کی نیند (خواب) حق ہوتی ہے۔ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے قلوب بیدار ہوتے ہیں۔

بعض اصحاب کے اشارات اس طرف مائل ہوئے ہیں ان میں سے بعض کہتے ہیں۔ آپ کا آنکھوں کو بند کرنا اس لئے تھا کہ کوئی محسوس چیز آپ کو اللہ ﷻ سے نہ روک سکے۔ یہ بات انبیاء علیہم السلام کے لئے نماز کے وقت صحیح نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ اس معراج میں آپ کی یہ حالت ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ نیند سے مطلب یہ ہو کہ سونے والوں کی طرح سیدھے لیٹے ہوں اور اس تاویل کو آپ کا یہ فرمان قوی بناتا ہے جو عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہمام رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں سوتا تھا اور بعض دفعہ فرمایا کہ لیٹا تھا۔

ہمد بہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آپ سے منقول ہے کہ میں حطیم میں سوراہا تھا اور بعض دفعہ فرمایا: حجر اسود کے پاس لیٹا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں نیند اور بیداری کے درمیان تھا۔ پس اس حالت کو نیند کہہ دیا کیونکہ سونے والی حالت غالب تھی۔

بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ اضافات یعنی سونا، شکم کا چاک کرنا، اللہ ﷻ سے قریب و بعید ہونا صرف شریک ﷺ کی روایت میں ہے۔ جو حضرت انس سے مروی ہے۔ لیکن یہ روایت منکر ہے۔ اس لئے کہ شکم کا چاک ہونا احادیث صحیحہ میں اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ عہد طفولیت میں تھے جو نبوت سے پہلے کا وقت کا ہے اور اس لئے بھی کہ حدیث میں قبل بعثت کا ذکر ہے اور معراج باتفاق بعثت کے بعد ہوئی ہے۔ پس یہ سب دلائل حضرت انس کی روایت کو کمزور کرتے ہیں۔ باوجودیکہ حضرت انس ﷺ نے متعدد طریقوں سے بیان کیا ہے کہ یہ روایت دوسروں سے منقول ہے۔ حضور ﷺ سے اس کو نہیں سنا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ تو مالک بن صعصعہ ﷺ سے نقل کیا اور کتاب مسلم میں کہا کہ شاید یہ مالک ابن صعصعہ سے ہے۔ یعنی شک کے لفظ روایت کیا اور ایک دفعہ کہا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تھے۔

لیکن اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ میں نے حضور ﷺ کے جسد اقدس کو گم نہیں کیا۔

اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے مشاہدہ سے نہیں بیان کرتی ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس وقت تک آپ کی بیوی نہیں ہوئی تھیں اور نہ آپ کی ایسی عمر تھی کہ اس میں کوئی یاد رہ سکے اور شاید کہ وہ

اس وقت تک پیدا بھی نہ ہوئی تھیں کیونکہ وقوع معراج کے تعیین میں اختلاف ہے۔ پس جبکہ وقوع معراج اگر اول اسلام میں ہو جیسا کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور جو اس کی موافقت کرتے ہیں کہ بعثت کے ڈیڑھ سال بعد ہوئی۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہجرت کے وقت آٹھ سال کی بچی تھیں۔

بعض کہتے ہیں کہ وقوع معراج ہجرت سے پانچ سال قبل اور بعض کہتے ہیں کہ ہجرت سے ایک سال قبل ہوئی۔ قرین صحت پانچ سال ہی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی دلیل طویل ہے جو ہماری غرض سے متعلق نہیں۔ پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود مشاہدہ نہیں کیا تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ انہوں نے دوسروں سے سن کر بیان کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسروں کی خبر پر ان کی روایت کو ترجیح دی جائے۔ حالانکہ ان کے سوا دوسرے اس کے خلاف کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث ام ہانی رضی اللہ عنہا میں صاف طور پر بیان ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ اوروں نے بھی روایت کیا ہے۔

اب نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ثابت نہیں اور دوسری احادیث زیادہ ثابت اور صحیح ہیں۔ ہماری اس سے مراد ام ہانی کی حدیث ہے اور نہ وہ جو کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ حضرت عائشہ کی حدیث رضی اللہ عنہا میں ہے کہ ”میں نے جسم اقدس کو گم نہیں کیا“ حالانکہ حضور ﷺ ان سے مدینہ میں ملے ہیں۔ یہ تمام دلیلیں ان کی روایت کو کمزور کر رہی ہیں۔ بلکہ آپ کا جسم کے ساتھ تشریف لے جانے پر انہیں کا صحیح قول دلالت کرتا ہے۔

وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے آنکھ سے دیدار الہی کی روایت کا انکار کرتی ہے۔ اگر ان کے نزدیک یہ خواب میں ہوتا ہے تو اس کا انکار نہ کرتیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى (پ۲۔ النجم ۱۱) جو دیکھا دل نے نہ جھٹلایا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس سے دل کا دیکھنا مراد ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ خواب کا دیکھنا اور وحی تھی نہ کہ آنکھ اور جو اس سے مشاہدہ کرنا۔ تو ہم اس کے جواب اور مقابلہ میں یہ آیت پیش کریں گے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى (پ۲۔ النجم ۱۷) آنکھ نہ پھری نہ حد سے بڑھی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس میں دیکھنے کی نسبت آنکھ کی طرف کی ہے اور مفسرین آیت کریمہ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ دل نے آنکھ کو حقیقت کے سوا وہم میں نہ ڈالا بلکہ اس کی روایت کی دل نے تصدیق کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے دل نے انکار نہ کیا جو آپ ﷺ کی آنکھ نے دیکھا۔

## پانچویں فصل

### آپ ﷺ کا اللہ عزوجل کو دیکھنا

علماء سلف نے حضور ﷺ کا رب تبارک وتعالیٰ کی رویت (دیکھنے) میں اختلاف کیا ہے۔ اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا۔

حدیث: حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: یا ام المؤمنین! کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو فرمایا: تمہارے اس سوال سے میرے بال کھڑے ہو گئے۔ تین باتیں ایسی ہیں جو تم سے کہے وہ جھوٹا ہے۔ ایک یہ کہ جو تم سے کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا وہ جھوٹا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت کی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ. (پ۔ الانعام ۱۰۳) ”آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں“ (ترجمہ کنز الایمان) آخر حدیث تک بیان کیا اور ایک جماعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی قائل ہے اور یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے۔<sup>۱</sup>

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔<sup>۲</sup> وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور اس کے خلاف بھی ان سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کے انکار کے ساتھ دنیا میں رویت الہی ناممکن فرمایا ہے۔ اس کی محدثین، فقہاء اور متکلمین کی ایک جماعت قائل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھ سے رویت الہی کی۔ انہیں سے عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ آپ ﷺ نے اپنے دل سے اس کو دیکھا۔ ابو العالیہ رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک شخص کو بھیجا کہ وہ آپ ﷺ سے پوچھے کہ کیا حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کا دیدار کیا۔ فرمایا: ہاں۔ اور ان سے یہی زیادہ مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو اپنی آنکھ سے

۱۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۲ صفحہ ۹۱

۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۲ صفحہ ۹۱

... صحیح مسلم ...



دیکھا۔ یہ ان سے متعدد طریقوں سے مروی ہے۔ (تفسیر درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۲۸، سورۃ النجم)

اور فرمایا: بیشک اللہ ﷻ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلعت سے اور حضور ﷺ کو رویت سے خاص فرمایا۔ ان کی دلیل یہ فرمان الہی ﷻ ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۖ أَفَتَسْمُرُونَ ۚ  
عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۚ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۚ  
(پ ۲۷-۱۲-۱۱) جلوہ دوبار دیکھا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ اللہ ﷻ نے اپنے کلام اور اپنی رویت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ کے مابین تقسیم فرمایا ہے۔ پس حضور ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب ﷻ کو دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ اپنے رب ﷻ سے کلام فرمایا۔

ابو الفتح رازی اور ابواللیث سمرقندی رحمہما اللہ کعب احبار ﷺ سے حکایت نقل کرتے ہیں جو عبداللہ بن حارث ﷺ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس اور کعب رضی اللہ عنہما ایک دفعہ جمع ہوئے۔ تب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم بنو ہاشم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب کا دیدار کیا۔ کعب ﷺ نے تکبیر کہی یہاں تک کہ پہاڑوں نے اس کا جواب دیا اور کہا: بیشک اللہ ﷻ نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو حضور ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین تقسیم کر دیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام سے تو کلام کیا اور حضور ﷺ کو آپ ﷺ کے قلب کے ساتھ دیدار کرا دیا۔ (تفسیر درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۲۷)

شریک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے آ یہ کریمہ کی تفسیر میں روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا۔

فقیرہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا: کیا آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ کا دیدار کیا؟ فرمایا: میں نے اس کو دل سے دیکھا، آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

(جامع البیان جلد ۲۷ صفحہ ۲۷، تفسیر درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۲۸)

مالک بن یخا رحمۃ اللہ علیہ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا اور اس نے کہا کہ فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم ملائعہ اعلیٰ کے فرشتے کسی بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ (مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۲۹۰-۲۸۵)

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ کی قسم کھاتے تھے کہ

یقیناً حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا۔

ابو عمر ظلمنکی نے عکرمہ سے اس کو روایت کیا اور بعض متکلمین نے اس مذہب کو ابن مسعود سے منسوب کیا ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا: کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں۔

نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا قائل ہوں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو اپنی آنکھ سے دیکھا، دیکھا، دیکھا آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے گئے یہاں تک کہ آپ کا سانس ختم ہو گیا۔ یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا۔

ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دل سے دیکھا اور دنیا میں آنکھوں سے دیکھنے کی روایت کو ضعیف کہا ہے۔

سعید ابن جبیر کہتے ہیں کہ میں نہ تو یہ کہتا ہوں کہ دیکھا اور نہ یہ کہتا ہوں کہ نہ دیکھا۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ حسن اور ابن مسعود کا آیت کی تاویل میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اللہ ﷻ کو اپنے دل سے دیکھا اور حضرت حسن اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جبریل الطبیخ کو دیکھا اور عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے دیدار الہی کیا۔

ابن عطا سے اللہ ﷻ کے ارشاد

الْمُ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (پ۲۔ الم نشرح) کیا ہم نے آپ کا انشراح صدر نہ کیا۔ کی تفسیر میں مروی ہے کہ کہا کہ حضور ﷺ کا شرح صدر رویت الہی ہے اور حضرت موسیٰ الطبیخ کا شرح صدر کلام ہے۔

ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ اللہ ﷻ کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور اپنے سر کی دونوں آنکھوں سے دیکھا اور فرمایا: ہر نشانی جو انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی نبی کو دی گئی۔ بلاشبہ اس کی مثل ہمارے نبی ﷺ کو دیا گیا اور انہیں رویت الہی سے فضیلت دے کر خاص کیا۔

اور بعض ہمارے مشائخ نے اس میں توقف کیا ہے اور کہا ہے کہ اس پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے لیکن جائز ہے کہ یہ ہوا ہو۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷺ ان کو توفیق خیر دے فرماتے ہیں کہ حق الامر جس میں کوئی شق و شبہ نہیں یہ ہے کہ دنیا میں اللہ ﷺ کی رویت عقلاً جائز ہے اور عقلاً اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ دنیا میں دیدار الہی جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں دیدار الہی کی خواہش و طلب کی اور ام محال سے بے خبری نبی کی شان سے بعید ہے اور اس کا سوال و طلب کرنا اللہ ﷺ کے نبی کے لیے جائز نہیں۔ نبی علیہ السلام اسی کا سوال کرتا ہے جو جائز و غیر مستحیل ہو لیکن اس کا وقوع و مشاہدہ ان امور غیبیہ میں سے ہے جس کو اللہ ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جب ہی تو اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: لَنْ تَرَانِي (پہلے الاعراف ۱۲۳) (مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) یعنی تم میں اتنی طاقت نہیں ہے اور نہ اتنا تحمل کہ میری رویت برداشت کر سکو۔ پھر اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ان کا مثل جو ان سے زیادہ قوی و ثابت ہو کر دیا وہ کوہ طور ہے۔

ان تمام باتوں میں ایسی کوئی بات نہیں کہ دنیا میں اس کی رویت کو محال بنائے۔ بلکہ فی الجملہ اس کا جواز ہی نکلتا ہے اور شریعت میں بھی کوئی دلیل قاطعہ ایسی نہیں جو رویت الہی کے محال و ممتنع پر ہو۔ اس لئے ہر موجود کی رویت جائز ہے، مستحیل و معذرت نہیں۔ یہ کوئی دلیل نہیں ہے جو لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ ﷺ فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ. (پہلے الانعام ۱۰۳) آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں (ترجمہ کنز الایمان) کیونکہ اس آیت کریمہ کی مختلف تاویلیں ہیں اور یہ بھی کہ جو اس کی رویت کو دنیا میں ممتنع کہتا ہے۔ مطلقاً محال کا مقتضی نہیں (بلکہ دنیا کی تخصیص ہی اس کا پتہ دے رہی ہے کہ آخرت میں انشاء اللہ ﷺ ضرور رویت ہوئی۔ شرح شفاء)

بلاشبہ اسی آیت سے بعض علماء رویت الہی کے جواز و عدم محال پر فی الجملہ استدلال کرتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں اللہ ﷺ کو کفار کی آنکھیں نہیں پاسکتیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا احاطہ (گھیر) نہیں کر سکتیں۔ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ بعض نے کہا کہ آنکھیں تو اس کا ادراک نہیں کر سکتیں مگر دیکھنے والے اس کو پاسکتے ہیں۔ یہ تمام تاویلیں نہ تو منع رویت کی مقتضی ہیں اور عدم محال کی۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ بھی نہیں ہو سکتی جو اللہ ﷺ نے فرمایا: لَنْ تَرَانِي (پہلے الاعراف ۱۲۳) (مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) اور نہ یہ کہ تَبْتُ إِلَيْكَ (تیری طرف رجوع کیا) جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ یہ عموم پر دلالت نہیں کرتی اور یہ کہ جو اس کے معنی یہ بتاتا ہے کہ ”تم دنیا میں نہیں دیکھ

سکتے۔“ یہ بھی تو ایک تاویل ہے۔ نیز اس میں ممانعت کی کوئی صراحت نہیں اور یہ کہ یہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں وارد ہے۔

جب کسی کلام میں بہت سی تاویلیں اور بکثرت احتمالات پیدا ہو جائیں تو اس سے کوئی قطعی اور حتمی فیصلہ نہیں ہوتا۔ (خواہ وہ جواز کا ہو یا امتناع کا)

اور ان کی دلیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول کہ تَبْتَئِ الْيَكُّ (تیری طرف رجوع ہوتا ہوں) کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنے سوال سے رجوع کرتا ہوں۔ جب تک تو اس کی قدرت و طاقت نہ دے۔ ابو بکر ہذلی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”لَنْ تَرَ ابْنِي“ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ کسی بشر کو یہ طاقت نہیں کہ دنیا میں میری طرف نظر کر سکے اور جو بھی میری طرف نظر کرے گا مر جائے گا۔

میں نے بعض علمائے سلف اور متاخرین کو اس کے یہ معنی بیان کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت دنیا میں اس لئے ممتنع ہے کہ دنیا والوں کی ترکیب اور ان کے قوامی (اعضاء) کمزور ہیں۔ آفتوں اور فنا کے عوارض سے وہ متغیر ہوتے رہتے ہیں پس وہ دیکھنے کی طاقت رکھتے ہی نہیں لیکن آخرت تو ان کی وہاں ترکیب دوسری طرح پر ہوگی اور ان کو ایسا رزق دیا جائے گا جو قوی ثابت اور باقی رکھنے والا ہوگا۔ ان کی آنکھوں اور دلوں کے نور پور سے ہوں گے تو ان کو رویت کی طاقت دے دی جائے گی۔

اس طرح میں نے مالک ابن انس علیہ السلام کا قول دیکھا ہے۔ کہا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جاسکتا۔ اس لئے کہ وہ باقی ہے اور باقی کو فانی کے ساتھ نہیں دیکھا جاتا اور جب آخرت ہوگی اور آنکھیں باقی رہنے والی دی جائیں گی تو باقی کو باقی کے ساتھ دیکھ لیں گے۔

یہ کلام عمدہ اور نفیس ہے۔ اس میں کوئی دلیل استحالہ پر نہیں البتہ ضعف قدرت کی وجہ اس کا دیدار نہیں کر سکتے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس کو چاہے قوی کر دے گا اور رویت الہی کو برداشت کرنے کی جب وہ طاقت دے گا تو اس کے حق میں وہ محال نہ رہے گا۔

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم ﷺ کے بصر کی قوت و طاقت کتنی تھی اور قوت الہیہ سے ان دونوں کی کیسی قوت دراکہ تھی جس کو انہوں نے جانا اس طرح جانا اور جو دیکھا کیسے دیکھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں آیتوں کے جواب اور اس کے معنی بیان کرنے کے

دوران میں فرمایا۔ موسیٰ عليه السلام نے اللہ ﷻ کو دیکھا اسی وجہ سے وہ تو بے ہوش ہو کر زمین پر آ گئے اور پہاڑ نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے ادراک کے ساتھ اللہ ﷻ نے اس کو پیدا کیا تھا۔

اللہ ﷻ کے اس قول سے انہوں نے احتیاط کیا ہے کہ

وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي. (پ۔ الاعراف ۱۲۳)  
ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا (ترجمہ کنز الایمان)

وَاللَّهُ اعْلَم. پھر فرمایا:

فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا ۝ (پ۔ الاعراف ۱۲۳)

پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گر ابے ہوش (ترجمہ کنز الایمان)

(پ۔ الاعراف ۱۲۳)

پہاڑ پر تجلی کے یہ معنی ہیں کہ اس پر اس کا ظہور ہوا حتیٰ کہ اس کو دیکھا۔ یہ اس قول (ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ) کے موافق ہے۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ عليه السلام کو پہاڑ کی طرف متوجہ کر کے تجلی فرمائی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً وہ فوت ہو کر زمین پر آ جاتے پھر ہوش میں نہ آتے۔ یہ قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ موسیٰ عليه السلام نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بیشک پہاڑ نے رب ﷻ کو دیکھا ہے اور پہاڑ کے دیکھنے سے قائل استدلال کرتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا کیونکہ اس نے اس کو جواز کی دلیل ٹھہرایا ہے اور جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اس لئے کہ آیات میں منع پر کوئی نص نہیں۔

لیکن ہمارے نبی ﷺ کے لیے دیدار الہی ﷻ کا واجب ہونا اور یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس میں بھی کوئی دلیل قطعی اور نص نہیں ہے کیونکہ اس بارے میں معتبر تو سورۃ النجم کی دو آیتیں ہیں اور ان دونوں میں اختلاف منقول ہے اور دونوں کا احتمال ممکن ہے اور نہ کوئی قطعی متواتر حدیث حضور ﷺ سے اس بارے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث وہ ان کے اعتقاد کی خبر ہے۔ انہوں نے اس کی اسناد نبی کریم ﷺ کی طرف نہیں کی تا کہ ان کے ضمنی اعتقاد پر (عمل) واجب ہے۔ اسی طرح آیت کی تفسیر میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ محتمل تاویل ہے اور اس کی سند اور متن دونوں

مضطرب ہیں اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث بھی مختلف، محتمل اور مشکل ہے۔ کیونکہ مروی ہے کہ وہ نور ہے میں اس کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں اور ہمارے بعض بزرگوں نے کہا کہ وہ نورانی ہے جو مجھے دکھائی دیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا: میں نے نور دیکھا۔ لہذا صحت روایت الہی پران میں سے کسی ایک سے بھی حجت پکڑنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہو کہ میں نے نور دیکھا تو بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عز وجل کو نہ دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نور دیکھا اس نے اس سے روک دیا اور رویت الہی میں حجاب بن گیا اور اسی طرف یہ قول بھی لوٹتا ہے کہ وہ نور ہے کیونکہ دیکھ سکتا ہوں یعنی میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ آنکھوں کے سامنے تو نور کے پردے ڈھکے ہوئے تھے اسی کی مثل وہ دوسری حدیث بھی ہے کہ ”اس کا حجاب نور ہے۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کو نہ دیکھا۔ لیکن اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے اور یہ آئیہ کریمہ پڑھی:

ثُمَّ دَنَى فِتْدَلِي. (پ۲۔ النجم ۸) پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا اور پھر خوب اترا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ عز وجل اس پر قادر ہے کہ جو ادراک آنکھ میں ہے وہ دل میں پیدا فرمادے یا وہ جیسا چاہے اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی صریح حدیث اس بارے میں وارد ہو تو اس پر اعتقاد رکھا جائے گا اور اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں کوئی امر محال نہیں ہے اور نہ کوئی مانع قطعی ہے جو کہ اس کو رد کیا جائے۔ وَاللَّهُ الْمَوْفِقُ لِلصَّوَابِ.

## چھٹی فصل

واقعہ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ عز وجل سے مناجات کرنا اور کلام کرنا

فَأَوْحَىٰ إِلَيَّ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ. (پ۲۔ النجم ۱۰)

اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

۱۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶۱

۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶۱

۳۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶۲

۴۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۲

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ جبریل علیہ السلام کو وحی فرماتا اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں لاتے سوائے شاذ حالتوں کے۔ اس کے ساتھ جو احادیث شامل ہیں۔

حضرت جعفر بن محمد صادق ﷺ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی طرف بلا واسطہ وحی فرمائی اور یہی واسطی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے اور اسی طرف بعض متکلمین گئے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ سے شب معراج کلام کیا۔ اشعری رحمتہ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے۔

اور حضرت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما لوگوں نے نقل کیا ہے اور دوسرے اس کا انکار کرتے ہیں۔ نقاش ﷺ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعہ شب معراج میں حضور ﷺ سے اللہ ﷻ کے اس قول ذی قلی فتدلی (قریب ہوئے اور قریب ہوئے) کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ مجھ کو جبریل علیہ السلام نے چھوڑ دیا۔ تب مجھے تمام آوازیں (آنا) ختم ہو گئیں۔ اس وقت اپنے رب ﷻ کا کلام سنا وہ فرماتا تھا۔ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم تمہارا خوف جاتا رہے قریب آؤ قریب آؤ! اسی کے مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اس میں انہوں نے اس آیت سے دلیل لی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا  
أَوْ مِنْ وَرَائِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا  
فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ط (پہ۔ الشوریٰ ۵۱) عظمت کے ادھر ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

علماء فرماتے ہیں کہ اس کی یہی تین قسمیں ہیں۔ یا تو پردے کے پیچھے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا یا فرشتہ کو بھیج کر ہو جیسے تمام انبیاء علیہم السلام پر ہو اور اکثر حالتوں میں ہمارے نبی ﷺ پر ہوتا رہا۔ اب رہی تیسری قسم وحی کے طور پر باتیں کرنا۔ سو کلام کی تقسیم میں اس کے سوا کوئی صورت نہیں باقی رہی کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ بالمشافہ کلام ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وحی یہاں پر یہ ہے کہ نبی کے دل میں کلام کا القا کر دیا جائے بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے۔

ابوبکر بزار رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے واقعہ شب معراج میں ذکر کیا ہے جو کہ کلام الہی کو حضور ﷺ کے سننے میں آیت سے زیادہ واضح ہے۔ اس میں ذکر کیا ہے کہ فرشتے نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا۔ پردے کے پیچھے سے مجھ سے کہا گیا: میرے بندے نے صحیح کہا میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں اور اذان کے تمام کلمات کا اسی طرح ذکر کیا۔ ان دونوں حدیثوں کے مشکلات بعد کی فصل میں اور جو اس کے مشابہ ہیں اگلے باب کی فصل اول میں کلام آئے گا۔

حضور ﷺ سے اللہ ﷻ کا کلام فرمانا اور ان مخصوص نبیوں سے کلام کرنا جس کو وہ خاص کرے

جائز ہے۔ عقلاً محال و ممتنع نہیں اور نہ شریعت میں مخالفت پر کوئی دلیل ہے۔ پھر اگر اس میں کوئی حدیث صحیح ثابت ہے تو اس پر اعتماد کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ ﷻ کا کلام فرمانا یقیناً حق ہے اور کتاب مجید میں اس کی صراحت کی گئی ہے اور اس کو مصدر سے ذکر کیا ہے تاکہ حقیقت پر دلالت کرے اور آپ ﷺ کا مرتبہ بڑھایا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ ساتویں آسمان پر بسبب کلام الہی ﷻ کے ہیں۔ اور حضور ﷺ کو ان سب میں اوپر لے جایا گیا۔ یہاں تک کہ مقام استویٰ تک پہنچے اور قلموں کے چلنے کی آواز سنی۔ یہ کیونکر آپ ﷺ کے حق میں محال ہو گیا کلام الہی کا سننا بعید ہوگا۔ پس پاکی ہے جس کو بھی جیسا چاہے نوازے اور اس نے ایک کو ایک پر درجات دیئے۔

## ساتویں فصل

### شبِ معراج آپ ﷺ کا قرب

لیکن وہ جو حدیث معراج اور ظاہر آیت میں قرب و نزدیکی کا ذکر اللہ ﷻ کے فرمانِ ثَمَّ دَنِي فَتَدَلِّي ۝ وَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ. (پکا۔ انجم ۹۔ ۸) میں ہے۔ اس میں اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ قرب و نزدیکی منقسم ہے حضور ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے مابین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص ہے یا سدرۃ المنتہیٰ مراد ہے۔ اس کو رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے حضور ﷺ کا اللہ ﷻ سے قرب و نزدیکی مراد ہے۔ اس کے معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ دَنِي یعنی قریب ہوئے اور تَدَلِّي بہت قریب ہوئے۔ یہ روایت ہے کہ قرب کے معنی میں دونوں لفظ واحد ہیں۔ اس کو مکی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اللہ ﷻ ہے جو حضور ﷺ سے قریب ہوا۔ فَتَدَلِّي اور حضور ﷺ اس سے قریب ہوئے یعنی اس کے امر (علم) سے قریب ہوئے۔ نقاش نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ دَنِي قریب ہوا اپنے بندہ محمد ﷺ سے فَتَدَلِّي۔ پس حضور ﷺ اس سے قریب ہوئے تو دیکھا جو چاہا اور اپنی قدرت و عظمت حضور ﷺ کو دکھائی۔



حسنِ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ شب معراج حضور ﷺ کے قریب رف رف ہوا۔ اس پر آپ نے تشریف رکھی پھر وہ بلند ہوا۔ پس حضور ﷺ اپنے رب ﷻ کے قریب ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب جبریل علیہ السلام جدا ہو گئے اور آوازیں منقطع ہو گئیں۔ تب اپنے رب ﷻ کے کلام کو میں نے سنا۔

صحیح حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے اور اللہ رب العزت قریب ہوا اور بہت قریب ہوا۔ یہاں تک کہ دو کمان کا یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔ آپ ﷺ کی طرف اللہ ﷻ نے جو چاہا وحی فرمائی۔ منجملہ ان کے پچاس نمازوں کی وحی ہے اور حدیث اسراء کا ذکر کیا۔

محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور ﷺ ہیں جو اپنے رب ﷻ سے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ کے قریب کی کوئی حد نہیں اور بندوں کے قریب کی حد ہوتی ہے۔

اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرب سے ”کیفیت“ منقطع ہو گئی تھی۔ (یعنی وہاں کیف و کم کا گزر ہی نہیں) کیا تم نے غور نہیں کیا کہ کس طرح جبریل علیہ السلام قریب سے حجاب میں رہے اور حضور ﷺ معرفت و ایمان سے کتنے قریب ہوئے۔ پھر سکون قلب کے ساتھ وہاں تک اترے جہاں تک کہ آپ ﷺ کو قریب کیا گیا اور آپ ﷺ کے دل سے تمام شک و شبہات دور ہو گئے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق خیر دے فرماتے ہیں کہ جانو! وہ جو قریب و نزدیک کی نسبت اللہ ﷻ کی جانب سے ہے یا اللہ ﷻ کی طرف ہے وہ قرب مکانی نہیں اور نہ قرب اس کی انتہا ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا ہے کہ ”قرب کی کوئی حد نہیں“ اس سے یہی مطلب ہے کہ حضور ﷺ کا اپنے رب ﷻ سے قریب ہونا اور اس کا آپ ﷺ سے قریب ہونا۔ اس سے آپ ﷺ کی بڑی منزلت آپ ﷺ کے رتبہ کی شرافت انوار معرفت کی نورانیت اسرار غیبیہ کا مشاہدہ اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت کا اظہار ہے اور اللہ ﷻ کی جانب سے آپ ﷺ کے لئے نیکی، محبت، خوشی اور اکرام ہے اور اس میں وہ تاویل کی جاتی ہے جو اس فرمان نبوی میں تاویل کی جاتی ہے کہ

يُنزِلُ رَبُّنَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا. ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔

(اس کی) وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ اترنا فضیلت و خوبصورتی اور قبول و احسان کے لئے ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص یہ وہم کرتا ہے کہ اللہ ﷻ بنفسہ قریب ہوا تو وہ مسافت کو مانتا ہے۔ (حالانکہ بعد و قرب مسافت کے لحاظ سے ممتنع ہے) بلکہ جو چیز بنفسہ خدا سے قریب ہوگی اتنا ہی وہ بعد کے قریب ہوگی۔ یعنی اس کی حقیقت کے ادراک سے۔ اس لئے اللہ ﷻ کے لئے نہ قرب ہے اور نہ بُعد۔ اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (پکڑا۔ انجم ۹) اس میں جو شخص ضمیر کو اللہ ﷻ کی طرف لوٹاتا ہے اور جبریل علیہ السلام کی طرف نہیں کرتا۔ تو اس وقت اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ حضور ﷺ سے نہایت قرب، مہربانی کا مقام، ظہور معرفت اور حقیقی شرافت کے ساتھ ہے اور یہ بھی مقصود ہو سکتا ہے کہ وہ قرب آپ ﷺ کی رغبت و مطلب کو پورا کرنا، اظہار نیکی اور رفعت منزلت و مرتبت اللہ ﷻ کی جانب سے آپ پر ہو۔

اس میں بھی وہی تاویل ہے جو حضور ﷺ کے اس فرمان میں ہے جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا میں اس سے ایک گز قریب ہوں گا اور جو میرے پاس چل کر آئے گا تو میں اس کے پاس دوڑ کر آؤں گا۔ سو یہ قرب، اجابت، قبول دعا، احسان اور مقصد کا پورا کرنا ہے۔

## آٹھویں فصل

حضور ﷺ بروز قیامت خصوصی فضیلت سے مکرم ہوں گے

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے باہر آؤں گا اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ جمع ہو کر آئیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا۔ جب وہ مایوس ہو جائیں گے میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور میں اپنے رب ﷻ کے حضور تمام اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے زیادہ مکرم ہوں گا اور یہ فخر نہیں۔ (اظہار واقعہ ہے) (سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۳۵ کتاب المناقب)

ابن زفر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں جو ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اس کے الفاظ حدیث یہ ہیں کہ میں لوگوں سے سب سے پہلے باہر آؤں گا جب وہ اٹھائے جائیں گے اور ان کا سردار ہوں گا۔ جب وہ آئیں گے اور میں ان کا خطیب بنوں گا جب وہ خاموش ہو جائیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں

گا جب وہ روک لئے جائیں گے اور میں ان کا خوشخبری دینے والا ہوں گے جب وہ حیران ہوں گے بزرگی کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اولاد آدم میں سب سے بڑھ کر اللہ ﷻ کے حضور مکرم ہوں اور یہ فخر نہیں۔ میرے گرداگرد ایک ہزار خدمتی ہوں گے گویا وہ چمکتے موتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ جنتی لباس میں سے مجھے ایک جوڑا پہنایا جائے گا پھر عرش کے داہنی جانب کھڑا ہوں گا۔ میرے سوا کوئی مخلوق میں سے اس جگہ کبھی کھڑا نہ ہو۔

حضرت ابوسعید ؓ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن اولاد آدم کا اطمینان سردار ہوں گا۔ میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور یہ فخر نہیں اور آدم ﷺ اور ان کے سوا تمام نبی علیہم السلام میرے جھنڈے ہی کے نیچے ہوں گے۔ میں پہلا وہ شخص ہوں گا جو زمین سے باہر آئے گا اور یہ فخر نہیں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۳۶ سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ ؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: بروز قیامت میں اولاد آدم ﷺ کا سردار ہوں گا۔ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جو قبر سے نکلے گا اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ہی بروز قیامت لواء الحمد کا اٹھانے والا ہوں گا۔ اس میں فخر نہیں اور میں ہی پہلا شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۳۷)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ یہ فخر نہیں اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جو جنت میں شفاعت کرے گا اور میرے امتی سب سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

حضرت انس ؓ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں بروز قیامت سید الناس ہوں گا۔ تم جانتے ہو یہ کیوں ہوگا؟ اللہ ﷻ اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور حدیث شفاعت کا ذکر کیا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ حدیث ۱۸۳)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں خواہش رکھتا ہوں کہ بروز قیامت میرا اجر تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ہو۔

دوسری حدیث میں ہے کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ بروز قیامت تم میں حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہوں۔ پھر فرمایا: یہ دونوں بروز قیامت میری امت میں ہوں گے لیکن حضرت

ابراہیم علیہ السلام وہ فرماتے ہوں گے آپ تو میری دعا اور میری اولاد ہیں مجھ کو اپنی امت میں شمار فرمائیے اور عیسیٰ علیہ السلام اس لئے امتی ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام باہم علاقی بھائی ہیں کہ ان کی مائیں تو مختلف ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام میرے بھائی ہیں کہ ان کے اور میرے مابین کوئی نبی نہیں ہے اور میں لوگوں کی نسبت ان کے ساتھ زیادہ حقدار ہوں۔

اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں بروز قیامت لوگوں کا سردار ہوں گا۔ آپ ﷺ دنیا میں بھی ان کے سردار ہیں اور قیامت میں بھی۔ لیکن (قیامت کے ساتھ) آپ ﷺ کا ارشاد فرمانا اس لئے ہے کہ آپ ﷺ کی سیادت و شفاعت منفرد ہے۔ کوئی اس میں دوسرا مزاحم نہیں۔ جب لوگ آپ ﷺ کی طرف التجا کریں گے اور آپ ﷺ کے سوا کسی کو نہ پائیں گے اور آپ ﷺ ایسے سردار ہوں گے کہ آپ ﷺ کی طرف لوگ اپنی ضروریات میں پناہ لیں گے۔ تو آپ ﷺ اس وقت لوگوں میں تہا سردار ہوں گے۔ اس میں کوئی آپ ﷺ کا دعویدار اور مزاحم نہ ہوگا۔

جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا: لَمَنْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ.

(پہ۔ المؤمن ۱۶)

(ترجمہ کنز الایمان)

آج کس کی بادشاہی ہے

(پہ۔ المؤمن ۱۶)

(پھر خود ہی فرمائے گا) لِلّٰهِ الْوٰحِدِ الْقَهَّارِ.

(ترجمہ کنز الایمان)

ایک اللہ سب پر غالب کی۔

حالانکہ دنیا اور آخرت اسی کا ملک ہے لیکن آخرت میں چونکہ دنیا میں جو دعوے کرتے تھے

ان کے دعوے ختم ہو جائیں گے۔ (اس لئے اس نے یہ فرمایا)

اسی طرح تمام لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی التجا کریں گے تو آخرت

میں بغیر کسی دعویدار کے ان کے سردار ہوں گے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد احدیٹ ۱۸۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بروز قیامت جنت کے دروازہ

پر آ کر دروازہ کھلاؤں گا۔ خازن جنت (داروغہ) کہے گا تم کون ہو؟ میں کہوں گا: محمد ﷺ کہے گا مجھے آپ

ﷺ ہی کے لئے حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لئے دروازہ نہ کھولوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا

حوض ایک مہینہ کی مسافت کا (لبا) ہے اور اس کے کونے برابر کے ہیں۔ اس کا پانی چاندی سے زیادہ

سفید ہے۔ اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ پیاری۔ اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں جو

اس کو پئے گا کبھی وہ پیاسا نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۱۰۱ صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۴ صفحہ ۱۷۹۳)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔ اس کی لمبائی اتنی ہے جتنی عمان سے ایلہ تک ہے۔ اس میں جتن سے دو پرنا لے گرتے ہیں۔

ثوبان رضی اللہ عنہ سے اس کے مثل مروی ہے ان میں سے ایک نے کہا: سونے کا۔ دوسرے نے کہا: چاندی کا۔

اور حارثہ بن رہب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس کی ما بین مدینہ اور صنعا کے برابر ہے اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: مریلہ اور صنعا کے برابر ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کوفہ اور حجر اسود کے ما بین لمبائی ہے اور حوض کی حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ جابر رضی اللہ عنہ سمرہ رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہما عقبہ رضی اللہ عنہ ابن ارقم رضی اللہ عنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سوید بن جبلیہ رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما ابن بریدہ رضی اللہ عنہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ عبد اللہ ضاحی رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ براء رضی اللہ عنہ جندب رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسماء رضی اللہ عنہا ابوبکر کی صاحبزادیاں رضی اللہ عنہن ابوبکرہ رضی اللہ عنہا خولہ رضی اللہ عنہا بن قیس رضی اللہ عنہ وغیر ہم رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔

## نویں فصل

### آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و خلت کا بیان

ان احادیث صحیحہ کا ذکر جن میں محبت و خلت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت حاصل ہے اور مسلمانوں کی زبان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم "حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے ساتھ مخصوص ہیں۔

حدیث: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بناتا اور دوسری حدیث میں ہے کہ تمہارا صاحب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست ہے اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے ہے کہ بیشک اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے صاحب کو خلیل بنا لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے یہاں تک کہ جب ان کے نزدیک ہوئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سنیں جو وہ کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک ان میں کہہ رہا تھا۔

تعب ہے کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: کیا یہ زیادہ عجیب بات نہیں؟ کہ موسیٰ رضی اللہ عنہ سے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام فرمایا۔ ان میں سے دوسرے

۱۔ صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۹۸

۲۔ صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۹۷۔ مزید حوالہ جات کے لیے منائل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۰۲

نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ ایک نے کہا کہ آدم علیہ السلام کے صفی اور برگزیدہ ہیں۔

تب حضور ﷺ ان کے سامنے آئے اور سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں اور کلماتِ تعجب سنے۔ بیشک اللہ ﷻ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا وہ اسی کے لائق تھے اور موسیٰ علیہ السلام کو نبی اللہ کیا وہ اسی کے لائق تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ بنایا وہ اسی کے لائق تھے اور آدم علیہ السلام کو اپنا برگزیدہ نبی بنایا وہ اسی کے لائق تھے۔ خبردار! میں حبیب اللہ ہوں۔ یہ فخر سے نہیں کہتا اور میں ہی بروز قیامت حاملِ لواء الحمد ہوں میں فخر سے نہیں کہتا۔

میں پہلا شفاعت کرنے والا اور قبولِ شفاعت ہوں اس میں فخر نہیں اور میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ اللہ ﷻ میرے لئے کھولے گا پھر وہ مجھے داخل کرے گا دراصل ایک میرے ساتھ فقراءِ مومنین ہوں گے۔ یہ فخر نہیں، میں اکرم الاولین والا آخرین ہوں، یہ فخر نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: میں نے آپ کو خلیل بنایا پس آپ کا اسم مبارک توریت میں حبیب الرحمن مکتوب ہے۔ (دنی حدیث الاسرار مزہ) قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق خیر دے فرماتے ہیں کہ خلت کی تفسیر و اشتقاق میں اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں خلیل وہ ہے جو یکسو ہو کر ایسا اللہ ﷻ کی طرف ہو جائے کہ اس کے انتقاع و محبت میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں خلیل وہ جو خاص ہو جائے۔ اس قول کو بہت سوں نے اختیار کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خلت کی اصل استصفا یعنی پاکیزگی محبت میں اختیار کرنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل اللہ اس لئے رکھا گیا کہ وہ اس کی راہ میں دوستی کرتے اور اس کی ہی راہ میں دشمنی کرتے تھے۔ ان کے لئے اللہ ﷻ کی خلت ان کی مدد و نصرت ہے اور بعد والوں کے لئے ان کو امام بنایا۔

بعض کہتے ہیں کہ دراصل خلیل وہ ہے جو فقیر محتاج اور یکسو ہو۔ یہ خلت سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی حاجت و ضرورت کے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس کے ساتھ یوں نام رکھا گیا کہ انہوں نے اپنی تمام حاجتیں اللہ ﷻ پر موقوف رکھی ہوئی تھیں اور اسی کی طرف اپنے تمام ارادے کئے ہوئے تھے اس کے غیر سے ان کا علاقہ تھا ہی نہیں۔ جس وقت آپ علیہ السلام منجیق (کوہن) میں تھے کہ آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جائے۔ تو جبریل علیہ السلام حاضر آئے اور کہا: مَا لَكَ حَاجَةٌ؟ (کیا کوئی حاجت

(فرمایا: اَمَّا إِلَيْكَ فَلَا. (بندہ سراپا حاجت ہے مگر تجھ سے نہیں) (الحدیث لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۲۰)

ابوبکر بن خورک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خلت یہ ہے۔ محبت میں ایسی پاکیزگی ہو کہ اسرار کے درمیان اختصاص کو واجب کر دے۔ بعض کہتے ہیں کہ دراصل خلت محبت ہے اور اس کے معنی ہمدردی، مہربانی، رفع درجات اور شفاعت کرنا ہے۔ اللہ ﷻ نے اس کو اپنی کتاب مجید میں بیان فرما دیا ہے:

قَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ  
أَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ط

یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ تم فرماؤ پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۔ المائدہ ۱۸)

لہذا محبوب کے لئے یہ واجب و ضروری ہے کہ اس کے گناہوں سے مواخذہ نہ کیا جائے۔

کہا کہ اس کو یاد رکھ! خلت بنوت سے اقویٰ ہے کیونکہ بنوت میں کبھی عداوت بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ  
فَاخْذِرُوهُمْ. (پ۔ النعابن ۱۴) دشمن ہیں۔ تو ان سے بچو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ صحیح نہیں کہ خلت کے ساتھ عداوت ہو۔ پس اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضور ﷺ کو خلت کے ساتھ نام رکھنا یا تو اللہ ﷻ کی طرف پورے پورے یکسو ہو جائے اور اپنی حاجتوں کو اسی کی طرف موقوف رکھنے اور اس کے غیر سے علیحدگی اختیار کر لینے اور وسائط و اسباب سے اعراض کر لینے کی وجہ سے ہے یا یہ اختصاص میں زیادتی ہے۔ ان دونوں کے لئے اللہ ﷻ کی جانب سے اور پوشیدہ مہربانیاں ہیں ان دونوں پر اور ان دونوں کے دلوں پر اسرار الہیہ اور مخفی غیوبات ربانیہ اور معرفت حقانیہ کے سوا کسی اور کی آمیزش نہ کی۔ یا اللہ ﷻ نے ان دونوں کو اپنا برگزیدہ کر لیا یا ان کے دلوں کو اپنے غیر سے ایسا پاک و صاف کر دیا کہ اس میں کسی غیر کی محبت کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

اسی وجہ سے بعضوں نے کہا ہے کہ خلیل وہ ہے کہ اس کا دل ماسوا اللہ ﷻ کے لئے گنجائش نہ رکھے۔

ان کے نزدیک اس فرمان نبوی ﷺ کے بھی معنی یہ ہیں کہ فرمایا: اگر میں کسی کو خلیل بنا تا تو یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بنا تا۔ لیکن وہ میرے ایلامی بھائی ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۸۴ صحیح مسلم فضائل صحابہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۵۴)

علماء کرام اور ارباب قلوب صوفیائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کس کا درجہ

بڑا ہے؟ آیا خلت کا درجہ یا محبت کا درجہ؟

پس بعضوں نے تو ان دونوں کو برابر کہا۔ ان کے نزدیک حبیب ہی خلیل ہے اور خلیل ہی حبیب ہے لیکن حضرت ابراہیم عليه السلام کو خلت کے ساتھ اور حضور ﷺ کو محبت کے ساتھ خاص کیا اور بعضوں نے کہا کہ خلت کا درجہ اور ہے اور انہوں نے اس فرمان نبوی ﷺ سے دلیل پکڑی ”اگر میں کسی کو خلیل بناتا، اپنے رب ﷻ کے سوا، پس آپ نے نہیں بنایا۔ آپ نے محبت کا اطلاق (اپنی صاحبزادی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں صاحبزادے (حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما) اور اسامہ رضی اللہ عنہ وغیرہم پر کیا ہے۔

اکثر علماء کرام کہتے ہیں کہ خلت سے بڑھ کر محبت کا درجہ ہے۔ اس لئے کہ ہمارے نبی ﷺ کا درجہ حبیب حضرت خلیل عليه السلام کے درجہ خلیل سے بلند ہے۔

محبت دراصل ایک ایسا میلان ہے جو محبت کرنے والا کسی کی طرف موافقت کرے لیکن اس کا اطلاق اس کے حق میں ہے کہ اس سے میلان صحیح ہو سکے اور موافقت سے نفع حاصل ہو۔ یہ درجہ مخلوق کا ہے لیکن خالق ﷻ ان اغراض سے منزہ ہے۔

اس کا اپنے بندے سے محبت کرنا یہ ہے کہ اس کو سعادت، عصمت، توفیق، اسباب قرب مہیا کرنا اور ان پر اپنی رحمت کے فیضان سے عزت دینا ہے۔ اس کی غایت یہ ہے کہ اس کے قلب سے حجابات کھول دے یہاں تک وہ اپنے قلب کو دیکھ لے اور اپنی بصیرت کے ساتھ اس کی طرف نظر کرے۔ پس وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا۔

جب اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں<sup>۱</sup> جس سے وہ بولے اور اس سے سوا اس کے اور کچھ نہیں سمجھا جاتا کہ وہ محض اللہ ﷻ کے لئے مجرد ہو جاتا ہے اور اس کی طرف یکسو ہو کر ہو جاتا ہے۔ غیر اللہ سے اس کو اعراض ہو جاتا ہے اور اللہ ﷻ کے لئے دل مصفیٰ ہو جاتا ہے اور تمام حرکات خالص اللہ ﷻ کے لئے ہو جاتے ہیں۔

جیسا کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ اس کی رضا پر راضی، اس کی ناراضگی پر ناراض۔ اسی وجہ سے بعضوں نے خلت کی یہ تعبیر کی ہے۔

۱۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۶۲

۲۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۲

۳۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل الصحابہ جلد ۵ صفحہ ۲۱، صحیح مسلم فضائل صحابہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۶



قَدْ تَخَلَّلْتَ مَسَلَكَ الرُّوحِ مِنِّي وَبِذَا سُمِّيَ الْخَلِيلُ خَلِيلًا  
 بیشک تم مجھ میں اس طرح سرایت کر گئے ہو جیسے روح نے سرایت کی ہے۔ اسی لئے خلیل کو  
 خلیل کہتے ہیں۔

فَإِذَا مَا نَطَقْتُ كُنْتُ حَدِيثِي وَإِذَا مَا سَكْتُ كُنْتُ الْغَلِيلًا  
 پس جب میں بات کرتا ہوں تو تم میری بات ہوتے ہو اور جب میں خاموش ہوتا ہوں تو تم  
 دل میں ہوتے ہو۔

پس اب خلت کی زیادتی اور محبت کی خصوصیت ہمارے نبی ﷺ کے لئے حاصل ہے۔ جس پر  
 آثار صحیحہ مشہور مقبولہ امت دلالت کرتی ہیں اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان کافی ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ  
 اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست  
 (پ۔ال عمران ۳۱) رکھتے ہو (ترجمہ کنز الایمان)

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار نے کہا تھا کہ (محمد)  
 حضور ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو معبود بنا لیں جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بنا لیا  
 ہے تو اللہ ﷻ نے ان پر اظہار غضب اور ان کی بکواس کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا:  
 قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ  
 تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور اس کے رسول کا

(پ۔ال عمران ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

پس اللہ ﷻ نے آپ کی شرافت کو زیادہ فرمایا ان کو یہ حکم دے کر کہ آپ ﷺ کی اطاعت کریں اور  
 یہ کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ پیوستہ کیا۔ پھر ان کو آپ ﷺ کی نافرمانی پر ڈرایا۔ فرمایا:  
 فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ  
 اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

(پ۔ال عمران ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

بیشک امام ابو بکر بن نورک رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کلام بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ محبت اور  
 خلت میں فرق ہے۔ ان کے تمام ارشادات خلت پر مقام محبت کی زبان میں طویل ہیں۔ لیکن ہم ان  
 میں صرف اتنا بیان کریں گے جو مابعد کی طرف ہدایت کرے۔ منجملہ ان کے اقوال میں سے یہ ہے کہ  
 خلیل بالواسطہ پہنچتا ہے۔ اللہ ﷻ کے اس فرمان سے دلیل لی ہے کہ

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ  
 اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری  
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ. (پ۔الانعام ۷۵) بادشاہی آسمانوں اور زمین کی (ترجمہ کنز الایمان)

اور حبیب اس کی طرف بلا واسطہ راہ راست پہنچتا ہے ان کا ماخذ یہ ہے کہ

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ. (پ۲۱۔ انجم ۹)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ خلیل وہ ہے کہ اس کی مغفرت حد طمع میں رہتی ہے۔ ان کا ماخذ یہ ہے:

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي. اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں

(پ۱۹۔ الشعراء ۸۲) قیامت کے دن بخشے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حبیب وہ ہے کہ اس کی مغفرت حد یقین میں ہوتی ہے۔ ان کا ماخذ یہ ہے کہ

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (پ۲۶۔ الفتح ۲)

اور خلیل نے کہا کہ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ. (پ۱۹۔ الشعراء ۸۷)

اور مجھے رسوانہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ. (پ۲۸۔ التحريم ۸)

جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی کو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

آپ کو سوال سے پہلے ہی بشارت دے دی گئی اور خلیل نے امتحان کے وقت کہا

حَسْبِيَ اللَّهُ (پ۱۱۔ التوبہ ۱۲۹) مجھے اللہ کافی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حبیب کے لئے کہا گیا۔ حَسْبُكَ اللَّهُ (پ۱۰۔ الانفال ۶۴)

اللہ تمہیں کافی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

خلیل نے کہا: وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ. (پ۱۹۔ الشعراء ۸۳)

میری زبان کو سچا بنا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حبیب سے کہا گیا: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ط (پ۳۰۔ الم نشرح ۴)

ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا۔ یہ چیزیں بغیر سوال مرحمت فرمائی گئیں (ترجمہ کنز الایمان)

خلیل نے کہا: وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ. (پ۱۳۔ ابراہیم ۳۵)

مجھے اور میری اولاد کو بچا کہ ہم بت پرستی کریں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حبیب سے کہا گیا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الَّذِي تَوَدُّونَ وَيُغْفِرَ لَكُمْ إِنَّهُ كَانَ مَنَّانًا  
 أَهْلَ الْبَيْتِ. (پ۲۲۔ الاحزاب ۳۳) سے ہرنا پا کی دور فرمادے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اصحاب مقال کے مقصد یعنی مقامات و احوال کی فضیلت پر ایک  
 تمبیہ ہے اور ہر ایک اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے۔ پس تمہارا رب ﷺ ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون  
 سیدھے راستہ پر ہے۔

## دسویں فصل

حضور ﷺ کی فضیلت و شفاعت اور مقام محمود کا ذکر

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَ رَبُّكَ مَقَامًا  
 مَّحْمُودًا  
 قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا  
 کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

(پ۱۵۔ اسراء ۷۹) (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بروز قیامت لوگ  
 گروہ درگروہ ہو جائیں گے۔ ہر امت اپنے نبی ﷺ کے تابع ہوگی و عرض کرے گی:

اے فلاں نبی ہماری شفاعت کیجئے۔ اے ہمارے نبی ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ  
 وہ سب مجتمع ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت چاہیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں  
 اللہ ﷻ آپ ﷺ کو مقام محمود عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ الاسراء جلد ۶ صفحہ ۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا  
 گیا۔ فرمایا: یہ شفاعت ہے۔

کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بروز قیامت لوگ اٹھائے جائیں  
 گے۔ پس میں اور میری امت ایک ٹیلہ پر ہوں گے۔ اللہ ﷻ مجھ کو سبز جوڑا پہنائے گا پھر مجھے اذن  
 شفاعت دے گا۔ جو خدا چاہے گا کہوں گا۔ یہی مقام محمود ہے۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۵۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے حدیث شفاعت بیان کرتے ہوئے  
 فرمایا۔ حضور ﷺ چلیں گے یہاں تک جنت کے دروازہ کا حلقہ (زنجیر) پکڑیں گے۔ پس اس دن اللہ  
 ﷻ آپ ﷺ کو وہ مقام محمود عطا فرمائے گا جس کا آپ ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرش کی داہنی جانب ایسے مقام پر کھڑے ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی وہاں کھڑا نہ ہو سکے گا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اگلے پچھلے سب رشک کریں گے۔ اسی کی مثل کعب اور حسن رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

(مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۸)

ایک روایت میں ہے کہ وہ مقام ایسا ہے جس میں اپنی امت کے لئے شفاعت کروں گا۔  
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مقام محمود پر کھڑا ہونے والا ہوں گا۔ عرض کیا گیا: وہ کیا ہے؟  
فرمایا: یہ وہ دن ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کرسی (عدالت) پر جلوہ گر ہوگا۔

(مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۸)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے اختیار دیا گیا کہ یا تو میں اپنی آدمی امت (بلا حساب و کتاب) جنت میں داخل کروالوں گا یا شفاعت کو قبول کروں۔ تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا کیونکہ وہ عام سود مند ہے۔ کیا تم اس کو متقیوں کے لئے خیال کرتے ہو؟ نہیں بلکہ یہ گناہگاروں اور خطاکاروں کے لئے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شفاعت کے بارے میں کیا حکم ملا؟

فرمایا: میری شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہے جو کہ اخلاص کے ساتھ گواہی دے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اس کی زبان اور دل اس کی تصدیق کرے۔

(حاکم، کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۷۰)

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے میری امت کا حال دکھایا گیا جو میرے بعد کرے گی اور ایک دوسرے کا خون بہائے گی اور گزشتہ امتوں کا عذاب دکھایا گیا جو ان سے پہلے ان پر سبقت کر چکا ہے۔ تو میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ مجھے ان کی شفاعت بروز قیامت دے۔ سو اللہ عزوجل نے عطا فرمایا۔

(حاکم، کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۶۸)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل تمام لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرے گا جہاں ان کو منادی سنائی دے گی۔ ان کی آنکھ دیکھتی ہوگی در آنحالیکہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے بدن ہوں

گے۔ جیسے کہ وہ پیدا ہوئے تھے۔ خاموشی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی جان بغیر اذن بات تک نہ کر سکے گا۔  
 اس وقت حضور ﷺ کو ندا دی جائے گی۔ حضور ﷺ فرمائیں گے۔ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ  
 وَالْخَيْرِ فِي يَدَيْكَ (حاضر ہوں نیک بختی اور بھلائی تیرے آگے ہے) اور برائی کی نسبت تیری طرف نہیں  
 ہے۔ تو ہی ہدایت دینے والا ہے جو تجھ سے ہدایت چاہے اور تیرا بندہ تیرے سامنے ہے۔ ہر امر تیرا  
 ہے اور تیری طرف سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا، کوئی بچا نہیں سکتا۔ سوائے تیرے تو بابرکت اور بلند  
 ہے۔ تیری پاکی ہے اے رب کعبہ۔  
 (سنن نسائی جلد ۳ صفحہ ۴۳)

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا اللہ ﷻ نے ذکر فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور  
 جنتی جنت میں اور ایک گروہ جنتیوں کا اور ایک گروہ دوزخیوں کا باقی رہ جائے گا تو اس وقت دوزخی  
 گروہ جنتی گروہ سے کہے گا۔ تمہارے ایمان نے تم کو کیا نفع دیا۔ پس وہ اپنے رب ﷻ کو پکاریں گے  
 اور چلائیں گے۔ جنتی ان کی آواز سنیں گے۔

پس وہ آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے ان کی شفاعت کے لئے عرض کریں گے۔ ہر  
 ایک عذر کرے گا یہاں تک کہ حضور ﷺ کے پاس آئیں گے۔ سو آپ ﷺ ان کی شفاعت فرمائیں  
 گے۔ یہی مقام محمود ہے۔  
 (مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۳۳۲)

اس کے مثل حضرت ابن مسعود نیز مجاہد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اسی کا ذکر کیا علی بن حسین رضی اللہ  
 عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے یزید فقیر رضی اللہ عنہ سے کہا۔

تم نے سنا حضور ﷺ کے اس مقام کو جس میں آپ کو اللہ ﷻ مبعوث فرمائے گا۔ انہوں نے  
 کہا: ہاں۔ کہا: یہ آپ کا وہ مقام محمود ہے کہ اللہ ﷻ آپ کے ذریعے جہنمیوں کو نکالے گا۔ جہنمیوں کے  
 اخراج کے سلسلے میں انہوں نے حدیث شفاعت بیان کی۔  
 (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۷۹)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا  
 آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے۔  
 (مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۱۴۴)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے سوا دوسروں کی حدیث ایک  
 دوسرے میں داخل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بروز قیامت اللہ ﷻ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا۔  
 پھر وہ گھبرائیں گے یا فرمایا: انہیں الہام ہوگا۔ پس وہ کہیں گے۔ کاش ہم اپنے رب ﷻ کی طرف  
 شناخت لے جاتے۔

دوسرے طریق سے حضور ﷺ سے مروی ہے کہ لوگ ایک دوسرے میں گھتے پھریں گے۔  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورج ان کے بہت قریب ہوگا اور ان کو ایسا غم لاحق  
ہوگا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے ہوں گے اور نہ اس کو برداشت کر سکیں گے۔ پس وہ کہیں گے کہ کیا تم  
دیکھتے نہیں ہو کیوں اپنے لئے کسی شفیع کی تلاش نہیں کرتے؟

پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے۔ بعضوں نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ  
آپ آدم علیہ السلام انسانوں کے باپ ہیں۔ آپ کو اللہ ﷻ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور  
آپ میں اپنی روح پھونکی اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا اور آپ کے لئے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور ہر  
چیز کے نام آپ کو سکھائے۔ آپ اپنے رب ﷻ کے حضور ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ وہ ہم کو  
یہاں راحت دے۔ کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: بیشک میرے رب ﷻ نے آج کے دن وہ غضب فرمایا  
ہے جو اس سے پہلے نہ کیا اور نہ آئندہ کرے گا۔ مجھ کو درخت سے منع کیا میں نے اس کی نافرمانی کی۔  
نَفْسِي نَفْسِي (آج مجھے اپنی ہی فکر ہے، اپنی ہی فکر ہے) تم میرے سوا کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔  
تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر آ کر کہیں گے۔ آپ علیہ السلام زمین میں پہلے رسول ہیں  
اور آپ علیہ السلام کا نام اللہ ﷻ نے عَبْدًا شَكُورًا (شکر گزار بندہ) رکھا۔ کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں  
فرماتے ہم کس حال میں ہیں؟ اور کیا نہیں دیکھتے کہ ہمیں کیا پہنچ رہا ہے؟ کیوں اپنے رب ﷻ کی  
جناب میں ہماری شفاعت نہیں کرتے؟

تو حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے: بیشک میرے رب ﷻ نے آج وہ غضب فرمایا ہے جو  
نہ اس سے پہلے ہو اور نہ ایسا بعد میں ہوگا۔ نَفْسِي، نَفْسِي (آج مجھے اپنی ہی فکر ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں کہا کہ اس وقت آپ علیہ السلام اپنی اس خطا کا ذکر فرمائیں گے  
جو بغیر علم (الہی) کے آپ علیہ السلام نے اپنے رب ﷻ سے سوال کیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت  
میں ہے کہ (آپ فرمائیں گے) میرے لئے صرف ایک دعا تھی جو میں نے اپنی قوم کے لئے مانگ لی۔  
اب تم دوسرے کے پاس جاؤ۔

اب تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ ﷻ کے خلیل ہیں۔ پس وہ آپ  
علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: آپ علیہ السلام اللہ ﷻ کے نبی علیہ السلام اور اس کے خلیل ہیں

زمین والوں کے لئے اپنے رب ﷺ کے حضور ہماری شفاعت کیجئے؟ کیا آپ ﷺ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟

وہ فرمائیں گے: بے شک میرے رب ﷺ نے آج بڑا اظہار غضب کیا ہے اور مثل سابق فرمایا اور تین کذب "کا ذکر کیا۔ نَفْسِي نَفْسِي (مجھے اپنے ہی فکر ہے) لیکن تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ کلیم اللہ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ ﷻ نے ان کو تورات دی اور ان سے کلام فرمایا اور قرب بخشا۔

راوی نے کہا کہ پس وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ فرمائیں گے: میں اس قابل نہیں اور اپنی اس خطا کو یاد کریں گے جو ان سے ایک نفس قتل ہوا تھا۔ نَفْسِي نَفْسِي (مجھے اپنی ہی فکر ہے) لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ بے شک وہ اللہ ﷻ کے روح اور کلمہ ہیں۔ پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر آئیں گے۔ وہ بھی یہی فرمائیں گے: میں اس قابل نہیں۔ لیکن تم حضور ﷺ کی بارگاہ میں جاؤ۔ وہی ایک ایسے بندے ہیں جن کے سبب اللہ ﷻ آپ ﷺ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمائے گا۔

پس وہ میرے پاس حاضر ہوں گے۔ میں فرماؤں گا: ہاں ہاں میں ہی اس قابل ہوں۔ پھر میں جاؤں گا اور اپنے رب ﷺ سے اذن حاضری چاہوں گا۔ وہ مجھے اجازت مرحمت فرمائے گا۔ جب میں اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں چلا جاؤں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں عرش کے نیچے آؤں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس کی حمد کروں گا ایسے الفاظ کے ساتھ کہ اس وقت میں اس پر قادر نہیں ہوں۔ اللہ ﷻ وہ مجھے الہام فرمائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ ﷻ مجھ پر اپنی تعریفوں اور حمد و ثنا کے وہ دروازہ کھولے گا کہ مجھ سے پہلے وہ کسی پر نہ کھلا ہوگا۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کہا جائے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم اپنے سر کو اٹھائے، سوال کیجئے وہ عطا فرمایا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پس میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: اے میرے رب ﷺ میری امت اے رب ﷺ میری امت۔ وہ فرمائے گا: اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جنت کے دروازہ میں داہنے دروازے سے داخل فرماؤ جن پر کوئی حساب نہیں ہے اور وہ اور لوگوں کے دوسرے دروازوں میں شریک ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس ٹکڑے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی جگہ انہوں نے یہ بیان

کیا ہے کہ پھر میں سجدہ کروں گا۔ مجھ سے فرمایا جائے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم اپنا سر مبارک اٹھائیے اور کہئے آپ ﷺ کی سنی جائے گی۔ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا۔ پھر میں عرض کروں گا۔ اے میرے رب ﷻ! امتی امتی۔ فرمائے گا: جائیے جس کے دل میں گندم کے دانے یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اس کو نکال لیجئے۔ پھر میں جاؤں گا اور یہ کروں گا۔ اس کے بعد اپنے رب ﷻ سے رجوع کروں گا اور اس کی ان تعریفوں سے حمد کروں گا جیسے پہلے کیا تھا۔

اللہ ﷻ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانے سے کم اور کم اور بہت کم ایمان ہو اس کو بھی نجات دے دیجئے۔ پس میں یہ کروں گا۔ چوتھی مرتبہ مجھ سے فرمایا جائے گا۔ اپنے سر مبارک کو اٹھائیے اور کہئے سنا جائے گا۔ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ سوال کیجئے دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا:

اے میرے رب ﷻ! مجھے ہر اس شخص کی اجازت دیجئے جس نے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہو۔ اللہ ﷻ فرمائے گا: اے محبوب یہ بات تمہارے متعلق نہیں لیکن قسم ہے مجھے اپنی عزت اور بڑائی اور اپنی عزت و جبروت کی یقیناً میں اس کو جہنم سے نکال دوں گا۔ جس نے کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.

(صحیح بخاری جلد ۵، صفحہ ۷۰، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶۳، ۱۹۴)

قنادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور ﷺ سے مروی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پس میں نہیں جانتا تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ میں فرمایا کہ میں عرض کروں گا: اے میرے رب ﷻ! وہ جو جہنم میں باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے قرآن کریم حفظ کیا ہے یعنی ان پر خلود جہنم واجب ہے۔

حضرت ابو بکرؓ و عقبہ بن عامرؓ ابوسعید و حذیفہ رضی اللہ عنہم سے اسی کے مثل مروی ہے۔ کہا کہ حضور ﷺ کے پاس آئیں گے۔ ان کو اجازت دی جائے گی اور آپ ﷺ کی امانت اور رحم اور وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف کھڑی ہو جائے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ مالک رضی اللہ عنہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ حضور ﷺ کے پاس آئیں گے۔ پس آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے پھر صراط مستقیم قائم کی جائے گی۔ پس ان میں پہلی جماعت بجلی کی طرح پھر ہوا کی طرح پھر پرندوں کی طرح اور تیز رو مردوں کی طرح گزر جائے گی۔

در آنحالیکہ تمہارے نبی ﷺ پل پر موجود ہوں گے اور یہ فرماتے ہوں گے: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ اے خدا انہیں سلامتی عطا فرما، سلامتی عطا فرما۔ یہاں تک کہ سب گزر جائیں گے اور آخری



جماعت کے گزرنے کا حال بیان فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں سب سے پہلے گزروں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے منبر رکھے جائیں گے۔ ان پر وہ تشریف رکھیں گے۔ میرا منبر باقی رہے گا۔ میں اس پر نہیں بیٹھوں گا اور اپنے رب صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں برابر کھڑا ہوں گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: کیا چاہتے ہو کہ میں تمہاری امت کے ساتھ کیا کروں؟ میں عرض کروں گا: اے رب صلی اللہ علیہ وسلم ان کا حساب جلدی چکا دیا جائے۔

پس ان کو بلایا جائے گا اور ان کا حساب کتاب ہوگا۔ پس ان میں سے کچھ تو وہ ہوں گے جن کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا اور کچھ وہ ہوں گے جن کو میری شفاعت کے ذریعہ جنت میں داخل کرے گا۔ میں برابر شفاعت کرتا رہوں گا۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی بچالوں گا جن کو جہنم میں جانے کا پروانہ مل چکا ہوگا۔ یہاں تک کہ خازنِ جہنم کہے گا:

اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی امت سے کسی کو بھی خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب کا سزاوار نہیں رہنے دیا۔ (حاکم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۶۴)

زیادہ نمیری رحمت اللہ علیہ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کا سر زمین سے نکلے گا (یعنی زمین سے اٹھوں گا) اور یہ فخر نہیں اور میں سید الناس ہوں گا بروز قیامت یہ فخر نہیں۔ پس میں آؤں گا اور جنت کی زنجیر پکڑوں گا۔

کہا جائے گا: کون؟ میں کہوں گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم پس میرے لئے کھولا جائے گا اور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا استقبال فرمائے گا۔ تو اس وقت سجدہ کناں ہو جاؤں گا اور ذکر کیا جیسا گزرا۔

حضرت انیس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ میں بروز قیامت ضرور زمین کے پتھروں اور درختوں سے زیادہ لوگوں کی شفاعت کروں گا۔

(مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۹)

باختلاف الفاظ ان احادیث صحیحہ سے یہ بات اجتماعی طریقہ پر ثابت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محمود اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اول سے آخر تک شفاعت کرنا جبکہ لوگ حشر میں جمع ہوں گے اور ان کے گلے تنگ ہوں گے اور پسینہ ان کو پہنچتا ہوگا اور سورج بہت قریب ہوگا اور عرصہ تک کھڑا رہنا ہوگا اور یہ حساب سے پہلے ہوگا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عرصہ تک کھڑے رہنے کی وجہ سے راحت پہنچانے کے لئے ہوگی۔ پھر صراط قائم کی جائے گی اور لوگوں کا حساب ہوگا۔

جیسا کہ ابو ہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ذکر ہے اور یہ حدیث زیادہ یقینی ہے۔  
پس آپ ﷺ کی شفاعت اپنی امت کے ان لوگوں کو جنت میں جلدی لے جانے کے لئے  
ہوگی جو بلا حساب و کتاب جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں گزرا۔ پھر آپ ﷺ کی شفاعت ان لوگوں  
کے لئے ہوگی جن پر عذاب اور دخول جہنم واجب ہو چکا ہوگا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ کا اقتضاء ہے۔ پھر  
ان لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جنہوں نے صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہے۔ یہ آپ کے سوا کوئی نہ  
کرے گا اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں ہے کہ ہر نبی ﷺ کے لئے ایک مخصوص دعا ہوتی ہے اور میں  
نے (حضور ﷺ) نے اپنی دعا کو بروز قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۸ صفحہ ۵۶ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

اہل علم فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی دعا ہے جس کو میں جانتا ہوں کہ وہ ان  
کے لئے مستجاب ہے اور اس میں ان کی خواہش ملحوظ ہے ورنہ کتنی ہی وہ دعائیں ہیں جو نبی کی قبول کی گئی  
ہیں اور ہمارے نبی ﷺ کی تو بے شمار دعائیں ہیں۔ (جو مقبول ہوئی ہیں) لیکن بوقت دعا ان کا حال امید و بیم  
کے مابین ہی رہا اور چند ایسی دعائیں ہیں جن کی مقبولیت کی ضمانت اللہ ﷻ نے دی ہے جس کے لئے  
وہ چاہے یقیناً مقبول ہوگی۔

محمد بن زیاد اور ابوصالح رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت میں کہتے ہیں کہ  
ہر نبی ﷺ کے لئے ایک مخصوص دعا ہوتی ہے جو اپنی امت کے لئے وہ دعا کرتے ہیں اس کو قبول کیا جاتا  
ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا کو قیامت تک مؤخر کروں۔ اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں۔  
ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہر نبی ﷺ کے لئے ایک مستجاب دعا ہوتی ہے۔  
پس ہر نبی ﷺ نے اپنی دعا میں جلدی کی اور اسی کے مثل ایک روایت ابو زرعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت  
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن زیاد رضی اللہ عنہ جو کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کے مثل ایک روایت  
میں مروی ہے کہ وہ دعائے مذکورہ امت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے جس کو قبولیت کی ضمانت دی گئی  
ہوتی ہے ورنہ حضور ﷺ نے اس کی خبر دی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے لئے بہت سی دین و دنیا  
کی ایسی دعائیں مانگی تھیں جن میں سے بعض تو قبول کر لی گئیں اور بعض کو روک دیا گیا اور ان کو محتاجی  
کے دن اور سختی کے خاتمے اور بڑے سوال و رغبت کے لئے ذخیرہ کر کے رکھ دیا گیا۔ اللہ ﷻ ان کی جزاء  
حضور ﷺ کو ان کی امت کے لئے عمدہ عطا فرمائے گا۔ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيرًا.

## گیارہویں فصل

حضور ﷺ کی ان بزرگیوں کے بیان میں جو جنت میں

صلہ درجہ رفیعہ اور کوثر کے ساتھ ہیں

**حدیث:** حضرت عمرو بن عاصؓ سے بالاسناد مروی ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم مؤذن کے کلمات اذان سنو تو اسی کے مثل اذان دہرا کر جواب دو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو۔ درحقیقت جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا تو اللہ ﷻ اس پر دس مرتبہ رحمت فرماتا ہے۔ پھر اللہ ﷻ سے میرے لئے وسیلہ مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو کسی کو سزاوار نہیں سوائے اللہ ﷻ کے بندوں میں سے کسی ایک بندے کے لئے اور میں امید رکھتا ہوں وہ بندہ میں ہوں۔ لہذا اللہ ﷻ سے جو میرے لئے وسیلہ مانگے تو اس کے لئے شفاعت حلال ہوگئی۔

(سنن ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۳۵۹ صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۸۸، ۲۸۹)

دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک بلند درجہ

ہے۔ (جامع ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۳۶)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جب جنت کی سیر کر رہا تھا (شب معراج) تو میرے سامنے ایک ایسی نہر آئی جس کے کناروں پر موتیوں کے قبے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے کہا: یہ کیا ہے؟

کہا: یہ وہ کوثر ہے کہ جس کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام نے اس کی مٹی کی طرف ہاتھ مار کر نکالا تو وہ کستوری کی طرح خوشبودار تھی۔

(جامع ترمذی جلد ۵ صفحہ ۱۱۹ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۳۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبد اللہ بن عمرؓ سے اس کی مثل مروی ہے۔ کہا کہ اس کے پانی کی روانی موتی اور یاقوت پر ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سرد ہے۔ ایک روایت میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ نہر جاری تھی مگر زمین کو کاٹتی نہ تھی۔ اس پر ایک حوض ہے کہ اس پر میری امت آئے گی اور ذکر کیا حدیث حوض کو اسی کے مثل ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کوثر وہ ایک ایسی بھلائی ہے جو خاص

طور پر آپ ﷺ کو عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۷)

ابوسعید ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنت میں بھلائی کی ایک ایسی نہر ہے جس کو اللہ ﷻ آپ ﷺ کو عطا فرمائے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کی عنایتوں کے تذکرہ میں فرمایا مجھ کو کوثر عنایت فرمائی جو جنت میں ایک نہر ہے اور میرے حوض میں بہتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ ﷻ کے اس فرمان میں کہ

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى ۝  
بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا  
(پہ۔ النجمی ۵) کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مروی ہے کہ کہا کہ موتی کے ہزار محل ہوں گے۔ جس کی مٹی کستوری کی ہوگی اور اس میں وہ وہ چیزیں ہوں گی جو اس کے لائق ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اس میں وہ کچھ ہوگا جو اس کے لائق ہے یعنی بیویاں اور غلام وغیرہ۔

## بارہویں فصل

ان احادیث کا بیان جن میں آپ ﷺ کو دوسرے

انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا

اگر تم یہ کہو جب دلائل قرآنیہ احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ انسانوں میں سب سے بڑھ کر معزز و مکرم اور انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں تو ان احادیث کا کیا مطلب ہے جو فضیلت دینے کی ممانعت میں وارد ہیں۔ جیسے ان میں سے یہ حدیث ہے۔

حدیث: جو قنادہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے کہتے سنا کہ ہمارے نبی حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: کسی بندے کو سزاوار نہیں کہ یہ کہے کہ میں یونس ابن متی رضی اللہ عنہ سے بہتر ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۶)

دوسرے طریقہ سے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی بندے کو سزاوار نہیں۔ آخری حدیث تک

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک یہودی کے بارے میں سنا ہے کہ اس نے کہا تھا۔  
قسم اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انسانوں پر برگزیدہ کیا۔ تو ایک انصاری مرد نے اس  
کے چپت مارا تھا اور کہا تھا تو ایسا کہتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے موجود ہیں۔

جب اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو اور ایک  
روایت میں ہے کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نہ بڑھاؤ۔

پس حدیث کو بیان کیا اور حدیث میں یہ ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی یونس ابن متی رضی اللہ عنہ  
سے افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں یونس ابن متی رضی اللہ عنہ سے  
بہتر ہوں تو وہ جھوٹا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی تم میں سے یہ نہ کہے کہ میں یونس  
ابن متی رضی اللہ عنہ سے بہتر ہوں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص آیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا۔ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ  
(یعنی مخلوق میں سب سے بہتر) فرمایا: یہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہیں۔

تو آگاہ رہو کہ علماء کرام رحمہم اللہ نے ان احادیث کی چند تاویلیں کی ہیں۔

اول: یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فضیلت دینے سے منع فرمانا اس سے قبل تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو کہ  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد آدم رضی اللہ عنہ کے سردار ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضیلت دینے سے روک دیا۔ اس لئے کہ یہ  
واقفیت کی محتاج ہے اور جس نے بغیر علم کے فضیلت دی تو اس نے جھوٹ کہا۔ اسی قبیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا  
یہ ارشاد ہے کہ میں نہیں کہتا کہ کوئی ان سے افضل ہے۔

یہ کلام اس کا مقتضی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خود پر فضیلت بیان کی بلکہ ظاہر حالت میں  
صرف فضیلت دینے سے روکنا مقصود ہے۔

دوم: یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا بر طریق تو واضح وانکسار تھا اور عجب و تکبر کی نفی مقصود تھی۔ مگر یہ  
جواب اعتراض سے نہیں بچتا۔

سوم: یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے مابین ایسی فضیلت نہ دو جو کسی کی تنقیص کی طرف لے جائے  
یا ان میں کوئی عیب نکالے۔ خصوصاً حضرت یونس رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی جو خبر دی  
تا کہ نہ واقع ہو کسی جاہل کے دل میں ان کی طرف سے حقارت یا ان کے بلندرتبہ میں تنقیص۔

اس لئے کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ بھری ہوئی کشتی کے پاس

۱۔ صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۶

دوڑے اور جب وہ غصہ ہو کر گئے اور گمان یہ کیا ہم ان پر قادر نہ ہوں گے۔ اس لئے بسا اوقات اپنی جہالت سے یہ خیال کر گزرا ہے کہ (معاذ اللہ) ان سے کوئی خطا سرزد ہوئی۔

چہارم: یہ کہ نبوت و رسالت کے حق میں فضیلت دینے کی ممانعت ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام نبوت و رسالت میں ایک ہی در پر ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ ایک ہی چیز ہے جس میں باہمی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت تو حالات کی زیادتی اور خصوصیات و کرامات اور مراتب و الطاف میں ہے۔ لیکن فی نفسہ نبوت میں کوئی تفاضل (فضیلت) نہیں ہے۔ درآنحالیکہ تفاضل تو نبوت کے بعد دوسرے زائد امور کی بنا پر ہے۔ اس لئے تو کوئی ان میں سے صرف رسول ہے اور کوئی رسولوں میں اولوالعزم رسول ہے اور کسی کا ان میں سے مرتبہ بلند کیا گیا اور کسی کو بچپن ہی میں حکمت سے نوازا دیا گیا اور کسی کو کتاب زبور مرحمت فرمائی اور کسی کو بینات و معجزات دیئے گئے۔

اور ان میں سے کسی سے اللہ ﷻ نے کلام فرمایا اور کسی کے درجے بلند کئے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے: ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور فرماتا ہے: وہ رسول ہیں کہ ہم نے کسی کو کسی پر فضیلت دی۔ (پ۔ال عمران ۱)

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ تفضیل یعنی ان کو بڑھانے سے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان کو فضیلت دی جائے اس کی تین حالتیں ہیں۔

یا تو یہ کہ ان کی نشانیاں اور معجزات خوب روشن و مشہور ہیں یا ان کی امت پاکیزہ اور شمار میں زیادہ ہو یا باعتبار ان کی اپنی ذات کے راجع ہوگی ان خصوصیات کی طرف جن کے سبب اللہ ﷻ نے ان کو مخصوص فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ ان کی اپنی بزرگی اور خصوصی کلام سے نوازے یا خلت یا رویت یا جس سے اللہ ﷻ چاہے اپنی مہربانی سے ولایت اور اپنی خصوصیات سے سرفراز کرے۔

بیشک نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک نبوت کی کچھ ذمہ داریاں (ثقل) ہیں اور حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے علیحدہ ہونا چاہا جس طرح کہ اونٹنی کا وہ بچہ جو فصل ربیع میں پیدا ہو۔ (کہ وہ بوجھ سے علیحدہ رہتا ہے) (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۸۴)

پس حضور ﷺ نے اس قسم کے وہمی فتنوں سے محفوظ رکھا کہ کہیں اس کے سبب وہ اس میں مبتلا نہ ہو جائے اور ان کے منصب نبوت میں جرح اور ان کی برگزیدگی میں تنقیص اور ان کے مرتبہ میں کمی اور ان کی عصمت (پارسائی) میں اہانت نہ کرنے لگے۔ اپنی امت پر حضور ﷺ کی یہ بڑی شفقت ہے۔

ترتیب کے اعتبار سے یہ توجیح (تاویل) پانچویں بن جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ضمیر (انا) راجع ہے قائل

کی اپنی ذات (یعنی نبی کریم ﷺ کی طرف) یعنی کوئی یہ گمان نہ کرے اگرچہ وہ دانائی اور عصمت (پاکیزگی) اور طہارت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا ہو کہ وہ اس وجہ سے جو اللہ ﷻ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے۔ اب حضرت یونس علیہ السلام سے افضل و بہتر ہے۔

کیونکہ نبوت کا درجہ ہی (فی نفسہ) بہت بلند و بالا ہے۔ بلاشبہ یہ مراتب ان سے ایک رائی کے دانے سے بھی کم تر تک کم نہیں ہوئے (یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا مرتبہ خفیف سے خفیف بھی کم نہیں ہوتا) ہم تیسری قسم میں انشاء اللہ ﷻ اس سے زیادہ بیان کریں گے۔ اب تم کو اس کی غرض معلوم ہوگئی اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے معترض کا اعتراض جاتا رہا۔ اللہ ﷻ ہی کے جانب سے توفیق ہے، وہی مددگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

## تیرہویں فصل

حضور ﷺ کے اسماء گرامی کے بیان میں فضائل کا بیان

حدیث: حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کے والد سے بالاسناد مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں۔

میں ”محمد“ ہوں اور میں ”احمد“ ہوں اور میں ”ماحی“ ہوں کہ میرے ذریعے اللہ ﷻ نے کفر کو مٹایا اور میں ”حاشر“ ہوں کہ میرے نقش قدم پر لوگ اٹھیں گے اور میں ”عاقب“ پیچھے آنے والا ہوں۔ اور اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں میرا نام محمد اور احمد رکھا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۸)

پس اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو یہ خصوصیت دی ہے کہ آپ ﷺ کے ناموں کو آپ ﷺ کی ثناء کے ضمن میں بیان کیا ہے اور آپ ﷺ کے ذکر کے درمیان آپ ﷺ کے شکر عظیم مضمحل (پوشیدہ) کیا ہے۔ آپ کا نام احمد بروزن افعل ہے جو آپ کی صفت حمد میں مبالغہ ہے اور محمد بروزن مفعل ہے جو آپ ﷺ کی کثرت حمد میں مبالغہ ہے۔ پس حضور ﷺ حمد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہیں اور ان سب سے افضل ہیں جن کی تعریف کی جاتی ہے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہیں۔ پس آپ ﷺ تعریف کئے ہوؤں میں سب سے بڑھ کر تعریف کئے ہوئے (محمد) ہیں اور تعریف کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر تعریف کرنے والے ہیں۔

اور آپ ﷺ کے ساتھ بروز قیامت لواء الحمد ہوگا تاکہ آپ ﷺ کے لئے حمد کی تکمیل ہو

جائے اور میدان حشر میں آپ صفتِ حمد سے شہرت پائیں اور وہاں اللہ ﷻ آپ ﷺ کو مقام محمود میں بھیجے گا۔ جیسا کہ آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے۔ اس جگہ اولین و آخرین ان کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی تعریف کریں گے اور اس جگہ آپ ﷺ پر حمد کے الفاظ کھولے جائیں گے۔ جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی کو وہ (الفاظ) نہیں دیئے گئے۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کی کتابوں میں آپ ﷺ کی امت کا نام حمادین (بہت تعریف کرنے والے) رکھا ہے۔ حقیقتاً آپ ﷺ اسی لائق ہیں کہ آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ رکھا جاتا۔

پھر آپ ﷺ کے ان دونوں ناموں میں عجیب و غریب خصوصیتوں اور نشانیوں کے علاوہ ایک دوسری خوبی بھی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے نام مبارک کی ایسی حفاظت فرمائی ہے کہ کسی نے آپ ﷺ کے زمانہ اقدس سے پہلے یہ دونوں نام نہیں رکھے۔ لیکن احمد ﷺ جو کہ کتب سابقہ میں آیا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اس کی بشارت دی ہے۔ اس کو اللہ ﷻ نے اپنی حکمت سے منع فرمادیا کہ کوئی اور آپ ﷺ کے سوا اس نام کو رکھے اور نہ آپ ﷺ سے سوا کوئی اس نام سے پکارا جائے تاکہ کسی کمزور دل پر اس سے شک و شبہ نہ پڑے۔

اسی طرح محمد ﷺ بھی ہے کہ عرب و غیر عرب میں سے کسی نے بھی یہ نام کسی کا نہ رکھا۔ یہاں تک کہ یہ بات آپ ﷺ کے وجود گرامی اور آپ ﷺ کی پیدائش سے کچھ پہلے ہی مشہور ہو گئی کہ ایک نبی مبعوث ہوگا جس کا نام مبارک محمد ﷺ ہوگا۔ پھر عرب کے تھوڑے لوگوں نے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھا۔ اس امید پر کہ ان میں سے شاید کوئی وہی ہو اور اللہ ﷻ ہی خوب جانتا ہے جس جگہ وہ اپنی رسالت رکھے گا۔

وہ لوگ (جنہوں نے آپ کی پیدائش سے کچھ قبل اپنے فرزندوں کے نام محمد رکھے) یہ ہیں۔ محمد بن اُحیحہ بن الجلاح الاؤسنی بن الجلاح الاوس۔ محمد بن مسلمہ انصاری۔ محمد بن براء البکری۔ محمد بن سفیان بن مجاشع۔ محمد بن حمران الجھنی۔ محمد بن خزاعی اسلمی اور ساتواں نام کا کوئی بتائے۔ کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے جس کا نام محمد رکھا گیا وہ محمد بن سفیان ہے اور اہل یمن کہتے ہیں کہ بلکہ محمد بن محمد (قبیلہ ازد) کا ہے۔

پھر اللہ ﷻ نے حفاظت فرمائی کہ ہر وہ شخص جس کا نام محمد ہے وہ نبوت کا دعویٰ کرے یا اس کو کوئی اس کے ساتھ پکارے یا اس پر کوئی سبب ظاہر ہو جائے جس سے کوئی آپ ﷺ کے بارے میں شک کر سکے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں نام آپ ﷺ کے لئے خوب متحقق و ثابت ہو گئے۔ اور کوئی ان



دونوں ناموں میں نزاع نہ کر سکا۔

لیکن حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ میں وہ ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ اللہ ﷻ نے کفر کو مٹایا۔  
 سو اس کی تفسیر اس حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے اور ہو سکتا ہے کہ کفر کو مٹانے سے یا تو مکہ  
 سے یا عرب کے شہروں سے یا زمین کے ان حصوں سے جو آپ ﷺ کے قبضہ میں آئے مراد ہو اور وعدہ  
 کیا گیا کہ آپ ﷺ کی امت کا ملک آپ ﷺ کو ملے گا یا محو یعنی مٹنے سے مراد عام ہو۔ بایں معنی کہ ظہور و  
 غلبہ ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ. کہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے۔

(پ۲۸۔ القف ۹) (ترجمہ کنز الایمان)

اور بیشک حدیث میں اس کی تفسیریوں وارد ہے کہ آپ وہ ہیں جن کے سبب ان لوگوں کے  
 گناہ جو آپ ﷺ کے تابع ہیں مٹائے جائیں گے اور حضور ﷺ کا ارشاد کہ میں وہ حاشر ہوں جس کے  
 قدموں پر لوگ اٹھیں گے۔ یعنی میرے زمانہ اور میرے عہد پر۔ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔  
 جیسا کہ فرمایا: وَخَاتِمُ النَّبِيِّينَ (نبیوں کا آخریوں) اور آپ ﷺ کا نام عاقب رکھا گیا۔ اس لئے کہ آپ  
 ﷺ تمام نبیوں کے پیچھے (آخر) میں تشریف لائے ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ میں ایسا پچھلا آنے والا  
 ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ عَلَي قَدَمِي کے معنی میں ایک روایت ہے کہ یعنی لوگ میرا مشاہدہ  
 کرتے ہوئے اٹھیں گے یا لوگ میرے سامنے اٹھیں گے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (پ۲ البقرہ ۱۴۳)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میں ان سے پہلے نکلوں گا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ. ان کے لئے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام

(پ۱ یونس ۲) ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میرے سامنے اور میرے گرداگرد یعنی میری  
 طرف بروز قیامت سب جمع ہو کر آئیں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میری سنت پر۔

آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میرے پانچ نام ہیں۔ اس کے معنی میں ایک روایت یہ ہے  
 کہ پانچوں نام سابقہ کتب سماویہ میں موجود ہیں اور سابقہ امتوں کے اہل علم کے نزدیک میرے یہ پانچ

نام ہیں۔

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ میرے دس نام ہیں۔ ان میں سے طہ اور یس کو بیان فرمایا۔ مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حکایت کی۔

بعض تفسیروں میں ایک روایت ہے کہ ”طہ“ یعنی اے ”طاہر“ اے ہادی۔ ”یس“ یعنی اے سید۔ سلمیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو واسطی اور جعفر بن محمد رحمہما اللہ سے بیان کیا۔ اوروں نے مجھ سے بیان کیا دس نام ہیں۔ پانچ تو وہی ہیں جو پہلی حدیث میں مذکور ہیں۔ فرمایا اور میں رسول رحمت اور رسول راحت اور رسول ملاحم ہوں اور میں ”مقفی“ کہ نبیوں کے پیچھے آنے والا ہوں اور میں قیم ہوں اس کے معنی جامع کامل کے ہیں۔ ایسا ہی میں نے اس کو پایا اور میں اس کو روایت نہیں کرتا۔

میں دیکھتا ہوں کہ دوست قسم (بالاء) ہے (یعنی بانٹنے اور تقسیم فرمانے والے) جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کو بعد میں حربی رحمۃ اللہ علیہ سے اور یہی تفسیر کے ساتھ زیادہ مناسب ہے۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں واقع ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے رب ﷻ ہمارے لئے محمد ﷺ کو بھیج جو سنت کو قائم فرمانے والے انقطاع وحی کے بعد ہیں۔ پس قیم اسی معنی میں ہے۔

نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ میرے قرآن کریم میں سات نام ہیں۔ محمد احمد، یس، طہ، المدثر، المزمل اور عبد اللہ۔ ﷺ کثیراً کثیراً۔ (امام ذہبی بحوالہ منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۲) جبیر ابن مطعم ﷺ کی حدیث میں ہے کہ وہ چھ نام ہیں۔ محمد احمد خاتم، عاقب، حاشر، حاجی، ﷺ کثیراً کثیراً۔

ابوموسیٰ اشعری ﷺ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ میں اپنے نام بتلایا کرتے تھے۔ پس فرماتے ہیں:

محمد احمد، مقفی، حاشر، نبی التوبہ، نبی الملحمہ اور نبی الرحمہ ہوں۔ ﷺ

(صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۹)

اور ایک روایت میں المرجمۃ راحۃ ہے۔ یہ تمام کے تمام صحیح ہیں۔ انشاء اللہ ﷻ۔ مقفی کے وہی معنی ہیں جو عاقب کے ہیں لیکن نبی رحمت، نبی توبہ، نبی مرجمہ اور نبی راحت سو

۱۔ دلائل النبوة لابن نعیم صفحہ ۶۱

۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

۳۔ حلیۃ لابن نعیم کفای منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۲

۴۔ مستدرک حرد، اذیلم، کلام، منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۲

اس کی دلیل یہ ہے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔  
اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں  
(پ۱۔ الانبیاء ۱۰۷) کے لئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور جیسا کہ حضور ﷺ کی مدح و ثنا میں فرماتا ہے:

يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔  
یعنی ان کو پاک کرتا ہے اور قرآن و حکمت کی  
(پ۲۔ ال عمران ۱۶۳) تعلیم دیتا ہے۔

وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (پ۶۔ المائدہ ۱۶)  
اور سیدھے راستے کی طرف چلاتا ہے۔  
(پ۱۰۔ التوبہ) اور مومنوں کے ساتھ مہربان و رحیم ہے۔

(۱۲۸)

اور آپ ﷺ کی امت مرحمہ کی تعریف میں اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝  
یہ امت ہے جو صبر کی وصیت کرتے ہیں اور  
(پ۳۔ البلد ۱۷) مرحمت کی وصیت کرتے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ایک دوسرے پر رحمت کرتے ہیں۔ پس آپ ﷺ کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی امت  
کے لئے اور تمام جہاں والوں کے لئے رحمت رحیم بھیجا جو رحم کھانے والے اور ان کے لئے استغفار  
کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کی امت کو امت مرحومہ بنایا اور اس کی تعریف رحمت کے ساتھ فرمائی  
اور حضور ﷺ کو ایک دوسرے پر رحم فرمانے کا حکم دیا اور اس کی تعریف کی۔ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ مِنْ عِبَادِهِ الرَّحْمَاءَ۔  
بیشک اللہ ﷻ اپنے بندوں میں سے رحم کھانے  
والوں کو پسند کرتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۷۰، صحیح مسلم کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۶۳۶)

اور فرمایا: ایک دوسرے پر رحم کرنے والوں پر قیامت کے دن رحمن رحم فرمائے گا۔ تم زمین  
میں رحم کرو تا کہ وہ تم پر رحم کرے جو آسمان میں ہے۔

(سنن ترمذی کتاب البر جلد ۳ صفحہ ۲۱۷، سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۲ صفحہ ۳۰۶)

جبکہ ”نبی الملمحہ“ کی روایت تو یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حضور ﷺ جہاد اور تلوار کے ساتھ  
بھیجے گئے ہیں اور یہی صحیح ہے۔

اور حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کے مثل روایت کی ہے۔ اس میں ہے کہ  
آپ نبی الرحمتہ نبی التوبہ اور نبی الملاحمہ ﷺ ہیں۔ (شامل ترمذی صفحہ ۲۹۷)

حربی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کی حدیث میں روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: میرے پاس فرشتہ آیا۔ اس نے مجھ سے کہا: آپ قسم! یعنی جمع کرنے والے ہیں (مجموعہ کی مدت ہیں) حربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قسم کے معنی ہیں بھلائی کا جمع کرنے والا۔ اور یہ وہ نام حضور ﷺ کے گھر والوں کو معلوم تھا۔ حضور ﷺ کے القاب و صفات قرآن کریم میں ان کے علاوہ جو ہم نے بیان کئے، بکثرت آئے ہیں۔ جیسے نور، سراج، منیر، منذر، نذیر، مبشر، بشیر، شاہد، شہید، الحق، المبین، خاتم النبیین، رؤف، رحیم، امین، قدم صدق، رحمة للعلمین، نعمة اللہ، عروہ و ثقی، صراط مستقیم، نجم ثاقب، کریم، نبی ء امی اور داعی الی اللہ یہ آپ ﷺ کے اوصاف کثیرہ اور علامات جلیلہ ہیں۔

اور اللہ ﷻ کی گزشتہ کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں کے اور احادیث نبوی اور امت کی بول چال میں مکمل طریقہ سے آپ ﷺ کے نام آچکے ہیں۔

جیسے مصطفیٰ، مجتبیٰ، ابوالقاسم، حبیب، رسول رب العالمین، شفیع، مشفع، متقی، مصلح، طاہر، مہیمن، صادق، مصدوق، ہادی، سید ولد آدم، سید المرسلین، امام المتقین، قائد الغر المحجلین، حبیب اللہ، جمیل الرحمن، صاحب الحوض المورود و شفاعت، المقام المحمود، صاحب الوسیلہ، صاحب الفضیلہ، صاحب الدرجتہ الرفیعہ، صاحب التاج و المعراج اللّواء، و القصب (عصا) راکب البرق الناقہ، نجیب، صاحب الحجۃ السلطان، خاتم، علامتہ برہان، صاحب البراۃ، صاحب العلین۔ کتابوں میں آپ ﷺ کے یہ نام بھی ہیں۔ المتوکل، المختار، مقیم السنۃ، المقدس، روح القدس، روح الحق۔

اسی معنی میں انجیل میں فارقلیط ہے۔ ثعلب کہتے ہیں کہ فارقلیط اس کو کہتے ہیں جو حق و باطل میں تفریق کرے۔ گزشتہ کتابوں میں آپ ﷺ کے یہ نام بھی ہیں۔ ماز، ماز بمعنی طیب، حمطایا، خاتم، حاتم۔ کعب احبار ﷺ نے اس کی حکایت کی۔

ثعلب ﷺ نے کہا کہ خاتم وہ ہے جس سے نبیوں کے سلسلہ آمد کو روکا جائے اور حاتم کے معنی یہ ہیں کہ نبیوں میں جو پیدائش اور اخلاق میں سب سے بڑھ کر عمدہ ہو۔

سریانی زبان میں آپ ﷺ کا نام یہ ہے۔ ”مشیح“ یعنی محمد ”منحنا“ یعنی روح القدس یا محمد اور

توریت میں آپ ﷺ کا نام احید ہے۔ یہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

صاحب القصب کے معنی تلوار والے کے ہیں۔ انجیل میں اس کی یوں تفسیر آئی ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ ﷺ کے ساتھ لوہے کی تلوار ہوگی جس سے آپ ﷺ جہاد کریں گے

اور آپ ﷺ کی امت بھی ایسی ہی ہوگی۔

اور یہ بھی محمول کیا گیا ہے۔ قضیب آپ ﷺ کی ایک لمبی شاخ تھی جس کو آپ ﷺ ہاتھ میں لیا کرے تھے۔ اور وہ اب خلفاء کے پاس ہے لیکن ”ہراوہ“ جس سے آپ ﷺ کی تعریف کی گئی ہے لغت میں اس کے معنی عصا کے ہیں۔ مجھے خیال ہے واللہ اعلم کہ اس سے وہ عصا مراد ہے جو حدیث حوض میں مذکور ہے کہ اپنے اس عصا سے یمن والوں کے لئے لوگوں کو ہٹاؤں گا۔

لیکن ”تاج“ اس سے مراد عمامہ ہے اور اس وقت سوائے عرب کے اور کوئی عمامہ نہیں پہنتا تھا۔ عمامے عرب کے تاج ہیں۔ آپ ﷺ کے اوصاف القاب اور علامات کتابوں میں بہت ہیں۔ ان میں سے بقدر کفایت انشاء اللہ ﷻ ہم نے ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی مشہور کنیت ابو القاسم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو جبریل الطیب آئے اور کہا: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا إِبْرَاهِيمَ. (دلائل النبوة، بیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۶۳)

## چودھویں فصل

اللہ ﷻ نے اپنے اسماء کے ساتھ آپ ﷺ کے نام رکھے

اس میں کہ اللہ ﷻ نے اپنے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے ساتھ آپ ﷺ کا نام رکھ کر آپ ﷺ کو شرف و فضیلت مرحمت فرمائی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق دے فرماتے ہیں کہ یہ فصل پہلے باب کی فصلوں کے ساتھ بہت نفیس اور عمدہ ہے کیونکہ اس کو انہیں کے مضامین کی لڑی میں پرو کر اسی شیریں چشمہ میں ملا دیا ہے۔

لیکن اللہ ﷻ اس کے استنباط کی ہدایت کی طرف کسی سینہ کو اسی وقت کھولتا ہے اور کسی فکر کو اس کے جوہر نکالنے اور اس کے لینے کی طرف اسی وقت روشن کرتا ہے۔ جب وہ اس سے پہلی فصلوں پر غور و خوض کرے۔ لہذا میں نے یہ مناسب جانا کہ اس کو انہیں فصلوں کے ساتھ ملا دوں اور اس کی خوبیوں کو جمع کر دوں۔

اب تم سمجھو! اللہ ﷻ نے بہت نبیوں کو ایک بزرگی سے خاص کیا ہے اور ان کو اپنے ناموں میں سے ایک نام کی خلعت عنایت فرمائی ہے جیسے حضرت اسحق الطیب اور حضرت اسماعیل الطیب کا نام

علیم و حکیم رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم، حضرت نوح علیہ السلام کو شکور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بر (نیکی)، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کریم و قوی، حضرت یوسف علیہ السلام کو حفیظ و علیم، حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صادق الودع نام عنایت فرمائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ان کے تذکروں کے درمیان اللہ ﷻ نے فرمایا ہے۔

ہمارے نبی ﷺ کو اللہ ﷻ نے اس طرح فضیلت دی کہ آپ ﷺ کو ان ناموں کا لباس پہنایا اور آراستہ کیا جو اپنی کتاب مجید اور گزشتہ نبیوں کی بے شمار کتابوں میں مذکور ہیں اور ان کو ہمارے لئے بعد فکر و ذکر کے مجتمع کر دیا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے ان دو ناموں سے بڑھ کر کسی نام کو نہ پایا کہ کسی نے جمع کئے ہوں اور نہ ایسے شخص کو پایا جس نے اس میں دو فصلیں تالیف کی ہوں۔ مگر ہم نے ان میں سے اسی فصل میں تقریباً تیس نام لکھے ہیں اور غالباً اللہ ﷻ نے جیسا مجھے ان اسماء کا علم الہام فرمایا اور اس کی حقیقت ظاہر فرمائی۔ اسی طرح اس کے مسین (بیان) کرنے میں اپنی اس نعمت کو پورا فرمادے جو اب تک ہمیں آشکارہ نہیں ہوئی ہے اور اس کے بند دروازہ کو کھول دے۔

پس اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام حمید ہے۔ اس کے معنی محمود ہیں کیونکہ اس نے آپ ﷺ اپنی تعریف کی ہے اور اس کے بندوں نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔

نیز اس کے معنی حامد کے بھی ہیں۔ یعنی وہ اپنی خود تعریف کرنے والا اور اپنے بندوں کے نیک اعمال کی تعریف کرنے والا ہے اور اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کا نام نامی محمد ﷺ اور احمد ﷺ رکھا ہے۔ پس محمد بمعنی محمود ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں آپ ﷺ کے اس نام کا ذکر ہے اور احمد کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ احمد کرنے والوں میں سب سے بڑے ہیں اور جن کی تعریف کی گئی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں۔ اسی طرح حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں اشارہ کیا ہے۔

وَشَقٌّ لَّهُ مِنْ اسْمِهِ يُجِلُّهُ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَ هَذَا مُحَمَّدٌ

اللہ ﷻ نے اپنے نام سے آپ ﷺ کا نام نکالا تاکہ آپ ﷺ کی عزت ہو۔ پس صاحب عرش (اللہ ﷻ) محمود ہے اور آپ محمد ﷺ ہیں۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں ”الرءُ وف، الرّجيم“ ہے۔ وہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں اور قرآن کریم میں آپ ﷺ کا نام بھی یہی رکھا۔ فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِينَ رءُوفٌ رَّحِيمٌ. (پلالتوبہ ۱۲۸)

آپ مسلمانوں کے ساتھ مہربان اور رحیم ہیں۔

اور اللہ ﷻ کے ناموں میں ”الحق المبین“ ہے۔ اور حق کے معنی ”موجود“ اور ”حقیقت الامر“ کے ہیں۔ اسی طرح المبین یعنی امر روشن کے معنی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس کی الوہیت روشن اور ظاہر ہے۔ بان اور ابان کے ایک ہی معنی روشن و ظاہر کے ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ ﷻ اپنے بندوں کے لئے ان کے دینی اور اخروی امور ظاہر فرمانے والا ہے اور اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کا نام بھی قرآن کریم میں یہی رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ۝  
(پ۲۵ الزخرف ۲۹)

یہاں تک کہ ان کے پاس حق آیا اور صاف  
بتانے والا رسول تشریف لایا (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ۝  
(پ۱۴ الحجر ۸۹)

فرماؤ کہ میں ہی ہوں صاف ڈرسانے والا (اس  
عذاب سے)۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ.  
(پ۱۰ یونس ۱۰۸)

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق  
آیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ط  
(پ۱ الانعام ۵)

بیشک انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے  
پاس تشریف لائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ایک روایت میں ہے۔ اس سے مراد ”محمد ﷺ“ ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ ”قرآن“ مراد ہے  
لیکن اس جگہ حق کے وہ معنی ہیں جو باطل کی ضد ہے اور صدق ہے۔ یہ پہلے معنی کے ساتھ ہے اور  
”المبین“ کا مطلب یہ ہے کہ جس کا حکم واضح اور روشن ہو اور اس کی رسالت ظاہر ہو یا یہ معنی ہیں کہ  
یہ رسول ﷺ اللہ ﷻ کی جانب سے بیان کرنے والا ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ.  
(پ۱۳ النحل ۴۴)

کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اُترا  
اور کہیں دھیان کریں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ کے ناموں میں سے ایک نام ”نور“ ہے۔ اس کے معنی صاحب نور، مالک نور ہیں۔  
یعنی اس کا پیدا کرنے والا ہے یا آسمانوں اور زمین کو انوار کے ساتھ منور کرنے والا اور مومنین کے  
دلوں کو ہدایت کے ساتھ منور کرنے والا مراد ہے۔

اللہ ﷺ نے آپ ﷺ کا نام بھی نور رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝  
(پ۔ المائدہ ۱۵) روشن کتاب۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں اور کہا گیا کہ قرآن مراد ہے۔

اور اللہ ﷺ نے قرآن کریم میں آپ ﷺ کا نام ”سِرَاجًا مُنِيرًا“ رکھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا حکم روشن اور آپ ﷺ کی نبوت ظاہر ہے اور آپ ﷺ مسلمانوں اور عارفوں کے دلوں کو جو آپ ﷺ لائے ہیں اس سے منور فرمانے والے ہیں۔

اللہ ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام ”الشَّهِيدُ“ ہے۔ اس کے معنی عالم یعنی جاننے والے کے ہیں اور ایک روایت کے بموجب بمعنی شاہد یعنی گواہ کے ہیں جو اپنے بندوں پر بروز قیامت گواہی دے گا اور نبی کریم ﷺ کا نام بھی اللہ ﷺ نے شہید اور شاہد رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا.  
(پ۲۔ الاحزاب ۴۵) ہم نے آپ کو شاہد بھیجا۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
اور فرماتا ہے:

وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط  
اور یہ رسول تم پر گواہ ہو۔

(پ۔ البقرہ ۱۴۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اس جگہ شہید بمعنی شاہد ہے۔

اللہ ﷺ کے ناموں میں ”الْكَرِيمُ“ بھی ہے۔ اس کے معنی بہت سی بھلائی کرنے والا۔ بعض نے کہا کہ احسان کرنے والا۔ بعض نے کہا کہ معاف کرنے والا۔ بعض نے کہا کہ اس کے معنی بلند کے ہیں اور اللہ ﷺ کے اسماء کے بیان میں جو حدیث ہے اس میں الْأَكْرَمُ ہے۔

اللہ ﷺ نے آپ ﷺ کا نام بھی کریم رکھا۔ جیسا کہ فرمایا:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝  
بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔

(پ۲۔ التکویر ۱۹) (ترجمہ کنز الایمان)

ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا:

أَنَا أَكْرَمُ وُلْدِ آدَمَ.  
یعنی میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں۔

اور کریم واکرام کے معنی حضور ﷺ کے حق میں صحیح ہیں۔



اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام ”الْعَظِيمُ“ ہے۔ اس کے معنی ایسا بڑی شان والا کہ اس کے سوا ہر چیز کم ہو اور اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے لئے ارشاد فرمایا:  
وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝

پیشک تمہاری خوبو (خلق) بڑی شان کی ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۲۹۔ اقلیم ۴)

اور توریت کے حصہ اول میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مروی ہے کہ عنقریب ایک عظیم فرزند امت عظیمہ کے لئے پیدا ہوگا۔ وہ عظیم ہوگا اور بڑے خلق پر ہوگا۔

اور اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام ”الْجَبَّارُ“ ہے۔ اس کے معنی اصلاح کرنے والا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ قاہر اور ایک روایت میں بلند بڑی شان والے کے معنی بیان کئے ہیں۔ کہا گیا کہ تکبر اس کے معنی ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں نبی کریم ﷺ کا نام ”جَبَّارُ“ رکھا۔ انہوں نے کہا: اے جبار! آپ ﷺ اپنی تلوار لٹکائیے کیونکہ آپ ﷺ کی ناموس (عزت) اور آپ ﷺ کی شریعت آپ ﷺ کے تصرف کے دبدبہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے حق میں اس کے معنی یا تو ہدایت و تعلیم کے ساتھ اپنی امت کی اصلاح فرمانا یا اپنے دشمنوں پر قبہ فرمانا یا نوع انسانی پر اپنے مرتبہ کو بلند فرمانا یا آپ ﷺ کا بڑا خطرہ ہونا مراد ہے اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ سے اس تکبر کے غلبہ کو جو آپ ﷺ کی شان کے لائق نہیں، نفی فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اور کچھ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں۔

وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ.

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۲۶۔ ق ۳۵)

اللہ ﷻ کے ناموں میں ”الْخَبِيرُ“ بھی ہے۔ اس کے معنی اشیاء عالم کی حقیقت کی خبر دینے والے اور اس کے جاننے والے کے ہیں اور ایک روایت میں اس کے معنی ”الْمُخْبِرُ“ (خبر دینے والا) ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

أَلرَّحْمٰنُ فَسْتَلْ بِهِ خَبِيرًا ۝

وہ بڑی مہر والا تو کسی جاننے والے سے اس کی

(پ۱۹۔ الفرقان ۵۹) تعریف پوچھ۔

(ترجمہ کنز الایمان)

قاضی بکر بن علاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوال کا حکم غیر نبی ﷺ کو ہے اور مستول و خبیر نبی کریم

ﷺ ہیں۔

دوسروں نے کہا کہ سائل حضور ﷺ ہیں اور مسؤل اللہ ﷻ۔ مذکورہ دونوں وجہوں سے نبی کریم ﷺ ہی خبیر ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس لئے کہ آپ ﷺ ان چیزوں کے انتہائی عالم ہیں۔ جن کو اللہ ﷻ نے اپنے مخفی علم سے آپ ﷺ کو بتایا اور آپ ﷺ کو ان کی بڑی معرفت کرائی۔ آپ ﷺ اپنی امت کے لئے مخبر یعنی خبر دینے والے ہیں ان چیزوں کی جن کے بتلانے کی آپ ﷺ کو اجازت دی گئی ہے۔ اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام ”الْفَتْاحُ“ ہے۔ اس کے معنی اپنے بندوں کے مابین حاکم یا رزق اور رحمت کے دروازے کھولنے والے کے ہیں اور جو امور ان پر بند ہیں ان کے کھولنے والے یا معرفت حق کے ساتھ ان کے قلوب اور بصیرتوں کو کھولتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی ناصر یعنی مدد کرنے والے کے ہوں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ. یعنی اگر تم مدد چاہتے ہو تو بیشک تمہارے پاس (پ۔ الانفال ۱۹) مدد آگئی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی فتح و نصرت کی ابتدا کرنے والے کے ہیں۔ اللہ ﷻ نے اپنے نبی سید عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کا فاتح کے ساتھ نام رکھا۔ واقعہ معراج کی طویل حدیث جو کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے ابی العالیہ رضی اللہ عنہ سے اور دوسروں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس میں اللہ ﷻ کا یہ ارشاد ہے۔

کہ میں نے آپ ﷺ کو فاتح اور خاتم بنایا اور اسی میں حضور ﷺ کا قول اپنے رب ﷻ کی ثناء اور اپنے مراتب کے شمار کرانے کے دوران میں ہے۔ ”اور میرے لئے میرا ذکر بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا۔“ ہو سکتا ہے کہ اس جگہ فاتح بمعنی حاکم یا اپنی امت پر رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا یا معرفت حق اور ایمان باللہ کے ساتھ ان کی بصیرتوں کا کھولنے والا یا حق کی مدد کرنے والا یا امت کو ہدایت کے ساتھ شروع کرنے والا یا انبیاء علیہم السلام میں ان کے آگے شروع کرنے والا مبدی و مقدم ہو اور آپ ﷺ ان انبیاء علیہم السلام کے ختم کرنے والے (آخری نبی) ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میں پیدائش میں تو نبیوں سے پہلے ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام حدیث شریف میں ”الشُّكُورُ“ ہے۔ اس کے معنی عمل قلیل پر بہت ثواب دینے والے کے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمانبرداروں کی تعریف کرنے والا اور اللہ ﷻ نے حضرت نوح علیہ السلام کی اس صفت کے ساتھ توصیف بیان کی ہے۔ فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا. (پ۱۔ الاسراءى ۳) بیشک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
 اور نبی کریم ﷺ نے اپنی تعریف بھی خود اسی نام سے کی ہے۔ فرمایا کہ میں بہت شکر گزار بندہ  
 نہ بنوں یعنی اپنے رب ﷻ کی نعمتوں کا اعتراف کرنے والا اس کی قدرت کا جاننے والا اور اس پر بہت  
 زیادہ میں تعریف کرنے والا ہوں۔

اسی قبیل سے اللہ ﷻ کا یہ ارشاد ہے:

لَیْسَ شُكْرُكُمْ لَّا یَزِیْدُنْكُمْ.  
 اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

(پ۱۳۔ ابراہیم ۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ کے ناموں میں "الْعَلِیْمُ الْعَلَّامُ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ" ہے۔ اور اللہ ﷻ  
 نے اپنے نبی ﷺ کی تعریف علم کے ساتھ کی ہے اور آپ ﷺ کو بہت زیادہ علم خصوصیت کے ساتھ دیا  
 ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ  
 اور تمہیں سکھا دیا جو جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور  
 فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ط (پ۵۔ النساء ۱۱۳)  
 اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ  
 اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم  
 مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ط (پ۲۔ البقرہ ۱۵۱)  
 فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
 اللہ ﷻ کے ناموں میں "الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ" ہے۔ ان دونوں کے یہ معنی ہیں کہ اشیاء کے  
 وجود سے پہلے وہ سبقت کرنے والا اور اس کی فنا کے بعد باقی رہنے والا ہے اور حقیقت الامر بات یہ  
 ہے کہ اس کا نہ کوئی اول ہے اور نہ آخر۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: میں پیدائش میں تو تمام نبیوں کا اول ہوں اور بعثت میں ان کا  
 آخر۔ (مقاصد صفحہ ۵۲۱-۵۲۰) اس کی تفسیر اللہ ﷻ کے اس فرمان کے ساتھ کی گئی ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّنَّ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ  
 اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے  
 وَمِنْ نُوحٍ. (پ۱۲۔ الاحزاب ۷)  
 عہد لیا اور تم سے اور نوح سے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پس حضور ﷺ کا مقدم ذکر کیا۔ اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد کہ ہم ہی آخر اور سابق ہیں اور فرمان نبوی ﷺ ہے کہ زمین سے نکلنے  
 والوں میں میں پہلا شخص ہوں اور جنت میں داخل ہونے والوں میں میں پہلا۔ شفاعت کرنے والوں

میں، میں پہلا اور شفاعت قبول کئے جانے والوں میں، میں پہلا ہوں اور آپ ﷺ ہی خاتم النبیین اور آخری رسول ہیں۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں "أَلْقَوِيُّ، ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ" ہے۔ اس کے معنی قادر کے ہیں۔ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی تعریف اس کے ساتھ بھی کی ہے۔ فرمایا:

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت (پ۔ الکویرہ ۲۰) والا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہے اور کہا گیا کہ جبریل علیہ السلام مراد ہے۔ اللہ ﷻ کے ناموں میں الصّادِقِ حدیث ماثور میں آیا ہے اور حضور ﷺ کا نام بھی حدیث میں صَادِقٌ وَمَصْدُوقٌ کے ساتھ آیا ہے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں "الْمَوْلَى، الْمَوْلَى" ہے۔ ان دونوں کے معنی مدد کرنے والے کے ہیں۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ۔ تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول۔ (پ۔ المائدہ ۵۵) (ترجمہ کنزالایمان)

حضور ﷺ نے فرمایا:

أَنَا وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ۔ میں ہر مسلمان کا مددگار ہوں۔ (صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۱۲۸ سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۳۲۰ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۶۴ مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۳۷۱)

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ۔ (پ۔ الاحزاب ۶) نبی زیادہ مددگار ہے مسلمانوں کے ساتھ۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيَّْ مَوْلَاهُ۔ میں جس کا مددگار ہوں اس کے علی مددگار ہیں۔ (سنن ترمذی کتاب الناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۷)

اللہ ﷻ کے ناموں میں "الْعَفْوُ" ہے۔ جس کے معنی درگزر اور معاف کرنے کے ہیں۔ اللہ ﷻ نے قرآن کریم اور توریت میں اس نام کے ساتھ بھی حضور ﷺ کی تعریف فرمائی اور درگزر کرنے کا حکم دیا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ۔ (پ۔ الاعراف ۱۹۹) درگزر سے کام لیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ .  
 تو انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کریں۔  
 (پ۱۔ المائدہ ۱۳) (ترجمہ کنز الایمان)

جبریل علیہ السلام نے کہا: جب آپ ﷺ نے ان سے خُذِ الْعَفْوَ کے معنی دریافت فرمائے۔  
 فرمایا گیا جو آپ ﷺ پر ظلم کرے اس کو معاف فرمادیں۔  
 ایک مشہور حدیث میں ہے کہ اللہ ﷻ تو ریت اور انجیل میں آپ کی یہ صفت بیان فرمائی۔  
 لَيْسَ بِفِظٍ وَلَا غَلِيظٍ وَلَكِنْ يَغْفُو يَصْفَعُ  
 یعنی آپ نہ تو بدخلق ہوں گے اور نہ سخت دل بلکہ  
 معافی اور درگزر سے کام لیں گے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں ”الْهَادِي“ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ﷻ اپنے بندوں میں  
 سے جس کو چاہے ہدایت کی توفیق دے دیتا ہے اور اس کے معنی دلالت اور دعا کے بھی ہیں۔ اللہ ﷻ  
 فرماتا ہے:

وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ ط  
 اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے۔  
 (پ۱۰۔ یونس ۲۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝  
 جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔  
 (پ۱۰۔ یونس ۲۵) (ترجمہ کنز الایمان)

ہدایت کے سب معنوں کی اصل مائل ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تقدیم یعنی آگے پہنچانا  
 ہے۔

ایک روایت میں طہ کی تفسیر میں ہے۔ یا طاہر، یا ہادی، اس سے حضور ﷺ مراد ہیں اور اللہ  
 ﷻ فرماتا ہے:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝  
 بیشک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔  
 (پ۱۰۔ الشوریٰ ۵۲) (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَدَاعِيًا إِلَىٰ اللَّهِ بِإِذْنِهِ  
 اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا۔  
 (پ۲۲۔ الاحزاب ۴۶) (ترجمہ کنز الایمان)

پہلے معنی یعنی توفیق یہ اللہ ﷻ کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ.

ہدایت کرو وہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے

(پ۔ القصص ۵۶) چاہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور دلالت کے معنی میں ہدایت مطلق ہے جو ماسوی اللہ ﷻ کے لئے بولا جاسکتا ہے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں الْمُؤْمِنُ اور الْمُهَيِّمُ ہے۔ ایک روایت کے بموجب یہ دونوں نام ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی جناب میں الْمُؤْمِنُ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے بندوں سے جو وعدہ فرمایا ہے۔ اس کو پورا کرنے والا اپنی سچی بات پوری فرمانے والا اور اپنے مسلمان بندوں رسولوں کی تصدیق فرمانے والا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی اپنی ذات میں لیتا ہے۔

بعض کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے بندوں کو دنیا میں اپنے ظلم سے اور آخرت میں مسلمانوں کو اپنے عذاب سے امن دینے والا ہے۔

الْمُهَيِّمُ کے معنی ایک روایت کے بموجب امین ہے۔ جو اس کا مصغر ہے۔ (میذتصریح میں) ہمزہ کو ہاء سے بدل دیا گیا ہے اور بیشک یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی دعائیں آخر قول آمین اللہ ﷻ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے معنی مُؤْمِنُ کے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مُؤْمِنُ کے معنی شاہد اور حافظ کے ہیں۔ حضور ﷺ امین، مہیمن اور مؤمن ہیں۔ بیشک اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کا نام امین رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

مَطَّاعٌ ثَمَّ أَمِينٌ. (پ۔ التور ۲۱) امانت دار سے (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور ﷺ امین سے معروف تھے اور قبل اظہار نبوت اور بعد اظہار نبوت آپ اسی نام سے مشہور ہیں۔ حضرت عباس ﷺ نے اپنے شعر میں آپ کا نام مہیمن رکھا۔

ثُمَّ اِحْتَوَى بَيْتَكَ الْمُهَيِّمُ مِنْ خِنْدَفٍ عَلِيَاءٍ تَعْتَهَا النُّطْقُ

یعنی پھر آپ کے شاہد نسب نے خندف (الیاس بن حضری بیوی) سے بلندی کو گھیر لیا جن کے نیچے ٹپکے تھے۔

بعض کہتے ہیں کہ يَا أَيُّهَا الْمُهَيِّمُ مراد ہے۔ اس کو قتیبی اور امام ابوالقاسم قشیری رحمہما اللہ نے روایت کیا۔

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے: يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ الْمُؤْمِنِينَ (پ. التوبہ ۶۱) یعنی وہ اللہ کے ساتھ

ایمان رکھتا ہے اور مومنین پر یعنی تصدیق کرتا ہے اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنے صحابہ کے لئے امان ہوں۔ پس یہ بمعنی مومن ہے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک "الْقُدُّوسُ" ہے۔ اس کے معنی تمام عیوب سے منزہ اور علامات حدت و فنا سے پاک کے ہیں۔ بیت المقدس کا نام اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ وہاں گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے۔ اسی قبیل سے وادی مقدس اور روح القدس ہے۔

گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں حضور ﷺ کے اسماء میں المقدس یعنی گناہوں سے پاک کرنے والا یا گناہوں سے منزہ مکتوب ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (پ۱۔ الفتح ۲) اور پچھلوں کے گناہ بخش دے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یابہ کہ اس کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کی اتباع سے سہرا بنا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے: وَيُزَكِّيهِمْ. یعنی ان کو پاک کرتا ہے۔

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ. اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا (پ۱۔ المائدہ ۱۶) ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یابہ کہ اس کے معنی مقدس یعنی اخلاق ذمیرہ اور اوصاف رذیلہ سے پاک و مبرا ہو۔

اور اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام الْعَزِيزُ ہے۔ اس کے معنی ممتنع اور غالب یا اس کا کوئی نظیر نہ ہو یا دوسروں کو عزت دینے والے کے ہیں۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ. یعنی اللہ ہی کے لئے امتناع اور جلالت قدرت (پ۱۔ المنافقون ۸) ہے۔

اور اللہ ﷻ نے اپنی تعریف بشارت اور نذرات (ڈرانے) سے کی ہے اور فرماتا ہے:

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ. ان کو ان کا رب اپنی رحمت و خوشنودی کی (پ۱۔ التوبہ ۲۱) بشارت دیتا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِخَيْرٍ. (پ۱۔ آل عمران ۳۹) اللہ تم کو مرادہ دیتا ہے سچی کا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کا نام مبشر نذیر اور بشیر رکھا۔ یعنی آپ ﷺ فرمانبرداروں کو

بشارت دینے والے اور نافرمانوں کو ڈرانے والے ہیں۔

بعض مفسرین رحمہم اللہ نے اللہ ﷻ کے ناموں میں طہ اور یسین کو اس کا نام بیان کیا ہے اور بیشک بعض مفسرین رحمہم اللہ نے ان دونوں ناموں کو حضور ﷺ کے ناموں میں ذکر کیا ہے اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو بڑی شرافت اور بزرگی عطا فرمائی ہے۔

## پندرہویں فصل

### ایک نکتے کا بیان

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق دے فرماتے ہیں:

اب میں اسی فصل میں اس کے ذیل اور ضمنی ایک نکتہ بیان کر کے اس قسم کو ختم کرتا ہوں اور اس نکتے کے ذریعے ان مشکلوں کو دور کر دوں گا جو ہر کمزور و ہم اور بیمار فہم کو پیش آئے ہوں گے تاکہ اس کو تشبیہ کے غاروں سے نکالے اور طمع ساز باتوں سے دور کر دے۔

وہ یہ کہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ ﷻ جل اسمہ اپنی صفات، عظمت کبریاء ملکوت اور اسماء حسنی اور صفات علیاء میں اس حد تک ہے کہ اس کی مخلوق میں کوئی بھی ادنیٰ سا مشابہ بھی نہیں ہے اور نہ کسی کو اس سے تشبیہ بھی دی جاسکتی ہے۔ بلا شک و شبہ وہ جو شریعت نے مخلوق پر بولا ہے۔ ان دونوں میں حقیقی معنی میں کوئی مشابہت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ ﷻ کی صفات قدیم (ازلی ابدی دائمی) ہیں بخلاف مخلوق کی صفات کے (کہ وہ حادث فانی اور عطائی ہیں) جیسے کہ اس کی ذات تبارک و تعالیٰ دوسری (فانی) ذاتوں کے مشابہ نہیں ہے۔ ایسے ہی اس کی صفات مخلوقوں کی صفات کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ مخلوق کی صفات اعراض و اغراض سے جدا نہیں ہوتیں۔ (عرض و غرض کے تحت ہوتی ہیں) اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے پاک و منزہ ہے بلکہ وہ اپنی صفات و اسماء کے ساتھ ہمیشہ سے ہے (اور ہمیشہ رہے گا) اس بارے میں یہ فرمان کافی ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ. (پ۲۵۔ الشوریٰ ۱۱) اس جیسا کوئی نہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ ہی کے لئے خوبی ہے۔ جن علماء عارفین، محققین نے یہ کہا کہ توحید ایسی ذات کے ثابت کرنے کا نام ہے جو کہ اور ذاتوں کے مشابہ نہیں اور نہ صفات سے معطل ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتہ کو خوب بڑھا کر بیان کیا ہے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کی ذات کے مثل کوئی ذات نہیں اور نہ اس کے نام کے مثل کوئی نام اور نہ اس کے فعل



کے مثل کوئی فعل ہے اور نہ اس کی کسی صفت کے مثل کوئی صفت۔ مگر صرف لفظ کی لفظ کے ساتھ موافقت کی وجہ سے ہے۔ اس کی قدیم ذات برتر ہے کہ اس کی کوئی صفت حادث ہو۔ جیسے کہ یہ مجال ہے کہ کسی حادث ذات میں کوئی صفت قدیم ہو۔ یہ کل کا کل اہل حق اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے۔ بلاشبہ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اس قول کی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ تفسیر کی ہے اور فرمایا کہ یہ حکایت تمام مسائل تو حید کو مشتمل ہے۔ کیونکہ اس کی ذات 'محدث ذاتوں کے مشابہ ہو اس کی ذات اپنے وجود میں مستغنی ہے اور کیونکہ اس کا فعل مخلوق کے فعل کے مشابہ ہو وہ فعل تو نفع محبت اور دفع نقص کے بغیر ہے اور نہ خطروں اور غرضوں کا گزر ہے اور نہ اعمال و محنت سے ظاہر ہو اور مخلوق کا فعل ان وجوہات سے باہر نہیں۔

ہمارے مشائخ میں سے ایک بزرگ نے کہا ہے کہ جو کچھ تم اپنے وہموں سے وہم کرتے ہو یا اپنی عقلوں سے معلوم کرتے ہو۔ وہ تو تمہاری طرح حادث ہے۔

امام ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ جوینی فرماتے ہیں کہ جو شخص اس موجود کی طرف مطمئن ہو گیا اور اس طرف اپنی فکر بس کر دی۔ ارے وہ تو مشبہ ہے اور جو شخص نفی محض کی طرف ہو گیا وہ معطل ہے اور جو شخص ایک ایسے موجود کے ساتھ علاقہ رکھ کر اس کی حقیقت کے ادراک سے عجز کا اعتراف کرے بس وہی موحد ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے تو حید کی حقیقت میں کیا خوب کہا ہے کہ تم اس بات کو جان لو کہ اللہ ﷻ کی قدرت چیزوں میں بغیر محنت سے ہے اور مخلوق کا بنانا بلا مزاج اور سبب کے ہے۔ ہر چیز کی علت اس کی صفت ہے اور اس کی صفت کے لئے کوئی علت نہیں اور تمہارے وہم میں جو بھی متصور ہو اللہ ﷻ اس کے برعکس ہے۔ یہ کلام نہایت عجیب عمدہ اور محقق ہے اور اس کا آخری فقرہ اللہ ﷻ کے اس قول کی تفسیر ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ سے اور دوسرا ٹکڑا اس کے فرمان کی تفسیر ہے: لَا يَسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ. (پ ۱۷- الانبیاء ۲۳) جو اللہ ﷻ کرتا ہے اس سے پوچھنا نہ جائے گا۔ حالانکہ وہ خود مسؤل ہیں۔ اور تیسرا ٹکڑا اللہ ﷻ کے اس فرمان کی تفسیر ہے:

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

ہے کہ ہم کہیں ہو جاوہ فوراً ہو جاتی ہے۔

(پ ۱۳- النحل ۴۰)

(ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ ہمیں اور تمہیں تو حید اور اس کے اثبات اور اس کی تنزیہ پر ثابت و قائم رکھے اور ضلالت و گمراہی یعنی تعطل و تشبیہ کے کناروں سے اپنے فضل و احسان کے طفیل محفوظ رکھے۔ آمین۔

## چوتھا باب

آپ ﷺ کے معجزات کے بیان میں

اس میں ان چیزوں کا بیان ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر معجزات کا ظہور کر دیا اور آپ ﷺ کو خصوصیات و کرامات کے ساتھ مشرف فرمایا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سوچنے سمجھنے والی یہ بات کافی ہے کہ وہ یہ تحقیق کرے کہ ہم نے یہ کتاب نبی ﷺ کی نبوت کے منکر کے لئے جمع نہیں کی ہے اور نہ اس کے لئے جو آپ ﷺ کے معجزات پر طعن اور زبان درازی کرتا ہے کہ اس پر ہم دلائل قائم کرنے کے محتاج ہیں اور اس کے گوشوں کی قلعہ بندی کریں۔ تاکہ کوئی طعنہ کرنے والا اس تک نہ پہنچ جائے اور یہ کہ ہم عاجز کرنے والی شرائط اور تحدی اور اس کی تعریف کو بیان کریں اور ان لوگوں کے قول کے رد و فساد کا جو شراہ کے نسخ کو باطل کہتے ہیں کو ذکر کریں۔

بلکہ ہم نے اس کتاب کو ان اہل محبت کے لئے جمع کیا ہے جو کہ آپ ﷺ کی دعوت کو لبیک کہتے ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں تاکہ ان کی محبت اور مضبوط ہو جائے اور ان کے اعمال میں زیادتی ہو اور ان کے ایمان میں ایمان کی جلا ہو۔

ہماری اہل اراد اور مقصد یہ ہے کہ اس باب میں آپ ﷺ کے بڑے بڑے معجزات اور آپ ﷺ کی مشہور تر نشانیاں ثابت کر دیں تاکہ اللہ ﷻ کی جناب میں جو آپ ﷺ کی قدر و منزلت ہے اس پر دلالت کرے۔ ان میں ہم وہی بیان کریں گے جو محقق اور صحیح الاسناد ہیں اور ان میں سے بیشتر وہ ہیں جو یقینی حد تک پہنچتے ہیں یا اس کے قریب اور ان کے ساتھ ہم نے ان کا بھی اضافہ کر دیا ہے جو آئمہ کی مشہور کتابوں میں مذکور ہیں اور جب کوئی منصف مزاج غور کرنے والا ان پر غور کرے گا۔ جو ہم نے پہلے حضور ﷺ کے بارے لکھا ہے۔

یعنی آپ کے عمدہ اثرات، پسندیدہ سیرت، وفور علم، کمال عقل و حلم اور آپ ﷺ کے تمام کمالات، تمام خصائل، مشاہدہ حالات، درست کلامی وغیرہ وہ تو آپ ﷺ کی نبوت کی صحت اور آپ ﷺ کی دعوت کی صداقت میں شک و تردید کر ہی نہیں سکتا۔ بلاشبہ یہ باتیں آپ ﷺ پر اسلام و ایمان لانے میں بہت سوں کو کافی ہوئی ہیں۔

ترمذی اور ابن قانع جہما اللہ وغیرہ نے اپنی سندوں کے ساتھ یہ حدیث ہمیں روایت ہوئی

ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں قدم رنجہ ہوئے تو میں آپ ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ ﷺ کے چہرہ انور کو خوب دیکھا تو میں فوراً پہچان گیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ انور جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ (اس کے بعد اس کی سند ذکر کی ہے)

(سنن ترمذی کتاب القیامہ جلد ۲ صفحہ ۶۵، سنن ماجہ کتاب الاقامہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۳، مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۶، مستدرک جلد ۲ صفحہ ۱۶۰)  
ابو رمثہ التیمی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا۔ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی کہا: یہ اللہ ﷻ کے نبی ﷺ ہیں۔ (طبقات ابن سعد کما فی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۳)

اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ضماذ جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک تمام تعریفیں اللہ ﷻ کے لئے ہیں۔ اس کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں جس کو اللہ ﷻ ہدایت فرما دے۔ سو اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بیشک محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تو اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ان کلمات کو پھر دوبارہ مجھ پر دہرائیے کیونکہ یہ سمندر کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اپنا دست مبارک بڑھائیے تاکہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعہ جلد ۲ صفحہ ۵۹۳، مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۲۰۲، سنن نسائی کتاب النکاح جلد ۶ صفحہ ۸۹، سنن ابن ماجہ کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۱۹)  
جامع ابن شداد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک مرد جس کو طارق کہا جاتا ہے اس نے ہمیں خبر دی کہ اس نے جب نبی کریم ﷺ کو مدینہ منورہ میں دیکھا تو آپ نے فرمایا:  
کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جس کو تم بیچتے ہو۔

ہم نے کہا: یہ اونٹ ہیں۔

فرمایا: کیا قیمت ہے؟

ہم نے کہا: کھجور کے اتنے اتنے وسق (جو ساٹھ ساع کا ہوتا ہے) کے عوض بیچوں گا۔

تو آپ ﷺ نے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور (شہر) مدینہ لے گئے۔ تو ہم نے (آپس میں) کہا کہ

اس اونٹ کو ایسے شخص کے ہاتھ بیچا ہے جس کو ہم جانتے تک نہیں کہ وہ کون ہے۔

ہمارے ساتھ ایک بوڑھی عورت تھی اس نے کہا کہ میں اس اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں۔

میں نے اس شخص کے چہرہ کو دیکھا ہے جو چودھویں رات کے چاند کی مانند ہے وہ تم سے دھوکہ نہ کرے

گا۔ پس جب ہم نے صبح کی تو ایک شخص کھجوریں لایا اور کہا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ تمہارے لئے فرمایا ہے کہ ان کھجوروں کو کھاؤ اور وزن کر کے اپنی قیمت لے لو۔ سو ہم نے کیا۔

(دلائل النبوة، بیہقی کمافی منائل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۲)

عمان کے بادشاہ جلندی کی حدیث میں ہے کہ جب اس کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی ہے تو جلندی نے کہا: خدا کی قسم مجھ کو اس نبی اُمی ﷺ پر یہ دلیل ملتی ہے کہ وہ کسی نیکی کی طرف جب ہی بلا تے ہیں جب وہ خود اس پر عامل ہوتے ہیں اور کسی برائی سے جب ہی روکتے ہیں جب وہ خود اس کے تارک ہوں اور بلا شبہ جب وہ غالب ہوتے ہیں تو غرور نہیں کرتے اور جب مغلوب ہوتے ہیں تو گھبراتے نہیں اور عہد و پیمان کا ایفا کرتے ہیں اور ایفائے عہد میں جلدی کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی (برحق) ہیں۔ (کتاب الردة عن ابن اسحاق کمافی منائل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۲)

نقطو یہ رحمتہ اللہ علیہ اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تفسیر میں کہتے ہیں:

يَكَاذُ زَيْتُهَا يُضِيُّ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط قریب ہے کہ اس کا تن بھڑک اٹھے اگرچہ اسے (۱۸۔ النور ۳۵) آگ نہ چھوئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ اللہ ﷺ نے اپنے نبی ﷺ کی مثال دی ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ عنقریب آپ ﷺ کا چہرہ آپ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرے گا اگرچہ وہ قرآن کی تلاوت نہ کرے۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ "مُبَيَّنَةٌ لَكَ لَكَ مِنْظَرُهُ يُبَيِّنُكَ بِالْخَبْرِ" یعنی اگر اس میں روشن نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو آپ کا چہرہ ہی آپ کی (نبوت کی) خبر دیتا ہے۔ بیشک اب وقت آ گیا ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت وحی رسالت کے بیان کو شروع کریں اور اس کے بعد قرآن کے اعجازات اور اس کے دلائل و براہین کو بیان کریں۔

## پہلی فصل

اللہ ﷺ نے اپنے بندوں کو بغیر واسطہ کے اپنی ذات و صفات اور اسماء کا علم عطا فرما سکتا ہے خبردار! بیشک اللہ ﷺ اس پر قادر ہے کہ اپنے بندوں کے دلوں میں اپنی معرفت اپنی ذات اپنے اسماء و صفات کا علم اور تمام تکلیفات (دینی و دنیوی) کو شروع ہی میں بغیر کسی واسطہ کے اگر چاہے تو علم دے دے۔ جیسا کہ بعض نبیوں کے بارے میں سنت الہیہ مروی ہے۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ ﷺ کے فرمان:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا. (۲۵۔ الشوریٰ ۵۱)

کسی آدمی کو یہ نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے طور پر۔

(ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ جائز ہے کہ یہ علوم اللہ ﷻ بغیر کسی واسطہ کے ان کو پہنچا دے اور ان کو اپنے کلام سے نواز دے یہ واسطہ یا تو انسان کے سوا ہو جیسے فرشتے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یا انہی کے جنس سے ہو جیسے انبیاء علیہم السلام امتوں کے ساتھ ہیں۔

اور اس بات کے لئے کوئی عقلی دلیل مانع نہیں اور جب یہ جائز ہے اور محال نہیں ہے اور رسول ﷺ ان چیزوں کو لائے ہیں جو ان کے صدق پر دلالت کرتی ہیں وہ ان کے معجزات ہیں تو جو وہ لائے ہیں ان سب کی تصدیق واجب ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا تحدی کے ساتھ معجزہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کے قائم مقام ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا تم ان کی اطاعت و اتباع کرو۔

اور آپ ﷺ کے صدق پر جو کچھ اللہ ﷻ نے فرمایا گواہ ہے اور وہی کافی ہے۔

اس کو لمبا کرنا مقصود سے خارج ہے۔ اب جو بھی اس کے تلاش کرنے کا ارادہ کرے تو وہ

ہمارے آئمہ رحمہم اللہ کی تصنیفات میں بھر پور پالے گا۔

## نبوت کی لغوی تحقیق

نبوت اس لغت کے اعتبار سے جو ہمزہ سے پڑھے ”نبأ“ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی خبر کے ہیں اور کبھی اس اعتبار و تاویل میں تخفیف و سہولت کے لئے ہمزہ نہیں دیا جاتا۔ اس صورت میں نبوت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اپنے غیوب پر مطلع کیا اور ان کو بتا دیا اور آپ ﷺ اس کے نبی ہیں۔ نبی کے معنی یا تو خبر دیتے ہوئے بصیغہ مفعول ہو گا یا خبر خبر دینے والے بصیغہ اسم فاعل ان چیزوں کی جن کے ساتھ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اور ان چیزوں کی اطلاع دینا جن پر آپ ﷺ کو مطلع کیا گیا ہے۔ اس وقت نبی بروزن فعلیل بمعنی فاعل ہوگا۔

اور نبوت اس لغت کے اعتبار سے جو بغیر ہمزہ (مادہ) کے پڑھتے ہیں۔ نبوءۃ سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی ہیں: ”زمین کا بلند و مرتفع حصہ“۔ تو اب نبوت کے (اصطلاحی) معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ﷻ کی جناب میں آپ ﷺ کا مرتبہ آپ کی شرافت و منزلت بلند ہے۔ یہ دونوں وصف آپ ﷺ کے حق میں صحیح و درست ہیں۔

الرسول کی تحقیق

رسول اس کو کہتے ہیں جو مُرْسَلٌ یعنی بھیجا گیا ہو۔ لغت میں بروزن فَعُولٌ بمعنی مُفَعَّلٌ نادر

ہی مستعمل ہے۔

آپ ﷺ کی رسالت یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو جن لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ ان کو تبلیغ احکام کریں۔ یہ تابع سے مشتق ہے (جس کے معنی پڑے در پڑے) اسی قبیل سے ان کا یہ مقولہ ہے کہ وہ لوگ ارسالاً آئے جب وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہیں۔ گویا آپ ﷺ پر تو یہ لازم کیا گیا کہ آپ ﷺ بار بار تبلیغ کریں اور امت پر یہ لازم کیا گیا کہ وہ آپ ﷺ کا اتباع کرے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی و رسول کے ایک معنی ہیں یا دو؟

بعض نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کیونکہ دراصل یہ اُنباء سے ہے جس کے معنی خبر

دینا ہے۔ ان کا استدلال اللہ ﷻ کے اس فرمان سے ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُولٍ وَلَا

نَبِيٍّ (چ۱۔ الحج ۵۲)

(ترجمہ کنز الایمان)

ارسال میں یہ دونوں ساتھ ساتھ ثابت ہیں اور ان علماء نے کہا کہ ہر نبی رسول ہوتا ہے اور

ہر رسول نبی۔

بعض نے کہا کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ من وجہ معنی رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ کبھی یہ دونوں اس نبوت میں جمع ہو جاتے ہیں جس میں غیب پر اطلاع، خصوصیات نبوت کا اعلان اور اس کی معرفت کے لئے رفعت اور ان کے درجات کا حصول مقصود ہو اور کبھی یہ دونوں اس رسول کی رسالت کی زیادتی میں جدا ہو جاتے ہیں جس میں ڈرانے اور خبردار کرنے کا حکم ہو۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں۔

ان کی دلیل بھی اسی آیت میں دونوں ناموں کو علیحدہ علیحدہ (نبی اور رسول جدا جدا) بیان کرنے سے نکلتی ہے۔ اگر وہ دونوں ایک ہوتے تو کلام بلیغ میں دونوں کی تکرار یقیناً خوبی نہیں رکھتا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے کسی رسول کو امت کی طرف یا کسی ایسے نبی کو کسی طرف بھیجا نہیں گیا ہے، نہیں بھیجا مگر آخر آیت تک۔

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ رسول وہ ہیں جو نبی شریعت لے کر آئے اور نبی غیر رسول وہ ہے جو شریعت لے کر نہ آئے اگرچہ اس کو تبلیغ احکام الہیہ اور ڈرانے کا حکم دیا گیا ہو۔

اور درست و صحیح قول وہی ہے جس پر علماء کا ایک جم غفیر ہے کہ ہر رسول ﷺ نبی ضرور ہے اور ضروری نہیں کہ ہر نبی رسول بھی ہو۔ ان میں پہلے رسول حضرت آدم ﷺ ہیں اور ان میں آخری رسول حضور سید عالم ﷺ ہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ بیشک انبیاء علیہم السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار

(کم و بیش) ہیں۔ بخلاف (فرد) کرامیہ کے کہ ان کی باتیں لمبی اور ڈرانے والی ہیں۔ اس میں کوئی فائدہ اور بھلائی نہیں ہے اور نہ ان کا کوئی اعتبار۔

## وحی کی تحقیق

وحی کے اصلی معنی ”جلدی کرنے کے“ ہیں اور نبی کریم ﷺ پر جب کوئی حکم اللہ ﷻ کی جانب سے نازل ہوتا تو اس کے لینے میں جلدی فرماتے۔ اس وجہ سے اس کا نام وحی رکھ دیا گیا اور الہاموں کی قسموں کو چونکہ گو نہ وحی نبوت سے مشابہت ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا نام بھی وحی رکھ دیا گیا اور خط کا نام بھی وحی رکھا گیا کہ چونکہ کاتب کے ہاتھ کی حرکت میں سرعت (جلدی) ہوتی ہے اور ابرو اور گوشہ چشم کے اشارہ کو وحی بھی یوں کہا گیا کہ ان دونوں کے اشاروں میں سرعت ہوتی ہے۔ اسی قبیل سے خدا کا یہ فرمان ہے:

فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝  
(پ۱۔ مریم ۱۱) رہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی آنکھ یا زبان سے اشارہ کیا کرو۔ اس کے ایک معنی لکھنے کے بھی آئے ہیں اور اسی قبیل سے ان کا یہ مقولہ ہے۔ الْوَحَا، الْوَحَا۔ یعنی جلدی کرو اور کہا گیا ہے کہ دراصل وحی پوشیدہ اور مخفی بات کو کہتے ہیں۔ اسی قبیل سے ہے کہ الہام کا نام بھی وحی رکھ دیا گیا اور اسی سے اس کا قول ہے کہ  
إِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَآئِهِمْ۔ بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں  
(پ۹۔ الانعام ۱۲۱) ڈالتے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ان کے سینوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور اسی قبیل سے یہ فرمان ہے کہ  
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ۔ ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام فرمایا۔

(پ۲۔ القصص ۷) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ان کے دل میں یہ بات ڈال دی۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ بات اللہ ﷻ کے اس فرمان میں ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحِيًّا۔ کسی آدمی کو یہ نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام  
(پ۲۵۔ الشوریٰ ۵۱) کرے مگر وحی کے طور پر۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی بغیر واسطہ کے اس کے دل میں القا فرمائے۔

## دوسری فصل

### معجزات کے بیان میں

جانو! کہ انبیاء علیہم السلام جو لائے ہیں ان کو ہمارا معجزہ کہنا اس لئے ہے کہ مخلوق اس کے مماثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔

معجزے دو طرح پر ہوتے ہیں۔

ایک قسم: یہ کہ قدرت انسانیہ کے انواع میں سے ہو پھر اس سے وہ عاجز ہو جائیں۔ ان کا یہ معجز ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ فعل اللہ ﷻ کی جانب سے ہے۔ جو ان کے نبی کی صداقت میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ ان (یہودیوں) کو موت کی تمنا سے پھیر دینا اور ان (عرب کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء) کا قرآن کریم کی مثل لانے سے عاجز ہو جانا۔ یہ بعض علماء کی رائے ہے۔ اسی طرح دیگر معجزات وغیرہ۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ وہ فعل ہی انسانی قدرت سے باہر ہو کہ وہ کسی طرح بھی اس کی مثل لانے پر قادر نہیں۔ جیسے مردوں کا زندہ کرنا، عصاء (موسیٰ علیہ السلام) کا سانپ بننا، اونٹنی کا پتھر سے ٹکنا، درخت کا کلام کرنا، انگلیوں سے پانی کے چشمے بہانا اور چاند کو ٹکڑے کرنا۔ یہ وہ معجزات ہیں جو ممکن ہی نہیں کہ کوئی ان کو کر سکے سوائے اللہ ﷻ کے حضور ﷺ کے دست مبارک پر ان کا ہونا اللہ ﷻ کا فعل ہے اور اس کے ذریعہ ان کی تحدی (تعجز) مقصود ہے جو آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں کہ ان کی مثل لانے سے وہ عاجز ہیں۔

جانو! بیشک وہ معجزات جو ہمارے نبی ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے جو آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور آپ ﷺ کے صدق پر براہین (دلیل) ہیں۔ ان میں دونوں قسموں کے ہیں۔ دیگر رسولوں کی بہ نسبت آپ کے معجزے بکثرت ان سے زیادہ روشن نشانیاں اور ان سے زیادہ ظاہر دلائل پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ عنقریب ہم ان کو بیان کریں گے اور یہ معجزات اس کثرت سے ہیں کہ کوئی ان کو ضبط تحریر میں لاسکتا ہی نہیں کیونکہ ان میں سے قرآن ہی ایسا معجز کلام ہے کہ اس کے معجزات کو ہزار دو ہزار یا زیادہ کا شمار ہی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے صرف ایک سورت کا معارضہ طلب کیا تھا تو اس سے عاجز ہو گئے تھے۔

علماء نے کہا ہے کہ سب سے چھوٹی سورت انْ أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ. (پہلا الکواثر) ہے۔ لہذا اس کی ہر آیت یا اس سورت کی مقدار وعدو میں آیتیں معجزہ ہیں۔ پھر خاص اس سورت میں ہی متعدد



معجزے ہیں۔ جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے کہ اس میں یہ یہ معجزے ہیں۔  
پھر حضور ﷺ کے معجزات دو قسم پر ہیں۔

ان میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ جو قطعی طور پر معلوم اور ہم تک متواتر منقول ہے۔ جیسے قرآن کریم کہ نہ اس میں کوئی شک ہے اور نہ کوئی اختلاف کہ یہ نبی کریم ﷺ کا لایا ہوا نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی طرف سے اس کا ظہور ہوا اور آپ ﷺ نے اپنی دلیل میں بطور حجت پیش کیا اور اگر کوئی بد بخت اس کا انکار کرے تو وہ معاند و دشمن ہے۔ اس کا انکار ایسا ہی ہے کہ حضور ﷺ کے وجود کا دنیا میں انکار کرے۔ حالانکہ منکرین کا اعتراض اس کی حجت میں ہی رہا ہے۔

پس قرآن اپنی ذات میں اور اپنے تمام مشتملات، معجزات میں معلوم و بدیہی ہے اور اس کی اعجازی شان بدایت و نظر دونوں سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بہت جلد اس کی تشریح کریں گے۔

ہمارے بعض آئمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ فی الجملہ قائم مقام معجزات کے یہ ہے کہ حضور ﷺ کے دست اقدس پر بکثرت نشانیاں خوارق عادات ہوئی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی معجزہ یقین کے درجہ تک نہ بھی پہنچے تو یہ تمام معجزات کو ملا کر تو یقین حاصل ہو جائے گا۔ لہذا ان کے معانی کا وقوع آپ ﷺ کے دست اقدس پر شک و شبہ سے بالا ہے۔

کسی مومن اور کافر کا اس بات میں اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کے دست اقدس سے عجائبات کا صدور ہوا ہے۔ معاند (دشمن) کا اختلاف تو اس میں ہے کہ یہ خدا ﷻ کی جانب سے ہیں یا نہیں؟ حالانکہ ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ اللہ ﷻ کی جانب سے ہے اور یہ کہ اس کے قائم مقام ہے کہ تم نے سچ کہا اس قسم کا وقوع بھی ہمارے نبی ﷺ سے بد اہتہ معلوم ہے کیونکہ ان کے معانی کا اتفاق ہے۔ جیسے حاتم کی سخاوت اور عنترہ کی شجاعت اور احنف کا علم بد اہتہ معلوم ہے کیونکہ ان پر جو خبریں ملتی ہیں ان پر اتفاق ہے کہ سخاوت، شجاعت اور علم ان کا معروف و مشہور ہے۔ اگر چہ فی نفسہ ہر ایک خبر علم کا موجب نہیں اور نہ اس کی صحت پر یقین ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ خبر بد اہتہ اور یقین کے درجہ تک نہ پہنچے۔ اس کی دو صنف ہیں۔ پہلی صنف یہ کہ وہ خبر مشہور اور پھیلی ہوئی ہو اور اس کو متعدد راویوں نے بیان کیا ہو اور وہ خبر محدثین، مؤرخین اور اصحاب سیر و اخبار کے نزدیک شائع (پھیل) ہو چکی ہو۔ جیسے کہ انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اور طعام کو زیادہ کرنا۔

اور دوسری صنف یہ ہے کہ وہ خبر صرف ایک یا دو راوی تک محدود و مخصوص ہو اور اتنے کم

۱۔ یعنی منکرین کہتے ہیں یہ جادو ہے

راویوں نے اس کو بیان کیا ہو کہ وہ حد شہرت تک نہ پہنچی لیکن جب ان جیسے معجزات کو جمع کیا جائے تو وہ اپنے معانی میں اتفاق کی حد تک پہنچ جائے اور یہ دونوں قسمیں معجزات کے صدور میں مجتمع ہو جائیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق بات بیان کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ حضور ﷺ سے بہت سے معجزات جو مروی ہیں قطعیت کے ساتھ معلوم ہیں۔

چنانچہ معجزہ شق القمر تو اس کا وقوع تو نص قرآنی سے ثابت ہے اور قرآن نے اس کے وجود کی خبر دی ہے۔ دلیل کے بغیر کسی آیت کے ظاہری معنی سے انحراف نہیں کیا جائے گا اور اس احتمال کے رفع کرنے میں تو متعدد طریقوں سے احادیث صحیحہ وارد ہیں اور کسی بد نصیب کا اختلاف جس نے دین کے کٹے کو چھوڑ رکھا ہے ہمارے پختہ اعتقاد کو متزلزل نہیں کر سکتا اور ایسے مبتدع کی سفاهت (بیوقوفی) کی طرف توجہ نہ کی جائے گی کیونکہ وہ کمزور مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالتا ہے بلکہ ہم اس کے ساتھ اس کی ناک کو خاک آلود کریں گے اور میدان میں ہم اس کی سفاهت (بیوقوفی) کو پھینکیں گے۔

یہی صورت پانی کے نکلنے اور طعام کی زیادتی کے واقعہ کی ہے۔ اس کو ثقہ لوگوں نے اور بہت سے راویوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت کے بکثرت افراد نے روایت کیا ہے اور بعض معجزات تو ایسے ہیں ایک جماعت نے جماعت سے متصل ان راویوں سے جنہوں نے بہتر صحابہ سے روایت کیا ہے بیان کیا ہے کہ یہ معجزہ خندق کے دن بڑے مجمع میں اور غزوہ بواط اور عمرہ حدیبیہ اور غزوہ تبوک وغیرہ مسلمانوں کی مجلسوں اور لشکروں میں واقع ہوا ہے اور صحابہ میں سے کسی سے اس کی مخالفت منقول نہیں۔ جو راوی کے بیان کی مخالفت کریں اور جو انہوں نے دیکھا ہے اس کا انکار کسی دیکھنے والے نے ذکر نہیں کیا ہے۔ (کہ نہیں اصل واقعہ یہ ہے) لہذا ان میں سے خاموش رہنے والے کا سکوت ایسا ہی ہے جیسے گویا کا بولنا۔ اس لئے کہ وہ اصحاب باطل پر قرار اور جھوٹ میں مد اہنت سے منزہ و پاک ہیں اور نہ وہاں کوئی رغبت اور خوف ہی تھا کہ ان کو باز رکھے اور اگر وہ سنی ہوئی بات ان کے نزدیک قابل انکار اور ان کے نزدیک غیر معروف ہوتی تو وہ یقیناً اس کا انکار کرتے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض صحابہ نے بعض ان باتوں کا انکار کیا ہے جن کا ذکر احادیث و سیر اور قرأت قرآن میں منقول ہے اور بعض نے بعض کی غلطی ظاہر کی اور کسی کو وہی کہا۔ یہ وہ باتیں جو غیر مبہم ہیں۔ معجزات کی یہ پوری صنف قطعیت کے ساتھ ملحق ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

بلاشبہ بعض خبریں ایسی بھی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں اور باطل پران کی بنیاد ہے اور ایسی بھی

ہوں گی کہ ایک مدت کے گزرنے اور لوگوں کی مداومت کے بعد علماء کے مباحثہ و تحقیق سے ان کا ضعف ظاہر ہو اور ان کا ذکر گمنامی میں ہو جائے۔ جیسا کہ اکثر جھوٹی خبروں اور من گھڑت قصوں میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔

لیکن ہمارے نبی ﷺ کے معجزات جو بطریق احاد مروی ہیں۔ زمانہ گزرنے کے بعد بھی ان کا ظہور ہی زیادہ ہوتا ہے اور فرقوں کے کلام کرنے اور دشمنوں کی کثرت طعنہ زنی اور ان کے استخفاف پر ان کے حریص ہونے اور اس کی بنیادوں کو کمزور بنانے اور اس کے نور کو بجھانے پر ملحدین کی پیہم کوششوں کے باوجود ان کی قوت و قبول اور ان پر طعن کرنے والے کی حسرت و کینہ کو ہی بڑھاتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کا غیبی خبریں دینا اور آپ کا مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ یعنی گزشتہ و آئندہ کے حالات بتانا۔

فی الجملہ بداہتہ آپ ﷺ کے معجزات میں ہونا معلوم ہے اور یہ ایسا حق جس پر کوئی پردہ نہیں۔

ہمارے آئمہ میں سے قاضی و استاذ ابو بکر وغیرہ رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں اور میرے نزدیک جس قائل نے یہ کہا ہے کہ یہ مشہور واقعات خبر واحد کے باب میں سے ہیں۔ اس کی وجہ اخبار و روایات میں مطالعہ کی کمی اور اس کے سوا دیگر علوم عقلیہ وغیرہ میں مشغول ہونا ہے ورنہ جو شخص نقل کے طریقوں سے واقف ہے اور احادیث و سیر کا مطالعہ کرتا ہے وہ شخص جس طرح ہم نے ان کا ذکر کیا ہے ان واقعات مشہورہ کی صحت میں شک نہیں کر سکتا۔

یہ کوئی بعید امر نہیں ہے کہ ایک شخص کو تو تواتر کا علم ہو جائے اور دوسرے کو حاصل نہ ہو۔ کیونکہ اکثر لوگ خبر کے ذریعے جانتے ہیں کہ بغداد موجود ہے اور وہ ایک بڑا شہر ہے اور وہ دار الخلافہ اور بیت الامامت ہے۔ لوگوں میں ایسے بھی ہیں کہ کوئی اس کا نام تک نہیں جانتا۔ چہ جائیکہ اس کے اوصاف سے واقف ہو۔

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد فقہا آپ سے تواتر کے ساتھ یقیناً نقل کرتے ہیں کہ آپ کا یہ مذہب ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا منفر د امام پر واجب ہے اور رمضان مبارک کی پہلی رات میں روزہ کی نیت کرنا سوا اس کے دنوں کے لئے وہ کافی ہے اور بلاشبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر رات کے لئے جداگانہ روزہ کی نیت ہو اور مسح میں سر کے بعض حصہ پر اکتفا کرنا جائز ہے اور ان دونوں کا یہ مذہب ہے کہ قتل میں قصاص محدود (تکوار) وغیرہ کے ساتھ جائز ہے اور وضو میں

نیت کا وجوب اور نکاح میں اذن ولی شرط ہے۔

بلاشبہ (حضرت امام اعظم) ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف ان مسائل میں بلکہ ان کے سوا اور دیگر مسائل میں ان دونوں مذاہب سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو ان کے مذاہب میں مشغول ہی نہیں ہوئے اور نہ ان کے اقوال کی روایت کی ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ یہ مذاہب بھی ہیں۔ چہ جائیکہ یہ مسائل یا دیگر حالات سے واقف ہوں۔

اور جب ہم ان احاد معجزات کا ذکر کریں گے تو اس وقت ان کو تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ ﷻ بیان کریں گے۔

## تیسری فصل

اعجازِ قرآن کی وجوہات میں سے پہلی وجہ

جانو! اللہ ﷻ ہمیں اور تم کو توفیق مرحمت فرمائے۔ اللہ ﷻ کی کتاب مجید کئی وجہوں سے بکثرت معجزات پر مشتمل ہے اور ان پر مطلع ہونے کے لئے وجوہات انحصار کے طریقہ پر چار قسمیں بنتی ہیں۔

اول: یہ کہ اس کے نظم کی خوبی، اس کے کلمات کو ملانا، اس کی فصاحت، اس کے ایجازات (یعنی مختصرات وغیرہ) اور اس کی ایسی بلاغت جو عرب کے بلغاء کی عادت کے برخلاف ہے اور یہ اس لئے کہ عرب کے فصحاء و بلغاء اس شان کے مالک اس کے شہسوار تھے۔

وہ لوگ بلاغت و حکمت میں ایسے مخصوص تھے کہ ان کے سوا کسی دوسری امت کو (ایسی بلاغت و حکمت) میسر نہ تھی اور زبان کے نکات کے وہ ایسے ماہر تھے کہ کسی انسان کو وہ نہ دی گئی تھی اور خطاب کے باب میں تو وہ ایسے تھے کہ کوئی عقلمند ان کو بند نہیں کر سکتا تھا اور یہ بات اللہ ﷻ نے ان کی خلقت و طبیعت میں رکھ دی تھی اور ان میں یہ طبعی قوت تھی کہ فی البدیہہ کلام سے عجائبات لاتے اور اس کی وجہ سے ہر معاملہ تک رسائی حاصل کرتے تھے۔ وہ متعدد مواقع اور سخت خطاب کی جگہوں میں فی الفور خطبہ دیتے تھے اور نیزے اور تلوار کی جنگوں میں رجز کے طور پر اشعار پڑھتے۔

اپنی تعریف کرتے (دوسروں کی) برائی کرتے اور اپنے مقاصد میں اس سے وسیلہ تو سل پکڑتے اور لوگوں کو بڑھاتے اور گھٹاتے تھے۔ پس وہ لوگ اس سے سحرِ حلال لاتے (یعنی جادو بیانی) کرتے تھے۔ ان کی تعریفوں کے ایسے ہار بناتے جو موتیوں کی لڑی سے زیادہ خوبصورت ہوتے

عقلوں کو فریفتہ کرتے اور مشکلوں کو آسان بناتے تھے۔ کینے کو دور کرتے اور شجاعت کو ابھارتے اور بزدلوں کو جرأت دلاتے اور بندھے ہاتھوں کو کھولتے، ناقص کو کامل بنا دیتے، بڑے بڑے ہوشیاروں کو خاموش کر دیتے تھے۔

ان میں سے بعض بدوی (دیہاتی) تو حتمی الفاظ اور قول فیصل کے مالک تھے۔ ان کا کلام محکم، طبیعت صناع اور قوتوں کو کھینچنے والے ہوتے تھے اور ان میں سے بعض شہری تو ایسے تھے کہ جو اعلیٰ بلاغت والے عمدہ الفاظ والے جامع کلمات والے نزم طبیعت والے بلا تکلف تھوڑے کلام میں بہتر تصرف کرنے والے، جس کی خوبی عمدہ، کلام موزوں ہوتا تھا اور دونوں قسم کے لوگ (یعنی بدوی اور شہری) بلاغت میں حجتہ بالغہ، قوت عالیہ، کامیاب تر، وسیع اور واضح تک پہنچے ہوئے تھے۔

ان کو اس میں شک نہ تھا کہ کلام ان کے مقصود کے موافق ہے اور بلاغت ان کے تابع ہے۔ بلاشبہ انہوں نے بلاغت کے تمام فنون کو گھیر لیا تھا اور اس کی خوبیوں کو نکال لیا تھا اور اس کے ہر باب کے جس دروازہ سے چاہتے داخل ہو جاتے تھے۔ وہ بلاغت کے انتہائی درجہ پر پہنچنے کے سبب اس کے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے تھے۔ پس انہوں نے مشکل اور آسان کلام کیا اور لاغر و سمین (موٹے) میں جو ہر دکھائے۔ قلت و کثرت میں مقالات کہے، نظم و نثر میں ڈول ڈالے۔

ان صفتوں کے مالک فصحاء و بلغاء عرب کو اگر عاجز کیا ہے اور ان کو مرعوب کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے کتاب مجید لا کر ہی کیا ہے۔ جس پر نہ سامنے سے باطل ٹھہرنے نہ پیچھے سے۔ وہ کتاب حکمت والے تعریف کئے ہوئے اللہ ﷻ کی اتاری ہوئی ہے۔ اس کی آیتیں محکم، اس کے کلمات مفصل، اس کی بلاغت عقلوں کو متحیر کرنے والی، اس کی فصاحت ہر بولنے والے پر غالب ہے۔ اس کا اختصار اور اعجاز کامیاب ہے، اس کی حقیقت و مجاز واضح ہے۔ خوبصورتی میں اس کے ابتدائی اور انتہائی کلمات متشابہ ہیں اور اس کے جامع و بدیع کلمات ہر بیان پر حاوی ہیں۔ باوجود اپنے اختصار کے نظم کی خوبی میں معتدل ہے اور اپنے فوائد میں زیادتی کے باوجود اس کے الفاظ پسندیدگی کے عین مطابق ہیں۔

حالانکہ اہل عرب اس باب میں بڑی طاقت رکھتے تھے۔ ان کے مرد خطاب میں بہت مشہور تھے اور جمع شعر میں غریب الاستعمال الفاظ و لغت پر بڑے بولنے والے تھے اور ان کی ان لغت میں جن کو وہ بولتے تھے اور ان کے ان جھگڑوں میں جن میں وہ غالب آیا کرتے تھے۔ قرآن کریم ان کو ہر وقت چیلنج کرتا رہا اور ان کے کانوں کو کھٹکھٹاتا رہا اور ان کی پوری جماعت کو ۲۳ سال تک جھنجھوڑتا رہا۔ وہ چیلنج کرتا تھا کہ

امْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ  
 وَاذْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِنْ  
 كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (پ ۱۱۔ یونس ۳۸)

اور فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا  
 فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ ۖ وَاذْعُوا شُهَدَاءَ  
 كُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝  
 فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا. (پ البقرہ ۲۴)

نیز فرمایا:

قُلْ لِّىْنَ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ  
 يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ  
 (پ ۱۵۔ الاسراء ۸۸)

اور فرمایا:

قُلْ فَاتُوا بِعَشْرِ سُوْرِ مِثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ  
 (پ ۱۲۔ ہود ۱۳)

یہ اس لئے کہ جھوٹ کا بنانا آسان ہوتا ہے اور باطل اور بناوٹی کو لے لینا اختیار کے زیادہ قریب ہے اور لفظ جب صحیح معنی کے تابع ہوتا ہے تو وہ بہت دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا لکھتا ہے جیسا اس کو کہا جائے اور فلاں جیسا چاہتا ہے لکھتا ہے۔ لہذا پہلے شخص کے لئے دوسرے پر فضیلت ہے در انحالیکہ دونوں منشاء میں دوری ہے۔

پس نبی کریم ﷺ برابر تحدی کر کر کے خوب جھنجھوڑتے رہے اور ان کو خوب جھڑکتے رہے اور ان کی عقلوں کی سفاہت بتاتے رہے۔ ان کے بلند بانگ دعوؤں کے جھنڈوں کو اتارتے رہے۔ ان کے بڑوں کی شیخیت کو ٹکڑے کرتے رہے اور ان کے جھوٹے معبودوں اور ان کے آباء (کے کرتوتوں) کو برا بتاتے رہے۔ ان کی اراضی، امصار اور اموال کو مباح بناتے رہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ لوگ اس معارضہ میں بھاگتے رہے اور اس کی مماثلت سے اعراض کرتے رہے اور اپنے آپ کو شور و شغب اور تکذیب اور افتراء پر برا بیچنے کرنے میں دھوکہ دیتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ

إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ ۝

یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا۔

(ترجمہ کنزالایمان)

(۲۹۔ البقرہ ۲۳)

یہ تو جادو چلا آتا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(۲۷۔ القمر ۲)

ایک بہتان جو انہوں نے بنالیا (ترجمہ کنزالایمان)  
اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ لی ہیں۔

(۱۸۔ الفرقان ۴)

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اُكْتَبَهَا

(ترجمہ کنزالایمان)

(۱۸۔ الفرقان ۵)

اس قسم کی بہت اور ادنیٰ باتوں سے وہ خوش ہوتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ بھی کہا:

ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں۔

(۱۔ البقرہ ۸۸)

اس بات سے جس کی طرف تم بلا تے ہو۔

فِي آيَةٍ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ.

(ترجمہ کنزالایمان)

(۲۳۔ نجم السجدہ ۵)

ہمارے کانوں میں ٹھینٹ (روٹی) ہے۔

وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ.

(ترجمہ کنزالایمان)

(۲۳۔ نجم السجدہ ۵)

ہمارے تمہارے درمیان روک ہے۔

وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ.

(ترجمہ کنزالایمان)

(۲۳۔ نجم السجدہ ۵)

یہ قرآن نہ سنو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ.

اور اسمیں بیہودہ غل نہ کرو سب پر یونہی تم غالب

وَالغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تُغْلِبُونَ ۝

(ترجمہ کنزالایمان)

(۲۳۔ نجم السجدہ ۲۶) آؤ۔

باوجود وہ اس قدر عاجز ہو جانے کے وہ یہ ڈینگیں مارتے کہ ہم چاہتے تو ضرور اس کی مثل

لے آتے حالانکہ اللہ ﷻ نے ان کو فرمادیا تھا:

(ترجمہ کنزالایمان)

(۱۔ البقرہ ۲۴) ہرگز نہ لاسکو گے۔

وَلَنْ تَفْعَلُوا.

سو وہ اس کے لانے پر قادر نہ ہو سکے اور ان کے جس بے وقوف نے معارضہ کیا جیسے مسیلمہ

کذاب تو اس کا عیب ان سب کے سامنے کھل گیا اور اللہ ﷻ نے ان کی فصاحت کلام کی صفت کو سلب

کر لیا اور نہ عقلمندوں پر یہ مخفی نہیں کہ قرآن ان کی فصاحت کے طرز کا نہیں؟ اور نہ ان کی بلاغت کی جنس

ہے؟ بلکہ وہ اس سے پشت دکھا کر بھاگے اور فرمانبردار بن کے آئے کچھ ہدایت یافتہ ہو کر کچھ فریفتہ

بن کر۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ. بیشک اللہ حکم فرماتا ہے احسان اور نیکی کا۔

(پ۱۳۔ النمل ۹۰)

(ترجمہ کنز الایمان)

اسی وجہ سے جب ولید بن مغیرہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا اس نے کہا کہ خدا کی قسم اس میں حلاوت (مناس) ہے یقیناً اس میں رونق ہے۔ بیشک اس کے نیچے گہرا پانی ہے اور اس کے اوپر کا حصہ پھلدار ہے۔ اس کو انسان نہیں کہہ سکتا۔

(تفسیر درمنثور جلد ۸ صفحہ ۳۳۶)

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے ایک مرد سے سنا کہ وہ پڑھتا تھا:

فَاَصْدَعُ بِمَا تُوْمَرُ. اور علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے۔

(پ۱۳۔ الحجر ۹۳)

(ترجمہ کنز الایمان)

تو اس نے سجدہ کیا اور کہا: میں اس کی فصاحت پر سجدہ کرتا ہوں۔ دوسرے مرد سے سنا کہ وہ

پڑھتا تھا:

فَلَمَّا اسْتَيْسُّوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا. پھر جب اس سے ناامید ہوئے الگ جا کر

(پ۱۳۔ یوسف ۸۰) سرگوشی کرنے لگے (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کی مثل لانے پر قادر نہیں۔

مروئی ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسجد میں سو رہے تھے۔ اتفاقاً آپ نے دیکھا کہ ایک شخص آپ کے سر پر کھڑا کلمہ شہادت پڑھ رہا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ میں روم کے رئیسوں میں سے ہوں اور عرب وغیرہ کے کلام کی خوبیوں کو جانتا ہوں۔

میں نے مسلمان قیدیوں میں سے ایک شخص سے سنا کہ وہ قرآن کی ایک آیت تلاوت کر رہا تھا۔ میں نے اس پر خوب غور کیا۔ تو میں نے اس میں وہ باتیں جمع پائیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دنیا و آخرت کے حالات میں نازل ہوئی تھیں۔ وہ یہ فرمان ہے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ الَّذِي هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا يُؤْتِي مَالًا سَلْبًا وَلَا يُتَقَدَّرُ عَلَيْهِ أَشَيْئًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُ اللَّهُ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

(پ۱۸۔ النور ۵۲) ڈرے اور پرہیزگاری کرے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک باندی کا کلام سنا اور اس سے کہا کہ اللہ ﷻ

تجھے ہلاک کرنے کیساتیرا فصیح کلام ہے۔ اس نے کہا: ہاں لیکن اللہ ﷻ کے اس کلام کی فصاحت کے بعد اس کو شمار کیا جاسکتا ہے۔

اللہ ﷻ نے فرمایا:



وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ.  
ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ اس کو دودھ  
(پ۱۰ القصص ۷) پلاؤ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس ایک ہی آیت میں اللہ ﷻ نے دو امر دو نہی دو خبریں اور دو بشارتیں جمع فرمادیں۔  
اعجاز قرآن میں یہ قسم اللہ ﷻ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ کسی غیر کی طرف یہ منسوب  
نہیں۔ دو قولوں میں یہ قول محقق واضح ہے اور یہ کہ قرآن کریم نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہے اور یہ کہ  
آپ ﷺ لائے ہیں بداہتہ معلوم ہے اور حضور ﷺ کا اس سے تحدی فرمانا بھی صریحاً معلوم ہے اور اہل  
عرب کا اس کی مثل لانے سے عاجز ہونا بھی بدیہی بات ہے اور اس کی فصاحت و خارق عادت کے  
درجہ پر ہونا۔ سو یہ بھی فصحاء اور اقسام بلاغت کے جاننے والوں پر یقیناً معلوم ہے اور سب لوگ فصیح و  
بلغ نہیں ہیں۔ ان کو اتنا جاننا کافی ہے کہ فصیح و بلغ منکرین رب ﷻ کے معارضہ سے عاجز رہے ہیں  
اور افتراء کرنے والے بھی اس کی معجزانہ بلاغت کے معترف رہے ہیں اور جب تم ان آیتوں میں اچھی  
طرح غور کرو گے کہ

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ.  
اور خون کا بدلہ لینے میں تمہارے لئے زندگی ہے

(پ۲ البقرہ ۱۷۹)

اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ  
وَلَوْ تَرَىٰ اِذْ فَزِعُوۡا فَلَاقُوۡتْ وَاٰخِذُوۡا مِّنْ  
مَّكَانٍ قَرِيۡبٍ ۝  
اور اگر تو دیکھے کہ جب وہ گھبراہٹ میں ڈالے  
جائیں گے پھر بیچ کر نہ نکل سکیں گے اور ایک  
قریب جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے۔

(پ۲۲ سبأ ۵۱)

اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اٰحْسَنُ. (پ۲۳ حم السجدہ ۳۴)  
فَاِذِ الَّذِيۡ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ  
حَمِيۡمٌ ۝  
برائی کو بھلائی سے ٹال۔ (ترجمہ کنز الایمان)

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ اُبْلِعِيۡ مَآءِ كِ وَاِذَا سَمَآءُ  
اَقْلَعِيۡ. (پ۱۲ ہود ۴۳)

تو ان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ پر پکڑا تو  
ان میں ہم نے کسی پر پتھراؤ بھیجا (ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۲ العنکبوت ۴۰)

اس کی مثل دوسری آیتیں ہیں بلکہ قرآن کا بیشتر حصہ وہ ہے جب تم اس پر غور کرو گے تو تم پر ثابت ہو جائے گا۔ جو میں نے اس کے لفظوں کے اختصار اس کے معانی کی زیادتی اس کی عبارت کی خوبی اس کے حروف کی ترکیب میں حسن اور ان کے کلمات کا باہم اتصال کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم کے ہر لفظ کے تحت بکثرت جملے متعدد فصلیں اور ان علوم کا ذخیرہ ہے جن میں سے چند باتیں استعارہ کر کے دفتر کے دفتر بھر چکے ہیں اور اس کے مستنبطات میں تو بکثرت مقالے ہیں۔

پھر قرآن کریم طویل قصوں اور گزشتہ زمانوں کی ان خبروں کے بیان کرنے میں جن میں فصحاء کی عادت میں وہ کلام ضعف اور کمزور ہو جایا کرتا ہے اور بیان کی لذت جاتی رہتی ہے ان کو اس خوبی سے ذکر کرتا ہے کہ وہ غور کرنے والے کے لئے ایک معجزہ ہے کہ کس طرح کلام آپس میں مربوط ہے اور کس طرح لڑی سے لڑی ملی ہوئی ہے اور جوہِ بلاغت میں وہ کس طرح قائم ہے۔

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ باوجود طویل ہونے کے۔ پھر جب وہ قصے بار بار آتے ہیں تو باوجود مکرر ہونے کے ان کی عبارتیں مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ ہر ایک قریب ہوتا ہے کہ بیان کی حلاوت میں اپنے ساتھی کو بھلا دے اور حسن میں اس کے مقابل چہرے سے عمدہ جانے اور ان قصوں کے بار بار آنے سے طبیعتوں میں نفرت پیدا نہیں ہوتی اور مکرر عبارتوں سے صرف نظر نہیں کرتا۔

## چوتھی فصل

### اعجاز قرآن کی دوسری وجہ

قرآن کریم معجزہ ہونے کی دوسری وجہ اس کے نظم کی عجیب شکل اور وہ غریب اسلوب (طرز) ہے جو کلام عرب کے اسلوب اور ان کے نظم و نثر کے وہ طریقے تھے جن پر یہ قرآن ہے ان کے خلاف ہے۔ ہر آیت کے آخر میں وقفہ ہے۔ جہاں کلمات کے وصل کی انتہا ہے۔ اس کی نظیر نہ اس سے پہلے پائی جاتی ہے نہ بعد کو اور نہ کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ اس کے کسی حصہ کی مماثلت کر سکے۔

بلکہ اس میں ان کی عقلیں متحیر ہیں۔ اس کی نزدیکی (کے وہم سے) ان کی عقلیں مدہوش ہیں اور اس کی مثل کی طرف اپنے ہم جنس کلام میں خواہ وہ نثر ہو یا نظم، جمع ہو یا رجز و شعر کو راہ نہیں پاتے۔

جب ولید بن مغیرہ نے حضور ﷺ کا کلام سنا اور آپ ﷺ نے اس پر قرآن کی تلاوت فرمائی تو

وہ نرم دل ہو گیا۔ تب اس کے پاس ابو جہل انکار کرتا ہوا آیا۔ اس سے اس نے کہا: خدا کی قسم تم میں سے کوئی بھی شعروں میں مجھ سے بڑھ کر عالم نہیں۔ خدا کی قسم جو کچھ وہ (حضور ﷺ) فرماتے ہیں شعروں

کے مشابہ نہیں۔

ولید کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ جب ولید نے موسم (حج) کے وقت قریش کو جمع کیا تو کہا کہ عرب کے لوگ آئے ہیں تم سب کسی ایک بات پر اتفاق رائے کر لو تا کہ کوئی ایک دوسرے کی تکذیب نہ کرے۔ تو سب نے کہا کہ ہم کاہن کہیں گے۔ اس نے کہا: خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہو سکتے اور نہ اس میں کہانت کی باتیں ہیں۔ اس (کلام) میں کاہنوں جیسا رمز ہے نہ ان کا انداز جمع انہوں نے کہا کہ ہم دیوانہ کہیں گے۔

اس نے کہا کہ وہ دیوانہ بھی نہیں کیونکہ نہ ان کو جن نے پکڑا اور نہ اس نے وسوسہ میں ڈالا۔ انہوں نے کہا تو پھر شاعر کہہ دیں گے۔

اس نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ میں شعر کی قسموں کو خوب جانتا ہوں خواہ وہ رجز ہو یا ہرج۔ اس کا حسن و قبح اس کا بسط و قبض جانتا ہوں۔ وہ شاعر تو ہو ہی نہیں سکتے۔ انہوں نے کہا: پھر تو ساحر (جادوگر) کہہ دیں گے۔

اس نے کہا: وہ ساحر بھی نہیں کیونکہ نہ وہاں جھاڑ پھونک ہے اور نہ گرہ لگانا۔ انہوں نے کہا: بتاؤ پھر کیا کہیں۔ اس نے کہا: اسی میں سے تم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ سب باطل ہے ان باتوں میں قریب سے قریب یہ بات ہو سکتی ہے کہ وہ ساحر ہوں کیونکہ جادو مرد اور اس کے بیٹے بھائی بیوی اور قرابت داروں کے درمیان جدائی کر دیتا ہے۔ پھر انہوں نے جدا جدا ہو کر اپنی اپنی راہ لی اور لوگوں کو ڈرانے لگے۔ اس پر اللہ ﷻ نے ولید کے بارے میں یہ آیت اتاری:

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا۔  
اسے مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔

(پ۲۹۔ المدثر ۱۱) (ترجمہ کنز الایمان)

عقبہ بن ربیعہ نے جب قرآن کریم سنا تو اس نے کہا: اے میری قوم! تم جانتے ہو کہ میں نے کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی جس کو نہ جانا اور نہ پڑھا ہو۔ خدا کی قسم میں نے وہ کلام سنا ہے۔ خدا کی قسم اس جیسا میں نے کبھی نہ سنا۔ نہ تو وہ شعر ہے نہ سحر و کہانت۔ نصر بن حارث نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔

(دلائل النبوة، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۹۸)

حضرت ابو ذرؓ کے اسلام لانے کی حدیث<sup>۱</sup> میں ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی انیس کی تعریف کی اور کہا کہ خدا کی قسم! اپنے بھائی انیس سے بڑھ کر کسی شاعر کو نہ سنا۔ اس نے جہالت کے زمانہ میں بارہ شاعروں سے مقابلہ کیا ہے اور میں ان میں سے ایک میں ہوں۔ وہ مکہ گیا اور ابو ذرؓ

۱۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۲۱۔ ۲۰۔ ۱۹۱۹

کے پاس حضور ﷺ کی خبر لایا۔ میں نے کہا: لوگ کیا کہتے ہیں؟

اس نے کہا: لوگ شاعر کا ہن اور ساحر کہتے ہیں۔ بیشک میں نے کہانت کی باتیں سنی ہیں۔ ان میں وہ باتیں نہیں ہیں اور میں نے ان کے فرمان کو شعر کی اقسام کے مقابل کیا تو وہ اس کے مناسب بھی نہیں۔ میرے بعد کسی کی زبان پر نہ آئے گا کہ وہ شاعر ہیں۔ بلاشبہ وہ یقیناً سچے ہیں اور وہ سب جھوٹے۔ اس بارے میں بکثرت احادیث صحیحہ مروی ہیں۔ اور قرآن کا معجزہ ہونا دونوں قسموں پر ہے۔

بذاتہ اعجاز و بلاغت (اعجاز و بلاغت کے لحاظ سے)

اور بذاتہ اسلوب غریبہ۔ (طرز عجیب کے لحاظ سے) ان دونوں میں سے ہر ایک حقیقتہ ایک قسم کا معجزہ ہے۔ اہل عرب اس کی کسی ایک قسم پر بھی مماثل لانے پر قادر نہیں ہو سکے کیونکہ ہر ایک قسم ان کی قدرت سے خارج ہے اور ان کی فصاحت و کلام سے مباین ہے۔

اور اسی طرف چند محققین اور بعض بزرگ گئے ہیں کہ قرآن کریم اپنی بلاغت و اسلوب کے مجموعہ میں معجزہ ہے۔ اس سلسلہ میں وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو گوش گراں اور قلب بیزار ہیں۔ حالانکہ صحیح وہی بات ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور ان سب کا علم ضروری اور قطعی ہے۔ جو شخص فنون علوم بلاغت سے واقف ہے اور اس صفت کے ادب نے اس کے دل اور زبان کو تیز کر دیا ہے اُس پر جو ہم نے کہا ہے مخفی نہیں ہے۔

آئمہ اہل سنت رحمہم اللہ ان کے عجز کے وجوہات میں مختلف ہیں۔ ان میں سے بیشتر تو یہ فرماتے ہیں کہ ان کے عجز کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو لطیف معانی، چنیدہ الفاظ، حسن نظم اور اس کا اختصار لاجواب ترکیب و اسلوب جمع کئے گئے ہیں وہ کسی بشر کی طاقت میں نہیں ہے اور یہ ان خواریق میں سے ہے جن پر مخلوق کی قدرت محال ہے۔ مثلاً مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کو بدل کر اڑدھا بنانا، کنکریوں کی تسبیح کرنا وغیرہ۔

اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ قرآن کریم ان معجزات ناممکنہ میں سے ہے کہ اس کا ہم مثل لانا کسی بشر کی قدرت و اختیار کے تحت داخل ہو۔ سوائے اس کے کہ اس پر اللہ ﷻ ان کو قدرت دے لیکن یہ بات نہ پہلے ہوئی اور نہ آئندہ۔ لہذا اللہ ﷻ نے ان کے لئے اس کو محال کر کے ان کو اس سے عاجز کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس کی قائل ہے۔

بہر حال دونوں طریقوں سے اہل عرب کا عاجز ہونا ثابت ہو چکا اور ان پر حجت قائم ہو چکی

ہے کہ جو مقدور بشر میں صحیح ہے اور ان سے معارضہ کرنا کہ اس جیسا لاؤ قطعاً ہے اور ان کو عاجز کرنے کا عمدہ طریقہ ہے اور ان کو تنبیہ کرنے کا بہترین اسلوب اور اس طرح پر حجت قائم کرنا کہ ان جیسا کوئی انسان ایسی شے لائے کہ انسان کی قدرت میں نہ ہو لازمی ہے۔ یہ کھلا ہوا نشان اور دلیل قاطع ہے۔

بہر حال انہوں نے اس بارے میں کوئی کلام نہیں کیا بلکہ جلا وطنی اور قتل پر صبر کیا اور ذلت و حقارت کے پیالوں سے انہوں نے گھونٹ بھرا (یعنی جزیہ وغیرہ دینا گوارا کیا) حالانکہ وہ لوگ ایسی اونچی ناک والے مغرور تھے کہ باختیار خود اس کو نہ گوارا کر سکتے تھے اور لاچار کے سوانہ اس سے وہ راضی ہو سکتے تھے ورنہ اگر اس پر معارضہ کرنا ان کی قدرت میں ہوتا تو اس (ذلت و حقارت اور جلا وطنی وغیرہ) پر معارضہ کرنے میں مشغول ہونا ان کو آسان تھا اور کامیابی کے ساتھ قطع عذر اور اپنے مخالف کو خاموش کرانے میں ان کو بہت جلدی ہوتی۔

حالانکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو کلام پر قدرت تھی اور وہ کلام کی معرفت میں سب کے پیشوا تھے اور ان میں سے ہر ایک اس بات کا کوشاں تھا کہ وہ قرآن کے ظہور کو خفا میں اور اس کے نور کو بجھانے میں اپنا سارا سرمایہ خرچ کر دے لیکن اس بارے میں انہوں نے اپنے منہ کی بیٹیوں (الفاظ) سے سینہ کا چھپا راز ظاہر نہ کیا اور اپنے میٹھے چشموں سے باوجود مدت دراز کثرت تعداد باپ بیٹوں کی باہمی کوشش سے تھوڑا سا قطرہ بھی نہ لائے۔ بلکہ وہ سب ناامید ہو گئے۔ پس وہ مایوس کئے گئے اور انہیں روک دیا گیا۔ تو اس سے رک گئے۔ یہ قرآن کے اعجاز کی دو قسمیں ہیں۔

## پانچویں فصل

### اعجاز قرآن کی تیسری وجہ

یہ ہے کہ وہ ان غیبی خبروں پر مشتمل ہے جو ابھی نہ ہوئے اور نہ ان کا وقوع ہوا اور جتنے ہو چکے ہیں وہ ویسے ہی ہوئے۔ جیسے قرآن نے خبر دی تھی۔ مثلاً اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ بَيْتِكَ تَمَّ ضَرُورَ مَسْجِدِ حَرَامٍ فِي دَاخِلٍ هُوَ كَإِذَا لَمْ يَكُنْ فَتَدْخُلُوهُ فَكُلٌّ لِّلْمُؤْمِنِينَ (پ۱۔ الفتح ۲۷) چاہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝ اور وہ اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں (پ۱۔ الروم ۳) گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ط

کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔

(۲۶۔ الفتح ۲۸) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ .  
اور اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انہیں زمین میں

(۱۸۔ النور ۵۵) خلافت دے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ  
أَفْوَاجًا ۚ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۗ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (پ۳۔ النصر۔ ۳)  
جب اللہ کی مدد اور فتح آئے۔ اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ تمام کی تمام غیبی خبریں ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ چند سالوں میں روم فارس پر غلبہ حاصل کرے گا اور فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہوں گے۔ جس وقت حضور ﷺ نے پردہ فرمایا تو اسلام اس وقت تک تمام بلاد عرب میں داخل نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کی خلافت میں اسلام پہنچا اور ان کے زمانہ میں ان کے دین پر غلبہ حاصل ہوا اور مشرق و مغرب کے کناروں تک ان کی خلافت ہوئی۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے لئے زمین سیکڑی گئی۔ میں اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب میری امت کو وہ جگہ ملے گی جتنی میرے پیش نظر ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۲۲۱۵)

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ .  
بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود

(پ۱۔ الحجر ۹) اس کے نگہبان ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پس یہ قرآن ایسا ہے کہ کوئی اس کے قریب تک نہیں جاسکتا کہ اس میں کسی قسم کا تغیر کر سکے اور کوئی ملحد و گمراہ اس کے محکمت کو بدل سکے۔ خصوصاً قرامطہ (کے ملاحدہ و مصلحہ وغیرہ) کہ ان کے تمام مکڑ

دھوکے کی رسیاں اور ان کی طاقتیں آج تک یعنی پانچ سو سال تک (جو کتاب الشفاء کی تصنیف کا وقت ہے) رائیگاں گئیں اور اس کے نور کو تھوڑا سا بھی بجھانے پر قادر نہ ہوئے اور نہ اس کے کلام میں ادنیٰ سا تغیر کر سکے اور نہ اس کے حروف میں سے ایک حرف سے بھی مسلمانوں کو شک و شبہ میں ڈال سکے۔ والحمد للہ اور انہیں غیبی خبروں میں سے یہ ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝  
اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور پٹھیں پھیر  
(پے۔ القمرہ ۲۵) دیں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ.

ان سے جہاد کرو اللہ انہیں عذاب دے گا۔  
(پے۔ التوبہ ۱۲)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔  
(پے۔ الفتح ۲۸)

لَنْ يَضُرُّوَكُمْ إِلَّا آذَىٰ ط وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ.

وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر یہی ستانا اگر تم سے لڑیں۔  
(پے۔ آل عمران ۱۱۱)

(ترجمہ کنز الایمان)

یہ سب کچھ واقعات اسی طرح ہوئے۔

اور انہیں امور غیبیہ میں سے یہ بھی ہے کہ منافقوں کے بھید اور یہودیوں کی باتیں اور ان کی

جھوٹی قسموں کا اظہار اور ان کو جھڑکنا وغیرہ۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ط

اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں اس پر جو کچھ ہم کہتے ہیں عذاب کیوں نہیں کرتا۔

(پے۔ المجادلہ ۸)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور اس کا فرمان کہ

يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ط

وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔  
(پے۔ آل عمران ۱۵۲)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا سَمَاعُونَ لِلْكَذِبِ اور بعض یہودی جھوٹ خوب سنتے ہیں۔

(پ۔ المائدہ ۳۱) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ اللہ کی باتوں کو ان ٹھکانوں سے بدل دیتے ہیں

(پ۔ المائدہ ۱۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ نے اس بات کو جو مقدر کیا تھا اور مسلمانوں کا اعتقاد تھا، یوم بدر ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

وَأَذِيعُكُمْ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهُمَا لَكُمْ وَتَوُدُّونَ أَنْ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ. اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دو گروہوں میں ایک تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا

(پ۔ الانفال ۷) کھڑکا نہیں۔ (کوئی نقصان نہ ہو) (ترجمہ کنز الایمان)

اور اسی امور غیبیہ کے اظہار میں سے اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے کہ

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ بیشک ہم ان ہنسنے والوں پر تمہیں کفایت کر دیں

(پ۔ الحج ۹۵) گے۔ (اس کو ہلاک کر دیں گے) (ترجمہ کنز الایمان)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو بشارت دی کہ اللہ ﷻ نے ان سے محفوظ کر دیا اور ہنسنے والے مکہ میں چند لوگ تھے کہ لوگوں کو آپ ﷺ سے نفرت دلاتے تھے اور آپ کو ایذا میں دیتے تھے۔ پس ہلاک کر دیئے گئے اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (پ۔ المائدہ ۶۷) اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا (ترجمہ کنز الایمان)

پس یہ ایسا ہی ہوا۔ باوجودیکہ آپ ﷺ کو بہت سے لوگوں نے ضرر پہنچانے اور آپ ﷺ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس بارے میں معروف احادیث صحیحہ مروی ہیں۔

## چھٹی فصل

### اعجاز قرآن کی چوتھی وجہ

قرآن کے معجزہ ہونے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس میں قرن ماضیہ، امم سابقہ، شرائع نافذہ

۱۔ طبرانی، اوسط دلائل النبوة، معملی دلائل النبوة، ابو نعیم ابن مردودہ، سید حسن ضیاء فی الخوار، ابن عباس جلد ۵ صفحہ ۱۰، کفائی مسائل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۵



قدیمہ سے ان باتوں کی غیبی خبریں دی ہیں جن کو سوائے اہل کتاب کے ایک عالم کے جس نے اپنی عمر کو اس کے سیکھنے پر صرف کر دی تھی کوئی نہیں جانتا تھا اور نبی کریم ﷺ اس کو بالکل واقعہ کے مطابق ایسا بیان فرمادیتے تھے کہ وہ عالم آپ ﷺ کی تصدیق کرتا اور اس کی صحیح مانتا تھا۔ حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتا تھا جتنا آپ ﷺ بیان فرمادیتے تھے۔

لوگ یہ خوب جانتے تھے کہ آپ ﷺ اُمی ہیں۔ آپ ﷺ نے کہیں لکھنا پڑھنا بظاہر سیکھا نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ میں بیٹھے اور نہ کسی اہل علم کی مجلس میں رہے اور نہ ان سے کسی وقت اوچھل رہے اور نہ ان میں سے کوئی آپ ﷺ کے حال سے ناواقف تھا اور اکثر اہل کتاب ہی آپ ﷺ سے پہلوں کے متعلق سوالات کرتے رہتے تھے۔ اس پر آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوتا اور آپ ﷺ اس کو پڑھ کر سناتے۔

جیسے وہ قصے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوم کے بارے میں ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی۔ اصحاب کہف، حضرت ذوالقرنین، حضرت لقمان اور ان کے بیٹے اور اس کے مثل دیگر اخبار قبلیہ ہیں۔

بدء خلق کی خبریں اور جو کچھ تورات و انجیل اور زبور اور حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں ہے ذکر فرماتے جن کی علماء تصدیق کرتے تھے اور جو کچھ قرآن میں مذکور ہے اس کو جھٹلانے کی ان میں قدرت نہ تھی۔ بلکہ وہ انہیں یقینی جانتے تھے۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہوئے کہ انہیں سابقہ علم کی بنا پر ایمان کی توفیق ہو گئی اور کچھ بد بخت دشمن اور حاسد بن گئے۔ باوجود اس کے ہر ایک یہودی و نصرانی آپ ﷺ کی عداوت میں سخت اور آپ ﷺ کی تکذیب میں حریص تھے اور آپ ﷺ ان پر ان کی ہی کتابوں کے اقوال و احکام سے حجت کر کے ان کی سرزنش فرماتے اور جو ان کی کتابوں میں ہیں اس کو بیان فرماتے۔

وہ لوگ حضور ﷺ سے کثرت سے سوالات کر کے انبیاء علیہم السلام کی غیبی خبروں اور ان کے علوم کے بھیدوں اور ان کی سیرت پاک کی خصلتوں اور امانتوں کے بارے میں آپ ﷺ کو رنج میں ڈالتے تھے۔ آپ ﷺ ان کو ان کی شریعتوں کے چھپے ہوئے احکام اور ان کی کتابوں کے مضامین سے آگاہ فرماتے۔ مثلاً ان کا سوال روح علیہما السلام حضرت ذوالقرنین، اصحاب کہف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام حکم رحم اور وہ چیزیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام فرمائیں اور وہ جانور جو بنی اسرائیل پر حرام کیے گئے اور وہ پاک چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں مگر بغاوت و سرکشی کی وجہ سے ان پر حرام کر دی گئیں۔ ان سب کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے اور اللہ ﷻ کا فرمان

ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التُّورَاتِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي  
الْإِنْجِيلِ ۗ (پ۔ الخ ۲۹) انجیل میں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ان کی وہ باتیں جو قرآن میں نازل ہوئیں (سوال کرتے رہتے) آپ نے ان کا جواب دیا اور ان کو باتیں بتلا دیں جو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر وحی فرمائی۔ اس بارے میں کسی ایک نے بھی اس کا نہ انکار کیا اور نہ اس کو جھٹلایا۔ بلکہ ان کے اکثر لوگوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی صحت کی تصریح کی اور آپ ﷺ کے ارشادات کو سچ مانا اور آپ ﷺ کے ساتھ دشمنی و حسد کا اعتراف کیا جیسے نجران والے ابن صوریہ اور اخطب کے دونوں بیٹوں اور ان کے سوا دوسرے ہیں اور جس نے اس میں بہتان طرازی کی اور یہ دعویٰ کیا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ اس کے برخلاف ہے جو آپ ﷺ بیان کرتے ہیں تو اس کو اپنی دلیل کے ثابت کرنے کی طرف بلایا اور اپنے دعویٰ کی وضاحت کو کہا گیا۔ چنانچہ حضور ﷺ سے فرمایا گیا: اے محبوب آپ ان سے فرمادیں کہ توریت لاؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔ (ظالموں تک) پھر ان کی سرزنش و توبیخ فرمائی اور ممکن غیر ممتنع چیز کے لانے کی طرف بلایا۔ ان میں سے کچھ تو اپنے دانستہ انکار کے معترف ہوئے اور کچھ بے شرم ہو کر اپنی رسوائی کی وجہ سے اپنی کتاب پر ہاتھ رکھنے لگے اور یہ کسی سے بھی منقول نہیں کہ حضور ﷺ کے ارشادات کے خلاف کسی نے اپنی کتاب سے ظاہر کر کے دکھلایا ہو اور نہ صحیح کو ظاہر کیا اور نہ اپنی کتابوں سے ضعیف کو بتایا۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

يٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ  
لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ  
الْكِتَابِ يَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝

اے کتاب والو بیشک تمہارے پاس ہمارے یہ  
رسول لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ  
چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا رکھی تھیں۔

(پ۔ المائدہ ۱۵) (ترجمہ کنز الایمان)

## ساتویں فصل

### اعجازِ قرآن بسبب تعجیز قوم

قرآن کریم کے معجزے کی یہ چار قسمیں ظاہر ہیں۔ ان میں نہ کسی کا نزاع ہے اور نہ شک۔ معجزے کی ان وجوہات میں سے سوا وہ آیتیں بھی ہیں جو کسی قوم کی تعجیز کے لئے ان کے کسی معاملہ میں وارد ہیں اور ان کو اس کی خبر دے دی گئی کہ وہ ہرگز نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے کرنے پر قادر نہ ہوئے۔ جیسے اللہ ﷻ نے یہودیوں کے لئے فرمایا:

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً ۖ (پا البقرہ ۹۳) تمہارے لئے ..... (ترجمہ کنز الایمان)

ابو اسحق زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ یہ آیت ان پر بڑی حجت ہے اور رسالت کی صحت پر روشن دلیل ہے۔ فرمایا: فَتَمَنُّوا الْمَوْتَ. (پا البقرہ ۹۳) تم موت کی آرزو کرو۔ اس نے ان کو خبردار کر دیا کہ وہ ہرگز کبھی بھی موت کی آرزو نہ کریں گے۔ تو ان میں سے کسی نے بھی موت کی تمنا نہ کی۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ان میں سے کوئی بھی اگر اس کی تمنا کرے تو اس کے گلے میں تھوک اٹکے گا یعنی اسی وقت مر جائے گا۔ (دلائل النبوة: بیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۷۴، مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۲۴۸)

پس اللہ ﷻ نے موت کی تمنا سے باز رکھا اور ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا تا کہ اپنے رسول ﷺ کی سچائی اور آپ ﷺ پر جو وحی آتی ہے اس کی صحت ظاہر ہو جائے۔ اس لئے ان میں سے کسی نے اس کی تمنا نہ کی۔ باوجودیکہ وہ آپ ﷺ کے جھٹلانے میں بہت حریص تھے اگر وہ اس کی قدرت رکھتے لیکن اللہ ﷻ وہی کرتا ہے جس کا ارادہ فرمائے۔ پس اس کے ساتھ اس کا معجزہ ظاہر ہوا اور اس کی حجت واضح ہو گئی۔

ابو محمد اصیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا یعنی یہودیوں کا عجیب معاملہ یہ ہے کہ جس دن اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیا تو ان میں سے کوئی گروہ یا کوئی شخص بھی ایسا نہ پایا جو آپ ﷺ کے سامنے آتا اور جواب دیتا اور جو شخص آج بھی اس کے امتحان کرنے کا ارادہ رکھے تو یہ حکم آج بھی سامنے موجود ہے۔ اسی طرح اس معنی میں آیت مباہلہ ہے جبکہ آپ ﷺ کے پاس نجران کے پادری آئے اور انہوں نے اسلام کا انکار کیا تو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر آیت مباہلہ نازل فرمائی اور فرمایا:

فَمَنْ حَاجَّكَ. (پا۔ ال عمران ۶۱) پس جو آپ سے حجت کرے تو (ترجمہ کنز الایمان)

تو وہ اس سے باز رہے اور جزیہ دینے کی ذلت پر راضی ہو گئے۔ اس کا واقعہ یوں ہوا کہ عاقب جو ان پادریوں کا سردار تھا اس نے ان سے کہا:

تم یقیناً جانتے ہو کہ بیشک یہ نبی ﷺ ہیں اور یہ کہ جب بھی کسی نبی ﷺ نے کسی قوم سے مباہلہ کیا تو ان کا نہ بڑا رہا اور نہ چھوٹا اور اسی طرح اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

وَأِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ مِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا.

اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے اس (خاص) بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورہ لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ لاسکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے (پہا البقرہ ۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اس میں ان کو خبر دے دی کہ وہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ آیت اگرچہ ”اخبارِ عَنِ الْغَيْبِ“ کے باب سے بھی ہے لیکن اس میں بھی عاجز کرنا پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے موجود ہے۔

## آٹھویں فصل

### اعجازِ قرآن بسبب رُعب و دبدبہ

قرآن کریم کے وجوہات اعجاز میں وہ رُعب و قوت ہے جو اس کے سننے سے دلوں کو اور اس کے سنانے سے کانوں کو لاحق ہوتا ہے اور وہ ہیبت ہے جو اس کی تلاوت کے وقت اس کے جاہ و جلال سے دلوں کو پیش آتی ہے۔ یہ حالت اس کے جھٹلانے والوں پر بہت بڑی تھی یہاں تک کہ وہ اس کے سننے کو بھاری سمجھتے اور (یہ چیز) اس کی نفرت کو زیادہ کرتی تھی۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا اور ان کا اس کے پڑھنے کو نہ پسند کرتے ہو۔ یہ ان کی طبعی گرانی کی وجہ سے تھا۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص پر قرآن سخت اور مشکل ہے جو اس سے بیزاری کرے۔ کیونکہ وہ حاکم ہے۔ (یعنی حق و باطل میں تمیز کر دیتا ہے) لیکن مسلمان تو ہمیشہ اس کی تلاوت کرتے رہنے کی وجہ سے اس کے ہیبت و خوف کی تصدیق کرتے رہتے ہیں اور اس کو ہنسی خوشی اور میلان طبع کے ساتھ تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ  
حُ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ  
اللَّهِ ط

جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس سے ان کے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور دل ذکر الہی سے نرم پڑ جاتے ہیں۔ (پہا۔ الزمر ۲۳) ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ. اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر اتارتے تو ضرور اسے  
(پ۲۸- الحشر ۲۱) دیکھتا جھکا ہوا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ دلیل اس امر پر کہ یہ قوت قرآن کریم کے ساتھ خاص ہے وہ یہ کہ جو شخص نہ اس کے معانی جانتا ہے اور نہ اس کی تفسیر اس کو بھی رقت طاری ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ ایک نصرانی سے مروی ہے کہ وہ ایک قاری کے پاس گزرا اور وہ ٹھہر گیا۔ وہ روتا تھا۔ اس سے پوچھا گیا: کس نے تجھ کو رلایا۔ اس نے کہا کہ اس کی خوشی اور اس کے نظم نے اور یہی وہ قوت ہے جس کا ایک جماعت نے قبل اسلام اور بعد اسلام اعتراف کیا ہے۔ پس ان میں سے کچھ تو ابتداء ہی میں اسلام لاکر اس پر ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے کفر کیا۔

صحیح روایت میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب کی نماز میں سورہ طور کو سنا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ  
○ أَمْ خَلِقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَأُ  
يُوقِنُونَ ○ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ  
هُمُ الْمَصْطَرُونَ ○

کیا وہ کسی اصل سے نہ بنائے گئے یا وہی بنانے والے ہیں۔ آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کیے بلکہ انہیں یقین نہیں یا ان کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں وہ کڑوڑے حاکم اعلیٰ ہیں

(پ۲۹- الطور ۳۷-۳۵) (ترجمہ کنز الایمان)

تو قریب تھا کہ میرا دل اسلام کی طرف اڑ جائے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ پہلی بات تھی کہ اسلام کی عزت میرے دل میں بیٹھی۔

عتبہ بن ربیعہ سے مروی ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اپنی قوم کے اختلاف کے بارے میں بات کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر یہ تلاوت فرمایا: حم ○ فَصَلَّتْ (الی قولہ)  
صَاعِقَةٍ عَادٍ وَثَمُودٍ. (پ۲۳- حم السجدہ ۱-۱۳۶۳)

تو عتبہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اپنے قرابت داری کی قسم دلاتے ہوئے کہا کہ بس کیجئے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھے سن رہا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ تک پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور عتبہ کھڑا ہوا اور نہیں جانتا تھا کہ کدھر لوٹے یا اس کا جواب دے۔ وہ اپنے گھر میں گیا اور اپنی قوم کی طرف نہیں گیا۔

یہاں تک وہ لوگ آئے۔ اس نے ان سے معذرت چاہی اور کہا کہ خدا کی قسم!

انہوں نے مجھ سے ایسا کلام کیا۔ واللہ میرے کانوں نے کبھی ایسا نہ سنا اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا جواب دوں۔ اس کے سوا بہت سے ایسے لوگوں نے بیان کیا کہ جو آپ ﷺ کی مخالفت و معارضت کرتے رہتے تھے کہ ان کو خوف و ہیبت طاری ہو جاتی جس سے وہ رک جاتے تھے۔

مروی ہے کہ ابن مقفع نے آپ ﷺ سے معارضہ کرنا چاہا۔ وہ چلا اور قصہ بیان کرتا رہا۔ وہ ایک بچے پر گزرا کہ وہ تلاوت قرآن کر رہا تھا۔

وَقِيلَ يَا رَضُّ ابْلِغِي مَاءَ كِبِ.

(پہلے صودہ ۲۴)

کہا گیا: ”اے زمین اپنا پانی نکل لے۔“

(ترجمہ کنز الایمان)

وہ لوٹ آیا اور جو اس نے کیا تھا اس کو مٹا دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ان کا معارضہ

نہیں ہو سکتا۔ وہ انسان کا کلام ہی نہیں ہے۔ حالانکہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فصیح تھا۔

یحییٰ ابن حکم غزال اپنے زمانہ میں اندلس کا سب سے زیادہ بلیغ شخص تھا۔ تو مروی ہے کہ اس

نے اس میں کچھ معارضہ کیا۔ جب اس نے سورہ اخلاص پر غور کیا کہ اس پر اس کا مثل لائے اور اپنے گمان میں اس طرز پر لکھے تو اس نے کہا کہ مجھے ایسی ہیبت و رقت طاری ہو گئی کہ اس نے مجھے توبہ اور رجوع کی طرف پھیر دیا۔

## نویں فصل

قرآن ہمیشہ رہے گا

قرآن کے بیان کئے ہوئے وجوہات اعجاز میں سے ایک یہ معجزہ ہے کہ اس کی آیتیں باقی رہنے والی ہیں کبھی معدوم نہ ہوں گی جب تک دنیا باقی ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ.

بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود

(پہلے الحجرت ۹) اس کے نگہبان ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ

خَلْفِهِ ط

(پہلے حم السجدہ ۲۴) سے نہ اس کے پیچھے سے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات اپنی مدتوں کے گزرنے کے بعد ختم ہو گئے۔ اب سوائے ان کی خبروں کے کوئی باقی نہیں لیکن قرآن کی آیتیں روشن اور اس کے معجزات ظاہر ہیں۔ آج تک کہ اس کے اوپر پانچ سو پینتیس سال گزر چکے ہیں۔ (جو کتاب الثفاء کی تصنیف کا وقت ہے)

اس کے ابتداء نزول سے لے کر ہمارے وقت تک برابر یہ حجت قاہرہ ہے۔ اس کا معارضہ محال ہے اور ہر زمانہ میں اہل بیان، حاملان علم لسان (زبان) ائمہ بلاغت، شہسواران کلام، اساتذہ کالمین موجود رہے ہیں۔ (بفضلہ تعالیٰ ۱۳۷۹ھ تک سب کے سب اس کے معارضہ سے دشمن اسلام عاجز رہے ہیں) باوجودیکہ محمدین (ہر زمانہ میں) بکثرت تھے اور دشمنان دین و شریعت ہر وقت تیار رہے مگر ان میں سے ایک بھی جو اس کے معارضہ پر اثر انداز ہونہ لاسکا اور نہ اس کے جواب میں کوئی اور کلمہ مرتب کرسکا اور نہ صحیح وہ طعن کر سکے اور نہ کسی نے بتکلف اپنے ذہن سے ایسی جرح کی مگر یہ کہ وہ چقماق کے ساتھ بخیل رہا۔ ہر دور میں یہ بات منقول رہی کہ جس نے بھی اس کے معارضہ کا ارادہ کیا اس نے اپنے ہاتھوں کو عجز میں ڈالا اور ایڑیوں کے بل الٹا واپس ہونا پڑا۔

## دسویں فصل

### اعجاز قرآن کی مختلف وجوہات

ائمہ و مقلدین امت رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس کا پڑھنے اور سننے والا کبھی سیر نہیں ہوتا اور نہ وہ اکتاتا ہے بلکہ اس کی تلاوت کی زیادتی میں مزید شیرینی اور لذت پاتا ہے اور اس کو بار بار پڑھنے سے اس کی محبت جڑ پکڑتی جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ تروتازہ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور کلام اگر چہ وہ کتنی ہی خوبی والا انتہائی بلیغ ہو اس کو بار بار پڑھنے سے دل اکتا جاتا ہے اور جب اس کا اعادہ کیا جائے تو طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔

اور ہماری کتاب قرآن کریم کو اس سے تنہائیوں میں لذت حاصل کی جاتی ہے اور خاص حالتوں میں اس کی تلاوت سے طبیعت کو انس و راحت ہوتی ہے اور اس کے سوا دوسری کتابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ حتیٰ کہ ان کتابوں کے موجدین یا ماننے والوں نے اس کے لئے راگ اور طریقے نکالے ہیں اور اس کے پڑھتے وقت ان راگوں کے ذریعے خوشی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ وہ بار بار پڑھنے میں زیادتی کے باوجود متغیر اور پرانا نہ ہوگا اور

نہ اس کی عبرتیں ختم ہوں گی اور نہ اس کے عجائبات فنا ہوں گے۔ وہ قول فیصل ہے کھیل کو نہیں ہے۔  
کبھی علماء اس سے سیر نہ ہوں گے اور نہ طبیعتیں اس سے بھریں گی اور نہ زبانیں اس سے  
مشتبہ ہوں گی۔ (ہر کلام میں خدا کا کلام ممتاز رہتا ہے)

(سنن ترمذی کتاب فضائل قرآن جلد ۲ صفحہ ۲۲۲، داری کتاب فضائل قرآن جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)

یہ وہ کلام ہے کہ جب جنات نے اس کو سنا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہم نے عجیب قرآن  
سنا کہ جو بھلائی کی ہدایت فرماتا ہے۔

ان (وجوہ اعجاز) میں سے ایک یہ ہے۔ قرآن کریم تمام علوم و معارف کا مجموعہ ہے عام طور پر  
جس سے اہل عرب ناواقف تھے اور خود حضور ﷺ بھی خصوصیت کے ساتھ قبل نبوت اس کی معرفت سے  
نا آشنا تھے اور نہ ان کے ساتھ ان کی مداومت تھی اور نہ ان کا کوئی گزشتہ امتوں کے علماء احاطہ کر سکے اور  
نہ ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ان پر مشتمل تھی۔ قرآن میں شریعتوں کے علوم جمع کئے گئے اور  
دلائل عقلیہ کے طریقہ پر اس میں تنبیہ کی گئی۔ گزشتہ امتوں کے فرقوں کے براہین قویہ، اولہ بینہ کے  
ساتھ آسان لفظوں میں مختصر مفہوموں سے رد کیا گیا۔ ہوشیار و زیرک لوگوں نے اس کی مثل دلائل  
لانے میں معارضہ کرنا چاہا وہ اس پر قادر نہ ہو سکے۔ جیسے اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اولیس الذی خلق السموات والأرض	کیا وہ ذات جس نے آسمان اور زمین بنائے
بقادر علی أن یخلق مثلہم ط (پ ۲۳ یسین ۸۱)	ان جیسے اور نہیں بنا سکتا کیوں نہیں
قل یحییہا الذی انشاہا اول مرۃ۔	تم فرماؤ انہیں وہ ہی زندہ کرے گا جس نے پہلی
(پ ۲۳ یسین ۷۹)	بار انہیں بنایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

لو کان فیہما الہة الا اللہ لفسدتا۔	اگر آسمان و زمین میں خدا کے سوا کوئی اور خدا
(پ ۱ الانبیاء ۲۳)	ہوتا تو ضرور وہ تباہ ہوتا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہاں تک کہ قرآن نے ان کو گھیر لیا ہے۔ خواہ وہ سیرت کے علوم ہوں یا گزشتہ امتوں کی غیبی  
خبریں، نصیحتیں، حکمتیں، قیامت کی خبریں، محاسن آداب و خصلت وغیرہ۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

ما فرطنا فی الکتب من شیء۔	اور ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا۔
(پ ۱ الانعام ۳۸)	(ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:



وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۖ هَم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان  
(پہلا نخل ۸۹) ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

نیز فرمایا:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۖ هَم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر  
(پہلا نخل ۲۷) قسم کی کہاوت بیان فرمائی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ ﷻ نے قرآن کو حکم دینے والا تنبیہ کرنے والا  
سیدھے راستے کی ہدایت کرنے والا اور مثالوں کے ذریعہ تم سے پہلی گزشتہ امتوں کی خبروں اور غیبی  
باتوں کا بتانے والا اور تمہارے بعد والوں کے غیبی حالات و خبریں اور جو تمہارے سامنے ہے ان کا حکم  
بیان کرنے والا کلام نازل فرمایا:

جس کو بار بار پڑھنے کے باوجود وہ پرانا نہ ہو اور نہ اس کے عجائبات ختم ہوں۔ وہ حق ہے کھیل  
کو نہیں ہے جس نے اس کے ساتھ کہا سچ کہا اور جس نے اس کے موافق حکم دیا انصاف کیا اور جس  
نے اس کے ساتھ حجت کی وہ کامیاب ہو اور جس نے اس کے ساتھ تقسیم کی اس نے عدل کیا جو اس پر  
عمل کرے گا ثواب پائے گا اور جو اس کو مضبوط تھا مے گا وہ صراط مستقیم کی ہدایت پائے گا۔  
اور جس نے اس کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈا اس کو اللہ ﷻ نے گمراہ کر دیا اور جس نے اس کے  
بغیر حکم دیا اللہ ﷻ اس کو ہلاک کرے گا۔ وہ حکمت والا ذکر نور مبین ہے صراط مستقیم ہے اللہ ﷻ کی  
مضبوط رسی ہے نفع بخش شفا ہے۔ حفاظت اس کو جو اس کے ساتھ تمسک کرے نجات ہے اس کو جو اس  
کا اتباع کرے وہ ٹیڑھا نہ ہوگا کہ اس کو سیدھا کیا جائے۔ وہ کجر نہیں ہے کہ عتاب کا مستحق بنے۔ اس  
کے عجائبات ختم نہ ہوں گے اور کثرت تلاوت اس کو متغیر و پرانا نہ کرے گی۔

(سنن ترمذی کتاب فضائل قرآن جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ داری کتاب فضائل قرآن جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)

اسی کے مثل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس بارے میں انہوں نے کہا کہ نہ اس  
میں اختلاف ہے نہ جدت طرازی۔ اس میں اولین و آخرین کی غیبی خبریں ہیں۔

ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ سے اللہ ﷻ نے فرمایا: میں تم پر تورات کی باتیں اتاروں گا  
جس کے ذریعہ اندھی آنکھیں بہرے کان اور دلوں کے پردے کھل جائیں گے۔ اس میں علوم کے  
دریا بہتے ہوں گے جو حکمتوں کا فہم اور دلوں کی بہار ہوگی۔

(مصنف ابن شیبہ کما فی مناقب الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۸)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تم قرآن کو لازم پکڑو کہ یہ عقلوں کی سمجھ اور حکمت کا نور

ہے۔ اللہ عز وجل فرماتا ہے:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقْصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ  
أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۝

بیشک یہ قرآن ذکر فرماتا بنی اسرائیل سے اکثر  
وہ باتیں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۲۰۔ النمل ۷۶)

اور فرمایا:

هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى (پال عمران ۱۳۸) یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا ہے (ترجمہ کنز الایمان)  
قرآن کریم میں باوجود مختصر الفاظ اور جوامع کلمات ہونے کے ان کتابوں کی بہ نسبت جو اس  
سے پہلی ہیں اور ان میں دگنے الفاظ ہیں دگنے چوگنے معانی جمع کئے گئے ہیں۔

ان میں سے ایک معجزہ قرآن میں دلیل و مدلول کے مابین جمع کرنے میں ہے یہ اس طرح پر  
کہ جس نے نظم قرآن کے ساتھ اس کے وصف اور اس کے اختصار و بلاغت کی عمدگی سے بحث پکڑی  
اسی بلاغت کے درمیان سے اس کا امر اس کی نہی اور وعدہ و وعید بھی موجود پائے گا۔ پس تلاوت کرنے  
والا حجت و تکلیف کے ساتھ ہی ایک ہی کلام یا ایک ہی سورت سے اس کو سمجھ لے گا۔

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو ایسے نظم و ترتیب میں رکھا ہے کہ جو پہلے رائج نہ  
تھی۔ اس کو نثر کا مقام بھی نہیں دے سکتے کیونکہ نظم طبیعتوں میں زیادہ آسان ہوتا ہے اور دل اس کو  
جلدی یاد کر لیتا ہے اور کان اس سے زیادہ آشنا ہوتے ہیں اور طبیعتوں کو زیادہ مرغوب ہوتا ہے۔ پس  
لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں اور خواہشیں اس کی طرف زیادہ جاتی ہیں۔

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ اللہ عز وجل نے اس کا حفظ کرنا متعلم کے لئے آسان کر دیا اور  
حفظ کرنے والوں کو اس کا یاد رکھنا سہل کر دیا۔

اللہ عز وجل نے فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ.

ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کے لیے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۲۱۔ القمر ۲۲)

اور گزشتہ امتوں میں سے کوئی بھی اپنی کتابوں کو یاد نہیں کرتا تھا تو اب ساہا سال گزر جانے  
کے بعد کیسے یاد کریں گے اور قرآن کریم تو تھوڑی مدت میں بچوں کے لئے یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔  
ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ اس کا ایک جز دوسرے جز کے مشابہ ہے۔ تالیف کے انواع

اور ترکیب جمل کے اقسام میں اس کی عمدگی اور ایک قصہ سے دوسرے قصہ کی طرف اور ایک باب سے دوسرے باب کی طرف باوجود اختلاف معانی کے خوبی سے انتقال کرنا اور ایک ہی سورہ میں امر نہی، خبر، استفہام، وعدہ و وعید، اثبات نبوت و توحید، تفرید و ترغیب و ترہیب وغیرہ فوائد اس کے فصلوں میں بغیر کسی خلل کے واقع ہونے کے موجود ہونا۔

حالانکہ کلام فصیح میں جب اس قسم کی باتیں آجائیں تو اس کی قوت میں کمزوری آجاتی ہے اور اس کی مضبوطی نرم ہو جاتی ہے اور اس کی رونق کم ہو جاتی ہے اور اس کے الفاظ مضطرب ہو جاتے ہیں (مگر قرآن کریم میں اصلاً فرق نہیں آتا) اب تم سورہ ص کے ابتدائی حصہ پر غور کرو کہ اس میں کس طرح کفار کی خبریں، ان کی شقاوتیں اور ان سے پہلے گزشتہ زمانوں میں لوگوں کی ہلاکت بیان کرنے کے ساتھ ان کی سرزنشیں بیان کی ہیں اور کس طرح حضور ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کے ذکر کے ساتھ ان کے تعجب کا جواب ذکر کیا ہے اور ان کی جماعت کا کفر پر جمع ہونا اور ان کی باتوں سے حد کا ظاہر ہونا، ان کو عاجز کرنا، ان کو ذلیل کرنا اور ان کو دنیا و آخرت کی رسوائی سے ڈرانا، ان سے پہلی امتوں کا جھٹلانا، اللہ ﷻ کا ان کو ہلاک کرنا ان سب کی وعید ان کی مصیبتوں کی طرح، ان کی اذیتوں پر حضور ﷺ کا صبر فرمانا، آپ ﷺ کو گزشتہ نبیوں کے ذکر سے تسلی دینا۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ دوسرے نبیوں کے قصوں کا ذکر کرنا یہ سب باتیں مختصر کلام میں اور عمدہ ترتیب سے لانا (یہ قرآن کا خاص معجزہ ہے)

اور ان (وجوہ اعجاز) میں سے ایک یہ ہے کہ بہت سے ایسے جملوں کو جو تھوڑے کلمات پر مشتمل ہیں (بیان کرنا) یہ ساری باتیں اور بہت سی وہ باتیں جو ہم نے وجوہ اعجاز قرآن میں بیان کی ہیں، ان کو یہاں ذکر نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے اکثر بلاغت کے فن سے متعلق ہیں۔ ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اس کے اعجاز میں ایک تنہا فن اس کتاب میں جو فن بلاغت میں نہیں ہے، تفصیل کے ساتھ بیان کریں۔ اسی طرح بہت سی وہ وجوہ جو ہم نے آئمہ رحمہم اللہ سے نقل کر کے پہلے بیان کیا ہے۔ اس کے خواص اور فضائل میں نہ تو ان کے اعجاز کا اعادہ کرنا مناسب جانا۔

حقیقتاً قرآن کریم کے وجوہ اعجاز تو وہ چار ہی ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ انہیں پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ قرآن کریم کے خواص اور اس کے عجائبات سے متعلق ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گے۔ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ.

## گیارہویں فصل

معجزہ شق القمر و جس الشمس (چاند کے پھٹنے اور سورج کے رکنے کا معجزہ)

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ ۝

پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند۔

(۲۱۔ القمر)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ

مُسْتَمِرٌّ. (۲۲۔ القمر)

وہ اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھرتے اور کہتے یہ تو جادو ہے چلا آتا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ نے ماضی کے صیغہ سے چاند کے ٹکڑے ہونے کی خبر دی اور اس پر کفار کے اعراض اور انکار آیت کی خبر دی۔ مفسرین اہل سنت کا اس کے وقوع پر اجماع ہے۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور دوسرا پہاڑ کے پیچھے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو یعنی دیکھ لو۔

مجاہد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور اعمش رضی اللہ عنہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ منیٰ میں یہ واقعہ ہوا اور یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اسود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور کہا یہاں تک کہ میں نے پہاڑ کو اس کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

اس بارے میں مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ واقعہ مکہ میں ہوا اور یہ زیادہ صحیح ہے کہ تب کفار قریش نے کہا: تم پر ابن ابوکبشہ نے جادو کیا۔

ان میں سے ایک مرد نے کہا کہ محمد ﷺ اگر چاند پر جادو کریں تو وہ جادو اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ تمام روئے زمین مسحور ہو جائے۔ بس ان سے پوچھو جو دوسرے شہروں سے آ رہے ہیں۔ کیا انہوں نے یہ دیکھا ہے۔

جب وہ آئے تو ان سے پوچھا۔ انہوں نے اس کی خبر دیتے ہوئے کہا کہ ایسا ایسا سب نے دیکھا ہے۔

اسی کے مثل ضحاک رضی اللہ عنہ سے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ تب

ابو جہل کہنے لگا: یہ جادو ہے۔ تم باہر کے لوگوں کی طرف بھیجوتا کہ دیکھیں کہ انہوں نے یہ دیکھا ہے یا نہیں۔ تو باہر والوں نے خبر دی کہ انہوں نے چاند ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ تو اس وقت کفار نے کہا۔  
هَذَا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ یہ ہمیشہ کا جادو ہے۔ اس کو علقمہ علیہ السلام نے بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۶۵، صحیح مسلم کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۲۵۸، تفسیر درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۷، مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۴۱۲)

یہ چار راوی تو وہ ہیں جنہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ جیسا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ چنانچہ ان میں سے حضرت انس بن عباس، ابن عمر، حذیفہ، علی، جبر بن مطعم رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سے کہا: چاند ٹکڑے ہوا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کو کوئی نشانی دکھائیں تو ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان کوہ حرا نظر آتا تھا۔

قنادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور معمر رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا دوسروں کی روایت میں جو کہ قنادہ رضی اللہ عنہ اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دو مرتبہ تاکید کے ساتھ دکھایا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاِنْشَقَّ الْقَمَرُ (پ۲۔ القمر) روایت کیا اس کو جبر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے محمد اور ان کے برادر زادے جبر بن محمد رضی اللہ عنہ نے اور روایت کیا اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے اور روایت کیا اس کو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مجاہد رضی اللہ عنہ نے اور روایت کیا اس کو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ابو عبد الرحمن سلمیٰ رضی اللہ عنہ اور مسلم بن ابی عمران ازوی رضی اللہ عنہ نے۔ ۷

۱۔ صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۶۰، صحیح مسلم کتاب علامات مناقب جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۸

۲۔ صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۶۰، صحیح مسلم کتاب علامات مناقب جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۹

۳۔ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۷۲، صحیح مسلم کتاب علامات مناقب جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۹

۴۔ تفسیر درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۷

۵۔ دلائل النبوة بہیجی جلد ۲ صفحہ ۲۶۸، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۸۱

۶۔ ترمذی، مسند امام احمد، مستدرک، بحوالہ تفسیر درمنثور جلد ۷ صفحہ ۶۷

۷۔ ان تمام کے حوالجات ابھی گزرے ہیں۔

ان حدیثوں کے اکثر طرق (اسناد) صحیح ہیں اور آریہ کریمہ اس کی تصحیح کرتی ہے اور اس باطل اعتراض کی طرف التفات نہ کرنا چاہئے کہ اگر یہ ہوتا تو اہل زمین پر پوشیدہ نہ رہتا کیونکہ وہ سب پر ظاہر ہے اور یہ اعتراض اس لئے (باطل) ہے کہ ہمارے پاس یہ بات اہل زمین کی طرف سے منقول نہیں ہے کہ وہ اس رات گھات میں لگے رہے ہوں اور انہوں نے چاند کے ٹکڑے ہوتے نہ دیکھا اور اگر ہم تک ایسے لوگوں کی روایت منقول بھی ہوتی جن کا جھوٹ پر بوجہ کثرت میلان جائز نہیں تو تب بھی ہم پر یہ حجت نہیں ہوتی۔

کیونکہ چاند تمام زمین والوں کے لئے ایک حال پر نہیں ہوتا۔ بلاشبہ ایک قوم پر دوسری قوم سے پہلے طلوع کرتا ہے اور کبھی زمین میں سے ایک قوم پر دوسرے کی طرف مخالف سمت میں ہوتا ہے یا قوم اور اس کے درمیان بادل یا پہاڑ حائل ہو۔ (کیا تم دیکھتے نہیں) کہ ہم بعض شہروں میں چاند گرہن پاتے ہیں اور بعض میں نہیں اور کسی شہر میں گرہن جزوی ہوتا ہے اور کسی میں پورا اور بعض جگہ اس کو صرف وہی پہچانتے ہیں جو اس علم کے مدعی ہیں۔ ذَالِك تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ. (پہ الانعام ۹۶) یہ برتر علیم کی قدرت ہے۔

اور یہ کہ چاند کا معجزہ تو رات کے وقت تھا اور عادتاً لوگوں میں رات کو آرام و سکون ہوتا ہے۔ دروازے بند ہوتے ہیں اور کام کاج سے علیحدہ اور آسمان کے امور کو ان لوگوں کے سوا جو کہ اس کے منتظر ہوں اور اس کی گھات میں ہوں کم لوگ پہچانتے ہیں۔ اسی لئے چاند گرہن اکثر ملکوں میں نہیں ہوتا اور اکثر لوگ اس کو جانتے ہی نہیں چہ جائیکہ اس کی خبر دیں اور اکثر ثقہ حضرات بتاتے ہیں جو انہوں نے عجائبات کا مشاہدہ کیا ہے۔ یعنی آسمان پر چمک بڑے بڑے ستارے آسمان پر رات کو چڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن اور کسی کو ان کا علم نہیں ہوتا۔

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”مشکل الحدیث“ میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے دو طریقوں سے حدیث کی تخریج کی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے گود میں سر مبارک رکھے محو استراحت تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نماز عصر ادا نہیں کی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے علی کرم اللہ وجہہ الکریم تم نے نماز پڑھ لی؟ عرض کیا: نہیں۔ تب آپ نے دعا کی: اے خدایہ تیری اطاعت میں اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے تو ان پر سورج کو واپس کر دے۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتے دیکھا اور پہاڑوں اور زمین پر ٹھہرا رہا۔ (طبرانی کمانی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۹)

یہ واقعہ خیبر کے راستہ میں منزل صہباء کا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں اور ان کے راوی معتبر (ثقف) ہیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے۔ اس شخص کو جو علم سے واقف ہے زیبا نہیں کہ حدیث اسماء رضی اللہ عنہا کی صحت سے تخلف (اختلاف) کرے اس لئے کہ یہ علامات نبوت میں سے ہے۔

یونس بن بکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”زیادۃ المغازی“ میں روایت کرتے ہیں۔ یہ روایت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوئی تو اور آپ ﷺ نے اپنی قوم کے قافلوں کی خبر اور اونٹوں کی علامتیں بتائیں۔ تو انہوں نے کہا: وہ کب آئیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ چہار شنبہ کو آئیں گے۔

پس جب وہ دن آیا تو قریش کے شرفاء انتظار کرنے لگے اور دن گزرنے لگا اور قافلہ نہیں آیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو ایک گھڑی دن زیادہ ہو گیا اور آپ ﷺ پر سورج رکا رہا۔

(صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۳ صحیح مسلم کتاب فضائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۳)

## بارہویں فصل

انگشتہائے مبارک سے پانی بہنا اور آپ ﷺ کی برکت سے اس کا زیادہ ہونا اس بارے میں احادیث بہت زیادہ مروی ہیں اور حضور ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا بہنا صحابہ کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ ان میں سے حضرت انس جابر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے حال میں دیکھا کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا اور لوگ پانی تلاش کر رہے تھے۔ مگر پانی نہ ملا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور اپنے دست مبارک کو اس برتن میں رکھ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی ابلتے ہوئے دیکھا۔ پس لوگوں نے وضو کیا یہاں تک کہ دوسروں نے (یعنی) سب نے وضو کیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور کہا کہ ایک برتن جس میں پانی تھا اپنی انگلیوں کو اس میں ڈبو دیا اور برابر ڈبوئے رکھا۔

بعد کو پوچھا: تم کتنے تھے؟

انہوں نے کہا کہ تین سو آدمی تھے اور ایک روایت میں انہی سے ہے کہ وہ بازار کے نزدیک مقام زوراء میں تھے۔ نیز اس کو حمید ثابت اور حسن رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔  
حمید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ میں نے کہا: تم کتنے تھے؟ انہوں نے کہا: ہم اسی (۸۰) تھے۔ اسی کے مثل ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ستر (۷۰) آدمیوں کے قریب تھے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت میں جو انہیں سے مروی ہے روایت کی۔ جس اثناء میں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے پاس پانی نہ تھا تو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس بچا ہو پانی ہو مانگ لو۔ پانی لایا گیا اور اس کو برتن میں ڈال دیا تو آپ نے اس میں اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ تب پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں کی مانند ابلتا تھا۔

اور سالم بن ابی جعدہ رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت میں ہے جو جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک چڑے کا برتن تھا تو آپ نے اس سے وضو کیا اور لوگوں نے آگے ہو کر عرض کیا: ہمارے پاس پانی نہیں۔ صرف وہی پانی ہے جو آپ ﷺ کے برتن میں ہے۔ تو حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک برتن میں رکھ دیا۔ پس پانی آپ ﷺ کی انگلیوں سے چشمے کی مانند جوش مارنے لگا اور اس حدیث میں ہے کہ میں نے کہا: تم کتنے تھے؟ فرمایا: اگر ایک لاکھ آدمی بھی ہوتے تو ہمیں وہ پانی کفایت کرتا۔ ہم صرف پندرہ سو آدمی تھے۔

اسی کی مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اس میں یہ ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے۔ رسید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو جابر رضی اللہ عنہ سے مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی طویل حدیث میں غزوہ بواطہ میں مذکور ہے۔ کہا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جابر رضی اللہ عنہ! وضو کے لئے آواز دو اور لمبی حدیث بیان کی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ سوائے چند قطروں کے مشکیزے میں پانی نہ تھا۔ تب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا۔ مجھے معلوم نہیں کیا پڑھا۔ پھر فرمایا: قافلہ کے ڈول کو لاؤ۔ میں نے لا کر حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔  
راوی نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ڈول میں رکھا اور انگلیاں پھیلا دیں اور جابر

۱۔ صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۵۴

۲۔ صحیح مسلم کتاب فضائل جلد ۴ صفحہ ۱۵۳

۳۔ مقدمہ سنہ ۱۰۱۰ ہجری ۱۴۱۱ھ صفحہ ۱۴



ﷺ نے اس پر وہ پانی ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بسم اللہ۔

راوی نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مار رہا تھا۔ پھر وہ ڈول کا پانی جوش مارنے لگا اور گھومنے لگا۔ حتیٰ کہ ڈول بھر گیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو پانی پینے کا حکم دیا۔ سب نے خوب پیا یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔ میں نے کہا: کوئی باقی ہے جس کو پانی کی حاجت ہو؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو ڈول سے نکال لیا اور وہ ویسا ہی بھرا ہوا تھا۔

شععی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ کی خدمت میں پانی کا برتن لایا گیا اور عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔ بجز اس کے جو اس برتن میں ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو بڑے برتن میں ڈال دیا اور اپنی انگلی کو اس کے درمیان میں رکھا اور پانی میں ڈبو دیا۔ لوگ آتے تھے اور وضو کر کے کھڑے ہوتے جاتے تھے۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس باب میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔<sup>۱</sup> (خلاصہ کلام یہ کہ) ایسے بڑے جلسوں اور مجمع کثیر میں کسی راوی پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ اس لئے کہ صحابہ کرام ایسے شخصوں کو جو غلط خبر دے بہت جلدی جھوٹا کہہ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کی جبلت میں یہ بات تھی اور اس لئے بھی کہ صحابہ کرام باطل پر خاموش رہنے والے نہ تھے۔ انہیں صحابہ نے بیشک اس کو روایت کیا ہے اور اس کی اشاعت کی اور حضور ﷺ کی طرف جم غفیر کے سامنے نسبت کی ہے۔ کسی نے بھی ان میں سے ان لوگوں پر جنہوں نے ان سے روایت کیا کہ انہوں نے یہ کہا اور مشاہدہ کیا ہے انکار نہیں کیا۔ تو اب ایسا ہو گیا کہ گویا ان سب نے اس کی تصدیق کی ہے۔

## تیرھویں فصل

### مزید معجزات

اس کے مشابہ آپ ﷺ کے معجزات میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی برکت سے زمین پھاڑ کر پانی کا نکلنا ہے جو کہ آپ کے چھونے یا دعا کرنے سے ہوتا تھا۔ اس بارے میں وہ روایت ہے جو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”موطا“ میں فرمائی۔

غزوہ تبوک کے قصہ میں معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام ایک ایسے چشمہ پر

۱۔ صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۲

۲۔ صحیح مسلم کتاب فضائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۲

اترے جس میں جوتی کے تسمہ کی مانند پانی نکلتا تھا۔ صحابہ چلو لگا دیتے جب وہ بھر جاتا تو کسی میں جمع کر لیتے پھر حضور ﷺ نے جب اس پانی سے اپنا چہرہ انور اور دست مبارک دھولے تو اس غسل مبارک کو اس چشمہ میں لوٹا دیا۔ پھر تو پانی بکثرت جاری ہو گیا۔ سب نے خوب پیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں کہتے ہیں پھر تو پانی زمین پھاڑ کر اس تیزی اور شور سے نکلا جیسے کڑک کی آواز ہوتی ہے۔ پھر کہا: اے معاذ ﷺ، اگر تمہاری زندگی ہوئی تو دیکھو گے کہ اس جگہ سرسبز و شاداب باغ ہوں گے۔

براء اور سلمہ بن رکوع رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اور یہ حدیث قصہ حدیبیہ میں زیادہ مکمل ہے کہ صحابہ کرام چودہ سو تھے اور وہ کنواں صرف اتنا تھا کہ اس سے پچاس بکریاں پانی پیتی تھیں تو ہم نے اس سے پانی بھر لیا اور اس میں ایک قطرہ پانی نہ چھوڑا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اس کے کنارے تشریف فرما ہوئے۔ براء ﷺ کہتے ہیں کہ اس میں سے ڈول لایا گیا۔ آپ ﷺ نے لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی۔ سلمہ ﷺ کہتے ہیں کہ پھر یا تو لعاب دہن ڈالا یا دعا فرمائی۔ تو اس نے جوش مارا پھر تو تمام اس سے سیراب ہوئے اور اپنے جانوروں کو پلایا۔

ان دونوں روایتوں کے علاوہ اس قصہ حدیبیہ میں ابن شہاب کی سند سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ترکش سے تیر نکالا اور اس کو ایسے گڑھے کے وسط میں رکھا جس میں پانی نہ تھا۔ تو سب لوگ خوب سیراب ہوئے یہاں تک کہ اونٹوں کو پانی پلا کر دوبارہ پینے کے لئے بٹھا دیا۔ (اسی کو عطن کہتے ہیں) حضرت ابو قتادہ ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک سفر میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے آفتاب (وضو کرنے کا برتن) منگوا لیا۔ اس کو بغل میں رکھا پھر اس کے منہ کو اپنے دہن اقدس میں رکھا۔ واللہ اعلم آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا یا نہیں۔ تو لوگوں نے خوب سیراب ہو کر پیا اور جتنے برتن ان کے پاس تھے سب کو بھر لیا۔ مجھے خیال آیا کہ وہ تو ایسا ہی ہے جیسا مجھے آپ ﷺ نے لیا تھا۔ حالانکہ وہ بہتر (۷۲) آدمی تھے۔ اس کی مثل عمران بن حصین ﷺ نے بھی روایت کی۔

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو قتادہ ﷺ کی حدیث اس کے خلاف بیان کی ہے جو صحاح میں مذکور ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اہل موتہ کی مدد کے لئے اس وقت نکلے جب آپ کو یہ خبر ملی تھی کہ بڑے بڑے صحابہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ طویل حدیث بیان کی جس میں آپ ﷺ کے

۱۔ صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۴

۲۔ صحیح مسلم کتاب دلائل النبوة للبخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۹

۳۔ دلائل النبوة للبخاری جلد ۶ صفحہ ۱۳۲

۴۔ دلائل النبوة للبخاری جلد ۶ صفحہ ۱۳۲

بہت سے معجزات اور نشانیاں ہیں۔ اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ کل ان کو پانی نہیں ملے گا اور آفتابہ والی حدیث کو بیان کیا اور کہا کہ وہ لوگ تقریباً تین سوتھے۔

کتاب مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے لئے اپنے آفتابہ کی حفاظت کرنا عنقریب اس سے ایک غیبی خبر نمودار ہوگی اور اس کی مثل بیان کیا۔

اس بارے میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو پیاس لگی۔ تو آپ ﷺ نے اپنے دو صحابہ کو بھیجا اور بتایا کہ فلاں جگہ تم کو ایک عورت ملے گی جس کے ساتھ ایک اونٹ ہوگا۔ اس پر دو مشکیزے ہوں گے۔ تو ان دونوں نے اس کو پالیا اور لے کر آپ ﷺ کے پاس آگئے۔ آپ ﷺ نے ایک مشکیزے سے برتن میں پانی ڈالا۔

راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے جو چاہا اس میں پڑھا پھر دونوں مشکیزوں میں وہ پانی لوٹا دیا اور دونوں کا منہ کھول دیا اور لوگوں کو حکم دیا تو انہوں نے اپنے برتن بھر لئے اور کوئی برتن ایسا نہ چھوڑا جس کو بھرانہ ہو۔ عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ مشکیزے ویسے ہی بھرے ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو کھانا دو یہاں تک کہ اس کا کپڑا بھر دیا اور فرمایا: جاؤ تمہارے پانی سے ہم نے کچھ نہیں لیا ہے۔ لیکن اللہ ﷻ نے ہم کو سیراب کر دیا۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا پانی ہے؟ تو ایک شخص برتن لایا جس میں چند قطرے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کو ایک پیالہ میں لوٹ لیا۔ ہم سب نے اس سے وضو کیا اور خوب استعمال کیا۔ حالانکہ ہم چودہ سوتھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ”جیشنِ عمرت“ میں ہے اور انہوں نے بیان کیا کہ سب کو پیاس لگی۔ یہاں تک کہ ایک مرد نے اپنے اونٹ کو ذبح کیا اور اس کی اوجھ کو نچوڑ کر پی گیا۔ تب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت ﷺ کی خدمت میں بغرض دعا حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اٹھائے ابھی ان کو لوٹا یا نہ تھا کہ آسمان سے بارش ہونے لگی۔ جتنے برتن ان کے پاس تھے سب بھر لئے اور حال یہ تھا کہ بارش لشکر سے باہر نہ تھی۔ (دلائل النبوة بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۳۱، مجمع الزوائد جلد ۶ صفحہ ۱۹۴، ۱۹۵) عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ابو طالب نے جب حضور ﷺ کے رویف (یعنی اونٹ پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے) تھے۔ آپ ﷺ سے وادی ذوالحجاز میں کہا کہ مجھے پیاس لگی اور میرے پاس پانی نہیں۔ اس وقت نبی کریم ﷺ اترے اور اپنے قدم مبارک کو زمین پر مارا تب پانی نکل آیا۔ فرمایا: اے ابو طالب پی لیجئے۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ۱۵۲)

اس باب میں بکثرت احادیث ہیں۔ اسی میں سے استسقاء میں دعا مانگنا اور جو اس کے ہم

جنس ہے۔

## چودھویں فصل

### طعام میں زیادتی

آپ ﷺ کے معجزات میں سے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کی برکت و دعا سے طعام زیادہ ہو جاتا تھا۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بالا سند روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کچھ کھانے کو مانگا۔ آپ ﷺ نے اس کو نصف وسق جو مرحمت فرمائے (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) تو وہ خود اور اس کی بیوی اور مہمان سب برابر کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن اس نے ناپ لیا۔ پھر اس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اس کو ناپتا نہیں تو، تو ہمیشہ اس کو کھاتا رہتا اور یہ تمہارے لئے بڑھتا رہتا۔ (صحیح مسلم کتاب فضائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۴)

اور اس بارے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ان جو کی چند روٹیوں کو جنہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ بغل میں دبا کر لائے تھے اور آپ ﷺ نے اس کو ٹکڑے کر کے اس پر جو چاہا پڑھا تھا۔ ستر یا اسی آدمیوں کو کھلایا۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۴ صحیح مسلم کتاب الاشریہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے غزوة خندق کے دن ایک صاع (تقریباً سوا چار سیر) جو اور ایک بکری سے ایک ہزار آدمیوں کو کھانا کھلایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں سب نے خوب کھایا حتیٰ کہ چھوڑ کر چلے گئے اور ہماری ہانڈی اسی طرح بھری ہوئی جوش مار رہی تھی اور آٹے سے روٹی پک رہی تھی (یہ برکت اس وجہ سے ہوئی) کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹے اور ہانڈی میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تھا اور برکت کی دعا کی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۸۹)

اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سعید بن مضاء رضی اللہ عنہ اور ایمن رضی اللہ عنہ نے اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی کے مثل ایک مرد انصاری اور اس کی بیوی سے جن کا نام معلوم نہیں روایت کی ہے اور کہا کہ ایک ہتھیلی بھر کھانا لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو کھانے کے برتنوں میں ملا دیا اور پڑھا جو اللہ ﷻ نے چاہا اور اس میں سے جو گھر میں تھا یعنی کمرہ اور صحن وغیرہ میں سب نے کھایا۔ حالت یہ تھی کہ یہ گھرانے لوگوں سے جو حضور ﷺ کے ساتھ آئے تھے بھر گیا تھا۔ سب کے پیٹ بھرنے کے بعد برتنوں میں ویسا کا ویسا ہی باقی رہ گیا۔ (طبقات ابن سعد، مکافی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۲۱)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے اتنا کھانا تیار کیا کہ ان دونوں کو ہی کافی ہوتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ انصار کے بزرگوں میں سے تمیں آدمیوں کو بلا لو۔ انہوں نے بلا لیا۔ سب نے کھایا اور چھوڑ گئے۔ پھر فرمایا: ساٹھ آدمیوں کو بلا لو۔ تو کھانا ان کے بعد بھی اتنا ہی تھا۔ پھر فرمایا: ستر آدمیوں کو بلا لو۔ ان سب نے بھی کھایا یہاں تک وہ بھی چھوڑ گئے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ نکلا جس نے اس کے بعد اسلام قبول نہ کیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نہ کی ہو۔

ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے کھانے سے ایک سو اسی آدمیوں نے کھایا۔

(دلائل النبوة بیہقی جلد ۶ صفحہ ۹۴)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کڑھاؤ (بڑا برتن) لایا گیا۔ جس میں گوشت (پکا ہوا) تھا۔ تو یکے بعد دیگرے صبح سے شام تک ایک قوم کھڑی ہوتی اور دوسری بیٹھتی جاتی تھی۔

(سنن مقدمہ داری جلد ۱ صفحہ ۳۱، دلائل النبوة بیہقی جلد ۶ صفحہ ۹۳، مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۲)

اس بارے میں حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم ایک سو تیس آدمی تھے اور حدیث میں ذکر ہے کہ انہوں نے ایک صاع (یعنی سوا چار سیر کے قریب) آٹا گوندھا اور ایک بکری ذبح کی تھی، سو اس کی کلیجی بھونی گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ایک سو تیس آدمیوں میں سے ہر ایک اس کلیجی کو چھری سے کاٹتا تھا۔ پھر اس کے گوشت سے دو کڑھاؤ بھر لئے اور سب نے خوب کھایا اور دونوں میں بیچ رہا۔ تو ہم نے اس کو اونٹ پر لاد لیا۔ (کہ بعد کوراہ میں کھالیں گے)

(صحیح بخاری کتاب الاطعمہ جلد ۷ صفحہ ۶۰، صحیح مسلم کتاب الاشریہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۷)

اور اس بارے میں عبدالرحمن بن ابی عمرہ انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور اس کی مثل سلمہ بن اکوع اور حضرت ابو ہریرہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان سب نے ایک پریشانی کا ذکر کیا جو ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں پیش آئی تھی۔

تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے ہوئے کھانوں کو منگوایا تو کوئی ایک مٹھی بھر کھانا لایا اور کوئی اس سے زیادہ۔ ان میں سے جو زیادہ سے زیادہ لایا وہ ایک صاع کھجوریں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو ایک دسترخوان پر جمع کر دیا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اندازہ لگایا تو وہ سب اونٹ کے پالان کے برابر تھا (یعنی اتنا اونچا ڈھیر تھا جتنا اونٹ کا پالان ہوتا ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان کے برتنوں کے ساتھ بلایا۔ تو لشکر میں سے کسی کا برتن ایسا نہ تھا جو بھرنہ گیا ہو اور اس میں سے بھی بیچ رہا۔

۱۔ دلائل النبوة بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۳۰، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۵۶-۵۵

۲۔ مسند ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ مسند جبرکافی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۲۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اصحاب صفہ کو بلانے کا حکم فرمایا۔ میں نے انہیں ڈھونڈ کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ تب ہمارے آگے ایک برتن رکھا گیا جس میں سے ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور کھانا اس میں اس طرح موجود رہا جیسا کہ پہلے تھا مگر یہ کہ اس پر انگلیوں کے نشان نظر آتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اولاد عبدالمطلب کو جمع فرمایا اور وہ چالیس مرد تھے۔ ان میں سے کچھ تو وہ لوگ تھے جو ایک دو سالم اونٹ کا بچہ کھا جاتے اور ایک فرق (یعنی وہ برتن جس میں سولہ رطل تقریباً آٹھ سیر چیز آئے) پانی کا پی جاتے۔ آپ نے ان کے لئے ایک مُد یعنی ایک سیر کھانا تیار کرایا۔ آپ نے انہیں کھلایا یہاں تک کہ وہ سب شکم سیر ہو کر کھا گئے اور کھانا جتنا تھا ویسا ہی باقی رہا۔ پھر ایک برتن دودھ منگوایا اور اس میں سے پلایا وہ سب خوب سیراب ہو گئے۔ لیکن وہ ویسا کا ویسا ہی باقی رہا گویا کہ اس میں سے پیا ہی نہ گیا ہے۔ (مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۱۵۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب اُمّ المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو ان کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو بلائیں جن کے نام آپ ﷺ نے فرمائے ہیں اور ہر اس شخص کو دعوت دے دیں جو تم کو ملیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کا کاشانہ اقدس (گمر) اور حجرہ شریف لوگوں سے بھر گیا تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے ایک طشت رکھا جس میں ایک مُد تقریباً ایک سیر کھجوروں کا ملیدہ تھا۔

پھر آپ ﷺ نے اس کو اپنے آگے رکھا اور اپنی تین انگلیاں اس میں ڈالیں اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ کھاتے تھے اور نکلتے جاتے تھے اور وہ مالیدہ طشت میں جیسا تھا ویسا ہی باقی رہا اور کھانے والے اکہتر یا بہتر تھے اور ایک روایت میں اس قصہ کے یا اس جیسے قصے میں ہے کہ وہ تین سو مرد تھے۔ ان سب نے کھایا حتیٰ کہ شکم سیر ہو گئے۔ مجھ سے ارفع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کھانا اس وقت زیادہ تھا جب رکھا تھا یا اس وقت جب اٹھایا گیا۔ (صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۵۲۷ صحیح مسلم کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۰)

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت (خاتون جنت) فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صبح کے کھانے کے لئے ایک ہانڈی پکائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ساتھ کھانا ملاحظہ فرمائیں۔ پھر حضور ﷺ نے ان کو بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایک پیالہ آپ کی تمام بیویوں (امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن) کو بھیج دیا۔ پھر حضور ﷺ کے لئے اور حضرت علی کریم اللہ وجہ کے لئے پھر اپنے لئے رکھا۔ جب ہانڈی

اٹھائی تو وہ ویسی ہی بھری ہوئی تھی۔ فرماتی ہیں: تو ہم نے اس سے کھایا جتنا خدا نے چاہا۔

(طبقات ابن سعد، سند منقطع کافی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۲۲)

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آٹھس کے چار سو سواروں کو زادِ راہ دو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم چند صاع سے زیادہ نہیں ہے۔ فرمایا: جاؤ۔ پس وہ گئے۔ اس سے ان کو توشہ دینے لگے اور حال یہ تھا کہ وہ کھجوریں اونٹنی کے بچہ کے بیٹھنے کے مانند تھیں مگر وہ اپنی حالت میں باقی رہیں۔ یہ دیکھ کر احمسی اور جریر رحمہم اللہ کی روایت کے بموجب ہے اور اس کے مثل نعمان بن مقرن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جو بعینہ یہی ہے مگر اتنا زیادہ ہے کہ کہا وہ مزینہ کے چار سو سوار تھے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۶۵، مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۳۵، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۴۲۷)

اور اس بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو ان کے والد کے مرنے کے بعد قرض کے سلسلے میں ہے کہ انہوں نے اپنا اصل مال قرض خواہ کے قرضہ میں دے دیا مگر انہوں نے اس کو قبول نہ کیا۔ درانحالیکہ ان کے کھجوروں کے باغ کے پھل چند سالوں میں بھی ان کے قرض کی کفالت نہ کر سکتے تھے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے پھل کاٹ کر ڈھیر کر لو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس ڈھیر میں چلے اور دعا فرمائی۔

پھر جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے قرض خواہوں کو اس سے دے دیا پھر اتنا بچ رہا جتنا ہر سال پھل لیتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اتنا بچ رہا جتنا ان کو دیا۔ انہوں نے کہا کہ قرض خواہ یہودی تھے۔ انہوں نے اس سے بہت تعجب کیا۔ (صحیح بخاری کتاب الحجۃ جلد ۳ صفحہ ۱۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو پریشانی (بھوک) پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں توشہ دان میں کچھ کھجوریں ہیں۔

فرمایا: میرے پاس لاؤ۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ڈال دیا اور مٹھی بھر کر نکالا اور پھیلا دیا اور برکت کی دعا فرمائی۔

پھر فرمایا: دس مردوں کو دو۔ تو انہوں نے کھایا حتیٰ کہ شکم سیر ہو گئے۔ پھر فرمایا: تم لے لو جو تم لائے تھے اور اپنا ہاتھ ڈال کر مٹھی سے نکال لیا کرو۔ اس کو الٹانا نہیں جتنا میں لایا تھا اس سے زیادہ پر قبضہ کیا۔

پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات (ظاہری) اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت

تک اس سے خود کھاتا اور کھلاتا رہا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو وہ مجھ سے لوٹ لیا گیا اور وہ چلا گیا۔

(دلائل النبوة جلد ۶ صفحہ ۱۱۰ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۵۸۵)

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے اس میں سے اتنے اتنے وسیق (ساٹھ صاع) کھجوریں اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کر دیں اور اس حکایت کی مثل غزوہ تبوک میں بھی ذکر کیا گیا کہ دس سے کچھ زیادہ کھجوریں تھیں۔

انہیں میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی ہے۔ جب انہیں بھوک نے ستایا تو حضور ﷺ نے اپنے پیچھے آنے کو فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک پیالہ میں دودھ پایا جو آپ ﷺ کو ہدیہ پیش کیا گیا تھا۔ ان کو حکم دیا کہ اہل صفہ کو بلا لو۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ اتنا سا دودھ ان میں کیا ہوگا۔ میں زیادہ مستحق تھا کہ جو بھوک مجھے لگی ہوئی تھی اس کو پیتا اور اس سے طاقت حاصل کرتا۔ غرضیکہ میں نے ان کو بلایا اور بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو پلاؤ تو میں ہر مرد کو دیتا جاتا۔ وہ پیتا اور سیراب ہو جاتا۔ پھر دوسرے کو دیتا وہ پیتا یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے پیالے کو پکڑا اور فرمایا: اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں۔ بیٹھ جاؤ اور پیو۔ تو میں نے پیا۔ پھر فرمایا اور پیو۔ یہاں تک کہ میں نے عرض کیا: اب نہیں پیا جاتا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اب دودھ کے گزرنے کی بھی گنجائش نہیں پاتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پیالہ لیا۔ اللہ ﷻ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا پی لیا۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۱ صفحہ ۸۱)

خالد بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ایک بکری ذبح کرنے کے لئے پیش کی اور حال یہ تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کے عیال (گھر والے) بہت تھے۔ وہ ایک بکری کو ذبح کرتا تو اس کے عیال کے لئے ایک ایک بڈی بھی پورا نہ کرتی۔

مگر نبی کریم ﷺ نے اس بکری سے خود کھایا اور ماہقی (جو بچا اس) کو خالد رضی اللہ عنہ کے ڈول میں ڈال کر دعائے برکت فرمائی۔ اس نے اس کو اپنی عیال میں تقسیم کیا تو سب نے کھایا اور زیادہ بچ رہا۔ اس حدیث کو دولاہی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

(دلائل النبوة بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۱۶-۱۱۵)

اجری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت (خاتون جنت) فاطمہ رضی



اللہ عنہا کا نکاح حضرت علیؑ سے فرمایا تو آپ ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ فلاں برتن لاؤ جو چار یا پانچ مڈ (گندم یا جو وغیرہ) سے بھرا ہوا تھا۔ حالانکہ آپ ﷺ نے ان کے ولیمہ میں ایک اونٹ کے بچے کو ذبح کرنے کو فرمایا تھا۔ بلالؓ کہتے ہیں: میں اس کو لایا۔ پس آپ ﷺ نے اس کے سر کو چھوا۔ پھر لوگ جماعت جماعت کر کے داخل ہوئے۔ اس سے کھاتے تھے حتیٰ کہ سب فارغ ہو گئے اور اس سے بہت کچھ بچ رہا۔

پھر آپ ﷺ نے برکت کی دعا کی اور حکم دیا کہ اپنی ازواج (امہات المؤمنین) کے پاس لے جایا جائے اور فرمایا: تم سب کھاؤ اور جو تمہارے پاس عورتیں آئیں ان کو کھلاؤ۔

حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا۔ تو میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے طیدہ بنایا۔ اس کو ایک طشت میں رکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو رکھ دو اور فلاں فلاں آدمیوں کو بلاؤ اور جو تم کو راہ میں ملے اس کو بھی بلا لو۔ تو مجھے جو ملا سب کو بلا لایا۔ بیان کرتے ہیں کہ وہ تین سو آدمی تھے۔ یہاں تک کہ صفہ (چبوترہ) اور حجرہ ان سے بھر گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: دس دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں۔

اور نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک کھانے پر رکھا اور دعا مانگی اور پڑھا جو اللہ ﷻ نے چاہا۔ پس سب نے کھایا حتیٰ کہ سب شکم سیر ہو گئے۔ پھر مجھ سے فرمایا: اٹھا لو۔ میں نہیں جانتا کہ جب رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب اٹھایا اس وقت زیادہ تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الاطعمہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۰ صحیح مسلم کتاب الاشریہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۱۲)

ان تین فصلوں کی اکثر حدیثیں صحیح ہیں اور اس فصل کی احادیث کے معنی پر تو دس سے زیادہ صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے اور ان سے کئی گنا زیادہ تابعین نے روایت کی ہے۔ ان کے بعد تو شمار ہی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان میں سے اکثر احادیث مشہور قصوں اور حاضرین کے مجموعوں میں ذکر کی جاتی ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ حق بات کے سوا من گھڑت باتوں کی نسبت کی جائے اور حاضرین منکر باتوں پر خاموش رہیں۔

## پندرھویں فصل

درختوں کا کلام کرنا اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت اور آپ ﷺ کی دعوت پر آنا حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک سفر میں

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کے قریب آیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے اعرابی! کہاں کا قصد ہے؟

کہا کہ گھر جا رہا ہوں۔ فرمایا: کیا تونیکی کی طرف آتا ہے؟

اس نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: گواہی دے کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحده

لا شریک له ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس نے کہا: کوئی آپ ﷺ کی شہادت دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بول کا درخت جو

وادی کے کنارے کھڑا ہے۔ تب وہ زمین چیرتا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس سے آپ

ﷺ نے تین مرتبہ شہادت دلوائی۔ تو اس نے ویسے ہی کہا جیسا آپ ﷺ نے فرمایا۔ پھر وہ اپنی جگہ

واپس چلا گیا۔

(مقدمہ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۰، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۴، کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۳۴)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے نبی کریم ﷺ سے کوئی نشانی مانگی۔ آپ

ﷺ نے فرمایا: وہ سامنے کے درخت سے کہو کہ تجھ کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ درخت اپنی دائیں اور بائیں اور آگے پیچھے ہلا اور اس کی جڑیں ٹوٹیں

پھر زمین چیرتا شاخوں کو گھسیٹتا حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا: السَّلَامُ

عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ.

اعرابی نے کہا: اس کو حکم دیجئے کہ اپنی جگہ واپس چلا جائے۔ پس وہ واپس ہوا اور اس کی

جڑیں زمین میں داخل ہو گئیں اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

اعرابی نے کہا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کو سجدہ کروں۔ فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا

کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

اعرابی نے کہا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کے دست مبارک اور پائے اقدس کو

بوسہ دوں تو اس کو اس کی اجازت دے دی۔ (کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۳۴)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قضائے حاجت کے

لئے تشریف لے گئے تو کوئی ایسی جگہ نہ دیکھی کہ جہاں پردہ ہوتا۔ وادی کے کنارے دو درخت نظر

آئے تو رسول اللہ ﷺ ان دونوں میں سے ایک کے پاس گئے اور ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا:

فرمانبردار ہو جا مجھ پر اللہ ﷻ کے حکم سے۔ تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ چلا اس طرح پر جیسے کوئی

اونٹ کو ٹیکل ڈال کر لے جاتا ہے اور بیانِ راوی میں ہے کہ آپ ﷺ نے دوسرے درخت کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ جب یہ دونوں نصف راہ طے کر کے درمیان میں پہنچے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ کے حکم سے مجھ پر دونوں مل جاؤ۔ پس وہ دونوں مل گئے۔

(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر رضی اللہ عنہ! اس درخت سے کہو کہ تجھ سے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اپنے ساتھی درخت سے مل جائے تاکہ میں تمہارے پیچھے بیٹھوں تو میں نے ایسا کیا اور چلا یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھی (درخت) سے جا ملا۔ تو آپ ﷺ (قضائے حاجت) کے لئے ان دونوں کے پیچھے بیٹھے اور میں جلدی سے نکل آیا اور بیٹھ کر دل میں سوچنے لگا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ سامنے سے تشریف لا رہے تھے اور وہ دونوں درخت جدا ہو کر ہر ایک اپنی جگہ سیدھا کھڑا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے تھوڑا سا توقف فرمایا اور اپنے سر سے داہنے اور بائیں جانب اشارہ کیا۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اسی کے مثل روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ میں فرمایا: کیا تم ایسی جگہ پاتے ہو جہاں اللہ ﷻ کا رسول ﷺ قضائے حاجت کرے۔ میں نے عرض کیا: یہ وہ وادی ہے جہاں لوگوں کی گزرگاہ ہے۔

فرمایا: کیا کوئی درخت یا پتھر دیکھا ہے؟

عرض کیا: ہاں آ منے سامنے چند درخت دیکھے ہیں۔ فرمایا:

جاؤ اور ان درختوں سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تم کو حکم دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی قضائے حاجت کے لئے آئیں۔ اور یہی بات کنکریوں سے کہو۔ تو میں نے ان سے جا کر یہی کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ بلاشبہ میں نے دیکھا کہ درخت ایک دوسرے کے (ساتھ) ہو کر مجتمع ہو گئے اور کنکریاں بھی دوڑ کر ایک دوسرے پر پڑتی ہو گئیں۔ پس جب آپ ﷺ نے قضائے حاجت فرمائی تو مجھ سے فرمایا:

ان سے کہو کہ چلے جائیں۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بلاشبہ میں نے دیکھا کہ وہ درخت اور کنکریاں جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ چلی گئیں۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۵)

یعلیٰ بن سبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ان دونوں حدیثوں کے مثل بیان کیا اور کہا کہ آپ ﷺ نے دو چھوٹے چھوٹے کھجوروں

کے درختوں کو حکم دیا۔ وہ مل گئے اور ایک روایت میں دو بڑی کھجوروں کے درخت کا ذکر آیا ہے۔ غیلان بن سلمہ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس کے مثل ہے اور اس میں دو درختوں کا ذکر ہے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل بیان کیا۔ یعلیٰ بن مرہ بن سبابہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ انہوں نے بہت سے معجزات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھ کر بیان کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ بڑا درخت یا کیکر کا درخت آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد چکر لگایا پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اپنے رب صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تھی کہ وہ مجھ پر سلام عرض کرے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۰، مجمع الرواۃ جلد ۹ صفحہ ۹)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک درخت نے خبر دی کہ ایک رات جن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سنے۔

مجاہد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں ذکر کیا کہ جنات نے کہا: آپ کی کون شہادت دیتا ہے؟

فرمایا: یہ درخت اے درخت چلا آ۔ تو وہ درخت بڑی آواز کے ساتھ جڑوں کے ساتھ چلا آیا اور پہلی حدیث کی مثل یا اس جیسی بیان کی۔

(صحیح مسلم کتاب الزہد جلد ۲ صفحہ ۲۳۰، صحیح بخاری)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ابن عمر بریدہ جابر ابن مسعود، یعلیٰ بن مرہ، اسامہ بن زید، انس ابن مالک، علی ابن ابی طالب اور ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کا اس باب میں نفس حدیث اور معنی حدیث میں اتفاق ہے اور ان سے کئی گنا تابعین اور تبع تابعین نے روایتیں کی ہیں۔ تو یہ حدیثیں جیسی بھی تھیں شہرت کے اعتبار سے قوی ہو گئیں۔

ابن فوزک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ طائف میں غنود کی حالت میں چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیری کا درخت آ گیا تو اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان سے گزر گئے۔ وہ درخت دونوں پر اس وقت تک موجود ہے۔ وہ جگہ معروف اور معظم ہے۔ اس بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین دیکھ کر عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی معجزہ دکھاؤں۔ فرمایا: ہاں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کے سبج (کنارے) ایک درخت پر نظر ڈالی۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اس درخت کو بلائیے۔ تب وہ چل کر آیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

پھر کہا: اس کو حکم دیجئے کہ لوٹ جائے۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ چلا گیا۔

(الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۲۱، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۲)

حضرت علیؑ سے اس طرح مروی ہے۔ مگر انہوں نے اس میں جبریل علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا۔ آپؑ نے کہا: اے خدا مجھے کوئی نشانی ایسی دکھا کہ جو میری تکذیب کرے اس (نشانی) کے بعد اس کو بھی مانے بغیر چارہ گرنہ رہے۔ اس کے بعد آپؑ نے درخت کو بلایا

اور اس کی مثل حدیث بیان کی اور آپؑ کا غمگین ہونا اپنی قوم کی تکذیب اور طلب معجزہ پر

تھا نہ کہ اپنے لئے تھا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۳، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۹۰)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریمؐ نے رکانہ کو اس قسم کے معجزے دکھائے۔

ایک درخت کو آپؑ نے بلایا۔ وہ آیا یہاں تک کہ آپؑ کے سامنے ٹھہرا رہا۔ پھر فرمایا: واپس جا تو وہ لوٹ گیا۔ (دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۹۵، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۵۰)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنی قوم کا شکوہ اپنے رب

ﷻ سے کیا کہ وہ لوگ خوف دلاتے ہیں اور ایسے معجزے کا سوال کیا جن سے آپؑ جان لیں کہ

آپؑ کو کوئی خوف نہیں ہے۔ تو اللہ ﷻ نے آپؑ کو وحی فرمائی کہ آپؑ فلاں وادی میں جس میں

درخت ہے جائیے اور اس کی ٹہنی کو پکڑ کر ہلائیے۔ وہ آپؑ کے پاس آئے گا۔

تو آپؑ نے ایسا کیا پس وہ زمین پر خط کھینچتا آیا یہاں تک کہ آپؑ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

آپؑ نے جب تک خدا نے چاہا روکے رکھا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: لوٹ جا جہاں سے آیا ہے پس

لوٹ گیا۔

پھر آپؑ نے عرض کیا: اے رب ﷻ میں نے جان لیا کہ مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔

(الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۲۱)

اس کے مثل حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور وہ اس میں بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایسی نشانی

دکھا کہ اس کے بعد جو میری تکذیب کرے اس کو تردد نہ رہے اور ذکر کیا اس کی مثل۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۳، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۹۰، کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے ایک اعرابی سے فرمایا: کیا تو

دیکھتا ہے کہ اگر میں اس کھجور کی ٹہنی کو ہلاؤں تو تو اس کی گواہی دے گا کہ میں اللہ ﷻ کا رسول

ﷺ ہوں۔ اس نے کہا: ہاں۔

تو آپ نے اس کو ہلایا تو وہ درخت دوڑتا آیا۔ پھر فرمایا: لوٹ جا تو وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔  
ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج کی اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۵، مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۲۰، مقدمہ سنن داری جلد ۱ صفحہ ۱۳، ترمذی جلد ۹ صفحہ ۲)

## سولہویں فصل

### کھجور کی ٹہنیوں کا رونا

کھجور کے ستونوں کے رونے کی خبروں کو یہ حدیثیں قوی کرتی ہیں۔ چونکہ یہ خبر بذاتہ مشہور و معروف اور خبر متواتر کی حد میں ہے اور اہل صحاح نے اس کی تخریج کی ہے اور یہ کہ دس سے زائد صحابہ نے اس کو بیان کیا ہے۔

ان میں سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد (نبوی) کھجور کے ستونوں پر سقف (چھتی ہوئی) تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ تو ان میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منبر بنایا گیا تو ہم نے اس ستون سے ایسی آواز سنی جیسے اونٹنی بچہ جنتے وقت روتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے مسجد میں ہلچل مچ گئی اور سہل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ کثرت سے لوگ رونے لگے۔ جب اس کو انہوں نے روتے دیکھا۔ مطلب رضی اللہ عنہ اور ابی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ ستون اتار دیا کہ وہ پھٹ گیا۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا۔ وہ خاموش ہوا۔ (ایک اور) دوسرے نے اتنا زیادہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا۔ وہ خاموش ہوا۔ دوسرے نے اتنا زیادہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ذکر سے محروم ہونے کی وجہ سے روتا ہے۔ ایک نے اتنا اضافہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میں اس کو نہ لپٹاتا تو قیامت تک ایسے ہی میرے غم میں وہ روتا رہتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو منبر کے نیچے دفن کر دیا جائے۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ ص ۱۵۶-۱۵۵ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۸، سند ابن عمر رضی اللہ عنہما سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۵۳  
سند انس رضی اللہ عنہ سنن ابن ماجہ کتاب الامارہ جلد ۱ صفحہ ۳۵۳، مقدمہ سنن داری جلد ۱ سند ابن عمرو بریدہ و جابر و ابوسعید و ابن عباس رضی اللہ عنہم  
صفحہ ۱۹-۱۸-۱۷-۱۶-۱۵ (یہاں آگے آنے والی مختلف روایتوں کے حوالجات اکٹھے لکھ دیے ہیں)۔ ادارہ

اسی طرح مطلب، سہل بن سعد اور اسحاق رحمہ اللہ کی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بعض روایتوں میں سہل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس کو منبر کے نیچے دفن کر دیا گیا یا چھت میں لگا دیا گیا۔ ابی بنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تو اس کے پاس پڑھتے۔ پس جب مسجد دوبارہ تعمیر کی گئی تو اس کو ابی بنہ نے لے لیا وہ انہیں کے پاس رہا۔ یہاں تک کہ زمین نے اس کو کھالیا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اسفراتی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنی طرف بلایا تو وہ زمین چیرتا آیا۔ آپ ﷺ نے اس کو لپٹا لیا۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ اپنی جگہ چلا گیا۔ بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہے تو میں تجھے اس باغ میں لوٹا دوں جہاں تو تھا تیری شاخیں اُگ آئیں گی تیری پوری نگہداشت ہوگی تیری پتیاں اور پھل پیدا ہو جائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں بودوں کہ اس میں تیرے پھل میری جانب سے اولیاء اللہ کھائیں اور میں ایسی جگہ ہوں گا جہاں کوئی خطرہ نہیں۔

پھر آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے نزدیکی صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایسا کر دیا۔ پھر فرمایا: دار فنا پر اس نے دار بقا کو پسند کیا۔

(سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۵)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو رو پڑتے اور فرماتے: اے اللہ ﷻ کے بندو! لکڑی تو رسول اللہ ﷺ کے اسی اشتیاق میں جو آپ ﷺ کی نزدیکی میں حاصل تھا اس کا آرزو مند ہو اور اب تم اس سے زیادہ حق رکھتے ہو کہ آپ ﷺ کے بقا کا شوق کرو۔

اس کو روایت کیا حفص بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا جاتا ہے کہ حفص بن عبید اللہ اور ایمن اور ابو نضرہ اور ابن مسیب و سعید بن ابی کرب اور کریم و ابو صالح رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اس کو روایت کیا۔ حسن ثابت اسحاق ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ نے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نافع و ابو حنیہ نے روایت کیا اور ابو نضرہ و ابو وداک نے حضرت ابی سعد رضی اللہ عنہ سے اور عمار بن ابی عمار رضی اللہ عنہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ابو جازم و عباس بن سہل نے سہل رضی اللہ عنہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے اور کثیر بن زید رضی اللہ عنہ نے مطلب رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں نے روایت کیا جن کا ہم نے ذکر کیا اور ان کے سوا ان سے کئی گنا تابعین نے روایت کی ہے۔ جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔ اس باب میں ان چند گنتی کے سوا مزید علم بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تلاش و محنت کرے۔ اللہ ﷻ دوستی پر ثابت قدم رکھنے والا ہے۔

## سترہویں فصل

جمادات سے متعلق معجزات

اسی طرح ہر قسم کے جمادات میں آپ ﷺ کے معجزات مروی ہیں۔

**حدیث:** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالاسناد حدیث روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ درآنحالیکہ وہ کھایا جا رہا ہوتا اور دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا کرتے اور اس کی تسبیح سنا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مٹھی میں کنکریاں پکڑیں تو وہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں تسبیح کرنے لگیں یہاں تک کہ ہم نے تسبیح کو سنا۔ پھر ان کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا تو تسبیح کر رہی تھیں۔ پھر ہمارے ہاتھ میں دے دیں تو انہوں نے تسبیح بند کر دی۔

(مختصر تاریخ دمشق جلد ۲ صفحہ ۱۰۸)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اسی کی مثل روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کنکریوں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تسبیح جاری رکھی۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۶۳، کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۳۵، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۹۹)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھے۔ تو آپ ﷺ مکہ کے کسی گوشہ میں تشریف لے گئے تو کوئی درخت و پہاڑ ایسا نہ تھا جس نے آپ ﷺ کو السلام علیک یا رسول اللہ نہ کہا ہو۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵۳، مقدمہ داری جلد ۱ صفحہ ۱۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مکہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو مجھ پر سلام پیش کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ حجر اسود ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۲)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب میرے پاس جبریل علیہ السلام رسالت لائے تو کوئی پتھر اور درخت ایسا نہ تھا جو ”السلام علیک یا رسول اللہ“ نہ کہتا ہو۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۶۰)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جس پتھر اور درخت پر سے گزر



فرماتے تو وہ آپ ﷺ کو سجدہ کرتا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۶۹)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ان پر اور ان کے بیٹوں پر اپنی چادر ڈالی اور ان کے لئے دوزخ سے پناہ کی دعا مانگی جیسا کہ اس وقت چادر میں پناہ دی تو گھر کے ہر دروہام سے آمین آمین کی آواز آئی۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۷۱)

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے تو جبریل علیہ السلام ایک طباق جس میں انار و انگور تھا لائے تو آپ ﷺ نے اس سے کھایا تو اس نے تسبیح کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم جبل احد پر جب چڑھے تو اس نے حرکت کی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے احد ٹھہر جا، کیا نہیں دیکھتا تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۰)

اور اسی کے مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کوہ حرا کے واقعہ میں مروی ہے اور اتنا انہوں نے زیادہ کیا کہ آپ کے ساتھ حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ فرمایا: خبردار تجھ پر نبی ہے یا صدیق یا شہید۔

(صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۸)

اور حدیث حراء میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے ساتھ دس صحابہ تھے اور میں بھی ان میں تھا اور انہوں نے عبدالرحمن اور سعد رضی اللہ عنہما کا اضافہ کیا اور کہا کہ میں دو صحابی کو بھول گیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۸)

اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اسی کے مثل مروی ہے اور انہوں نے اس کو بیان کیا اور اپنا اضافہ کیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۱۵، سنن ابوداؤد کتاب السنہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۳)

یقیناً ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب قریش نے آپ ﷺ کو تلاش کیا تو آپ ﷺ سے کوہ شہیر نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھ پر سے اتر جائیے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ ﷺ کو میری پشت پر یہ لوگ قتل نہ کر دیں۔ پھر اللہ ﷻ مجھے عذاب دے۔ اس وقت کوہ حرا نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میری طرف تشریف لائیے۔ (مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۲۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ پر تلاوت فرمائی:

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ  
یعنی انہوں نے اللہ کی قدر جیسا اس کا حق تھا نہ  
(پ۲۳۔ الزمر ۶۷) کی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جبار اپنی بزرگی بیان فرماتا ہے کہ میں جبار ہوں، جبار ہوں، میں بہت بڑی شان والا ہوں۔ تو منبر کا پنے لگا۔ حتیٰ کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ ﷺ اس سے گرنہ جائیں۔

(مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۲ بخاری و مسلم کافی تفسیر درمنثور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خانہ کعبہ کے گردا گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے جن کے پاؤں پتھروں میں رائگ سے جمادئے گئے تھے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مسجد حرام میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اشارہ کیا در آنحالیکہ ان کو چھوتے نہ تھے اور فرماتے جاتے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (پ۱۵۔ الاسراء ۸۱) حق آیا اور باطل مڑ گیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
تو آپ ﷺ جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ فرماتے وہ پیٹھ کے بل گر پڑتا اور جس کی پیٹھ کی طرف اشارہ کرتے وہ منہ کے بل گر پڑتا۔ یہاں تک کہ ایک بت بھی باقی نہ رہا (تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۳۲۹) اور اسی کے مثل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نیزہ ان کو مارتے اور فرماتے جاتے: حق آ گیا اب باطل ظاہر نہ ہوگا اور نہ ٹوٹے گا۔

(تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۳۲۹)

اور اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جو ابتدائے امر میں راہب کے ساتھ ہے۔

جب آپ ﷺ اپنے چچا کے ساتھ بغرض تجارت تشریف لے گئے تھے تو ایک راہب تھا جو کسی کے لئے نہیں نکلتا تھا۔ اب وہ نکلا اور ان کے درمیان آ گیا حتیٰ کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر کہا:

آپ ﷺ سید العالمین ہیں۔ اللہ ﷻ آپ ﷺ کو رحمتہ اللعالمین مبعوث فرمائے گا۔

اس وقت قریش کے صناید نے کہا: تم کو کیسے معلوم ہوا؟

اس نے کہا کہ کوئی درخت و پتھر ایسا نہیں جو آپ ﷺ کو سجدہ کرتا نہ گرا ہو۔ حالانکہ وہ نبی کے

سوا کسی کو سجدہ کرتے ہی نہیں اور سارا قصہ بیان کیا۔ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔

در آنحالیکہ بادل آپ پر سایہ کر رہا تھا۔ پھر جب آپ ﷺ قوم کے نزدیک ہوئے تو انہوں نے پایا کہ وہ

درخت کے سایہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ نے جلوس فرمایا تو وہ بادل کا سایہ آپ

ﷺ پر جھک گیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵۰، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۵-۲۴)

## اٹھارہویں فصل

### حیوانات سے متعلق معجزات

حدیث: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس ایک بکری تھی۔ جس وقت ہمارے یہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوتے تو وہ سکون کے ساتھ اپنی جگہ ٹھہری رہتی نہ وہ آتی نہ جاتی اور جب آپ ﷺ باہر تشریف لے جاتے تو وہ آتی اور جاتی۔ (پریشان کرتی)

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۴، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۱، انصاف الکبریٰ جلد ۲

صفحہ ۶۳، مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۱۱۳-۱۱۵، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۸۰)

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک اعرابی گوہ کا شکار لے کر آیا۔ اس نے پوچھا: آپ ﷺ کون ہیں؟

صحابہ نے کہا: اللہ ﷻ کے نبی ہیں۔ تو اس نے کہا: قسم ہے لات وعزیٰ کی (یہ دونوں عرب کے بڑے بتوں کے نام ہیں) میں آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاؤں گا مگر یہ گوہ ایمان لے آئے اور اس گوہ کو آپ ﷺ کے سامنے پھینک دیا۔ تب اللہ ﷻ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

اے گوہ! تو اس نے کھلی زبان میں آپ ﷺ کو جواب دیا اور تمام لوگوں نے اس کو سنا: لَيْتِكَ وَ سَعْدَيْكَ يَا زَيْنَ مَنْ وَافِيَ الْقِيَامَةَ. یعنی حاضر ہوں، موجود ہوں اے زینت ان لوگوں کی جو قیامت کی طرف آنے والے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تو کس کو پوجتی ہے۔ گوہ نے جواب دیا: اس ذات کو جس کا عرش آسمان میں ہے، جس کی سلطنت زمین میں ہے، جس کا راستہ سمندر میں ہے، جس کی رحمت جنت میں اور دوزخ میں اس کا عتاب ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رب العالمین کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ بلاشبہ وہ بھلائی پر ہے جس نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور وہ نقصان میں ہے جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ پھر تو اعرابی مسلمان ہو گیا۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۹۴، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۸، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۷، انصاف الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۵)

اسی قبیل سے بھیڑیے کے کلام کرنے کا مشہور قصہ ہے۔ حضرت ابی سعیدؓ سے مروی

ہے کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں چارہا تھا۔ تو ایک بکری کے سامنے بھیڑیا آ گیا اور چرواہے سے کہا: کیا تو اللہ ﷻ سے نہیں ڈرتا کہ تو میرے اور میرے رزق کے درمیان حائل ہو گیا۔

چرواہے نے کہا: تعجب ہے کہ بھیڑیا انسانوں کی بولی میں کلام کرے۔ اس وقت بھیڑیے نے کہا: کیا میں تجھ کو اس سے زیادہ تعجب خیز بات نہ بتاؤں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں ٹیلوں کے درمیان لوگوں کو گزری ہوئی غیبی خبریں بتا رہے ہیں۔

تب وہ چرواہا نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس کی خبر دی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کھڑے ہو کر لوگوں کو یہ بات بتا دے۔ پھر فرمایا: اس نے سچ کہا۔ آخر حدیث تک۔ اس میں ایک قصہ ہے اور بعض حدیث لمبی (مضمون زیادہ) ہے۔

(مسند امام احمد طبقات ابن سعد بزار مستدرک دلائل النبوة للبیہقی، لابی نعیم الخصاص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۱)

بھیڑیے کی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے اور بعض سندوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بھیڑیے نے کہا: تو بہت عجیب ہے کہ تو اپنی بکریوں پر کھڑا ہے اور ایسے نبی ﷺ کو چھوڑے ہوئے ہے جبکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ سے بڑھ کر مرتبہ میں کبھی کسی نبی ﷺ کو نہ بھیجا۔ بیشک ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور جنت کے رہنے والے ان کے اصحاب کو لڑتا دیکھ رہے ہیں اور تیرے اور ان کے درمیان صرف یہ گھاٹی حائل ہے۔ اب تو بھی اللہ ﷻ کے لشکروں میں سے ہو جا۔

چرواہے نے کہا: میری بکریوں کا کون محافظ ہے؟ بھیڑیے نے کہا: میں ان کو چراتا ہوں۔ یہاں تک کہ تو واپس آئے۔ تو وہ اپنی بکریاں اس کے سپرد کر کے چلا گیا اور اس (بھیڑیے) کا قصہ بیان کیا اور اسلام لایا اور حضور ﷺ کو پایا کہ آپ ﷺ جہاد کر رہے تھے۔

اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو اپنی بکریاں گن لے ان کو پورا پائے گا۔ تو اس نے ایسا ہی پایا اور بھیڑیے کے لئے ان میں سے ایک بکری ذبح کر دی۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۹، الخصاص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۲)

اھبان ابن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہی اس قصہ کے صاحب تھے۔ وہ اس کو بیان کرتے اور بھیڑیے کی باتیں ذکر کرتے تھے۔ سلمہ بن عمر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ وہی اس قصہ کے صاحب تھے۔ وہ اس کو بیان کرتے اور بھیڑیے کی باتیں ذکر کرتے تھے۔ اور ان کے اسلام کا سبب ابی سعید رضی اللہ عنہ کے مثل حدیث بنی ہے۔

۱۔ الخصاص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۱، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۳

اسی طرح ابن وہب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ابی سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کا قصہ بھیڑیے کے ساتھ ہوا ہے۔ ان دونوں نے اس کو پایا کہ وہ ایک ہرن پکڑنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ وہ ہرن حرم میں داخل ہو گیا تو بھیڑیا لوٹ گیا۔ دونوں نے اس سے تعجب کیا۔

بھیڑیے نے کہا: اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ محمد بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں تم کو جنت کی طرف بلا تے ہیں اور تم ان کو دوزخ کی طرف بلا تے ہو۔ ابوسفیان نے کہا: قسم ہے لات و عزیٰ کی اگر تو نے اس کا مکہ میں تذکرہ کیا ہوتا تو ضرور اہل مکہ گھر خالی کر دیتے (اور مدینہ چلے جاتے) اسی طرح ایک خبر مروی ہے کہ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت ضمار کے کلام کرنے سے تعجب کیا کہ اس بت نے اشعار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا تھا۔ تو اس وقت ایک پرندہ اتر اور کہا: اے عباس رضی اللہ عنہ ضمار کے کلام کرنے سے تعجب کر رہے ہو اور اپنے نفس پر تعجب نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسلام کی دعوت دیں اور تم بیٹھے رہو۔ یہی واقعہ آپ کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

(طبرانی کبیر، مکافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۳۰)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ایک مرد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے ایک قلعہ میں تشریف فرما تھے اور وہ مرد بکریوں کے ریوڑ میں تھا جو اہل خیبر کی بکریاں چراتا تھا۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم بکریوں کا کیا ہوگا؟ فرمایا: ان کے منہ میں کنکریاں بھر دے۔ اللہ عزوجلہ بہت جلد تجھے تیری امانت ادا کر دیگا اور ان کے مالکوں کی طرف بھیج دے گا تو اس نے ایسا ہی کیا تو ایک ایک کر کے ساری بکریاں ان کے مالکوں کے گھر چلی گئیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں حضرت ابو بکر و عمر اور ایک انصاری مرد رضی اللہ عنہ موجود تھے اور باغ میں ایک بکری تھی تھی۔ تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس سے زیادہ ہم مستحق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کریں۔ آخر حدیث تک۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ تو ایک اونٹ آیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا اور اسی طرح بیان کیا اور اسی طرح اونٹ کے بارے میں حضرت ثعلبہ بن ابی مالک اور جابر بن عبد اللہ اور یعلیٰ بن مرہ اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ہر ایک بیان کرتا ہے کہ جو بھی باغ میں داخل ہوتا وہ اونٹ اس پر حملہ کرتا لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے

۱۔ الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۵۷، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۸۲، مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱، سنن ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۴۰۰

پاس گئے تو اس کو چکارا اور اس نے اپنے ہونٹ زمین پر رکھ دیئے اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے نکیل ڈال دی۔ اس وقت فرمایا:

آسمان و زمین کے درمیان کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ جانتی ہے کہ میں اللہ ﷻ کا رسول ﷺ ہوں۔ سوائے نافرمان جنات و انسان کے۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی اونی ﷺ سے مروی ہے۔

اونٹ کے بارے میں دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹ کا حال لوگوں سے پوچھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس کے ذبح کرنے کا قصد کر رہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اونٹ نے کام کی زیادتی اور چارہ کی کمی کی شکایت کی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے مجھے شکایت کی ہے کہ تم اس کے بچنے سے سخت سے سخت کام لینے کے بعد اب ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں۔

حضور ﷺ کی اونٹنی عضباء کے کلام کرنے کے قصہ میں مروی ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے اپنا حال عرض کیا اور یہ کہ چرنے میں اس کی طرف دوسرے جلدی کرتے ہیں اور وحشی جانور کنارہ کش ہو کر کہتے ہیں کہ تو حضور ﷺ کی اونٹنی ہے۔ وہ اونٹنی حضور ﷺ کے وصال کے بعد کھانا پینا چھوڑ کر (غم میں) مر گئی۔ اس فراتنی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو بیان کیا ہے۔

ابن وہب رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کے کبوتروں نے نبی کریم ﷺ پر سایہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو دعائے برکت دی تھی۔

حضرت انس اور زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ نے (بوقت ہجرت) غار والی رات میں ایک درخت کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کے (غار) کے سامنے وہ اُگے اور آپ ﷺ کو ڈھاک لے اور کبوتروں کے ایک جوڑے کو حکم دیا تو وہ غار کے کنارے بیٹھ گئے اور ایک روایت میں ہے کہ مکڑی (عکبوت) کو حکم دیا کہ وہ غار کے دہانہ پر جالاتن دے۔ جس وقت آپ ﷺ کے تلاش کرنے والے آئے اور انہوں نے اس کو دیکھا تو کہنے لگے۔ اگر اس میں کوئی ہوتا تو اس کے دہانے پر کبوتروں کا جوڑا نہ ہوتا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ تو وہ لوٹ گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۸۸، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۲۵، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۸۲)

حضرت عبداللہ بن قُرط ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس پانچ یا چھ یا سات اونٹ لائے گئے تاکہ ”عید قربان“ کے دن آپ ﷺ ان کو ذبح فرمائیں۔ تو ان میں سے ہر ایک کو شش کرتا کہ آپ ﷺ پہلے اسے ہی ذبح کریں۔

(مسند رک جلد ۲ صفحہ ۲۲۱)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک صحرا میں تشریف فرما تھے۔ تو

ایک ہرنی نے آپ ﷺ کو ندا دی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: اس اعرابی نے مجھ کو شکار کر لیا۔ حالانکہ میرے اس پہاڑ پر دو بچے ہیں۔ تو آپ ﷺ مجھے آزاد کر دیجئے تاکہ جا کر دودھ پلاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو ایسا کرے گی؟ ہرنی نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا تو وہ گئی اور واپس آ گئی۔ آپ ﷺ نے اسے ہاندھ دیا۔ اتنے میں اعرابی جاگ گیا اور کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ ﷺ کو اس کی ضرورت ہے۔ فرمایا: اس ہرنی کو چھوڑ دو۔ وہ دوڑتی ہوئی جنگل میں چلی گئی اور کہتی جا رہی تھی: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ.

(الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۰ بحوالہ معجم بیزدلائل النبوة لابن نعیم)

اور اس باب میں یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غلام سفینہ کو شیر نے گھیر لیا جبکہ آپ ﷺ نے ان کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف یمن بھیجا تھا۔ جب وہ شیر کے سامنے ہوئے تو اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں اور آپ ﷺ کا خط ساتھ ہے۔ تو اس نے کندھے ہلائے اور راستہ پر لگا (راستہ بتا) دیا۔ ”منصرف“ میں اسی کی مثل تذکرہ ہے (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۶) اور ایک روایت میں ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی تھی تو وہ ایک جزیرے کی طرف نکل گئے جس میں شیر تھا۔ تو میں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں۔ تو اس نے اپنے کندھوں سے اشارہ کیا یہاں تک کہ مجھے راستہ پر لاکھڑا کیا۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۵، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۵۸۴، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۶۶، متدرک جلد ۳ صفحہ ۶۰۶)

حضور ﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کی ایک بکری کے کان اپنی دونوں انگلیوں سے پکڑے پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ اس کی علامت بن گئی اور یہ علامت اس میں اور اس کی نسل میں پیدا ہو گئی۔

ابراہیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ ایک گدھے نے آپ ﷺ سے کلام کیا جبکہ آپ ﷺ نے اس کو خیبر میں پایا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: یزید بن شہاب۔ پھر آپ ﷺ نے اس کا نام یعفرور رکھا۔

آپ ﷺ اس کو اپنے صحابہ کے گھروں میں بھیجتے تھے اور وہ ان کے دروازوں پر سہارا اور ان کو بلاتا تھا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد وہ چیختا چلاتا کنویں میں گر کر مر گیا۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۴)

حدیث میں مروی ہے کہ ایک اونٹنی نے آپ ﷺ کی خدمت میں گواہی دی تھی کہ اس کے مالک نے اس کو چرایا نہیں بلکہ (جائز طریقہ پر) اس کی ملک ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۵۸)

اور حدیث میں مروی ہے کہ ایک بکری آپ ﷺ کی خدمت میں آپ ﷺ کے لشکر میں آئی اور صحابہ پیاسے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ایسی جگہ پڑاؤ نہیں کیا تھا جو پانی کی جگہ ہوتی اور وہ تین سو افراد تھے۔ تو آپ ﷺ نے اس کا دودھ دوہا اور تمام لشکر کو اس سے سیراب کیا۔ آپ ﷺ نے رافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تو اس کا مالک بن لیکن میں تجھ کو ایسا دیکھتا نہیں (تو مالک نہ رہے گا) تو رافع رضی اللہ عنہ نے اس کو باندھ لیا۔ پھر جو دیکھا تو وہ کھل کر کہیں چلی بھی گئی۔

اس حدیث کو ابن قانع رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی روایت کیا اور اس میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اسے لایا تھا وہی اس کو لے گیا۔

ایک سفر میں جب آپ ﷺ نماز کو کھڑے ہوئے تو اپنے گھوڑے سے فرمایا: خدا تجھ کو برکت دے جب تک ہم نماز سے فارغ نہ ہو جانا نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو (مثل سترہ) موضع سجود کے آگے کھڑا کر دیا تو اس نے اپنے کسی عضو کو حرکت نہ دی یہاں تک کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے۔ اسی کے ساتھ وہ روایت ہے جس کو واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے جب اپنے قاصدوں کو بادشاہوں کے پاس بھیجا اور ایک دن میں چھ قاصد روانہ کئے۔ جب انہوں نے صبح کی تو ان میں ہر ایک اسی زبان میں بات کرتا تھا جس قوم کے بادشاہ کی طرف اس کو بھیجا گیا تھا۔

(مصنف ابن شیبہ کتاب المغازی جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۸)

اس باب میں بکثرت احادیث مروی ہیں۔ ہم ان میں سے صرف وہ مشہور حدیثیں لائے ہیں جن کو ہمارے آئمہ رحمہم اللہ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

## انیسویں فصل

مردوں کو زندہ کر کے کلام فرمانا، چھوٹے و شیر خوار بچوں

سے کلام فرمانا اور ان سے اپنی نبوت کی شہادت دلوانا

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت نے خیبر میں ایک بھنی ہوئی بکری حضور ﷺ کی خدمت میں خاص طور پر ہدیہ بھیجی۔ تو آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہ نے اس میں سے کھایا۔ دوران طعام آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے اپنے ہاتھ کھینچ لو۔ اس (بکری) نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ زہریلی ہے اور اس زہر کے اثر سے بشر ابن براء رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے۔

۱۔ سنن ابوداؤد کتاب الديات جلد ۲ صفحہ ۶۳۹، ۶۳۸



آپ ﷺ نے یہودیہ سے پوچھا: تجھ کو اس پر کس نے برا بیچتہ کیا۔ اس نے کہا:  
 اگر آپ نبی ﷺ ہیں تو میری اس زہر آلودہ بکری سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور اگر آپ ﷺ  
 بادشاہ ہیں تو میں آپ ﷺ سے لوگوں کو نجات دلاؤں۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے  
 حکم دیا۔ چنانچہ وہ (بشر ابن براء ؓ کے قصاص میں) قتل کر دی گئی۔

اس حدیث کو حضرت انس ؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ اس یہودیہ نے کہا:  
 میں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ ہرگز ایسا نہیں کہ تجھ کو  
 اس پر قدرت دے۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا: ہم اس کو قتل کر دیں۔ فرمایا: نہیں۔

اور ایسا ہی حضرت ابو ہریرہ ؓ سے وہب ؓ کے سوا دوسری روایت میں مروی ہے کہ آپ  
 ﷺ نے فرمایا: اس کے درپے نہ ہو جاؤ اور یہ جابر بن عبد اللہ ؓ سے بھی مروی ہے۔ اس میں ہے کہ مجھ  
 کو اس بکری کی کلائی نے خبر دی ہے اور فرمایا: اس کو سزا دو اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اس کی  
 ران نے کہا کہ وہ مسوم (زہریلی) ہے اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن ؓ کی روایت میں ہے کہ اس بکری نے کہا:  
 میں زہر آلود ہوں۔ اسی طرح ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ اس کو چھوڑ دیا گیا۔

حضرت انس ؓ کی دوسری حدیث میں ہے کہ ہمیشہ اس زہر کو رسول اللہ ﷺ کے لہات  
 (حلق کا کو) میں پہچانتا رہا اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس  
 دور میں جس میں آپ ﷺ کا وصال ہوا فرمایا: خیر کا وہ لقمہ بار بار ہمیشہ اپنا اثر دکھاتا رہتا ہے۔ پس  
 اب وقت آ گیا ہے کہ وہ میری شاہ رگ کاٹ دے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الديات جلد ۲ صفحہ ۶۵۱)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ مسلمان جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال شہادت  
 سے ہوا ہے باوجودیکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو نبوت عطا فرمائی۔

ابن سخون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس یہودیہ  
 کو قتل کر دیا تھا جس نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الديات جلد ۲ صفحہ ۶۵۱)

بیشک ہم نے اس بارے میں مختلف روایتیں بیان کر دی ہیں۔ جو حضرت ابو ہریرہ ؓ انس ؓ جابر  
 ؓ سے مروی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اس یہودیہ کو بشر بن براء ؓ  
 کے ورثاء کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۷۲)

اسی طرح اس شخص کے قتل میں اختلاف ہے جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا۔ واقدی رحمۃ

۱۔ سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۶۲۸، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۶۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب الصیۃ جلد ۳ صفحہ ۱۲۳، صحیح مسلم کتاب اسلام جلد ۲ صفحہ ۱۷۲، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۵۹

اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کو معاف کر دینے کی روایت زیادہ ثبوت کو پہنچتی ہے اور ان میں سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو قتل کر دیا تھا اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ابی سعید رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی اور اس کے مثل بیان کیا مگر یہ کہ اس کے آخر میں کہا کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ پس ہم نے بسم اللہ پڑھ کر کھایا اور کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۹۵)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہر آلودہ بکری کی حدیث کی اہل صحاح نے تخریج کی اور اس حدیث کی ہمارے آئمہ نے جو تخریج کی ہے تو وہ مشہور حدیث ہے۔

آئمہ نظر رحمہم اللہ کا اس باب میں اختلاف ہے۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ یہ وہ کلام ہے جس کو اللہ ﷻ مردہ بکری اور پتھر و درخت میں پیدا فرمادیتا ہے اور وہ حروف و آواز ہیں کہ ان میں وہ پیدا کر دیتا ہے جو بغیر کسی اشکال اور نقل ہیئت کے ان سے مسوع ہوتی ہیں۔ یہی مذہب ہے شیخ ابوالحسن اور قاضی ابوبکر رحمہم اللہ کا ہے۔ اور دیگر آئمہ نظر رحمہم اللہ کا یہ مذہب ہے کہ ان میں پہلے نئی زندگی پیدا کی جاتی ہے پھر وہ کلام کرتے ہیں۔ ہمارے شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک میں احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

اس لئے کہ ہم وجود حروف و آواز کے لئے حیاۃ شرط نہیں کہتے کیونکہ کلام نفسی بغیر حیات کے پایا نہیں جاتا۔ اس میں جبائی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جو تمام متکلمین کے خلاف ہے۔ وہ کلام لفظی اور حروف و اصوات (آوازیں) کے وجود کو سوائے اس زندہ کے جو اس ترکیب سے مرکب ہے کہ جس سے حروف و اصوات کے ساتھ گویائی صحیح ہو محال کہتا ہے اور میں نے کنکریوں، اونٹ اور کلائی (ذراع) وغیرہ کے کلام کرنے میں التزام کیا ہے نہیں مانتے کیونکہ ان کا وجود فقط حیات کے معدوم ہونے کے ساتھ محال نہیں لیکن جب ان کو کلام نفسی کہا جائے تو اس کے لئے حیات شرط ہے۔

وہ کہتا ہے کہ بیشک اللہ ﷻ نے اس میں حیات پیدا کی اور اس کو منہ اور زبان دی اور وہ آلات پیدا کئے جن سے وہ کلام کر سکے اور اگر یہ بات یونہی ہوتی تو یقیناً اس کی نقل اور اس کا اہتمام تسبیح یا اس کے رونے کے اہتمام سے زیادہ تاکید ہوتا۔ حالانکہ اس بارے میں کسی مورخ و اہل سیر نے کچھ نقل نہ کیا۔ لہذا اس میں یہ دعوی ساقط الاعتبار ہے۔ اس کے باوجود غور و فکر کرنے کے اس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اللہ ﷻ ہی توفیق ہدایت فرمانے والا ہے۔

وکیچ رحمۃ اللہ علیہ نے فہد بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا جو جوان ہو گیا تھا اور قطعاً کلام نہیں کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا:

آپ ﷺ کے رسول ﷺ ہیں۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۶۰)

معرض بن معقیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے ایک عجیب بات دیکھی کہ ایک بچہ جس دن وہ پیدا ہوا۔ آپ کے پاس لایا گیا پہلی حدیث کے موافق بیان کیا۔ یہ حدیث مبارک یمامہ رضی اللہ عنہ کی ہے اور یہ حدیث اس کے راوی شاصونہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس میں ہے کہ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ اللہ ﷻ تجھ کو برکت دے۔ پھر اس کے بعد اس بچہ نے جو ان ہونے تک کوئی بات نہ کی اور اس بچہ کا نام مبارک یمامہ رکھ دیا گیا۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مکہ مکرمہ کا ہے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۹)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور بیان کیا کہ اس نے ایک بچی فلاں جنگل میں چھوڑ دی تھی۔ تب آپ ﷺ اس کے ساتھ اس طرف تشریف لے گئے اور اس کو اس کے نام کے ساتھ پکارا۔ اے فلانی! اللہ ﷻ کے حکم سے میرا جواب دے۔ پس وہ یہ کہتی نکلی: لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ (حاضر ہوں حاضر ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا:

تیرے ماں باپ تو دونوں مسلمان ہو گئے۔ اب اگر تو چاہتی ہے تو تجھ کو ان دونوں کی طرف لوٹا دوں۔ لڑکی نے کہا: مجھے ان دونوں کی حاجت نہیں۔ میں نے اللہ ﷻ کو ان دونوں سے بہتر پایا ہے۔

(یہاں پر یہ خیال رہنا چاہئے کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ مترجم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری جوان فوت ہو گیا۔ اس کی ایک اندھی بوڑھی ماں تھی۔ ہم نے اس جوان کی تجھیز و تکفین کی اور اس کو تسلی دی۔ اس بوڑھی نے کہا کہ میرا بیٹا مر گیا۔ ہم نے کہا: ہاں۔ بوڑھی نے کہا: اے خدا اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیری طرف اور تیرے رسول ﷺ کی طرف اس امید پر ہجرت کی ہے کہ تو میری ہر مصیبت میں مدد کرے گا تو تو مجھے اس مصیبت کے بوجھ میں ہرگز نہ ڈالے گا۔ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ جوان نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اس نے کھانا کھایا اور ہم نے بھی کھایا۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۰)

عبداللہ بن عبید اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو دفن کیا تھا اور وہ ہمامہ میں شہید ہوا تھا۔ جب ہم نے اس کو قبر میں اتارا تو وہ کہہ رہے تھے کہ محمد ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ شہید رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ نیکو کار اور رحیم ہیں۔ پھر ہم نے جب غور سے دیکھا تو وہ مردہ تھے۔

حضرت نعمان بن بشر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں مردہ ہو کر گر پڑے۔ ان کو اٹھایا گیا اور کپڑا ڈال دیا گیا۔ مغرب و عشاء کے درمیان جب عورتیں اس کے گرد بین (چنچنا چلانا) کر رہی تھیں تو یہ کہتے سنا: خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ۔ اس وقت اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا گیا۔ تب اس نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول نبی و اُمی اور خاتم النبیین ہیں اور یہ بات پہلی کتابوں میں مکتوب ہے۔ پھر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا، سچ فرمایا اور اس نے حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا۔ پھر کہا کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ پھر دوبارہ وہ ایسے مردہ ہو گئے جیسے کہ تھے۔

(دلائل النبوة للبيهقي جلد ۶ صفحہ ۵۷-۵۶)

## بیسویں فصل

بیماروں اور مریضوں کو تندرست کرنا

حدیث: ابن قتادہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اور ایک جماعت صحابہ نے احد کا طویل قصہ بیان کیا اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارے مشائخ مذکورین نے کہا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ایسا تیر دیا کرتے کہ جس کا لوہا نہ ہوتا تھا۔ پھر فرماتے: اُس کو پھینکو اور وہ تیر کام کرتا (یہ آپ کا معجزہ تھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن اپنی کمان سے اتنے تیر چلائے کہ وہ ٹوٹ گئی اور اس دن قتادہ یعنی ابن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تیر لگا۔ یہاں تک کہ وہ حلقہ سے باہر نکل کر رخسار پر آ پڑی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے مقام پر لوٹا دیا۔ تو وہ آنکھ دوسری سے بہت اچھی ہو گئی۔

عاصم بن عمر بن قتادہ اور یزید بن عیاض بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہما نے قتادہ رضی اللہ عنہ کے قصے کو بیان کیا اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ذی قرو (جگہ کا نام ہے) کے دن ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر جہاں تیر کا زخم تھا، لعاب دہن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ پر نہ زخم کا اثر رہا اور نہ پیپ پڑی۔

(بیہقی فی الخصائص جلد ۱۰، صفحہ ۲۵۰)

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ ایک نابینا (اندھے) نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کیجئے کہ میری آنکھوں کی روشنی کھول دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ سنن ترمذی کتاب المناقب صفحہ ۳۱۳ الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۱۵

۲۔ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۹۷

نے فرمایا: جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھو۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھو:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَآتُوجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا  
مُحَمَّدُ إِنِّي أَتُوجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ أَنْ يُكَشِفَ عَنِّي بَصَرِي اللَّهُمَّ  
شَفِّعْهُ فِيَّ.

اے اللہ ﷺ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد ﷺ جو نبی  
رحمت ہیں کے ذریعہ متوجہ ہوتا ہوں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ ﷺ کے  
ذریعے آپ ﷺ کے رب ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری روشنی کھول  
دے۔ اے خدا میرے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ اس حال میں واپس آیا کہ اللہ ﷺ نے اس کی آنکھیں روشن کر دی  
تھیں۔ (سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۲۲۹ سنن ابن ماجہ کتاب لاقامہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ عمل الیوم واللیلہ صفحہ ۲۰۵-۲۰۴)  
منقول ہے کہ ایک نیزے باز کے لڑکے کو مرض استسقاء ہو گیا تھا۔ تو اس نے نبی کریم ﷺ کی  
خدمت میں بھیجا۔ پھر آپ نے ایک مٹھی زمین کی مٹی لے کر اس پر تھوکا پھر اس کے قاصد کو دے دیا۔ اس  
نے متحیر ہو کر لیا۔ وہ گمان کرتا تھا کہ (معاذ اللہ) اس سے تمسخر کیا گیا ہے۔ تو وہ اس کو لے کر آیا درانحالیکہ  
مریض قریب مرگ تھا۔ تو اس کو (کھول کر) پلا دیا۔ اللہ ﷺ نے اس کو تندرست کر دیا۔

(واقعی کتاب المغازی جلد ۱ صفحہ ۳۵۰، دلائل النبوة لابن نعیم صفحہ ۵۱۲)

عقبی رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب ابن نو یک رضی اللہ عنہ (جن کو فریک کہا جاتا ہے) سے روایت کی ہے کہ ان  
کے والد کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں (یعنی پانی اتر کر روشنی جاتی رہی تھی) حتیٰ کہ دونوں سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تو  
رسول اللہ ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں میں پھونک ماری (لعاب دہن ڈالا) تو وہ روشن (بیٹا) ہو گئی۔ میں  
نے ان کو دیکھا کہ وہ سوئی میں ڈورا ڈال لیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی عمر اسی سال کی تھی۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۷۳)

کثوم بن حصین رضی اللہ عنہ کے گلے میں غزوة احد کے دن تیر لگا تو رسول اللہ ﷺ نے اس میں  
لعاب دہن لگایا وہ اسی وقت اچھے ہو گئے۔

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے زخم پر آپ ﷺ نے لب مبارک لگایا تو اس کی پیپ جاتی رہی۔  
(زخم اچھے ہو گئے) (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۹۸)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی آنکھوں میں خیبر میں آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا

در آنحالیکہ ان کی آنکھیں پر آشوب تھیں تو انہوں نے صحت کے ساتھ صبح کی۔

(صحیح بخاری کتاب الفصائل جلد ۵ صفحہ ۱۶، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کے زخم پر خیر کے دن آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا تو وہ اسی

وقت اچھی ہو گئی۔ (صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۱۰، سنن ابوداؤد کتاب الطب جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)

اور زید بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں اس وقت لعاب دہن لگایا جبکہ اس نے کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا اور اس نے ان کی ایرٹھی پر تلوار ماری تھی تو وہ اسی وقت اچھے ہو گئے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۹۹-۱۹۲، واقعی کتاب المغازی جلد ۱ صفحہ ۱۸۷)

علی بن حکم رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر غزوہ خندق کے دن جبکہ وہ ٹوٹ گئی تھی آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا تو وہ اسی جگہ تندرست ہو گئے اور اپنے گھوڑے سے اترے بھی نہیں۔

(امام بغوی فی معجم کمانی منابہ الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۳۷)

حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور ﷺ سے ایک بیماری کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے دعا مانگی اور کہا: اے اللہ ﷻ ان کو شفا دے یا فرمایا: ان کو آرام دے۔ پھر آپ ﷺ نے پائے اقدس سے ایک ضرب لگائی۔ اس کے بعد کبھی ان کو اس درد کی شکایت نہ ہوئی۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۷۹)

معوذ بن عفران رضی اللہ عنہ (جو تیرہ سالہ مجاہد تھے) کا ہاتھ ابو جہل نے بدر کے دن کاٹ ڈالا تو وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعاب دہن لگا کر جوڑ سے ملا دیا تو وہ جڑ گیا۔ اس کو ابن وہب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

ان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حنیب بن سیاف رضی اللہ عنہ کو بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے کندھوں پر تلوار کی ایک ضرب پڑی جس سے وہ لٹک گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقام پر لوٹا کر اس پر لعاب کا دہن لگا دیا۔ حتیٰ کہ بالکل تندرست ہو گیا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۷۸)

قبیلہ خثعم کی ایک عورت ایک بیمار بچے کو ساتھ لے کر خدمت میں حاضر ہوئی وہ کلام نہیں کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا تو آپ ﷺ نے پانی سے منہ دھویا اور اپنے دونوں دست مبارک دھولے۔ پھر وہ پانی اس کو دیا اور اس کو پینے اور جسم پر ملنے کا حکم دیا۔ تو وہ بچہ اسی وقت تندرست ہو گیا اور عقل مند ہو گیا اور دوسروں سے زیادہ عقل والا ہو گیا۔

(مصنف ابن شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۲، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۲۶۳)

۱. مطلب یہ کہ وہ میری اپنی اولاد تھی۔ (ادارہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت پاگل بچے کو لے کر آئی۔ آپ ﷺ نے اس کے سینہ کو ملا۔ اس کو زور کی کھانسی آئی اور اس کے پیٹ میں سے کوئی ایسی چیز نکلی جو سیاہ کتے کے بچے کی مانند ہو اور بھاگ گئی۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۸۷)

محمد ابن حنبلہ جب وہ بچہ تھا تو اس کے ہاتھ (کلائی) پر گرم ہانڈی لوٹ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کو دست مبارک سے مسح کیا اور اس کے لئے دعا فرمائی اور اس پر لب لگایا تو وہ اسی وقت اچھا ہو گیا۔

(تحفة الاشراف جلد ۸ صفحہ ۳۵۵، عمل یوم والمیلہ صفحہ ۶-۲۹۵-۷۷۷ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۷۴)

شرجیل جعفیؓ کی ہتھیلی پر رسولی ہو گئی تھی جو تلوار اور گھوڑے کی لگام پکڑنے سے روکتی تھی۔ نبی کریم ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے ملتے رہے یہاں تک وہ جاتی رہی اور اس کا کوئی نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

ایک لونڈی نے آپ ﷺ سے اس وقت کھانا مانگا جب کہ آپ ﷺ تناول فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کو اپنے آگے سے کھانا اٹھا کر دینا چاہا۔ اس میں چونکہ حیا کم تھی۔ عرض کیا: میری مراد یہ ہے کہ اپنے منہ کا لقمہ مرحمت فرمادیں۔ تو آپ ﷺ نے وہی نکال کر عنایت فرما دیا۔ آپ ﷺ کی عادت کریمہ یہی تھی۔

آپ ﷺ سے کوئی سوال کیا جائے آپ ﷺ اس کو رد نہ فرماتے تھے پس جب وہ لقمہ طیبہ اس کے پیٹ میں گیا تو وہ ایسی حیا دار بن گئی کہ مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر کوئی حیا دار عورت نہ تھی۔

(طبرانی کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶)

## اکیسویں فصل

### اجابتِ دعا

حضور ﷺ کی دعاؤں کے قبول ہونے کا باب بہت وسیع ہے اور لوگوں کے لئے آپ ﷺ کی دعائیں ان کے نفع و نقصان میں توازن کے ساتھ ثابت ہیں۔ فی الجملہ یہ بدیہی معلوم ہے۔

بلاشبہ حضرت حذیفہؓ کی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے لئے دعا فرماتے تو وہ دعا اس کے لئے اور اس کے بیٹے اور پوتوں کے لئے ہوتی۔ (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۶۸)

حدیث: حضرت انسؓ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے عرض

کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم انس رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کا خادم ہے۔ اس کے لئے اللہ ﷻ سے دعا فرمائیے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی: اے اللہ ﷻ اس کے مال و اولاد میں کثرت عطا فرما اور جو تو اس کو دے اس میں برکت مرحمت فرما۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۸ صفحہ ۶۳، صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۹۲۸، مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۲۳۸-۱۸۸-۱۰۸)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میرے پاس بہت مال ہے اور میرے بیٹے اور پوتے آج سو کے قریب ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نہیں جانتا کوئی مجھ سے زیادہ عیش و آرام میں ہو۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سو بیٹوں کو دفن کیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ کچے گرے تھے یا وہ پوتے تھے۔ (مطلب یہ کہ وہ میری اپنی اولاد تھی۔ ادارہ) لیکن ان میں سے حضور رضی اللہ عنہ کی دعائے برکت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے ہے۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر اٹھاتا تو مجھے امید ہوتی کہ اس کے نیچے سونا ہوگا۔ اللہ ﷻ نے ان کو بہت مال دیا۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کے ترکہ سے وہ سونا جو سونا زمین میں دبا ہوا تھا پھاڑے سے نکالا گیا یہاں تک کہ ہاتھ سرخ ہو گئے اور ان کی چاروں بیویوں کو اتنی اتنی ہزار دینار دیئے گئے اور ایک روایت میں ایک ایک لاکھ دینار۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک عورت سے اتنی ہزار دینار پر صلح کی گئی تھی کیونکہ اس کو بیماری میں طلاق دے دی تھی اور زندگی میں مختلف صدقات مشہورہ اور احسانات عظیمہ کے بعد پچاس ہزار کی وصیت کی تھی۔

ایک دن میں غلام آزاد کئے اور ایک مرتبہ سات سو اونٹ جو مختلف سامان سے لدے ہوئے ان کے پاس آئے تھے۔ مع ان تمام سامان پالان و پوشش وغیرہ کے صدقہ کر دیئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے حکومت کی دعا مانگی سو وہ انہیں حاصل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لئے دعا مانگی۔ خدا نے اسے بھی قبول فرمایا۔ غرضیکہ جس کے لئے بھی آپ نے دعا مانگی اللہ ﷻ نے اسے قبول فرمایا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۸۹، سنن ترمذی کتاب الناقب جلد ۵ صفحہ ۳۱۳)

حضور رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب یا ابو جہل کے ذریعے غلبہ اسلام کی دعا مانگی تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے قبول ہو گئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہمیشہ عزت کے ساتھ رہے جس دن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

ایک غزوہ میں لوگوں کو پیاس کی تکلیف پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی آپ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی تو بادل آئے اور ہماری ضرورتیں پوری کر کے کھل گئے۔ طلب

۱۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۳۶، صحیح الزوائد جلد ۵ صفحہ ۱۸۶



بارش (استقاء) کے لئے دعا کی گئی تو بارش ہونے لگی۔ جب بارش کی شکایت کی گئی تو آپ ﷺ نے دعا کی بادل کھل گیا۔

حضرت ابو قتادہ ؓ کے لئے دعا کی کہ تمہارا چہرہ کامیاب ہو اے اللہ ﷻ ان کے بالوں اور جسم میں برکت دے تو وہ جس وقت فوت ہوئے باوجودیکہ ستر سال کے تھے مگر پندرہ سال کے نوجوان معلوم ہوتے تھے۔

آپ ﷺ نے نابغہ ؓ کے لئے فرمایا۔ اللہ ﷻ تمہارے منہ کو نہ توڑے تو ان کا ایک دانت بھی نہ گرا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ دانتوں کی وجہ سے سب سے بڑھ کر خوبصورت تھے۔ جب کوئی دانت گرتا تو دوسرا اس کی جگہ نکل آتا۔ حالانکہ وہ ایک سو بیس سال حیات رہے اور ایک روایت اس سے زیادہ بھی ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس ؓ کے لئے دعا کی۔ اے اللہ ﷻ ان کو دین کی سمجھ (فہم) عطا فرما اور ان کو تفسیر کا علم دے تو اس کے بعد ان کا نام حمر (بوا عالم) اور ترجمان القرآن مشہور ہو گیا۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۶۲ مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت)

آپ ﷺ نے عبداللہ بن جعفر ؓ کے لئے ان کے خرید و فروخت میں دعا کی تو وہ جو چیز خریدتے اس میں نفع ہوتا۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۶۷ مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت ۳۶۷)

آپ ﷺ نے مقداد ؓ کے لئے برکت کی دعا مانگی تو ان کے پاس بہت مال جمع ہو گیا۔ اسی طرح عروہ بن ابی جعد ؓ کیلئے برکت کی دعا کی۔ (وہ فرماتے ہیں) اگر میں کساد بازاری میں کھڑا ہوتا تو جب لوٹتا تو مجھے چالیس ہزار کا نفع ہوتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی حدیث میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ مٹی خریدتے تو اس میں بھی نفع ہوتا۔ اسی طرح غرقہ ؓ کے لئے مروی ہے۔

حضور ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو ہو اس کو گھیر کر آپ ﷺ کی خدمت میں واپس لے آئی۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی والدہ کے لئے دعا کی تو وہ اسلام لے آئیں۔

حضرت علی ؓ کے لئے دعا کی کہ گرمی اور سردی سے محفوظ رکھ۔ تو وہ سردی میں گرمی کے کپڑے اور گرمی میں سردی کے کپڑے پہنتے تو انہیں سردی ستاتی نہ گرمی۔

اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے دعا کی وہ کبھی بھوکی نہ رہیں۔ تو وہ فرماتی ہیں کہ میں کبھی بھوکی نہ رہی۔

طفیل ابن عمروؓ نے اپنی قوم کے لئے آپ ﷺ سے کوئی نشانی مانگی تو آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ ﷻ اس کو نور دے تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمکنے لگا۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں لوگ مثلہ یعنی برص کا داغ نہ کہنے لگیں۔ تو وہ نور ان کے کوڑے کی طرف پھیر دیا گیا۔ پس وہ اندھیری رات میں چمکتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کا نام صاحب نور پڑ گیا۔

قبیلہ مضمیر پر آپ ﷺ نے بددعا کی تو ان پر قحط اتنا شدید پڑا کہ قریش نے آپ ﷺ سے رحم کی درخواست کی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی اور وہ سیراب ہوئے۔

اور فارس کے بادشاہ کسریٰ پر آپ ﷺ نے اس وقت بددعا کی جب اس نے آپ ﷺ کا گرامی نامہ چاک کیا۔ آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ ﷻ اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ تو اس کا ملک اس کے لئے باقی نہ رہا۔ حالانکہ فارس کی حکومت دنیا میں رہی ہے۔

آپ ﷺ نے اس بچے پر بددعا کی جس نے آپ ﷺ کی نماز توڑی تھی کہ اے اللہ ﷻ اس کا نشان قطع کر دے تو وہ مفلوج ہو کر بیٹھ گیا۔

ایک مرد کے لئے فرمایا جبکہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ فرمایا: اپنے داہنے ہاتھ سے کھا تو اس نے کہا میں اس کی قدرت نہیں رکھتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کبھی اس کی قدرت نہیں پائے گا۔ پھر کبھی وہ ہاتھ منہ تک نہ اٹھا سکا۔

آپ ﷺ نے عتبہ ابن ابی لہب کے لئے بددعا کی۔ اے اللہ ﷻ تو اس پر اپنے کتوں میں سے کتا مسلط کر دے۔

چنانچہ اس کو شیر نے کھا لیا۔ یہ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے مشہور ہے کہ قریش نے اوجھ کو جس میں گوبر اور خون تھا جبکہ آپ ﷺ سجدہ میں تھے پیٹھ پر رکھ دیا۔ تو آپ ﷺ نے نام بنام ذکر کر کے بددعا کی۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بیشک ہم نے ان سب کو دیکھا کہ بدر کے دن وہ سب مارے گئے۔

حکم ابن ابی عاص پر آپ ﷺ نے بددعا کی کیونکہ وہ آپ ﷺ کو منہ چڑاتا اور آنکھ کے اشارے کرتا تھا۔ یعنی یونہی نہیں بلکہ تمسخر (مذاق) کرتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ایسا ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کا چہرہ ویسا ہی ہو گا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

محلّم بن جثامہ پر آپ ﷺ نے بددعا کی تو وہ سات دن میں مر گیا اور زمین نے اس کو اگل دیا۔ پھر وہ دبایا گیا پھر اس کو اگل دیا۔ یہ کئی مرتبہ ہوا۔ تب اس کو دوّاد یوں کے درمیان ڈال دیا اور

لوگوں نے اس پر پتھر پھینکے۔ (الصُّد) وادی کے کنارے کو کہتے ہیں۔

ایک شخص نے گھوڑا آپ ﷺ کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کیا۔ حالانکہ اس بارے میں اس کی خزیمہ ﷺ نے نبی کریم ﷺ کے لئے گواہی دی تھی۔ بعد کو آپ ﷺ نے گھوڑا اس پر واپس کر دیا اور فرمایا: اے خدا اگر یہ جھوٹا ہے تو اس میں برکت نہ دے تو جب صبح ہوئی تو گھوڑے نے ٹانگیں اٹھا لیں۔ (یعنی وہ مر گیا)

اس باب میں تو اس کثرت سے معجزات ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

دعا کے سلسلے میں گزری تمام احادیث کی تخریج ”مناہل الصفاء“ للسیوطی صفحہ ۱۳۹ میں دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۵۸۱ درج ہے۔ یہ حوالہ تمام احادیث کا بھی ہو سکتا ہے یا کچھ کا بھی مزید تحقیق کے لیے محققین حضرات عربی کتب دیکھیں۔

## بائیسویں فصل

حضور ﷺ کے معجزات و برکات اور جو چیز آپ ﷺ سے مس کر گئی اس کی حقیقت کا بدلنا

حدیث: حضرت انس ابن مالک ﷺ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ ایک رات اہل مدینہ (خوناک آواز کی وجہ سے) گھبرا گئے تو رسول اللہ ﷺ ابی طلحہ ﷺ کے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر تشریف لے گئے اور وہ گھوڑا قطف یعنی ست رفتار تھا اور دوسروں نے کہا کہ وہ آہستہ آہستہ چلتا تھا۔ پھر جب واپس آئے تو ابو طلحہ ﷺ سے فرمایا۔ میں نے تمہارے گھوڑے کو دریا کی مانند پایا چنانچہ وہ گھوڑا کبھی کسی سے پیچھے نہ رہا۔

حضرت جابر ﷺ کی اونٹنی کے پاؤں پر آپ ﷺ نے ایک لکڑی ماری کیونکہ وہ بہت سست اور کم چال تھی پھر تو وہ ایسی تیز ہوئی کہ اس کی لگام سنبھالی نہ جاتی تھی۔

اس طرح آپ ﷺ نے جمیل اشجعی ﷺ کے اونٹنی کی پاؤں پر لکڑی ماری اور برکت کی دعا فرمائی تو وہ اتنی تیز ہو گئی کہ اپنا سر قبضہ میں رکھنا مشکل ہو گیا اور اس سے جو بچے ہوئے وہ بارہ ہزار کے فروخت ہوئے۔

حضرت سعد بن عبادہ ﷺ کے سست رفتار گدھے پر ایک مرتبہ آپ ﷺ سوار ہوئے۔ پھر جب آپ نے اس کو واپس کیا تو وہ اس قدر تیز رفتار ہو گیا کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید ﷺ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند بال تھے تو وہ جس جہاد اور جنگ میں مصروف پیکار ہوئے یقیناً انہیں فتح ہوئی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے اطلسی جبہ نکالا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے۔ ہم اس کو دھو کر مریضوں کو پلاتے ہیں تو وہ اس کی برکت سے شفا یاب ہو جاتے ہیں۔

جہاں غفاری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں سے وہ لکڑی (جو حضور ﷺ کے پاس رہتی تھی) لی تاکہ اس کو گھٹنے پر توڑ دے اس پر لوگ چلائے تو (اس بے ادبی کی وجہ سے اس کے پاؤں میں) آکلہ یعنی ناسور ہو گیا۔ پھر اس کو کٹوایا مگر ایک سال کے اندر اندر وہ مر گیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی قبا کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ پھر اس کے بعد اس کا پانی کبھی نہ ٹوٹا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۳۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کنوئیں میں جو ان کے گھر میں تھا ایک مرتبہ آپ ﷺ نے لعاب دہن ڈالا۔ تو مدینہ طیبہ میں ان کے کنوئیں سے زیادہ شیریں پانی کسی میں نہ تھا۔

(ابو نعیم کمانی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۳۰)

ایک سفر میں آپ ﷺ کا ایک ایسے پانی پر گزر رہا جو کھاری تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام پوچھا: اس کنوئیں کا نام بیسان بتایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں وہ نعمان ہے اور اس کا پانی طیب و عمدہ ہے تو وہ بیٹھا ہو گیا۔

ایک ڈول میں زمزم کا پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا تو اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ پاکیزہ ہو گئی۔ حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے منہ میں اپنی زبان دی۔ انہوں نے اس کو چوسا حالانکہ وہ پیاس کی شدت میں رو رہے تھے تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

(طبرانی کمانی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۳۰)

ائم مالک رضی اللہ عنہا کے پاس ایک گھی کی کچی تھی جس میں آپ ﷺ کے پاس وہ گھی بھیجا کرتی تھیں تو ان سے آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو نچوڑنا نہیں۔ پھر واپس کر دیا۔ پس کیا دیکھتی ہیں کہ گھی ویسا کے ویسا ہی بھرا ہوا تھا۔ تو ان کے پاس ان کے بچے آتے اور سالن مانگتے اگر ان کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی تو اس کچی کے پاس آتیں اور اس سے گھی نکال کر دے دیتیں وہ گھی اس میں مدت تک رہا حتیٰ کہ ایک دن نچوڑ لیا۔ (صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۸۳، دلائل النبوة جلد ۶ صفحہ ۱۱۴)

آپ ﷺ شیر خوار بچوں کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا کرتے وہ ان کو رات تک کفایت کرتا رہتا تھا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۲۶)

اسی قبیل سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دست مبارک سے جو چیز چھو جاتی اس میں برکت ہوتی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مالک نے جب ان کو مکاتب بنایا تو یہ شرط لکھائی تھی کہ یہ تین سو چھوٹی کھجوروں کے درخت لگائیں اور اس باغ کی قیمت مالک کے لئے ہے۔ اس کے پھل لگیں اور کھائی جائیں۔ اس کے علاوہ چالیس اوقیہ سونا اپنی قیمت میں ادا کریں (تب وہ آزاد ہوں گے ایک اوقیہ کا وزن چالیس درم ہوتا ہے) تب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے دست مبارک سے ان کے لئے باغ لگایا۔ سوائے ایک درخت کے کہ اس کو دوسرے نے لگایا تھا تو سب نے پھل دیئے سوائے اس درخت کے تو آپ ﷺ نے اس کو اکھیڑ کر دوبارہ لگایا اور اس سے پھل حاصل کئے۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ ایک کے سوا سب نے کھجوریں کھلائیں تو آپ ﷺ نے اس کو اکھیڑ کر دوبارہ لگایا تو وہ بھی اسی سال پھل لے آیا اور ایک مرغی کے انڈے کے برابر آپ ﷺ نے اپنا لب لگا کر سونا ان کو دیا۔ ان کے مالکوں نے اس میں سے چالیس اوقیہ تول کر لے لیا اور ان کے پاس جتنا دیا تھا اتنا ہی باقی رہا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۹۷، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۳۷-۳۳۶)

حنس بن عقیل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گھونٹ ستوپی کر آخر میں مجھے پلایا تو اب مجھے بھوک لگتی ہے تو اس کی سیری پاتا ہوں اور جب پیاس لگتی ہے تو اس کی سیرابی اور ٹھنڈک پاتا ہوں۔ (رواہ قاسم فی الدلائل بطریق موسیٰ بن عقبہ عن المسور بن مخرمہ کمانی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۴۱)

ایک تاریک اندھیری رات میں قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے ایک شاخ دی اور فرمایا: لے جاؤ یہ تمہیں تمہارے دس گز آگے اور دس گز پیچھے تک روشنی دے گی اور جب تم گھر میں داخل ہو گے تو اس کو سیاہ دیکھو گے تو اس کو مارنا یہاں تک کہ وہ سیاہی نکل جائے کیونکہ وہ شیطان ہے۔ پس چلے تو اس ٹہنی نے روشنی دی۔ حتیٰ کہ جب گھر میں داخل ہوئے تو اس میں سیاہی پائی تو انہوں نے اس کو مارا یہاں تک کہ وہ سیاہی دور ہو گئی۔ (مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۶۵)

انہیں واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو ایک لکڑی کی جڑ دی جبکہ ان کی تلوار بدر کے دن ٹوٹ گئی تھی۔ فرمایا: اس سے مارو تو وہ لکڑی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ جو کاٹتی تھی اور لمبی سفید اور نہایت تیز تھی۔ اس سے لڑتے رہے پھر وہ ہمیشہ ان کے پاس رہی یہاں تک کہ اس سے بکثرت جہاد کئے۔ حتیٰ کہ مرتدین کی لڑائی میں (خلافت صدیقی) میں وہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کا نام انہوں نے عون رکھا تھا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۹۸)

اور عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو احد کے دن جب ان کی تلوار جاتی رہی تو آپ ﷺ نے کھجور کی ٹہنی

دی۔ تو وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۵۰)

انہیں برکات میں سے یہ بھی ہے کہ ان بکریوں کا دودھ زیادہ ہو گیا جو بے دودھ تھیں یا حاملہ نہ تھیں۔ جیسے ام معبد اور معاویہ بن ثور رضی اللہ عنہما کے بکریوں کا قصہ ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بکری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بکریوں کے ریوڑ اور ان کی دہلی اونٹنی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی وہ بکری جس کو نرنے نہ چھو اتھا اور مقداد رضی اللہ عنہ کی بکری کے قصے ہیں اور انہیں برکات میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی کی مشک میں صحابہ کے لئے پانی زیادہ کرنا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دہانہ کو باندھ دیا تھا اور اس میں دعا کی تھی۔ پس جب نماز کا وقت ہوا تو وہ اترے اور مشکیزہ کا دہانہ کھولا تو اس میں عمدہ دودھ مکھن والا تھا۔

حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر دست مبارک پھیر کر برکت کی دعا فرمائی تو جب انہوں نے اسی سال کے ہو کر انتقال کیا تو وہ جوان معلوم ہوتے تھے۔

اس قسم کے واقعات بہت سے لوگوں سے مروی ہیں۔ ان میں سے صائب بن یزید اور مدلوک رضی اللہ عنہما کے واقعات ہیں اور عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کی خوشبو عورتوں کی خوشبوؤں پر غالب تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک ان کے پیٹ اور پیٹھ پر پھیرا تھا اور آپ نے عائشہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے چہرہ سے خون کو اپنے دست مبارک سے صاف کیا جبکہ وہ حنین کے دن زخمی ہو گئے تھے اور ان کے لئے دعا فرمائی تو ان اک چہرہ اسی طرح دکنے لگا تھا جیسے گھوڑے کی سفید پیشانی چمکتی ہے۔

آپ نے قیس بن زید رضی اللہ عنہ جذامی (کوزھی) کے سر پر دست مبارک پھیر کر دعا فرمائی۔ تو وہ سو سال کے ہو کر فوت ہوئے۔ ان کا سر سفید تھا مگر جہاں آپ کا دست مبارک پھرا تھا اس جگہ کے بال سیاہ تھے۔ ان کا نام ہی اغری یعنی روشن پیشانی والا پڑ گیا۔

اسی طرح عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حکایت بھی مروی ہے۔ ایک اور شخص رضی اللہ عنہ کے چہرے کو آپ نے چھوا تو اس کے چہرہ پر ہمیشہ نور رہا اور آپ نے قتادہ بن بلجان رضی اللہ عنہ کے چہرے کو مس فرمایا تو ان کا

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۳۰ (۲)۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۳۰۴ (۳)۔ الخصال الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۵۴

۲۔ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۲۶۲ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۸۴ (۵)۔ صحیح مسلم کتاب الاطعمہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۵

۶۔ ابن سعد کفای منال الصفاء صفحہ ۱۴۲ (۷) دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۰۸ (۸) دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۱۵

۹۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۱۶ (۱۰)۔ طبرانی کبیر جلد ۱۸ صفحہ ۲۰؛ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۱۲ (۱۱)۔ الاصابہ لابن ابی حجر جلد ۳

صفحہ ۲۴۷ (۱۲)۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۱۶ (۱۳)۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۹۹ (۱۴)۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ

۲۱۷ الفتح الربانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۴۶

چہرہ چمکنے لگا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کے چہرے میں ایسے دیکھتے تھے جیسے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔  
 آپ نے حنظلہ بن خذیم رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا دست مبارک رکھ کر ان کے لئے دعائے برکت فرمائی تو ان کا یہ حال تھا کہ ان کے پاس وہ آدمی لایا جاتا جس کے چہرے پر ورم ہوتا یا وہ بکری لائی جاتی جس کے تھن میں ورم ہوتا تو وہ اس جگہ مس کرتے جہاں آپ نے اپنی ہتھیلی رکھی تھی تو وہ ورم چلا جاتا۔

زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ پر آپ نے پانی کے چھینٹے مارے تو وہ حسن و جمال میں ایسی مشہور ہو گئیں کہ کسی عورت میں ایسا نہ تھا۔ ایک بچے کے سر پر جو گنجا وغیرہ تھا آپ نے اپنا دست مبارک پھیرا وہ اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔ اور اس کے بال برابر نکل آئے۔

ان کے علاوہ بہت سے بچوں، مریضوں اور پاگلوں کو آپ نے تندرست فرمایا۔ آپ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کے فوطے بڑھے ہوئے تو اس کو فرمایا کہ اس کو اس پانی سے چھینٹے دو جس میں آپ نے کلی کھادی ہے۔ اس نے ایسا کیا اور اچھا ہو گیا۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو دیوانہ پاگل بھی آپ کی خدمت میں لایا جاتا آپ اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرتے تو اس کا جنون جاتا رہتا۔

ایک کنوئیں سے پانی نکال کر اس ڈول میں آپ نے کلی کی۔ پھر وہ پانی اس میں ڈال دیا گیا۔ تو اس سے مشک کی خوشبو آنے لگی۔ غزوہ حنین کے دن آپ نے ایک مٹھی لے کر شاہت الوجوہ پڑھ کر کفار کے چہروں پر پھینکی تو وہ اٹے پاؤں آنکھوں سے مٹی صاف کرتے بھاگے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے نسیان (بھول) کی شکایت کی تو آپ نے دامن پھیلانے کا حکم دیا۔ آپ نے چلو کی طرح بھر بھر کر اس میں ڈالا پھر اس کو سینے سے ملانے کا حکم دیا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد پھر کبھی بھول کی شکایت نہ ہوئی۔

اس نسیان کے دور کرنے کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ سے بکثرت روایتیں مروی ہیں اور جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے سینے پر آپ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ مار کر ان کے لئے دعا فرمائی۔ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ

۱۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۱۲

۲۔ الاستیصاب جلد ۲ صفحہ ۳۲۰

۳۔ الخصائص الکبریٰ للابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۷۱-۷۰

۴۔ فتح الربانی جلد ۲ صفحہ ۸۸

۵۔ صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۰۲

۶۔ صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۹۳۱-۱۹۳۹ صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۲۹

۷۔ صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۹۲۵ صحیح بخاری کتاب الفعائل جلد ۱ صفحہ ۳۳

سے شکایت کی تھی کہ وہ گھوڑے پر ٹھہر نہیں سکتے۔ اس کے بعد وہ عرب کے شہسواروں اور گھوڑے پر جم کر بیٹھنے والوں میں ہو گئے۔ عبدالرحمن بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سر پر آپ ﷺ نے ہاتھ پھیرا کیونکہ وہ بچپن میں چچک زدہ تھے اور آپ ﷺ نے ان کے لئے دعائے برکت فرمائی تو وہ لوگوں میں لمبا اور خوب رو ہو گیا۔

## تیسویں فصل

### آپ ﷺ کو غیب پر اطلاع ہونا

انہیں معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو غیب پر مطلع فرمایا اور آئندہ ہونے والے واقعات سے باخبر کیا۔ اس باب میں احادیث کا وہ بحر ذخار ہے کہ کوئی اس کی گہرائی کو جان ہی نہیں سکتا اور نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے معجزات میں سے یہ ایسا معجزہ ہے جس کی قطعیت معلوم ہے اور ہم تک اس کی خبریں متواتر طریقہ سے کثرت سے پہنچی ہیں کیونکہ اس کے راوی اس کثرت سے نہیں کہ وہ اپنے معنی میں غیب پر مطلع ہونے پر متفق ہیں۔

**حدیث:** حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم میں رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا تو آپ ﷺ نے کوئی چیز نہ چھوڑی جو قیامت تک اپنی جگہ ہونے والی ہو کہ اس کو آپ ﷺ نے بیان فرمایا جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ یہ میرے ساتھی ان کو جانتے ہیں بیشک اس میں سے کوئی بات ہو جاتی ہے تو میں اس کو پہچان لیتا ہوں اور یاد کر لیتا ہوں۔ جیسا کہ آدمی اس شخص کے چہرے کو جان لیتا ہے جو اس سے غائب ہو جائے۔ پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو وہ پہچان لیتا ہے۔ اس کے بعد حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نہیں جانتا یہ میرے ساتھی اسے بھول گئے ہیں یا وہ بھلا دیئے گئے ہیں۔ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک جتنے فتنے پیدا کرنے والے قائد (لیڈر درہنما) ہوں گے کسی کو نہ چھوڑا۔ ان کی تعداد تین سو سے زائد تک پہنچتی ہے بیشک آپ ﷺ نے ان کے نام اور ان کے باپ اور ان کے قبیلہ کے نام تک بیان فرمادیئے ہیں۔

(سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۲-۲۳۳ صحیح بخاری کتاب القدر جلد ۸ صفحہ ۱۰۵ صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۱۲۱ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۱۳)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسا پرندہ تک نہ چھوڑا جو آسمان میں اسے رمارتا مگر آپ نے اس کو ہم سے بیان فرمایا۔



اہل صحاح اور آئمہ رحمہم اللہ نے بلاشک وہ باتیں بیان کی ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بتلائی ہیں اور ان کو ان کے دشمنوں پر غلبہ کا اور فتح مکہ و بیت المقدس،<sup>۱</sup> یمن و شام اور عراق کا وعدہ کیا اور امن و امان کے ظہور کی خبر دی تھی حتیٰ کہ ایک عورت بلا خوف و خطر حیرہ سے مکہ مکرمہ تک چلی جائے گی۔ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوگا اور یہ کہ مدینہ شہر پر عنقریب لڑائی ہوگی اور کل حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ پر فتح خیبر ہوگا اور اللہ ﷻ آپ کی امت پر دنیا فتح فرمائے گا۔ اس کی نعمتیں ان کو ملیں گی<sup>۲</sup> اور کسریٰ و قیصر کے خزانے ان پر تقسیم ہوں گے اور آپ نے ان باتوں کی خبر دی جو ان میں فتنے اور اختلاف اور اہل ہوا پیدا ہوں گے اور یہ کہ دو پہلوں کے راستوں پر چل کر ان کے تہتر ٹکڑے ہو جائیں گے اور ان میں ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا۔

اور یہ بھی بتایا کہ ان کے فرش نفیس ہوں گے اور صبح و شام لباس بدلیں گے۔ ان کے آگے ایک کھانے کا برتن اٹھایا جائے گا اور دوسرا رکھا جائے گا۔ وہ اپنے گھروں میں پردے ڈالیں گے جیسے کعبہ معظمہ پر پردے پڑتے ہیں۔<sup>۳</sup> پھر آپ نے آخر کلام میں فرمایا:

حالانکہ آج کے دن تم آنے والوں دنوں سے بہت بہتر ہو جبکہ وہ لوگ اکڑ کر چلیں گے اور ان کی خدمت میں فارس و روم کی لڑکیاں ہوں گی اور اس وقت اللہ ﷻ ان میں باہمی عداوت ڈال دے گا

- ۱۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۲۱-۱۲۰ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۳۰۵
- ۲۔ صحیح بخاری کتاب الجزیہ بات ما بعد من الغد جلد ۲ صفحہ ۸۰ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۱
- ۳۔ صحیح مسلم کتاب الحج، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۰
- ۴۔ صحیح مسلم کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۳
- ۵۔ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۹
- ۶۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۱۱ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۳۲۱
- ۷۔ صحیح مسلم کتاب الذکر جلد ۵ صفحہ ۲۰۹۸، کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۲۹، ابن ماجہ و ترمذی کتاب الفتن الی آخرہ
- ۸۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۳ صحیح مسلم کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۱۳۵۳، کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۳۲۳
- ۹۔ صحیح بخاری کتاب الفتن باب صلوة کفارہ، صحیح مسلم کتاب الفتن، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۸۷
- ۱۰۔ صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۳، صحیح مسلم کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۵
- ۱۱۔ سنن ترمذی کتاب الایمان جلد ۲ صفحہ ۱۳۲، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۱
- ۱۲۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰
- ۱۳۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۲۳، الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۱
- ۱۴۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۵۲، صحیح ترمذی کتاب الفتن

اور ان کے برے لوگوں کو ان کے اچھوں پر مسلط کر دے گا اور یہ کہ وہ ترک خزر اور روم سے جنگ کریں گے۔ اُسکریٰ و فارس کا مالک تباہ ہوگا۔ پھر کبھی کسریٰ اور فارس نہ ہوں گے اور نہ قیصر اس کے بعد ہوگا اور بیان فرمایا۔

کہ ایک روم کی جماعت آخر تک آئے گی اور اشراف کے مرجانے کی خبر دی۔ سُن فرمایا: اشراف مرجانے گئے زمانہ چھوٹا ہو جائے گا، علم قبض کر لیا جائے گا اور فتنہ اور جنگ و جدال کا ظہور ہو گا اور فرمایا: عرب کے لئے افسوس ہے کہ برائیاں قریب ہو گئی ہیں اور بیان فرمایا کہ آپ ﷺ کے لئے تمام زمین سمیٹ دی گئی۔ تو آپ ﷺ نے اس کے مشارق و مغارب کو ملاحظہ فرمایا اور عنقریب آپ کی امت ان کی مالک ہوگی جتنی آپ ﷺ کے لئے زمین سمیٹی گئی اور مشرق میں زمین ہند سے لے کر دور مغرب میں طنجہ تک اس کے بعد آبادی نہیں آپ ﷺ کی امت کی ملکیت دراز کر دی گئی اور یہ وہ مقام ہے کہ جس کی کوئی امت پہلے مالک نہیں ہوئی اور جنوب و شمال میں اس قدر ملک نہیں بڑھا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

ہمیشہ غرب کے لوگ پر غالب رہیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔ ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ وہ عرب کے لوگ ہیں کیونکہ وہی لوگ غرب یعنی ڈول سے داخل کریں گے۔ پس جنہوں نے ان سے دشمنی کی وہ خوارج اور ناصبی ہیں اور وہ روافض ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں کہ انہوں نے تکفیر کی اور فرمایا: حضرت عثمان (ذوالنورین) ﷺ اس حال میں شہید کئے جائیں گے کہ وہ تلاوت قرآن میں مشغول ہوں گے اور اللہ ﷻ بہت جلد ان کو ایسی قمیص پہنائے گا کہ وہ فسادی اس کے اتارنے کی کوشش کریں گے اور یہ کہ حضرت عثمان ﷺ کا خون اللہ

۱۔ صحیح ترمذی کتاب الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۳۷، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۳۶، ابوداؤد کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۷۸۶، صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۲۲۳

۲۔ صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۲۲۳، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۲، ۳۶۷، ۵۰۱، صحیح ترمذی کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۳۳۷

۳۔ صحیح بخاری کتاب الفتن جلد ۹ صفحہ ۴۲، کتاب الرقاق جلد ۹ صفحہ ۷۸

۴۔ صحیح بخاری کتاب ظہور الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۱-۴۰، صحیح مسلم کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ (الی آخرہ)

۵۔ صحیح بخاری کتاب ظہور الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۱-۴۰، صحیح مسلم کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ (الی آخرہ)

۶۔ صحیح مسلم کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۱۵۲۵

۷۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۳

۸۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۲

ﷺ کے فرمان فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر ٹپکے گا اور آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک حضرت عمرؓ حیات ہیں فتنے ظاہر نہ ہوں گے اور آپ نے حضرت زبیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی لڑائی کی خبر دی اور یہ کہ آپ ﷺ کی ایک بیوی پر حواب (ایک جگہ کا نام) کے کتے بھونکیں گے اور ان کے قریب بہت سے لوگ قتل ہوں گے۔ اس کے بعد وہ نجات کے قریب ہوں گی تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بصرے کی طرف نکلتے وقت کتے بھونکے۔

اور فرمایا کہ حضرت عمارؓ کو باغی لوگ شہید کریں گے۔<sup>۱</sup> تو ان کو حضرت معاویہؓ کے لوگوں نے شہید کیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو فرمایا: تم کو لوگوں سے افسوس ہے اور لوگوں کو تم سے افسوس ہے اور قرمان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخی ہے حالانکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہادری کے ساتھ لڑا۔<sup>۲</sup> مگر (زخموں کی تاب نہ لا کر اس نے خودکشی کر لی تھی) اور آپ ﷺ نے ایک جماعت سے فرمایا: جس میں حضرت ابو ہریرہؓ، سمرہ بن جندب اور حذیفہؓ تھے کہ تم میں سے جو سب سے آخر میں مرے گا آگ میں مرے گا۔<sup>۳</sup> تو وہ اصحاب آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ پس وہ سمرہؓ تھے جو سب کے آخر میں فوت ہوئے جو بہت بوڑھے ہو کر عقل خراب ہو گئی اور وہ آگ تا اپنے لگے تھے۔ تو اس نے ان کو جلادیا۔

حضرت حنظلہ غسیل ملائکہؓ کے بارے میں فرمایا: ان کی بیوی سے پوچھو کیونکہ میں نے ان کو فرشتوں کو غسل کراتے دیکھا تو جب ان سے دریافت کیا تو کہا کہ وہ جنبی نکلے تھے اور وہ جہاد کی جلدی میں غسل نہ کر سکے تھے۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکتے دیکھا اور آپ ﷺ نے قریش میں خلافت کے بارے میں فرمایا کہ ہمیشہ خلافت قریش

۱۔ مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۰۳

۲۔ صحیح بخاری کتاب الفتن، صحیح مسلم کتاب الفتن، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۸۶

۳۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۱۴

۴۔ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۵۲، ۹۷

۵۔ کشف المیزان جلد ۲ صفحہ ۹۴

۶۔ صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۲۲۳، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۲۰

۷۔ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۷۰، تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۲، تاریخ دمشق جلد ۷ صفحہ ۴۰۱

۸۔ صحیح بخاری کتاب القدر جلد ۸ صفحہ ۱۰۴، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۰۶

۹۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۵۹-۳۵۸

۱۰۔ دلائل النبوة لابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۸

میں رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے اور فرمایا: قبیلہ ثقیف میں کذاب اور ظالم ہوں گے۔<sup>۱</sup>  
چنانچہ لوگوں نے حجاج اور مختار کو دیکھا اور فرمایا کہ مسیلمہ کو اللہ تعالیٰ قتل کرادے گا۔ اور فرمایا  
کہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے (حضرت خاتون جنت) فاطمہ رضی اللہ عنہا وصال کر کے  
میں گی اور مرتدین کے فتنہ سے ڈرایا اور فرمایا کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت (بلا فصل) رہے گی۔  
پھر بادشاہت ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی مدت خلافت تک پوری ہوئی اور  
فرمایا:

پیشک یہ بات نبوت و رحمت سے شروع ہوئی پھر رحمت و خلافت ہوگی۔ پھر زبردست  
بادشاہت بنے گی پھر امت میں سرکش و جابر اور فساد پیدا ہوں گے اور آپ نے حضرت اولیس  
قرنی رضی اللہ عنہ کا حال بیان فرمایا اور ان حاکموں کی خبر دی جو نمازوں کو اپنے وقتوں سے مؤخر کر دیتے ہیں<sup>۲</sup>  
اور فرمایا: عنقریب امت میں تمیں کذاب (جھوٹے) ظاہر ہوں گے اور ان میں چار عورتیں ہوں گی اور  
دوسری حدیث میں ہے کہ تمیں ایسے مرد کذاب (جھوٹے) ہوں گے اور ان میں سے دجال کذاب ہوگا  
کہ ہر ایک ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولے گا اور فرمایا:  
قریب ہے کہ تم میں سے بکثرت ایسے عجیبی لوگ ہوں گے جو مال غنیمت کھائیں گے اور  
تمہاری گردنیں کاٹیں گے اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایک ایک مرد قحطانی لاشی  
سے لوگوں کو نہ ہانکے اور فرمایا: تمہارے لئے سب سے بہتر زمانہ میرا عہد حاضر ہے۔ پھر جو اس سے

- ۱۔ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۸۵، الترمذی کتاب الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۳۲
- ۲۔ صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۸۱-۱۹۸۲
- ۳۔ صحیح مسلم کتاب الروایا جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۰، صحیح بخاری باب علامات نبوت جلد ۲ صفحہ ۱۶۲
- ۴۔ صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ، صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۰-۷۷
- ۵۔ صحیح کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۸۲، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۶۰
- ۶۔ سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۳۶، مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۴۳، سنن ترمذی کتاب الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۳۱
- ۷۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۳۰
- ۸۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۲۸، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۷۵
- ۹۔ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۷۹
- ۱۰۔ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۰۴
- ۱۱۔ صحیح بخاری کتاب الفتن جلد ۹ صفحہ ۴۹، صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۲۲۳۰
- ۱۲۔ کشف الاستار جلد ۲ صفحہ ۱۲۸
- ۱۳۔ صحیح بخاری کتاب الفتن جلد ۹ صفحہ ۴۹، صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۲۲۳۲

متصل ہے۔ اس کے بعد پھر ایک ایسی قوم آئے گی جو گواہی دے گی حالانکہ ان سے گواہی نہ مانگی جائے گی۔ وہ خائن ہوں گے امانت دار نہیں ہوں گے۔ وعدے کریں گے مگر پورا نہ کریں گے۔ وہ موٹے ہوں گے اور فرمایا: کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا جس کے بعد شر نہ ہو<sup>۱</sup> اور فرمایا:

میری امت کی ہلاکت قریش کے بچوں کے ہاتھوں پر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو تم کو ان کے نام بھی بتا دوں کہ وہ فلاں کے بیٹے اور فلاں کے بچے ہیں<sup>۲</sup> اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ قدریہ اور فرقہ رافضیہ<sup>۳</sup> کے نکلنے کی خبر دی اور ان میں سے پچھلا پہلوں کو گالی دے گا اور فرمایا: انصار تھوڑے رہ جائیں گے۔ حتیٰ کہ آٹے میں نمک کی مانند<sup>۴</sup> ان کا معاملہ ہمیشہ تفرقہ میں رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ باقی نہ رہیں گے اور یہ لوگ بہت جلد اس کے بعد اثر پائیں گے۔<sup>۵</sup>

اور آپ نے خوارج کا حال بیان فرمایا اور ان کی صفت میں فرمایا کہ ان میں ایک ناقص الخلقیت ہوگا اور ان کے سر منڈھے ہوں گے اور فرمایا: بکریوں کے چرانے والے لوگوں کے حاکم ہوں گے اور ننگے بدن والے اونچے محل بنائیں گے اور باندی اپنی مالکہ کو جنے گی۔<sup>۶</sup>

اور فرمایا: قریش اور ان کے گروہ کبھی مجھ سے نہ لڑیں گے مگر یہ کہ میں ہی ان سے لڑوں گا<sup>۷</sup> اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وبا کی خبر دی جو بیت المقدس کی فتح کے بعد پھیلی تھی<sup>۸</sup> اور یہ کہ بصرے والوں کو حوادث کی خبر دی اور فرمایا کہ وہ سمندروں میں جنگ کریں گے جیسے بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں<sup>۹</sup> اور فرمایا: اگر یہ دین ثریا پر چلا جائے تو ہمارے لئے دین کو آبنائے فارس کے کچھ لوگ اتار لائیں گے۔<sup>۱۰</sup>

۱۔ صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۶۴، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۵۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب الفتن جلد ۹ صفحہ ۴۱

۳۔ صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات نبوت، صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۲۲۳۶، دلائل النبوة للبیہقی

۴۔ سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۲۱، مستدرک جلد ۱ صفحہ ۸۴، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۴۸

۵۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۴۸، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۰۳

۶۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۲۸

۷۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۲۸

۸۔ صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶-۱۵، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۳۸

۹۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۹۲

۱۰۔ صحیح بخاری کتاب الجزیہ جلد ۲ صفحہ ۸۰، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۱

۱۱۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۱۵، صحیح مسلم کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۱۵۱۹

۱۲۔ صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۷۲، صحیح بخاری فی تفسیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۶

(چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے یہ بشارت بتائی جاتی ہے۔ مترجم) اور جب آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک جہاد میں مصروف تھے تو تیز ہوا چلی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ ایک منافق کے مرنے کے لئے چلی ہے۔ پس جب آپ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو ایسا ہی پایا گیا اور اس کی ساتھی قوم سے فرمایا:

ایک شخص تم میں سے ایسا ہے جس کی دائرہ احد پہاڑ سے بڑی ہے اور وہ جہنم میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم تو مر گئی مگر میں اور ایک اور شخص (اس حال کا واقف) باقی ہے۔ پھر وہ شخص بھی یمامہ کے دن مرتد ہو کر مر گیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو خبر دی جس نے ایک یہودی کی کمان کا چلہ چرایا تھا اور وہ اس کے سامان میں ملا تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کی خبر دی جس نے دنبہ چرایا تھا اور وہ اس کے پاس تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اونٹنی کی خبر دی جو گم ہو گئی تھی اور کس طرح ایک مہار درخت میں اٹک گئی تھی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حاطب کے خط کی خبر دی۔ جب اس نے مکہ والوں کو لکھا تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عمیر کے اسی واقعہ کی خبر دی جو صفوان سے خفیہ شرط ہوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شہید کر دے۔ پس جب عمیر قتل کے ارادے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اس کے ارادہ اور خفیہ شرط کی خبر دی اور وہ مسلمان ہو گیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مال کی خبر دی جو حضرت عباس نے اپنی بیوی ام فضل کو چھپا کر سپرد کیا تھا۔ تو انہوں نے کہا اس مال کو اس کے اور میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ پھر وہ اسلام لے آئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ عنقریب ابی ابن خلف مارا جائے گا اور عتبہ بن ابی لہب کے بارے میں فرمایا: اس کو اللہ تعالیٰ کا ایک کتا کھا جائے گا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بدر کو (کفار کے صنادد کے) مارے جانے کے نشانات بتائے اور ویسا ہی ہوا جیسا کہ فرمایا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

۱۔ صحیح مسلم کتاب النفاقین جلد ۲ صفحہ ۲۱۳۶

۲۔ مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ نمبر ۳۹۱

۳۔ سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۱۵۵، سنن ابن ماجہ باب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۹۵

۴۔ صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۱۵، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۰۸

۵۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۵۹-۶۰، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۵۱۶

۶۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۲۰، صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۳۱

۷۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۳۸

۸۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۵-۲۶

۹۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۳۰۴

یہ میرا بیٹا سید ہے۔ اللہ ﷻ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہ میں صلح کرائے گا۔<sup>۱</sup>  
 آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: غالباً یہ تمہاری عمر زیادہ ہو اور مسلمان تو تم سے فائدہ اٹھائیں  
 اور کفار تم سے نقصان۔<sup>۲</sup> آپ ﷺ نے اہل موتہ کے مارے جانے کی اس وقت خبر دی جبکہ آپ ﷺ  
 کے اور ان کے درمیان ایک مہینہ یا اس سے زائد کا فاصلہ تھا<sup>۳</sup> اور آپ ﷺ نے نجاشی (بادشاہ حبش) کے  
 مرنے کی خبر دی جبکہ وہ اپنے ملک میں فوت ہوئے<sup>۴</sup> اور آپ ﷺ نے فیروز کو خبر دی جبکہ وہ کسریٰ کا  
 ایلچی بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا کہ آج کسریٰ مر گیا۔ جب فیروز کو یہ بات متحقق ہو گئی تو وہ  
 مسلمان ہو گیا۔<sup>۵</sup>

اور آپ ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو ان کے نکالے جانے کی خبر دی جہاں بھی وہ ہوں اور ان کو  
 مسجد میں سوتا ہوا پایا تو فرمایا: کس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم یہاں سے نکالے جاؤ گے۔ عرض  
 کیا: میں مسجد حرام میں ٹھہر جاؤں گا۔ فرمایا اور جب تم وہاں سے بھی نکالے جاؤ گے اور آخر حدیث میں  
 آپ ﷺ نے ان کی تنہائی کی زندگی اور تنہائی کی موت کی خبر دی اور آپ ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے ان  
 کو جلدی ملنے کی خبر دی جس کے ہاتھ لہے تھے۔ تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو صدقات زیادہ دینے کی  
 وجہ سے طویل ہاتھ سے تعبیر کیا اور آپ ﷺ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو طرف (کربلا) میں شہید  
 ہونے کی خبر دی اور مقتل کی مٹی اپنے ہاتھ سے نکالی اور فرمایا: یہ اس جگہ ان کا ٹھکانہ ہوگا اور زید بن  
 صوحان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ ان کا ایک عضو جنت میں ان سے پہلے جائے گا چنانچہ جہاد میں  
 ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا اور آپ ﷺ نے ان حضرات کے بارے میں فرمایا: جب وہ آپ ﷺ کے  
 ساتھ کوہ حراء پر تھے ٹھہر جا کیونکہ تجھ پر نبی صدیق اور شہید ہے پھر حضرت علی، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم

۱۔ صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ جلد ۵ صفحہ ۲۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب الوصیہ جلد ۲ صفحہ ۴، صحیح مسلم کتاب الوصیہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۵۱

۳۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۱۸

۴۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۱۰، صحیح بخاری کتاب الجنائز

۵۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۹۰

۶۔ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۴۵۷

۷۔ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۵۵، سنن ابن ماجہ فی ذکر الاخبار وصف موت ابی زر جلد ۲ صفحہ ۲۳۲، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۰۲

۸۔ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۰

۹۔ مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۶۶۵-۶۶۲، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۶۸

۱۰۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۱۶

شہید ہوئے اور حضرت سعدؓ بخمی ہوئے اور حضرت سراقہؓ سے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ چنانچہ جب وہ لائے گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو پہنائے اور کہا: اس اللہ کی تمام حمد ہے جس نے ان کو کسریٰ سے چھینا اور سراقہؓ کو پہنایا اور فرمایا کہ ایک شہر و جلد اور دجیل، قطر لیل اور صراط کے درمیان بنایا جائے گا۔ اسکی طرف اس قدر زمین کے خزانے آئیں گے کہ وہ بوجھ سے دھنس جائے گی یعنی بغداد اور فرمایا:

عنقریب اس امت میں ایک مرد ہوگا جس کو ولید کہا جائے گا۔ وہ اس امت کے لئے فرعون جیسا اپنی قوم کے لئے تھا اس سے بدتر ہوگا اور فرمایا: قیامت اس وقت نہ آئے گی جب تک دو ایسی جماعتیں جن کا ایک ہی دعویٰ ہوگا آپس میں نہ لڑیں اور آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے حضرت سہیل بن عمروؓ کے بارے میں فرمایا: اے عمرؓ! یہ ایسے مقام پر بہت جلد کھڑا ہوگا جس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تو وہ مکہ مکرمہ میں حضرت ابو بکرؓ کی جگہ کھڑے ہوئے جبکہ نبی کریم ﷺ کے وصال کی خبر پہنچی اور انہوں نے ویسا ہی خطبہ دیا اور لوگوں کو ثابت قدم رکھا اور ان کی سمجھوں کو مضبوط کیا اور آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ سے فرمایا:

جب ان کو اکیدر کی طرف بھیجا کہ تم اس کو جنگلی گائے (نیل گائے) کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے تو یہ تمام باتیں کل کی کل آپ ﷺ کی حیات ظاہری اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد ہوئیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں تک کہ وہ باتیں بھی پوری ہوئیں جن کو آپ نے اپنے صحابہ کو ان کے اسرار اور ان کے پوشیدہ امور کی خبریں دی تھیں اور جو منافقین کے اسرار اور ان کی کفری باتیں اور جو آپ ﷺ کے اور مسلمانوں کے بارے میں تھیں ان کی خبر دی۔

یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ دیتے کہ خاموش رہو کیونکہ خدا کی قسم اگر کوئی آپ ﷺ کے پاس خبر دینے والا نہ ہوگا تو یہ بطحا کے پتھر بھی آپ ﷺ کو خبر دے دیں گے اور آپ ﷺ نے اس جادو کی حالت کی خبر دی جو لبید ابن اعصم نے کیا تھا۔ یعنی وہ ایک کنگھی اور بال تھے جو زکھور کی جڑ میں

۱۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۵

۲۔ تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۲۸

۳۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۰۵

۴۔ صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات نبوت، صحیح مسلم کتاب المغن، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۳، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۱۸

۵۔ مستدرک جلد ۳ صفحہ ۲۸۲، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۶۷

۶۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۵۳-۲۵۰

۷۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۱۸، صحیح مسلم کتاب الطب جلد ۴ صفحہ ۱۷۲



رکھے ہوئے تھے اور یہ کہ وہ ذروان کے کنوئیں میں ڈالے ہوئے تھے۔ پس ویسا ہی نکلا جیسا کہ فرمایا تھا اور اسی حالت میں پایا گیا اور آپ ﷺ نے قریش کو خبر دی کہ ان کا وہ صحیفہ جس کے ذریعہ بنی ہاشم پر غلبہ پاتے تھے اور اس کے ذریعہ قطع رحم کرتے تھے اس کو دیمک نے کھا لیا ہے۔ اس میں صرف اتنی جگہ باقی ہے جہاں اللہ ﷻ کا نام ہے۔

تو انہوں نے ویسا ہی پایا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اور آپ ﷺ نے کفار قریش کو بیت المقدس کی اس وقت اس کی نشانیاں بتائیں جب کہ انہوں نے شب معراج کی خبر پر آپ ﷺ کو جھٹلایا تھا اور آپ ﷺ نے اس کی ایسی تعریف بیان فرمائی جیسے آپ ﷺ کے پیش نظر ہے اور آپ ﷺ نے ان کو ان اونٹوں کی خبر دی جو آپ ﷺ کی راہ گزر میں جا رہے تھے اور ان کے پہنچنے کے وقت کی خبر دی۔ پس یہ سب کے سب جیسے فرمایا ویسے ہی ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ان حادثات کی خبر دی جو آپ ﷺ کے بعد ہوں گے اور ابھی تک نہیں ہوئے تھے۔

ان میں سے وہ مقدمات میں جو ظاہر ہوں گے۔ جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیت المقدس کی آبادی اور یثرب (مدینہ) کی ویرانی اور یثرب (مدینہ) کی ویرانی جنگ و جدال کا پیش خیمہ ہوگا اور لڑائی کا ظہور فتح قسطنطنیہ ہوگا اور انہیں میں سے قیامت کی علامتیں اور ان کی نشانیاں اور حشر و نشر کا بیان کرنا ہے اور نیکیوں بدوں، جنت و دوزخ اور میدان قیامت کی خبریں ہیں۔

اس اعتبار سے تو یہ فصل ایک ایک جز پر ایک مستقل دیوان بن جائے گا اور جو کچھ ہم نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے یہ سب ان پوری احادیث کے ٹکڑے ہیں جن کو ہم نے کتابوں سے بیان کیا ہے اور ان میں سے اکثر ہمارے آئمہ رحمہم اللہ کے نزدیک صحیح ہیں۔

## چوبیسویں فصل

عصمتِ نبی ﷺ

آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کی حفاظت لوگوں کے شر سے اور اس کی کفایت جو آپ ﷺ کو اذیت دے حاصل تھی۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

۱۔ طبرانی کبیر جلد ۲۳ صفحہ ۴۳۲، البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۸

۲۔ سنن ابوداؤد کتاب الملاحم جلد ۲ صفحہ ۴۸۲

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط

اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

(پ۔ المائدہ ۶۷)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا.

اپنے رب کے حکم کے لئے صبر کیجئے کیونکہ آپ

(پ۔ الطور ۴۸)

ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ط (پ۔ الزمر ۳۶)

کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے دشمن مشرکین پر تمہیں کافی ہیں اور بھی معنی بیان کئے گئے ہیں

اور فرمایا:

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ.

ان ہنسے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔

(پ۔ الحجر ۹۵)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

إِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا.

اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر

(پ۔ الانفال ۳۰)

کرتے تھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ

نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَاللَّهُ

يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (پ۔ المائدہ ۶۷)

تب نبی کریم ﷺ نے اپنے قبہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! اب چلے جاؤ بیشک

میرے رب ﷻ نے میری حفاظت فرمائی۔ (ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورة المائدہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۷ درمنثور جلد ۳ صفحہ ۱۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی منزل میں قیام پذیر ہوتے تو آپ ﷺ کے

صحابہ آپ ﷺ کے لئے کسی درخت کو پسند کرتے تاکہ آپ ﷺ اس کے نیچے قیلولہ (دوپہر کا آرام)

فرمائیں۔ تو ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ پر تلوار سونت لی۔ پھر کہنے لگا: اب

کون آپ ﷺ کو مجھ سے بچائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ۔ تو اس اعرابی کا ہاتھ کاٹنے لگا اور اس

کی تلوار گر پڑی اور اس نے اپنے سر کو درخت سے مارا یہاں تک کہ اس کے دماغ سے خون بہنے لگا۔

اس وقت یہ آیت اتری۔

پیشک یہ قصہ صحیح روایت کیا گیا ہے اور غورث بن حارث صاحب قصہ ہیں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس کو معاف کر دیا۔ جب وہ اپنی قوم میں واپس گیا تو کہنے لگا: میں تمہارے پاس لوگوں میں سے سب سے بہتر کے پاس سے آیا ہوں۔ (تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۱۱۹)

اور اس حکایت کی مثل بیان کیا گیا ہے کہ جو بدر کے دن اس کو پیش آیا۔ یعنی جب آپ قضائے حاجت کے لئے اپنے صحابہ سے علیحدہ ہوئے تب منافقوں میں سے ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے آیا اور اس قصہ کے مثل بیان کیا۔

اسی طرح مروی ہے کہ ایسا ہی ایک واقعہ غزوہ غطفان میں ذی امر کے مقام پر ایک شخص کے ساتھ پیش آیا جس کو و عثور بن حارث کہا جاتا ہے اور یہ کہ بعد میں وہ مسلمان ہو گیا۔ جب وہ اپنی اس قوم کی طرف واپس گیا جس نے اس کو درغلا یا تھا کیونکہ یہ ان کا سردار اور بہادر تھا۔ تو وہ کہنے لگے کہ تیری وہ بات کیا ہوئی حالانکہ تو قابو پا چکا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے ایک سفید طویل مرد کو دیکھا جس نے میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پیٹھ کے بل گر پڑا اور تلوار گر پڑی۔ اس وقت میں نے جان لیا کہ وہ فرشتہ ہے۔ اب میں مسلمان ہوں۔ کہا گیا ہے کہ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ  
عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَسْطُورُوا إِلَيْكُمْ  
أَيَدِيَهُمْ.

اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو  
جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی  
کریں تو اس نے ان کے ہاتھ تم پر روک دیئے

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۔ المائدہ ۱۱)

اور خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ غورث بن حارث محاربی نے ارادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ کو قتل کرے۔ آپ ﷺ کو معلوم نہ ہوا یہاں تک کہ وہ تلوار سونت کر آپ ﷺ کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے خدا مجھے اس سے محفوظ رکھ جس طرح تو چاہے تو وہ درد کمر سے چہرے کے بل گر پڑا۔ یہ درد اس کے دونوں کندھوں میں ہوئی اور اس کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ (ذکر درد کمر کو کہتے ہیں) اور اس قصہ میں اس کے سوا اور بھی کہا گیا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اس بارے میں یہ آیت اتری:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ  
عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ

اے ایمان والو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے یاد کرو  
جب قوم نے تمہاری طرف اپنے ہاتھ پھیلانے

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۔ المائدہ ۱۱) تھے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قریش سے خوف رکھتے تھے۔ جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ سیدھے لیٹ گئے۔ پھر فرمایا: جو شخص چاہے میری مدد چھوڑ دے۔

عبد ابن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ حَمَالَةَ الْحَطَبِ (پ۲۔ جت ۲) (ابولہب کی بیوی) یعنی لکڑیاں اٹھانے والی آپ ﷺ کے راستہ میں جلتی ہوئی لکڑیاں رکھا کرتی تھی تو آپ ﷺ اس کو ایسے پامال کرتے تھے جیسے ریت ہو۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بیان کیا کہ جب اس کو سورہ

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ.

(پ۲۔ جت ۱)

(ترجمہ کنز الایمان)

”تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ“

کے نازل ہونے کی خبر پہنچی اور یہ کہ اللہ ﷻ نے اس کی برائی بھی بیان کی ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی در آنحالیکہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ بھی تھے۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے جب وہ دونوں کے پاس کھڑی ہوئی تو اس نے حضرت ابو بکر ﷺ کے سوا آپ ﷺ کو نہ دیکھا۔ اس وقت اللہ ﷻ نے اس کی نظروں سے اپنے نبی ﷺ کو چھپا لیا۔ اس نے کہا:

اے ابو بکر ﷺ! تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ مجھے خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے میری مذمت کی ہے۔ خدا کی قسم اگر میں ان کو اس وقت پالوں تو ان پتھروں سے (خاک بدہن) ان کا منہ کچل دوں۔

حکم ابن ابی العاص ﷺ سے مروی ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کے بارے میں معاہدہ کیا یہاں تک کہ ہم نے مسجد میں آپ ﷺ کو دیکھا تو ہم نے پیچھے سے ایک (ہولناک) آواز سنی۔ اس وقت ہم نے گمان کیا کہ تہامہ میں کوئی (زندہ) باقی نہ رہا ہوگا۔ تو ہم غش کھا کر گر پڑے تو ہم اس وقت ہوش میں آئے جب آپ ﷺ نماز ختم کر کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ پھر ہم نے دوسری رات معاہدہ کیا اور ہم آئے یہاں تک کہ ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا اس وقت صفا مروہ آ کر ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل ہو گیا۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۲۷ تفسیر درمنثور جلد ۷ صفحہ ۴۳)

حضرت عمر ﷺ سے مروی ہے کہ میں نے اور جہم ابن حذیفہ نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا معاہدہ کیا تو ہم آپ کی قیام گاہ پر آئے تو ہم نے آپ ﷺ کو تلاوت کرتے سنا کہ آپ سورہ الحاقہ پڑھ رہے ہیں۔ جب آپ نے فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ.

(پ۱۔ الحاقہ ۸)

۱۔ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۱۲۰

”تو تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو“ (ترجمہ کنز الایمان)

کو پڑھا تو ابو جہم نے عمر ؓ کے بازو پر ہاتھ مارا اور کہا کہ نجات پاؤ۔ تو ہم دونوں وہیں سے بھاگے! تو یہ حضرت عمر ؓ کے اسلام لانے کے مقدمات تھے اور ان میں وہ مشہور عبرت اور کفایت نامہ ہے کہ جبکہ آپ ؐ کو قریش نے خوفزدہ کیا اور آپ ؐ کے قتل پر سب مجتمع ہو کر رات کے وقت آپ ؐ کے گھر کو گھیر لیا۔ تب آپ ؐ ان پر اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر کھڑے ہو گئے اور بیشک اللہ ﷻ نے ان کی آنکھوں پر مار لگائی اور ان کے سروں پر مٹی ڈالی اور آپ ؐ کو ان سے محفوظ رکھا اور اللہ ﷻ کی آپ ؐ کے ساتھ حمایت غار میں ان کے دیکھنے سے ظاہر ہے۔ بسبب ان نشانیوں کے جن کو اللہ ﷻ نے مہیا فرمایا۔ مثلاً مکڑی کا جالا بننا وغیرہ۔

یہاں تک کہ امیہ بن خلف سے جب انہوں نے کہا کہ ہم اس غار میں داخل ہوں تو اس نے کہا: کیا تم اس کے دہانہ پر دیکھتے نہیں کہ اس پر مکڑی کا جالا ہے جس کو حضور ؐ کی ولادت سے پہلے دیکھ رہا ہوں اور یہ کہ دو کبوتر غار کے دہانہ پر موجود ہیں۔ تو قریش نے کہا کہ اگر اس میں کوئی ہوتا تو یہ کبوتر اس جگہ کیسے ہوتے؟

اور ہجرت کے وقت آپ ؐ کا وہ قصہ جو سراقہ ابن مالک ابن جہشم کے ساتھ پیش آیا اور بیشک قریش نے آپ ؐ کے اور حضرت ابو بکر ؓ کے بارے میں انعام مقرر کیا تھا اور اس کی سراقہ کو خبر دی گئی تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ؐ کے تعاقب میں چلا۔ حتیٰ کہ جب وہ آپ ؐ کے بالکل قریب ہو گیا تو آپ ؐ نے اس پر بددعا کی تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور وہ اس سے گر پڑا اور تیروں سے فال نکالنے لگا۔ تو وہ بات نکلی جو اسے ناپسند تھی۔ پھر وہ سوار ہوا اور قریب آیا یہاں تک کہ اس نے نبی کریم ؐ سے قرأت کو سنا۔ درآنحالیکہ آپ ؐ اس کی طرف متوجہ نہ تھے مگر حضرت ابو بکر ؓ دیکھ رہے تھے۔ تو انہوں نے نبی کریم ؐ سے عرض کیا کہ ہم پر کوئی آگیا۔ تب آپ ؐ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا.  
غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(نپ۔ التوبہ ۴۰)

تو دوبارہ وہ گھٹنوں تک دھنس گیا اور وہ اس سے گر پڑا۔ پھر اس نے گھوڑے کو ڈانٹا تو وہ گھوڑا

۱۔ تفسیر درمنثور جلد ۸ صفحہ ۲۶۳

۲۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۷۵، تفسیر درمنثور جلد ۷ صفحہ ۴۴، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۱ صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲

۳۔ صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۵۹۲، صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۵۹۲

اس حال میں اٹھا کہ اس کے پاؤں سے مثل دھوئیں کے اٹھ رہا تھا تو اس وقت اس نے امان مانگی۔ تب آپ ﷺ نے اس کو امان لکھ دی۔ اسی امان نامہ کو فہیرہ ﷺ نے لکھا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر ﷺ نے لکھا۔ پھر اس نے قریش کی خبریں سنائیں اور نبی کریم ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ جو بھی راستہ میں تلاش کرنے والا ملے اسے نہ چھوڑنا کہ وہ آپ ﷺ سے ملے۔ پھر وہ لوٹ گیا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ بس تمہیں کافی ہے اب وہ یہاں نہیں ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم دونوں نے مجھ پر بددعا کی ہے۔ پس اب میرے لئے دعا کرو۔ تو وہ نجات پا گیا اور اسی وقت اس کے دل میں آپ ﷺ کا اثر جاگزیں ہو گیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک چرواہے نے آپ دونوں کی خبریں معلوم کیں تو وہ جلدی سے چلا کہ قریش کو خبر دے دے پس جب وہ مکہ آیا تو اس کے دل سے وہ بات بھلا دی گئی۔ پس وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کرنا ہے اور وہ بھول میں پڑ گیا کہ کیوں نکلا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جگہ واپس آ گیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ابو جہل ایک پتھر لے کر آیا در آنحالیکہ آپ ﷺ سجدہ میں تھے اور قریش دیکھ رہے تھے کہ اب وہ پتھر آپ ﷺ پر ڈالتا ہے مگر وہ پتھر اس کے ہاتھ میں چمٹ گیا اور اس کے دونوں ہاتھ گردن تک خشک ہو گئے۔ تب وہ اٹھ کر لوگوں کی طرف پیچھے بھاگا۔ پھر اس نے آپ ﷺ ہی سے سوال کیا کہ اس کے لئے دعا فرمائیں تو اس کے ہاتھ کھل گئے۔ حالانکہ اس نے قریش کے ساتھ اس کا وعدہ کیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ اگر آپ ﷺ کو دیکھنے لگا تو ضرور (خاک بدین) آپ ﷺ کا سر کچل دے گا۔

پھر قریش نے اس سے آپ ﷺ کی بابت پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ پہلے تو مجھے ایک ایسا اونٹ ملا کہ اس جیسا میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ ارادہ کر رہا تھا کہ مجھے کھا جائے۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے اگر قریب ہوتا تو وہ اس کو پکڑ لیتے۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ بنی مغیرہ کا ایک مرد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تا کہ وہ آپ ﷺ کو معاذ اللہ قتل کر دے تو اللہ ﷻ نے اس کی بینائی پر طمانچہ مارا تو اس نے آپ ﷺ کو نہ دیکھا حالانکہ وہ آپ ﷺ کی باتیں سن رہا تھا۔ پس وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا۔ تو اس نے ان کو نہ دیکھا حتیٰ کہ اس کو پکارا اور مذکور ہے کہ ان دونوں قصوں پر یہ آیت اتری:

إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلًا لَّا. بیشک ہم نے ان کے گردنوں میں طوق ڈال  
(پہ۔ پستین ۷) دیئے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۱ صفحہ ۲۰۰)

اور اسی میں سے وہ آپ ﷺ کا قصہ ہے جس کو ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ آپ جب اپنے اصحاب کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف تشریف لے گئے اور آپ ﷺ ایک اونچے مکان کے نیچے بیٹھے تو ان میں سے ایک کو عمرو بن حجاج ابھارتا تھا کہ آپ ﷺ پر چکی کا پاٹ ڈال دے پھر نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو یہ قصہ بتایا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس قصہ کی بابت یہ آیت اتری:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ. اے ایمان والو اللہ کی نعمت کو یاد کرو۔ (آخر آیت

(پہ۔ المائدہ ۱۱) تک)

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ بنی نضیر کی طرف تشریف لے گئے۔ بنی کلاب کے دو مردوں کے بارے میں جن کو عمرو بن امیہ نے قتل کیا تھا۔ تو آپ ﷺ سے حی بن اخطب نے کہا: بیٹھے اے ابوالقاسم یہاں تک کہ ہم آپ ﷺ کو کھانا کھلائیں اور جو آپ ﷺ چاہتے ہیں وہ دیں۔ تب نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھ گئے اور حی نے کفار کے ساتھ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا مشورہ کیا تو جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دے دی۔ آپ ﷺ ایسے کھڑے ہوئے جیسے آپ ﷺ کو کوئی ضرورت لاحق ہو گئی ہے۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۸۰، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۲۹۱)

اہل تفسیر نے اس حدیث کے معنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کئے ہیں کہ ابو جہل نے قریش سے وعدہ کیا کہ اگر حضور ﷺ کو نماز پڑھتا دیکھے تو وہ آپ ﷺ کی گردن پامال کر دے گا۔ جس وقت آپ ﷺ نے نماز پڑھنی شروع کی تو قریش نے اس کو بتایا تو وہ آگے آیا۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب ہوا تو ایڑیوں کے بل الٹا چیختا ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچاتا بھاگا۔

جب اس سے پوچھا گیا تو کہا کہ میں جب آپ ﷺ کے قریب ہوا تو ایک ایسی کھائی (خندق) کے کنارے پہنچا جو آگ سے بھری ہوئی تھی۔ قریب تھا کہ میں اس میں گر پڑوں۔ مجھے بہت ڈر معلوم ہوا اور پروں کا ملنا دیکھا جس سے زمین بھر گئی تھی۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے۔ اگر وہ قریب ہوتا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ پھر آپ ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ. (پہا اعلق ۶) ہرگز نہیں بیشک انسان ہی سرکشی کرتا ہے۔

(آخرت سورت تک)

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۳ تحفۃ الاشراف جلد ۱ صفحہ ۹۲)

مروی ہے کہ شیبہ بن عثمان جعفی نے غزوہ حنین کے دن آپ ﷺ کو پایا کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کے باپ اور چچا کو قتل کر دیا تھا تو میں نے کہا آج میں ان کا بدلہ آپ سے لوں گا۔ چنانچہ جب لوگ گتھم گتھا ہو گئے تو وہ آپ ﷺ کے پیچھے سے آیا اور اس نے تلوار کھینچ کر آپ ﷺ پر وار کرنا چاہا۔ راوی نے کہا کہ جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو میری طرف ایک آگ کی لپٹ بجلی سے زیادہ تیز لپکی تو میں اسے لٹے قدم بھاگا۔

جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو مجھے بلایا اور اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا در انحالیکہ آپ مخلوق میں میرے نزدیک سب سے زیادہ دشمن تھے۔ ابھی آپ ﷺ نے دست مبارک سینہ سے اٹھایا نہ تھا کہ آپ ﷺ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب معلوم ہونے لگے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قریب ہو اور جہاد کر۔ تو میں آپ ﷺ کے آگے ہو کر اپنی تلوار سے کفار کو مارتا تھا اور آپ ﷺ کو اپنی جان سے بچاتا تھا۔ مگر اس وقت میرا باپ بھی سامنے آ جاتا تو یقیناً میں اس پر آپ ﷺ کے بچانے کی خاطر حملہ کرتا۔ (دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۹۵)

فضالہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے فتح مکہ کے دن قصد کیا کہ آپ ﷺ کو شہید کر دوں۔ در آنحالیکہ آپ ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ پس جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو فرمایا: کیا فضالہ ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: تو اپنے دل میں کیسی باتیں کرتا ہے؟ میں نے کہا: کچھ نہیں۔ تو آپ ﷺ مسکرا دیئے اور میرے لئے استغفار کیا اور اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا میرے دل میں سکون و قرار ہو گیا۔ خدا کی قسم ابھی آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھایا نہ تھا کہ مخلوق الہی میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہ معلوم ہوئی۔

یہ بات تو مشہور ہے کہ عامر بن طفیل اور ارید بن قیس جب وفد بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عامر نے ارید سے کہا تھا کہ میں جب آپ ﷺ کے چہرہ انور کو اپنی باتوں میں مشغول کر لوں تو تو تلوار کی ضرب لگانا تو اس نے نہیں دیکھا کہ وہ کچھ کرے۔ بعد کو جب اس بارے میں اس سے بات کی تو ارید نے کہا کہ خدا کی قسم میں قصد کر رہا تھا کہ تلوار ماروں مگر میں نے تجھ کو اپنے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل پایا تو کیا میں تجھ کو مارتا۔ (دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۲ صفحہ ۲۰۷)



اسی طرح اللہ ﷺ نے آپ ﷺ کی حفاظت بہت سے موقعوں پر یہود اور کافروں سے فرمائی کہ انہوں نے آپ ﷺ سے لوگوں کو ڈرایا اور قریش کی انہوں نے مدد کی اور انہیں بتایا کہ آپ ﷺ اپنی سطوت (حکومت) تم پر چاہتے ہیں اور آپ ﷺ کے قتل پر ان کو ابھارا۔ تو اللہ ﷺ نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ یہاں تک کہ ان میں امر الہی پورا ہوا اور اسی قبیل سے آپ ﷺ کی نصرت اور ایک ایک مہینہ کی مسافت تک آپ ﷺ کے آگے اور پیچھے آپ ﷺ کا رعب ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

## پچیسویں فصل

### آپ ﷺ کے روشن معجزات

اور آپ ﷺ کے روشن معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ ﷺ نے آپ ﷺ کو علوم و معارف کا جامع کیا اور تمام دین و دنیا کے مصالحوں پر آپ ﷺ کو مطلع کر کے مخصوص فرمایا اور آپ ﷺ کو امور شرعیہ، قوانین دینیہ سیاست دینیہ (حکومت کے آئین) کی معرفت عطا فرمائی اور آپ ﷺ سے پہلی گزری ہوئی امتوں کے حالات کی خبر دی اور انبیاء و رسل علیہم السلام اور بادشاہوں کے قصے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کے زمانہ اقدس تک تمام گزرے ہوئے زمانوں کی اطلاع بخشی اور ان کی شریعتوں اور کتابوں سے باخبر کیا اور ان کی سیرتیں، ان کی خبریں، ان میں اللہ ﷺ کے دنوں، ان کے اشخاص کی صفات، ان کی مختلف رائیں، ان کی عمروں کی مدتیں، ان کے عقلمندوں کی حکمتیں، ہر ایک امت کے کفار سے جھگڑنے، ہر فرقے کا ان کی ان کتابوں سے معارضے ہیں جو وہ کتابیں رکھتے تھے ان کے بھیدوں اور ان کے پیچھے ہوئے علوم کی خبریں دینا اور ان خبروں کو بتانا جس کو وہ چھپاتے تھے لغات عرب کے ان تغیرات کو بتانا جن کو وہ بدل چکے تھے اور مختلف فرقوں کے نادر الفاظ، ان کی فصاحت کے اقسام کا احاطہ ان کے دلیل و بند اور مثالوں، حکمتوں، شعار کے معانی وغیرہ کی حفاظت یہ سب اللہ ﷺ نے آپ ﷺ پر کھول دیئے۔

اور آپ ﷺ کو جوامع کلم، امثال صحیحہ کے منطبق کرنے کی معرفت، روشن حکمتیں تاکہ باریک باتیں سمجھ کے قریب ہوں۔ مشکل الفاظ کی وضاحت عطا فرمائی اور قواعد شرعیہ کی باری طور درستی فرمائی کہ جس میں تناقض و تخاذل نہ ہو اور آپ ﷺ کی شریعت پاکیزہ اخلاق، عمدہ تعریف و آداب کی حامل ہو اور ہر چیز اس خوبی کے ساتھ مفصل ہو کہ کسی منکر ملحد صاحب عقل سلیم کو کسی جہت سے تنگی نہ محسوس ہو بلکہ جو بھی اس کا منکر و کافر اور جاہل ہو جب اس کو سنے اور اس کی طرف بلایا جائے تو اس کو درست و مستحسن ہی مانے اور کسی دلیل و حجت کے قائم کرنے کی اس پر حاجت نہ رہے۔

پھر مسلمانوں کے لئے وہ چیزیں حلال کی گئیں جو طیب ہیں اور ان پر خبیث چیزوں کو حرام کیا گیا اور ان کی حیاتوں، عزتوں اور مالوں کو آخرت کے عذاب اور جلدی حدود کے نفاذ سے اور مدت تک عذاب نار سے ڈرا کر بچایا یہاں تک کہ وہ بہت سے علوم و فنون کو شامل ہے جن کو جاننے والا ہی جانتا ہے۔ جیسے فن طب، تعبیر، فرائض، حساب اور نسب وغیرہ اور ان کے بعض علماء نے تو حضور ﷺ کے کلام مبارک کو بطور سند و اصول کے اپنے علوم میں بیان کیا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

خواب سب سے پہلے دیکھنے والے کے لئے ہے اور وہ پرندے کے پاؤں پر ہے (یعنی فوراً ہونے والی ہے) اور فرمایا: خواب تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک رو یا حق ہے دوسرا رویا وہ کہ جو مرد کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ (خطرہ وغیرہ) اور تیسرا رویا غمگین ہے جو شیطان کے دوسوسے سے ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہوگا (قرب قیامت یا دن رات کی برابری) تو مسلمان کی خواب جھوٹی نہ ہوگی اور یہ کہ آپ نے فرمایا: ہر بیماری کی جڑ بدہضمی (البردة) ہے۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس میں آنے والی ہیں اگرچہ اس حدیث کو ہم صحیح نہیں کہتے کیونکہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ اس کو موضوع بیان کرنے میں کلام کرتے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر دوا جو تم کرتے ہو وہ سعوط (نوار) اور لدود (جو دوائی پی جائے) اور کچھنے (حجامت) اور مسہل ہے۔ حجامت کے لئے بہتر دین ۱۷، ۱۹، ۲۱ تاریخ (قری) ہے اور عود ہندی کے بارے فرمایا: اس سے سات بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ منجملہ ان میں ذات الجنب ہے اور فرمایا: ابن آدم نے پیٹ سے بڑھ کر کوئی بڑا برتن نہیں بھرا یہاں تک فرمایا کہ اگر ضروری ہی بھرنا ہو تو تہائی کھانے کے لئے دو تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے۔<sup>۹</sup>

اور فرمایا: بیشک سب کے بارے میں پوچھا گیا کیا وہ مرد ہے یا عورت یا زمین۔ فرمایا: وہ مرد

۱۔ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۸

۲۔ سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۲۸۱، سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۳۶۶، ابن ماجہ کتاب الروایا جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۸

۳۔ صحیح مسلم کتاب الروایا جلد ۲ صفحہ ۱۷۷، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۵

۴۔ صحیح مسلم کتاب الروایا جلد ۲ صفحہ ۱۷۷، سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۸۲، سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۳۶۳

۵۔ مجمع الزوائد جلد ۵ صفحہ ۸۶، اللالی للمصنف جلد ۲ صفحہ ۲۰۸

۶۔ سنن ترمذی کتاب الطب جلد ۳ صفحہ ۲۶۲

۷۔ مستدرک کتاب الطب جلد ۴ صفحہ ۲۱۰

۸۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۰۸

۹۔ تفسیر ترمذی جلد ۵ صفحہ ۳۹

حق جس کے دس بیٹے تھے چھ یمن میں اور چار شام میں جا کر آباد ہوئے۔ یہ حدیث طویل ہے۔ اسی طرح قضاء کے نسب کے بارے میں جواب دیا۔ اس کے علاوہ وہ باتیں جن میں عرب پریشان تھے بتائیں باوجودیکہ وہ لوگ نسب میں مشغول رہا کرتے تھے مگر آپ ﷺ سے پوچھنے میں مجبور تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا حمیر عرب کا سردار تھا اور اچھا تھا۔ اور اس کا ندج سر اور گردن ہے اور آزد اس کا کابل یعنی پیٹھ اور کھوپڑی ہے۔ شکم دان اس کا غارب (کثیرط) اور چوٹی ہے اس اور فرمایا زمانہ پیشک دور میں ہے۔ اپنی اس کے ساتھ جس دن سے اللہ ﷻ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا اس اور حوض کوثر کے بارے میں فرمایا اس کے زائے (کوٹھے) برابر ہیں اس اور ذکر کی حدیث میں فرمایا۔ ایک نیکی دس گنا ہوگی۔ پس وہ ایک سو پچاس تو (نماز میں) زبان پر ہیں اور ایک ہزار پانچ سو میزان میں ہیں۔ اور ایک جگہ کے بارے میں فرمایا: یہ حمام کی اچھی جگہ ہے اس اور فرمایا: مشرق و مغرب کے مابین (مکہ میں) قبلہ ہے اس اور عینہ یا اقرع سے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ گھوڑے کو پہچانتا ہوں اور آپ ﷺ نے اپنے کاتب سے فرمایا: قلم کو اپنے کانوں پر رکھ کیونکہ یہ لکھنے والے کو خوب یاد دلاتا ہے۔ اس کو یاد رکھو کہ باوجود اس کے کہ آپ ﷺ لکھتے نہ تھے مگر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو ہر چیز کا علم دیا ہے حتیٰ کہ بلاشبہ ایسی حدیثیں مروی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ حروف کی کشش کو جانتے تھے اور اس کی خوبصورتی کو پہچانتے ہیں۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لمبانا لکھو۔ ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے اس کو روایت کیا۔ دوسری وہ حدیث جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے لکھ رہے تھے اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: دوات کو ٹھیک کرو اور قلم کی نوک نکالو بآء کو کھڑا کرو اور سین کے دندانہ نکالو اور میم کے دائرے کو بند نہ کرو۔ لفظ

۱۔ ترمذی، مسند امام احمد حسن ابن عباس، کتابی منال السفاء للسیوطی صفحہ ۱۶۶

۲۔ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۹۵، ۱۹۴

۳۔ کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۳۰۵، مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۴۱

۴۔ صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۵۵، صحیح مسلم کتاب القسامہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۰۵

۵۔ صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۹۳

۶۔ سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۳۰۹، سنن ابن ماجہ کتاب الاقامہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۹

۷۔ طبرانی، مجمع الزوائد

۸۔ سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۳

۹۔ سنن ترمذی کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹

۱۰۔ الفردوس جلد ۱ صفحہ ۲۹۶

اللہ کو خوبصورت لکھو اور الرحمن کو لمبا لکھو اور لفظ الرحیم کو عمدہ لکھو۔ یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔  
 اگرچہ یہ بات ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے کچھ لکھا ہو مگر یہ آپ ﷺ سے بعید نہیں کیونکہ آپ ﷺ کو ہر چیز کا علم تو دیا گیا ہو مگر پڑھنے لکھنے سے منع کر دیا ہو لیکن لغات عرب کا آپ ﷺ کو علم ہونا اور اشعار کے معانی کا یاد کرنا یہ ایسی چیزیں ہیں جو مشہور و معروف ہیں۔ بیشک کتاب (شفاء) کے اول فصلوں میں اس پر ہم نے تم کو خبردار کر دیا ہے۔ اسی طرح گزشتہ امتوں کی بہت سی نعمتوں کا یاد کرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: سنہ سنہ جس کے معنی حسنه جس کی لغت میں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ہرج بہت ہو گیا یعنی قتل بہت ہو گیا۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن جلد ۹ صفحہ ۴۱، صحیح مسلم کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۵۶)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اشکنب درد یعنی فارسی زبان میں پیٹ کے درد کو کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے ایسے علوم ہیں جن کے کل یا بعض کو وہی اچھی طرح جان سکتا ہے جس نے ساری عمر کتابوں کے پڑھنے میں صرف کی ہو اور ہر وقت کتابوں میں ہی مشغول ہو اور اہل فن سے لگاؤ رکھتا ہو۔

اور آپ ﷺ ایسے مرد تھے کہ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ آپ ﷺ اُمی ہیں جو نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں اور نہ ایسے لوگوں کی مجلسوں میں رہے ہیں۔ جن کی یہ صفت تھی اور نہ ان کے علموں میں سے کسی علم کو پڑھا اور نہ پہلے آپ ﷺ ان میں سے کسی علم میں مشہور تھے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:  
 وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكُمْ.  
 (پہ۔ العنکبوت ۴۸) نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
 اہل عرب کا انتہائی علم یہ تھا کہ وہ نبیوں کو اور پہلوں کی خبروں کو اور شعر و بیان کو صرف جانتے تھے اور یہ بھی ان کو جب حاصل ہوتا تھا جبکہ وہ حصول علم کی کوشش کرتے اور طلب علم میں مشغول رہتے اور اہل علم سے مذاکرہ کرتے تھے۔

حالانکہ یہ فن تو آپ ﷺ کے دریائے علم کا صرف ایک قطرہ اور نقطہ ہے اور جو چیزیں ہم نے بیان کی ہیں ان میں ملحدین کے انکار کی اصلاً گنجائش نہیں اور کفار کو تو اس کے رفع کرنے میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا جو ہم نے واضح کیا ہے۔ کہ وہ یہ کہیں کہ یہ تو پچھلوں کی کہانیاں ہیں اور یہ کہ یہ تو

۱۔ مسند الفردوس دلیلی کافی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۶۸

۲۔ صحیح بخاری کتاب اللباس جلد ۷ صفحہ ۱۳۱

۳۔ سنن ابن ماجہ کتاب الطب جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۵

انسان کا سکھایا ہوا ہے۔ تو اللہ ﷻ نے ان کے اس قول کو مردود کر دیا کہ جو یہ نسبت جس کی طرف کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے حالانکہ یہ فصیح عربی زبان ہے۔

پھر وہ جو انہوں نے کہا وہ تو صریح مکابره ہے کیونکہ وہ جس کی طرف آپ ﷺ کی تعلیم کی نسبت کرتے تھے وہ یا تو مسلمان تھے یا رومی بلعام۔ حالانکہ حضرت سلمان ؓ نے تو آپ ﷺ کو ہجرت کے بعد پہچانا اور (اس سے پیشتر) قرآن بکثرت نازل ہو چکا تھا اور بے شمار نشانیاں اور معجزات ظاہر ہو چکے تھے۔ اسی طرح رومی بلعام۔ وہ بھی اسلام لائے تھے اور آپ ﷺ سے قرآن پڑھتے تھے۔

ان کے نام میں اختلاف ہے۔

اور بعض کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کوہ مروہ پر اس کے پاس بیٹھا کرتے تھے (بہر صورت) یہ دونوں عجمی زبان والے تھے اور یہ جھگڑا لوا (کفار) فصحاء اور تیز و طرار خطباء بلاشبہ معارضہ میں قرآن کا مثل لانے میں عاجز رہے بلکہ اس کے وصف ترکیب سوز اور نظم کلام کی سمجھ سے بھی قاصر تھے تو عجمی (گوگنوں) کا کیا شمار۔

لیکن ہاں! حضرت سلمان فارسی ؓ ہوں بلعام رومی یا یعیش یا جبر یا یسار کہ جس کے نام میں اختلاف ہے۔ یہ ان کے سامنے ان سے مدۃ العمر کلام کرتے رہے تھے تو کیا کوئی بھی یہ کہتا ملا کہ یہ جو آپ ﷺ لائے ہیں۔ یعنی قرآن وہ ویسا ہی ہے جیسے یہ باتیں کرتے ہیں اور کیا ان میں سے ایک سے بھی یہ باتیں مشہور ہوئی ہیں اور اس وقت دشمن کو باوجود ان کی کثرت تعداد اور سخت طلب معارضہ اور انتہائی حسد کے کسی نے ان کو نہ روکا تھا کہ وہ بھی ان میں کسی کے پاس بیٹھ کر ان سے حاصل کر کے معارضہ کرے اور ان سے ایسی باتیں سیکھیں جو معارضہ و مجادلہ میں ضروری ہیں۔

جیسا کہ نصر بن حارث نے کیا کہ وہ کتابوں سے من گھڑت خبریں بیان کرتا تھا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کسی وقت بھی اپنی قوم سے غائب نہ رہے اور نہ کثرت کے ساتھ اہل کتاب کے شہروں میں میل جول رہا۔

جو یہ کہا جاتا کہ آپ ﷺ نے ان سے مدولی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ ان کے سامنے اپنے بچپنے اپنی جوانی میں انبیاء علیہم السلام کی عادت کے مطابق بکریاں چراتے رہے۔ پھر یہ کہ کبھی آپ ﷺ ان کے شہروں سے باہر نہ نکلے مگر ایک یا دو سفروں میں ان دونوں سفروں میں بھی اتنی مدت نہ لگائی جس سے احتمال ہو کہ آپ ﷺ نے تھوڑی سی بھی تعلیم حاصل کی چہ جائیکہ کثیر۔ بلکہ آپ ﷺ کے سفروں میں بھی آپ ﷺ کی قوم ساتھ رہی ہے اور اپنے اقرباء کی رفاقت سے کسی حال میں پوشیدہ نہ رہے اور مکہ

مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں بھی آپ ﷺ کی حالت نہ بدلی کہ آپ ﷺ تعلیم پانے اور نہ کسی یہودی عالم یا نصرانی راہب یا نجومی یا کاہن کے پاس رہے بلکہ اگر یہ سب باتیں بھی ہوتیں تب بھی آپ ﷺ کا وہ چیز لانا جو قرآن کا اعجاز ہے۔ یقیناً ان کے ہر ایک عذر کو قطع کرنے والا اور ہر دلیل کو دور کرنے والا اور ہر امر کو صاف کرنے والا ہے۔

## چھبیسویں فصل

### آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی غیبی خبریں

آپ ﷺ کی خصوصیات و کرامات اور ظاہر معجزات میں سے وہ غیبی خبریں ہیں جو ملائکہ اور جنات کے ساتھ ہوئیں اور فرشتوں کے ذریعے اللہ ﷻ کا آپ ﷺ کی مدد فرمانا اور جنات کو آپ ﷺ کا مطیع فرمان بنانا اور بہت سے صحابہ ﷺ کا ان کو دیکھنا ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَإِنْ تَظَاهَرَ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَ  
جِبْرِيلُ. (۲۸- التحريم) ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ  
فَثَبَّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ط  
جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا  
تھا میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت  
رکھو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي  
مُمِدُّكُمْ.  
اور جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس  
نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا  
ہوں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ  
يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ. (۲۶- الاحقاف) وہ قرآن سنیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى. بیشک آپ نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں  
(پ۲۔ انجم ۱۸) دیکھیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا جن کے چہ سوہرتھے۔

اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل و اسرافیل علیہما السلام وغیرہ ساتھ باتیں کرنا ثابت ہے اور شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑی اور چھوٹی صورتوں میں ان کو بکثرت مشاہدہ کرنا مشہور ہے اور بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مختلف مقامات پر جماعت صحابہ نے ان کو دیکھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے جبریل علیہ السلام کو آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام کو ایک مرد کی صورت میں دیکھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام اور ایمان کے بارے میں سوال کر رہے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسامہ بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس جبریل علیہ السلام کو دوحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھا اور سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے اور بائیں حضرت جبریل و میکائیل علیہما السلام دو آدمیوں کی صورت میں ہیں جن پر سفید کپڑے ہیں۔ اس کے مثل دوسروں سے بھی مروی ہے اور بعض صحابہ نے بدر کے دن ملائکہ کو اپنے گھوڑوں کو جھڑکتے سنا اور بعض صحابہ نے کفار کے سروں کو اڑتے تو دیکھا مگر مارنے والے کو نہ دیکھا۔<sup>۵</sup>

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس دن چند سفید پوش مردوں کو چتکبرے گھوڑوں پر سوار زمین و آسمان کے درمیان دیکھا اور کوئی ان جیسا خوبصورت نہیں ہو سکتا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۵۶) اور بیشک فرشتے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الحج باب جواز لتصح جلد ۲ صفحہ ۸۹۹، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۸۱)  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو خانہ کعبہ میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج باب جواز لتصح جلد ۲ صفحہ ۸۹۹، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۸۱)

- ۱۔ صحیح بخاری کتاب الایمان صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۳۷-۳۶ سنن ترمذی کتاب الایمان مقدمہ سنن ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۳ کتاب الناقب جلد ۵ صفحہ ۲۳۳ مجمع الرواۃ جلد ۹ صفحہ ۲۸۶
- ۲۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۰۶ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۶۸
- ۳۔ صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۲۸ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۲ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۵۵
- ۴۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۴ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۵۲
- ۵۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۵۶

اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے جنوں والی رات میں جنات کو دیکھا اور ان کی باتیں سنیں اور ان کو قوم زط سے تشبیہ دی۔  
(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۳۱، تفسیر درمنثور جلد ۸ صفحہ ۳۰۷)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب اُحد کے دن شہید ہو گئے تو ان کا جھنڈا فرشتے نے پکڑ لیا جو ان کی صورت پر تھا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ آگے بڑھو اے مصعب رضی اللہ عنہ! فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں مصعب رضی اللہ عنہ نہیں ہوں تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ ہے۔  
(الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۱۵)

بکثرت مصنفین نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک بوڑھا جس کے ہاتھ میں عصا آیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو جن کی آواز ہے تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں ہامہ بن اسیم بن لاقس بن ابلیس ہوں۔

اس نے بیان کیا کہ میں حضرت نوح علیہ السلام سے ملا ہوں اور ان کے بعد اور پیغمبروں سے۔ یہ حدیث طویل ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قرآن کی چند سورتیں لکھائیں۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۱۸)

واقعی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عزی (درخت) کے گراتے وقت اس کالی عورت کو جو برہنہ بدن منتشر بالوں کے ساتھ نکلی تھی اپنی تلوار سے قتل کر ڈالا اور اس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عزی تھی (یعنی وہ بت جس کو لوگ پوجتے تھے اس کے ساتھ اس جنہ کو تشبیہ دی)

(تحفۃ الاشراف جلد ۲ صفحہ ۲۳۵، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۷۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ شیطان نے آج رات ارادہ کیا کہ میری نماز قطع کر دے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔ میں نے چاہا کہ مسجد کے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اسے دیکھو۔ لیکن مجھے اپنے بھائی (رسالت میں) حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعایا آگئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا  
اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی

(۲۳-۳۵) سلطنت عطا فرما۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پس اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ناکام کر کے مردود کر دیا یہ باب بھی بہت وسیع ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۹، کتاب بدو الخلق)



## ستائیسویں فصل

### دلائل و علامات نبوت و رسالت

آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور رسالت کی علامتوں میں وہ احادیث ہیں جو راہبان و احبار اور علماء اہل کتاب سے آپ ﷺ کی اور آپ کی امت کی تعریف اور آپ ﷺ کے نام و علامات میں مروی ہیں اور آپ ﷺ کی اس مہر کا ذکر ہے جو دونوں کندھوں کے درمیان تھی اور اس بارے میں پچھلے موحدین کے اشعار ہیں جیسے تبع اوس بن حارثہ کعب بن لوئی سفیان بن مجاشع قس بن ساعدہ وغیرہ سے منقول ہیں اور وہ جوزید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور عسکلان حمیری علماء یہود اور ان کا عالم شامل جو تبع کا مصاحب تھانے آپ ﷺ کی تعریف اور خبر میں بیان کئے ہیں اور وہ ہمیں جو تورات و انجیل میں وحی کی گئی ہیں۔ جس کو علماء نے جمع کیا اور بیان کیا ہے اور ان دونوں کتابوں سے اسلام لانے کے بعد ان کے ثقہ حضرات نے نقل کیا ہے۔ جیسے عبداللہ بن سلام بنی سعیہ ابن یامین مخزوم اور کعب بن زہیرہ جو علماء یہود میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور بحیراء نصطور حبشہ اور صاحب بصری اور ضغاطر اور شام کے پادری اور حارو اور سلمان اور نجاشی اور حبشہ کے نصاریٰ نجران کے پادری وغیرہ سے منقول ہے جو نصاریٰ کے علماء میں سے مسلمان ہوئے تھے۔

نصاری کے عالم و سردار ہرقل اور صاحب رومہ نے اس کا اقرار کیا اور مقوقس صاحب مصر اور اس کا مصاحب شیخ اور ابن صوریا اور ابن اخطب اور اس کا بھائی اور کعب بن اسد اور زبیر بن باطیا وغیرہ علماء یہود نے اقرار کیا جن کو حسد نے بقا پر بدبختی کو برا سمجھتے کیا۔

اس بارے خبریں بکثرت ہیں۔ جن کا حصر نہیں کیا جاسکتا۔

بلاشبہ آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ کے کانوں کے پردوں کو جھنجھوڑا کہ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے صحابہ کی صفتیں ہیں اور ان پر حجت قائم کی کہ ان کے صحیفے ان پر مشتمل ہیں اور ان کی تحریف کتمان (چھپانا) اور نبی آخر زمان کی صفت کے اظہار کے وقت زبانوں کے مڑنے کی آپ ﷺ نے مذمت فرمائی اور مبلہ کا چیلنج کیا کہ تم جھوٹے ہو۔

تو ان میں سے ہر ایک معارضہ سے بھاگا اور جو الزام ان کی کتابوں سے کیا گیا۔ اس کے اظہار سے وہ کئی کتر گئے کیونکہ اگر وہ اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کے فرمان و الزام کے خلاف پاتے تو یقیناً اس کا اظہار ان پر آسان ہوتا بہ نسبت جانوں اور مالوں اور گھروں کی بربادی اور جنگ و جدال کے۔

آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اگر تم سچے ہو تو توریت کو لا کر اس کی تلاوت کرو۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کاہنوں کو بھی ڈرایا جیسے شافع بن کلیب، شق، سلح، سواد بن قارب، خنا فرامعی نجران، جذل بن جذل کندي، ابن خلدہ دوسی، سعید بن بنت کریز، فاطمہ بنت نعمان اور وہ لوگ جن کا شمار ان کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ بتوں کی زبانوں پر آپ ﷺ کی نبوت اور بوقت اظہار رسالت آپ ﷺ کا اظہار تھا اور غیبی آوازوں سے اور بتوں پر قربانیوں سے اور عورتوں کے شکموں سے سنا گیا اور وہ چیزیں جن پر نبی کریم ﷺ کے نام مبارک اور آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی پتھروں اور قبروں پر پرانے خط میں مکتوب تھا پائی گئیں اور وہ بہت سی چیزیں اس قسم کی مشہور ہیں اور جو لوگ ان اسباب معلومہ و مذکورہ کی وجہ سے اسلام لائے بیان ہو چکا ہے۔

## اٹھائیسویں فصل

### بوقت ولادت معجزات

اور آپ ﷺ کے معجزات میں دو نشانیاں ہیں جو بوقت سعادت ظاہر ہوئیں جن کو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بیان کیا اور ان عجائبات کو ان لوگوں نے بیان کیا جو اس وقت ان لوگوں نے بیان کیا جو اس وقت موجود تھے۔

وہ یہ کہ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت آپ ﷺ کا سر مبارک اٹھا ہوا تھا اور آپ ﷺ کی نظریں آسمان کی طرف تھیں اور آپ ﷺ کی والدہ نے اس نور کو دیکھا جو آپ ﷺ کی ولادت کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ نکلا اور ان عورتوں نے دیکھا جو آپ ﷺ کی ولادت کے وقت موجود تھیں۔

اس وقت أم عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ستارے قریب آگئے اور یہ کہ بوقت ولادت نور نکلا یہاں تک کہ ہر طرف نور ہی نور پھیل گیا۔ سلم عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ شفاء کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہو کر میرے ہاتھ پر لائے گئے تو آپ ﷺ کو چھینک آئی تو اس وقت کسی کہنے والے کو کہتے سنا کہ رَحِمَكَ اللَّهُ (اللہ تعالیٰ پر رحم کرے) اور مشرق و مغرب کے درمیان مجھے روشنی معلوم ہوئی حتیٰ کہ میں نے روم کے محل دیکھ لئے۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۲، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۳۶)

۱۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۱۳

۲۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۸۳۔ ۸۰ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۲۸، ۱۲۷

۳۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۱۱، دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۳۵

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر جو آپ ﷺ کے رضاعی والدین ہیں نے آپ ﷺ کی برکت کی تعریف کی ہے کہ ان کا اور ان کی اونٹنی کا دودھ بڑھ گیا تھا اور بکریاں فریبہ ہو گئی تھیں اور آپ ﷺ کی نشوونما بہت جلد ہوتی تھی۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۲۰ سیرت ابن اسحاق جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۳۳)

شب ولادت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور کنگرے گر پڑے۔ بحیرہ طبریہ کا پانی کم ہو گیا۔ فارس کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے برابر جل رہی تھی اور یہ کہ جب آپ ﷺ اپنے چچا ابوطالب اور ان کے بچوں کے ساتھ اپنے بچپن میں کھاتے تو سب کے سب شکم سیر ہو جاتے اور جب آپ ﷺ ان کے ساتھ نہ ہوتے اور وہ سب مل کر کھاتے تو وہ شکم سیر نہ ہوتے تھے اور ابوطالب کے بچے جب صبح کو اٹھتے تو پراگندہ حال اٹھتے مگر آپ صبح کرتے تو خوش باش اور سرگمین اٹھتے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کی محافظہ تھی وہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کے بچپن میں میں نے کبھی بھوک و پیاس کی شکایت نہ سنی اور نہ آپ ﷺ کے بڑے ہونے کے بعد سنی اور آپ ﷺ کے عجائبات ولادت میں سے یہ ہے کہ شہاب ثاقب سے آسمان کا محفوظ رہنا اور شیطان کی گھات کا موقوف ہونا اور ان کا چوری چھپنے سننے سے رکنا ہے۔

اور آپ ﷺ کو بچپن سے ہی بتوں سے نفرت اور امور جاہلیت سے اجتناب تھا اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو عمدہ اخلاق کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی پردہ پوشی کے بارے میں یہ خبر مشہور ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب آپ ﷺ نے اپنے تہبند کے دامن میں پتھر بھر کر کاندھے پر رکھنے کا ارادہ کیا تو وہ کھل گیا اور آپ ﷺ برہنہ ہو گئے تو زمین پر گر پڑے حتیٰ کہ آپ نے فوراً تہبند باندھ لیا۔

اس وقت آپ ﷺ کے چچا نے آپ سے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے برہنہ ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ انہیں میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ پر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے سفر میں بادلوں سے سایہ کیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا اور دوسری

۱۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۳۶

۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ ۱۱۹ دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۶۶

۳۔ دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۶۷

۴۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۷ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۲

۵۔ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۵۰ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۵-۲۴

عورتوں نے جب آپ ﷺ سے واپس آئے تو دیکھا کہ دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کر رہے ہیں۔ اس کا انہوں نے میسرہ (ان کے غلام تھے) سے تذکرہ کیا تو انہوں نے ان کو بتایا کہ جب سے آپ ﷺ سفر کے لئے نکلے ہیں اسی طرح دیکھا ہے۔  
(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)

حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بادل کو دیکھا کہ وہ آپ ﷺ پر سایہ کر رہا ہے وہ آپ ﷺ کے ساتھ تھیں اور اس بارے میں آپ ﷺ کے رضاعی بھائی سے مروی ہے۔ ان میں سے یہ کہ ایک سفر میں آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے ایک خشک درخت کے نیچے اترے تو اس نے تروتازہ ہو کر آپ ﷺ کے گردا گرد سایہ کر دیا اور دیکھتے دیکھتے اس کی شاخیں نکل آئیں اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ پر ایک درخت نے جھک کر سایہ کیا اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ کے وجود گرامی کا چاند و سورج کے وقت سایہ نہ پڑتا تھا کیونکہ آپ ﷺ نور تھے اور مکھی آپ ﷺ کے جسم اور کپڑوں پر نہ بیٹھی تھی۔<sup>۱</sup>

اور اسی میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کو خلوت پسند تھی یہاں تک کہ آپ ﷺ کی طرف وحی کی گئی پھر آپ ﷺ نے اپنے وصال (موت طبعی) کی اور اپنی مدت حیات ظاہری کے پورے ہونے کی خبر دی اور یہ کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے گھر میں ہوگی اور یہ کہ آپ ﷺ کے حجرہ شریف اور مسجد میں منبر کے درمیان ریاض جنت کا ایک باغ ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اپنے وصال کا اختیار دیا۔<sup>۲</sup>

اور حدیث وفات میں بہت سی آپ ﷺ کی کرامتیں اور بزرگیاں شامل ہیں اور یہ کہ فرشتوں نے آپ ﷺ کے جسد اقدس پر صلوة و سلام پڑھا۔ اس روایت کی بنا پر جن کو ہم نے بعض علماء سے روایت کیا ہے اور یہ کہ ملک الموت نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی حالانکہ آپ ﷺ سے پہلے کسی سے اجازت قبض روح کی نہ مانگی اور بوقت غسل ایسی آوازیں سنیں کہ آپ کی قمیض مبارک نہ اتارو<sup>۳</sup>

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۵۷، الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۹۱

۲۔ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۵۰، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۵، ۲۴

۳۔ الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۶۸

۴۔ الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۶۸

۵۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، فضائل فاطمہ رضی اللہ عنہا جلد ۲ صفحہ ۱۹۰، ۱۹۰، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۶۵

۶۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۵۹

۷۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۶۲، ۲۶۹، مستدرک جلد ۳ صفحہ ۶۰، ۵۹

۸۔ سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۵۰۲، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۴۲، ۲۴۳

اور یہ کہ حضرت خضر اور ملائکہ نے اہل بیت سے وصال کے بعد تعزیت کی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے صحابہ پر آپ ﷺ کی کرامتیں برکتیں اور آپ ﷺ کی حیات و وفات میں بکثرت ظاہر ہوئیں۔ جیسے کہ حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے چچا کے توصل سے بارش کی دعا کی اور بہت سوں نے آپ ﷺ کی اولاد سے برکتیں حاصل کیں۔

(صحیح بخاری کتاب الاستقاء جلد ۱ صفحہ ۲۳)

## انتیسویں فصل

### قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیشک ہم نے اس باب میں آپ ﷺ کے ظاہر معجزات کے چند اشارے اور علامات نبوت میں سے ظاہر تر جو ملے بیان کئے ہیں۔ جو ایک (قرن) کو کافی و وافی ہوں گے اور بکثرت ہم نے چھوڑ دیئے جن کا ہم نے ذکر ہی نہیں کیا اور اکثر طویل حدیثوں میں سے صرف اصل مطلب اور گوہر مقصود پر اکتفا کیا اور بہت سی حدیث اور غریب میں سے وہ جو صحیح اور مشہور ہیں لی ہیں اور بہت کم وہ غریب حدیثیں لی ہیں جن کو مشاہیر آئمہ نے نقل کیا ہے اور ان کی سندوں کو بوجہ اختصار حذف کر دیا اور اس باب کو اس مضمون کے اعتبار سے پوری طرح پر لکھا جائے تو ایک جامع دیوان بن جائے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہو۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے معجزات دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام کی بہ نسبت دو وجہوں پر زیادہ ظاہر ہیں۔ اول یہ کہ وہ بکثرت ہیں کیونکہ جس قدر نبیوں کو معجزات دیئے گئے ان سب کے برابر ہمارے نبی ﷺ کو عطا ہوئے یا ان سے بڑھ کر آپ ﷺ کو ملے اور بیشک لوگوں نے اس پر اطلاع دی ہے۔ پس اگر تم چاہو تو اس باب کی فصلوں پر غور کرو اور گزشتہ نبیوں کے معجزات پر سوچو گے تو انشاء اللہ ﷻ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کے معجزات زیادہ ہیں۔

پس یہ قرآن ہی سارے کا سارا معجزہ ہے اور بعض آئمہ محققین کے نزدیک جس میں کم سے کم معجزے ہیں وہ سورہ کوثر ہے یا اس کی برابر کوئی ایک آیت اور بعض آئمہ رحمہم اللہ کا یہ مذہب ہے کہ اس کی ہر آیت وہ جیسی بھی ہے معجزہ ہے اور دوسروں نے اتنا زیادہ یا کہ قرآن کا ہر جملہ منظمہ (مرکبہ) معجزہ ہے۔ اگرچہ وہ ایک کلمہ یا دو کلمے ہی کیوں نہ ہوں اور حق و صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ. تم فرما دو کہ اس کی ایک سورت کی مثل ہی لے

(پ۔ عود ۱۳) آؤ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پس یہ کم سے کم ہے جس کے ساتھ کفار سے تحدی (طلب معارضہ) کیا گیا ہے باوجودیکہ نظرو تحقیق اس کی تائید کرتی اور مختصر کو طویل کرتی ہے اور جب یہ بات ایسی ہے تو قرآن میں تقریباً ستر ہزار کلمے اور بعضوں کے شمار پر اس سے زیادہ ہیں اور اِنَّا اَعْطَيْنَكَ الْكُوْتُرَ. (پ۔ الکوثرا) میں دس کلمے ہیں۔ تو اب اِنَّا اَعْطَيْنَكَ الْكُوْتُرَ کے عدد پر پورے قرآن کو تقسیم کرو تو سات ہزار جز سے زیادہ ہوں گے اور ہر ایک ان میں سے فی نفسہ معجزہ ہے۔

پھر اس کا اعجاز جیسا گزر چکا دو وجہوں پر ہے۔ ایک اس کی بلاغت کے اعتبار سے دوسرا اس کے نظم کے اعتبار سے تو اب ہر ایک جز اسی اعتبار سے دو معجزے ہو گئے۔ اس طرح پر اب اس کی تعداد دو گنی ہو گئی پھر قرآن میں دوسرے اعجاز کے وجوہات بھی ہیں۔ مثلاً غیبی علوم کے ساتھ خبریں وغیرہ۔ لہذا اس تجزیہ کے اعتبار سے ہر ایک سورت غیبی چیزوں میں سے ایک خبر ہوگی اور اس کی ہر خبر فی نفسہ معجزہ ہے اور دوبارہ اس کی تعداد دو گنا ہو جائے گی۔ پھر دوسری وہ وجوہات اعجاز ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے تو قرآن کے حق میں ہی ان کی تعداد کئی گنا لازمی طور پر بڑھ جاتی ہے۔ پس قریب ہے کہ کوئی عدد اس کے معجزات کی تعداد کو نہ لے سکے گا اور نہ اس کے دلائل کا حصر کر سکے گا پھر آپ ﷺ سے وہ احادیث مرویہ اور اخبار منقولہ جو اس باب میں مروی ہیں اور وہ چیزیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں اور جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا تو فی الجملہ کس تعداد تک پہنچیں گی۔

دوسری وجہ یہ کہ حضور ﷺ کے معجزات واضح ہیں کیونکہ دیگر رسولوں کے معجزات ان کے زمانہ کے لوگوں کی ہمتوں کی تعداد اور اس فن کے اعتبار سے تھیں جو ان کے زمانہ میں رائج تھے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا تو اس زمانہ کے لوگ جادو میں کمال رکھتے تھے تو موسیٰ علیہ السلام کو اس کے مشابہ معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا جس پر وہ قدرت کا ادعا کرتے تھے۔ تو وہ ان کے پاس وہ معجزہ لائے جو (چیز) ان کی عادتوں کو مجبور کرتی تھی اور جو ان کی قدرت سے باہر تھا۔ جس کے ذریعے ان کے جادو کو باطل کیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فن طب کمال پر تھا اور اس میں لوگ بھر پور تھے۔ تو وہ ان کے پاس ایسا معجزہ لائے جس پر وہ قدرت نہ رکھتے تھے اور وہ چیز سامنے لائے جس کا وہ گمان بھی نہ کر سکتے تھے۔ جیسے مردوں کا زندہ کرنا اور بغیر معالجہ طبی کے جذامی اور کوڑھی کو تندرست کرنا وغیرہ

اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں۔

پھر اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ درانحالیکہ عرب کے جملہ معارف و علوم چار تھے۔

1۔ بلاغت، 2۔ شعر، 3۔ خبر اور 4۔ کہانت۔

تو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا جو ان چاروں فصلوں میں خارق اور برخلاف عادت ہے یعنی فصاحت، اختصار، وہ بلاغت جو ان کے کلام کے طرز و طریق سے خارج ہے اور اس میں وہ نظم غریب اور اسلوب عجیب ہے کہ نظم میں جن کی ادائیگی سے وہ واقف ہی نہ تھے اور وہ لوگ اوزان کے طریقوں کے سوا اور اسلوب جانتے ہی نہ تھے اور یہ کہ اس میں گزشتہ و آئندہ کی خبریں ہیں اور واقعات و اسرار خفیہ باتیں اور دلوں کے حالات کی خبریں ہیں تو وہ ویسی ہی ہوئیں جیسی کہ بیان کی گئیں اور وہ اس کی صحت پر خبر دینے والے کا اعتراف کرتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اگرچہ کتنا ہی بڑا دشمن ہو اور کہانت کو باطل کیا جو ایک مرتبہ سچی ہوتی ہے اور دس مرتبہ جھوٹی اور اس کے پانسہ پھینکنے اور ستاروں کی گھاتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور قرآن میں گزشتہ زمانوں کی خبریں، نبیوں اور ان کی گذری ردہ امتوں کے حالات اور سابقہ واقعات کا ذکر ہے کہ اس شخص کو جو اس علم کے لئے مشغول ہو اس کے بعض حصہ ہی اس کو عاجز کر دیتے ہیں چہ جائیکہ کل قرآن ان وجوہ کے اعتبار سے جن کو ہم نے بیان کیا اور اس میں ہم نے معجزات کا ذکر کیا ہے۔

پھر یہ جامع معجزہ ان وجوہ و فصول کے ساتھ جن کو ہم نے اعجاز قرآن میں بیان کیا قیامت تک ثابت و باقی رہے گا اور ہر آنے والی امت کے لئے حجت ظاہر رہے گا اور اس کے وجوہ اس پر مخفی نہیں جو اس میں غور و فکر کرے اور اس کے وجوہ اعجاز میں تدبر کرے کہ کس طرح اور کس نہج پر اس میں عیبی خبریں ہیں۔

پس اب کوئی عہد اور زمانہ ایسا نہ گزرے گا جس میں اس کے مخرک کا صدق ظاہر و غالب نہ رہے اور خبر واقع کے مطابق نہ ہو۔ پس ایمان تازہ ہوتا رہے گا اور دلائل ظاہر ہوتے رہیں گے حالانکہ خبر عینی مشاہدہ کے برابر نہیں ہوتی اور مشاہدہ سے یقین زیادہ ہوتا ہے اور دل عین الیقین سے بہ نسبت علم الیقین کے زیادہ مطمئن ہوتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک اس کے نزدیک حق ہوتا ہے اور انبیاء و رسل علیہم السلام کے تمام معجزات ان کی مدت کے بعد ختم ہو گئے اور ذاتوں کے ساتھ ان کا وجود معدوم ہو گیا لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کا معجزہ نہ پرانا ہوا اور نہ منقطع ہوا اور اس کی نشانیاں تازہ ہوتی رہتی ہیں جو کبھی کمزور نہیں ہوتیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے اپنے فرمان میں ارشاد فرمایا۔

**حدیث:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو ان کے مطابق معجزات دیئے گئے جس پر لوگ ایمان لاتے رہے اور جو چیز مجھ پر وحی کی گئی یا جو اللہ ﷻ نے مجھ پر وحی فرمائی میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن اس کے اتباع کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے۔ حدیث کے یہ معنی بعض علماء کے نزدیک ہیں۔ یہی ظاہر صحیح ہے۔ انشاء اللہ ﷻ اور اکثر علماء نے اس حدیث کی تفسیر میں اور آپ کے معجزات کے ظہور میں دوسرے معنی بیان کئے ہیں۔

یعنی ان کا ظہور یہ ہے کہ یہ وحی اور کلام ہے جس میں تخیل یا حیلہ جوئی یا تشبیہ کا امکان نہیں ہے کیونکہ دوسرے نبی و رسول علیہم السلام کے معجزات میں بیشک معاندین نے قصد کیا کہ اس میں دوسری چیزیں ملا دیں اور انہوں نے اس کی خواہش کی ان کو خیال بنا کر ضعیف الاعتقاد لوگوں کو پھیر دیں جیسے کہ جادو گروں کا رسی اور لکڑیاں وغیرہ ڈالنا یہ اس کے مشابہ ہے کہ جادو گر اس کو خیال بنا سکے یا اس میں حیلہ کر سکے اور قرآن ایسا کلام ہے جس میں حیلہ اور جادو گروں کے تخیل کی گنجائش ہی نہیں۔

پس اس وجہ سے ان علماء کے نزدیک دیگر معجزات سے زیادہ ظاہر ہے۔ جیسا کہ جو شاعر اور خطیب نہ ہو وہ کسی حیلہ یا بناوٹ سے شاعر و خطیب نہیں بن سکتا لیکن پہلی تفسیر اور معنی زیادہ صاف اور پسندیدہ ہے اور یہ دوسری تفسیر و معنی وہ ہے جس پر آنکھ بند ہوتی ہے اور جھپکتی ہے۔

تیسری وجہ اعجاز کی اس مذہب پر ہے جو پھیر دینے کے قائل ہیں کیونکہ معارضہ کرنا انسان کی قدرت میں تھا پس وہ اس سے پھیر دیئے گئے یا اہلسنت کے دو مذہبوں میں سے ایک مذہب پر یہ ہے کہ اس کی مثل کا لانا انسان کی قدرت کی جنس سے ہے لیکن وہ ایسا نہ پہلے کر سکے اور نہ بعد میں کریں گے کیونکہ اللہ ﷻ نے ان کو قدرت ہی نہ دی اور نہ وہ اس پر ان کو قدرت دے گا اور دونوں مذہبوں کے درمیان ظاہر فرق ہے اور دونوں مذہبوں کا اجتماع ہے کہ عرب اس چیز کو نہ لاسکے جو ان کے مقدور میں تھا یا ان کے مقدور کے جنس میں سے تھا اور ان کا بلا جلا وطنی، اسیری اور ذلت (جزیہ) نیز احوال، جان و مال کی اضاعت، نہ زجر و توبیح، مجبوری و لا چاری اور دھمکی و ڈراوے پر راضی ہونا۔ اس کے مثل لانے سے عاجز ہونے پر کھلی دلیل ہے اور اس کے معارضہ سے منہ موڑ گئے اور بلاشبہ وہ اس چیز سے روک دیئے گئے تھے جو ان کے مقدور کی جنس سے تھا۔ یہ مذہب امام ابوالمعالی جوینی وغیرہ رحمہم اللہ کا ہے۔

امام ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہمارے نزدیک فی نفسہ خرق عادت میں زیادہ بہتر ہے بہ نسبت قادر افعال کے جیسے لاشی کو اثر دھے سے پھیرنا وغیرہ کیونکہ دیکھنے والے کے دل میں فوراً یہ خدشہ گزرتا ہے کہ یہ خصوصیت اس کے صاحب میں اس لئے ہے کہ اس فن اور علم میں اس کی



معرفت زیادہ ہے حتیٰ کہ کوئی صحیح النظر ہی اس خدشہ سے اس کو پھیرتا ہے۔

لیکن صد ہا سالوں سے ایسے کلام کے ساتھ جو ان کے کلام کی جنس سے ہے۔ تحدی اور معارضہ کرنا کہ اس کی مثل لاؤ۔ پس وہ نہ لاسکے۔ اس کے بعد اب باقی نہیں ہے کہ معارضہ پر پورے وجوہات بیان کریں پھر ان کا نہ لانا سوائے اس بات کے نہیں کہ اللہ ﷻ نے اس کے مثل لانے سے مخلوق کو روک دیا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر نبی ﷺ یہ فرمائیں کہ میری نشانی یہ ہے کہ اللہ ﷻ مخلوق کو قیام سے روک دے باوجود اس پر ان کی قدرت کے اور ایک زمانہ اس پر گزر جائے۔ پس اگر ایسا ہو جائے اور اللہ ﷻ قیام سے ان کو عاجز کر دے تو یقیناً یہ اس نبی ﷺ کی روشن نشانی اور معجزہ اور نبوت پر ظاہر دلیل ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔

اور بیشک بعض علماء پر آپ ﷺ کے معجزات دیگر تمام نبیوں کے معجزات پر غالب ہونے کی وجہ پوشیدہ رہی۔ یہاں تک کہ اس بارے میں اس عذر کے محتاج ہوئے کہ عرب کی عقلیں دقیق تھیں ان کی ذکاوت تیز تھی اور ان کی سمجھ پوری تھی اور انہوں نے اپنی فطرت سے جان لیا کہ اس میں معجزہ ہے اور ہر بات ان کو اپنی سمجھ کے موافق حاصل تھی اور ان کے علاوہ قطعی بنی اسرائیل وغیرہ کی کیفیت یہ نہ تھی بلکہ وہ لوگ غبی اور کم سمجھ تھے۔ اسی وجہ سے تو فرعون نے ان پر جائز رکھا کہ وہ ان کا رب (خدا) ہے۔ (معاذ اللہ) اور سامری نے جائز رکھا کہ اس نچھڑے میں (معاذ اللہ) خدا ہے یہ بات ان کے ایمان لانے کے بعد ہوئی اور مسیح کی انہوں نے پرستش کی باوجودیکہ ان کا یہ اجماع ہے کہ وہ مصلوب ہوئے۔

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَیْكُنْ شُبَّهَ لَهُمْ۔

(پ۔ النساء ۱۵۷)

اور یہ کہ نہ انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا۔

(ترجمہ کنزالایمان)

(پس اے بے سمجھوں کے لئے) ظاہر اور کھلے معجزات آئے جو ان کی موٹی سمجھوں کے موافق تھے

تا کہ اس میں انہیں شک و شبہ نہ ہو باوجود اس کے انہوں نے کہا:

(پ۔ البقرہ ۵۵)

لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ نَرَ اللَّهَ جَهْرَةً

(ترجمہ کنزالایمان)

ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

ہمیں اللہ کو واضح طور پر دکھاؤ اور من و سلوئی پر انہوں نے صبر نہ کی۔

(پ۔ البقرہ ۶۱)

اور اَحْتَبَدِ لَوْ اَلَّذِي هُوَ اَذْنِي بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ۔

کیا ادنیٰ چیز کو بہتر کے بدلے مانگتے ہو (ترجمہ کنز الایمان)

اور عرب اپنی جاہلیت کے باوجود ان میں سے بہت زیادہ خدا کے معترف تھے اور وہ بتوں میں تَقَرُّبُ إِلَى اللَّهِ کو تلاش کرتے تھے اور بعض ان میں سے آپ ﷺ کے اعلان رسالت سے پہلے ہی اللہ ﷻ کی وحدانیت پر دلائل عقلیہ سے دل کی صفائی کے ساتھ ایمان رکھتے تھے اور جب اللہ ﷻ کا رسول ﷺ کتاب لے کر تشریف لائے تو اس کی حکمت کو سمجھا اور انہوں نے پہلی مرتبہ میں ہی اپنی سمجھ کی برتری سے جان لیا کہ یہ معجزہ ہے تو وہ ایمان لے آئے اور ہر روز ان کا ایمان بڑھتا رہا اور تمام دنیا سے کنارہ کش ہو کر آپ ﷺ کی صحبت اختیار کی۔ اپنے گھروں اور مالوں سے ہجرت کی اور اپنے باپوں اور بیٹوں کو آپ ﷺ کی مدد میں قتل کیا۔

اسی معنی میں یہ باتیں ہیں جن سے آراستگی ہوتی ہے اور عجیب لذت معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس کی طرف احتیاج اور تحقیق کی جائے لیکن ہم نے اپنے نبی ﷺ کے معجزات کے بیان اور اس کے ظہور میں پہلے ہی وہ باتیں ذکر کر دی ہیں جو ان خفیہ اور ظاہر راستوں پر چلنے سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔

وَبِاللَّهِ اسْتَعِينُ وَهُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

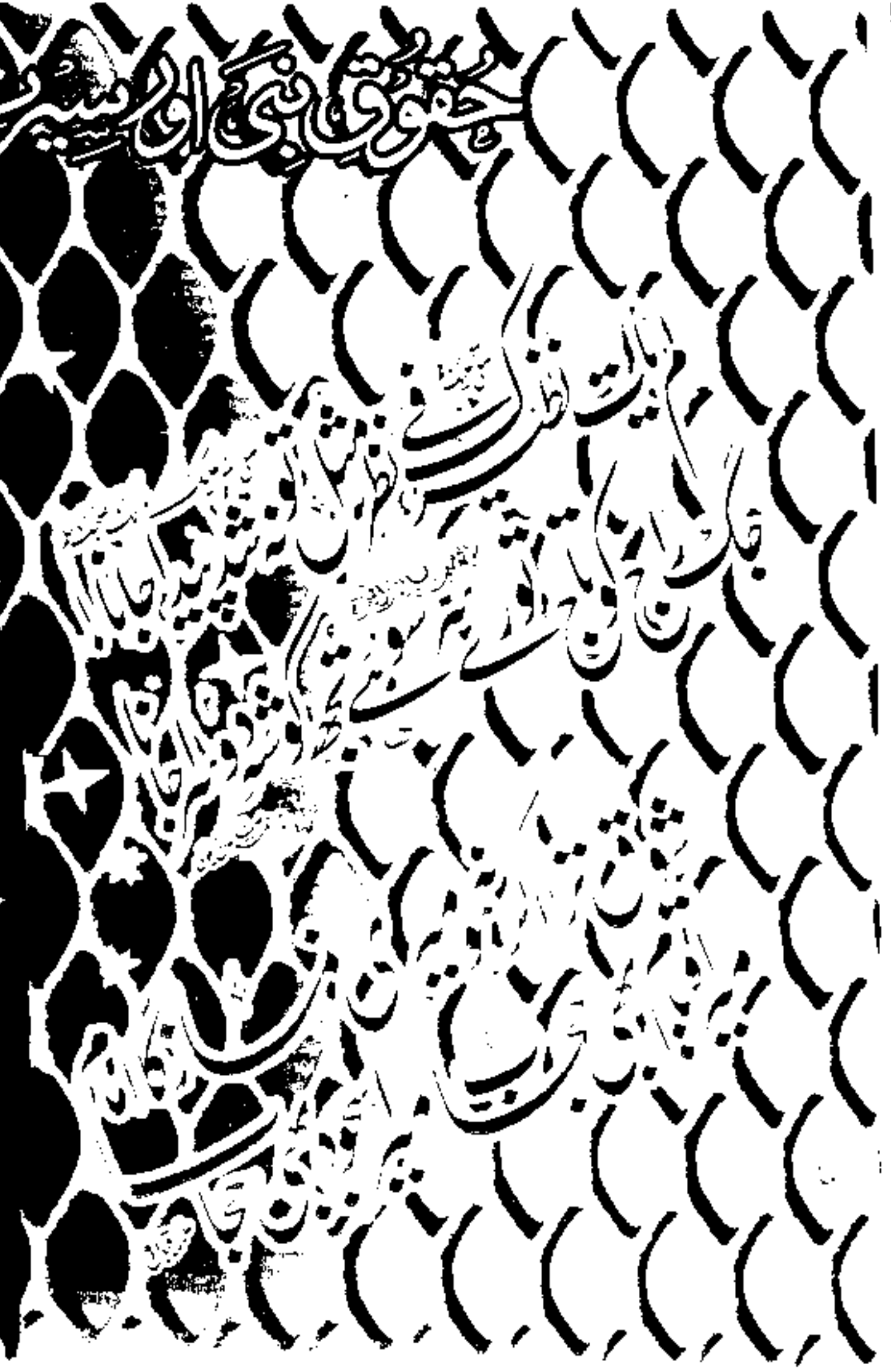
### تمت بالخیر

الحمد للہ علی احسانہ کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ ﷺ مصنفہ علامہ قاضی ابوالفضل محمد عیاض مالکی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے حصہ کا ترجمہ مسعی بنام تاریخی نعیم الطاء فی حدیث المجتبیٰ ﷺ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بروز جمعہ بعد مغرب سے شروع ہو کر ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۹ھ بروز یک شنبہ بعد مغرب مکمل ہوا۔ اب اس کے بعد حصہ دوم یعنی کتاب الشفاء کی قسم ثانی جس میں لوگوں پر حضور ﷺ کے کیا حقوق واجب ہیں کا بیان ہے۔ شروع ہوگی۔ وَاللَّهُ مُتِمِّمٌ بِالْخَيْرِ.

غلام معین الدین نعیمی

سوادِ اعظم لاہور

مکتبہ اعلیٰ حدیث  
 لاہور  
 سہ ماہی ۱۹۷۱ء  
 پرائیمری سیکولر  
 پرائیمری سیکولر



جلد دوم

الاسم

تعارف حقوق المصطفیٰ

تعارف اوطار من حدیث المحدثین

مع تعریج احادیث

تصنیف

ابو نعیم اصفہانی

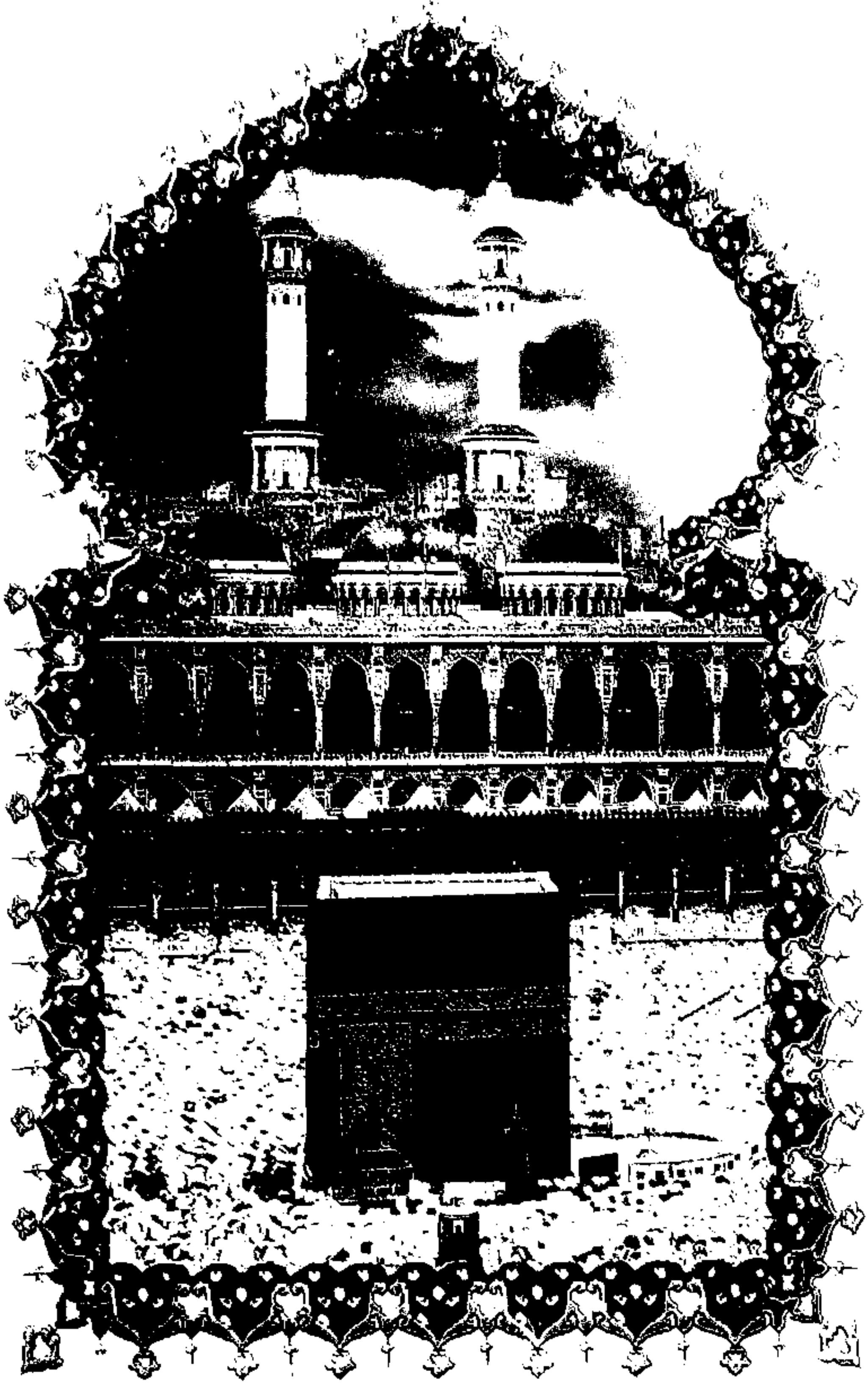
ترجمہ: علامہ محمد سعید احمد مدظلہ العالی

مکتبہ اعلیٰ حدیث

دربار مارکیٹ لاہور

PUBLISHED BY





كعبة المشرفة

*Kābatullah*

حقوق نبی اور سبیت رسول ﷺ ایک مستند کتاب

الاسماء بحرف حقوق

المصطلح الاملا

ترجمہ بنیام

نعم العطاء فی حدیث الجنتی

مع تخریج احادیث

جلد دوم

مصنف: ابو الفضل قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ

مترجم: حضرت سیدتی علامہ معین الدین نعمانی رحمہ اللہ



مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور

042-7247301-0300-8842540

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## جملہ حقوق کمپوزنگ و تخریج محفوظ ہیں

موضوع کتاب	حقوق نبی ﷺ و سیرت رسول ﷺ
نام کتاب عربی	الشفاء بحرف حقوق المصطفیٰ ﷺ
نام اردو ترجمہ	نعیم العطاء فی احادیث الحبیبی ﷺ
نام مصنف	ابوالفضل قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ
نام مترجم	حضرت الحاج مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزنگ جدید	سجان گرافکس اینڈ کمپوزنگ سنٹر لاہور
پروف ریڈنگ اردو	احمد رضا
سن اشاعت	19 ذوالحجہ 1424ھ بمطابق 12 فروری 2004ء
صفحات جلد دوم	320

660 روپے

ہدیہ

ناشر



مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور

042-7247301-0300-8842540

نوٹ: اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں کافی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ تاہم بشری تقاضا کے مطابق اگر کہیں غلطی رہ گئی ہو تو جو صاحب اس پر مطلع ہوں ادارہ کو ضرور بالضرور اطلاع کریں تاکہ تصحیح کی جاسکے۔ (ادارہ)

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## فہرست الشفاء جلد دوم

صفحہ نمبر

عنوان

### قسم دوم

- |    |  |  |
|----|--|--|
| 8  | حضور سید عالم ﷺ کے حقوق امت پر کیا واجب ہیں؟ |  |
| 8  | <b>پہلا باب</b>                              |  |
|    | پہلی فصل:                                    | آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض آپ ﷺ کی اطاعت اور           |
| 12 | آپ ﷺ کی سنت کا اتباع                         |  |
| 15 | دوسری فصل:                                   | وجوب اتباع و تعمیل سنت کا کتاب و سنت سے ثبوت       |
| 20 | تیسری فصل:                                   | سلف صالحین رحمہم اللہ سے اتباع سنت کا وجوب         |
| 24 | چوتھی فصل:                                   | سنت کی مخالفت موجب عذاب آخرت ہے                    |
|    | <b>دوسرا باب</b>                             |  |
| 25 | پہلی فصل:                                    | امت پر آپ ﷺ کی محبت لازم واجب ہے                   |
| 27 | دوسری فصل:                                   | آپ ﷺ سے محبت رکھنے کا اجر و ثواب                   |
| 28 | تیسری فصل:                                   | آپ ﷺ سے محبت رکھنے کے بارے میں اقوال سلف           |
| 31 | چوتھی فصل:                                   | حضور ﷺ سے محبت رکھنے کی علامت                      |
| 36 | پانچویں فصل:                                 | محبت کے معنی اور اس کی حقیقت                       |
| 39 |  | حضور ﷺ سے خیر خواہی واجب ہے                        |
|    | <b>تیسرا باب</b>                             |  |
| 41 | پہلی فصل:                                    | آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ادائے حقوق کا حکم و وجوب |
| 46 | دوسری فصل:                                   | تعظیم و توقیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت |
| 48 | تیسری فصل:                                   | بعد وفات تعظیم و توقیر کا وجوب                     |
| 50 | چوتھی فصل:                                   | روایت حدیث کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کا طریقہ     |

53	اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات کی تعظیم و توقیر	چوتھی فصل:
58	صحابہ کرام <small>رضی اللہ عنہم</small> کی عزت و تکریم	پانچویں فصل:
62	آثار و مقامات تبرکہ نبویہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کی تعظیم	چھٹی فصل:

### چوتھا باب

66	درود و سلام کی فرضیت اور فضیلت	
67	درود شریف کی فرضیت	پہلی فصل:
70	وہ مواقع جہاں درود شریف مستحب ہے	دوسری فصل:
74	درود شریف کی کیفیت اور اس کے کلمات	تیسری فصل:
78	درود و سلام کی فضیلت	چوتھی فصل:
80	درود و سلام نہ بھیجنے والے کی مذمت اور گناہ	پانچویں فصل:
82	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> پر خصوصیت سے درود پیش ہوتا ہے	چھٹی فصل:
83	غیر نبی <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجنے کا مسئلہ	ساتویں فصل:
87	قبر انور کی زیارت کا حکم اور زائر کی فضیلت	آٹھویں فصل:
93	مسجد نبوی شریف کے آداب و فضیلت	نویں فصل:

### قسم سوئم

98	وہ امور جو آپ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> پر جائز یا ممنوع ہیں اور احوال بشریہ کا بیان
----	--

### پہلا باب

100	امور دینیہ اور عصمت انبیاء علیہم السلام	
101	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی دلی پختگی	پہلی فصل:
117	قبل اطہار نبوت انبیاء علیہم السلام کی عصمت	دوسری فصل:
118	عہد میثاق	
124	انبیاء علیہم السلام تو حید ایمان اور وحی میں مضبوط تھے	تیسری فصل:
127	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اثر شیطان اور ہر شر و فساد پر معصوم تھے	چوتھی فصل:
132	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے اقوال میں عصمت	پانچویں فصل:
134	مقرضین کے جوابات	چھٹی فصل:



146	دنیاوی امور میں صدق مقال اور احوال بشریہ	ساتویں فصل:
148	سہو حدیث	آٹھویں فصل:
154	حضور ﷺ کے اعضاء جو ارح کی عصمت	نویں فصل:
157	قبل اظہار نبوت کی عصمت	دسویں فصل:
160	وہ افعال و اعمال جو بلا قصد و ارادہ صادر ہوئے	گیارہویں فصل:
162	سہوی احادیث پر مکمل بحث	بارہویں فصل:
166	انبیاء کرام علیہم السلام صغائر کے ارتکاب سے بھی معصوم ہیں	تیرہویں فصل:
167	آیہ کریمہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ ۱ کا بیان	
167	آیہ کریمہ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ کا بیان	
167	آیہ کریمہ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ ۲ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ کا بیان	
171	بدر کے قیدیوں کے فدیہ لینے کا بیان	
172	مال غنیمت کی حلت کا بیان	
174	آیہ کریمہ عَبَسَ وَتَوَلَّى کا بیان	
175	حضرت آدم علیہ السلام کا دانہ گندم کھانا	
177	حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ	
179	حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ	
181	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکہ مارنا اور قبلی کا مارا جانا	
182	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کی آنکھ پھوڑنا	
182	حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان	
184	حضرت نوح علیہ السلام سے لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْكَفْرَانَا	
184	کسی نبی کا چیونٹی کو ہلاک کرنا اور جلانا	
185	حضور ﷺ کا فرمان کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے گناہ نہ کیا ہو، اس کا جواب	
185	دفع اشکال از عصیان انبیاء کرام علیہم السلام	چودھویں فصل:
189	حقوق نبوت و رسالت پر تنبیہات	پندرہویں فصل:
191	عصمت ملائکہ	سولہویں فصل:

۱۔ یہ سرخیاں ضمنی ہیں اصل کتاب میں سرخی نہیں دی گئی لیکن مذکورہ صفحات پر یہ مضمون ہے۔

## دوسرا باب

196	عوارض بشریہ	
198	آپ ﷺ پر جادو کا اثر	پہلی فصل:
201	دنیاوی امور میں آپ ﷺ کی حالت	دوسری فصل:
203	بشری احکام و معتقدات	تیسری فصل:
204	حضور ﷺ کے دنیاوی اقوال	چوتھی فصل:
209	بیان حدیث قرطاس (وصیت)	پانچویں فصل:
213	کلمات بددعا کی توجیحات	چھٹی فصل:
216	حضور ﷺ کے دنیاوی افعال	ساتویں فصل:
221	حکمت ابتلاء انبیاء و رسل علیہم السلام	آٹھویں فصل:
225	دوسری حکمت	
227	تیسری حکمت	

## قسم چہارم

229	وجوہات تنقیص و توہین اور اس کے حکام شرعیہ
229	موہن و شاتم کا حکم قتل

## پہلا باب

232	وہ الفاظ جن سے تنقیص و توہین ہوتی ہے	
237	دلائل وجوب قتل	پہلی فصل:
243	بعض یہود و منافقین کو قتل نہ کرنے کی حکمت	دوسری فصل:
249	بلا قصد اہانت و تحقیر کا حکم	تیسری فصل:
251	ارشادات نبوی ﷺ کی تکذیب کا حکم	چوتھی فصل:
252	مشتبہ اور محتمل اقوال کا حکم	پانچویں فصل:
256	امثال سے گالی دینے کا حکم	چھٹی فصل:
260	بطور حکایت نقل کفر کا حکم	ساتویں فصل:
264	امور مختلفہ کے ذکر کرنے کا حکم	آٹھویں فصل:

## دوسرا باب

- 270 حضور ﷺ پر سب و شتم، تنقیص و اہانت کرنے والے کی عقوبت و وراثت کا حکم
- 273 پہلی فصل: مدت و کیفیتِ توبہ
- 276 دوسری فصل: ناکمل یا عدم شہادت پر حکم
- 277 تیسری فصل: ذمی سے گالی کے صدور کا حکم
- 283 چوتھی فصل: گستاخِ رسول ﷺ کی میراث اور اس کے غسل و نماز جنازہ کا حکم

## تیسرا باب

- 286 پہلی فصل: شانِ الہی کے خلاف کلمات بولنے والے کا حکم
- 288 دوسری فصل: متاویلین کی تکفیر میں تحقیقی قول
- تیسری فصل: ان مقولہ جات کا بیان کہ جس میں کفر ہے اور جس میں توقف یا اختلاف ہے اور کونسا مقولہ کفر نہیں
- 293 چوتھی فصل: جو ذمی ہو کر اللہ کو گالی دے اس کا حکم
- 304 پانچویں فصل: مفتری اور کذاب کا حکم
- 305 چھٹی فصل: بے اختیار کلمہ کفر نکلے تو کیا حکم ہے؟
- 307 ساتویں فصل: انبیاء اور فرشتوں کی تحقیق کرنے والے کا حکم
- 309 آٹھویں فصل: تحقیر و استخفاف قرآن کا حکم
- 312 نویں فصل: اہل بیت نبوی، آل پاک، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام ﷺ کو گالی دینے کا حکم
- 314 فہرس المصادر
- 321

☆☆

الشفاء ختم شفاء

## قسم دوم

### حضور سید عالم ﷺ کے کون سے حقوق امت پر واجب ہیں؟

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷺ انہیں توفیق مرحمت فرمائے، کہتے ہیں کہ اس حصہ (دوم) کو ہم نے چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جیسا کہ شروع کتاب میں اس کا تذکرہ بھی کیا جا چکا ہے۔ ان تمام بابوں کا حاصل یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی تصدیق کا وجوب اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع و فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی محبت و خیر خواہی اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم اور آپ ﷺ کے ساتھ بھلائی لازم ہے اور یہ کہ آپ ﷺ پر درود شریف (صلوٰۃ و سلام) پڑھنا اور آپ ﷺ کی قبر انور (روضہ مقدسہ، گنبد خضراء) کی زیارت (ہر مسلمان پر) واجب و ضروری ہے۔

### پہلا باب

یہ کہ حضور سید عالم ﷺ پر ایمان لانا فرض اور آپ کی اطاعت اور سنت کا اتباع واجب ہے۔ جبکہ ہم (حصہ اول میں) حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کا ثبوت اور آپ ﷺ کی رسالت کی صحت ثابت کر چکے ہیں تو اب آپ ﷺ پر ایمان لانا اور جو (شریعت) آپ ﷺ لائے ہیں اس کی تصدیق کرنا واجب ہے۔ اللہ ﷺ فرماتا ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنُّوْرِ الَّذِيْ  
اَنْزَلْنَا ۝ ط (پ۲۸ التّٰبٰن ۸)  
تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر  
جو ہم نے اتارا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شٰهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ  
نَذِيْرًا ۝ لِيُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ.  
(پ۲۶ الفّٰح ۹-۸)  
بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر اور ناظر اور خوشی  
اور ڈر سنا تا تا کہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول  
پر ایمان لاؤ..... (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ.  
(پ۹ الاعراف ۱۵۸)  
تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے  
غیب بتانے والے (نبی) پر۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو اب نبی کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانا (ہر بندے پر) فرض عین ہے اور یہ جب ہی

کامل ہوگا کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور اسلام اس وقت تک صحیح ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ آپ ﷺ کے ساتھ ایمان کامل نہ ہو۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا  
لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا O

(پ ۲۶ الفتح ۱۳) کر رکھی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بالاسناد مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال (جہاد) کروں جب تک کہ وہ گواہی نہ دیں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ مجھ پر اس طرح ایمان لائیں کہ جو کچھ میں لایا ہوں اس کی تصدیق کریں جس وقت انہوں نے ایسا کر لیا اس وقت انہوں نے مجھ سے اپنا جان و مال بچا لیا سوائے ان حقوق کے جن کا حساب و کتاب اللہ ﷻ پر ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۹۱، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۵۱، ۵۲، ۵۳)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ، اللہ ﷻ انہیں توفیق دے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پر ایمان لانا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی یہ تصدیق کرے کہ یہ آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کی طرف سے ہے اور یہ کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ کہ آپ نے فرمایا ہے اس کی بھی تصدیق کرے۔ تصدیق قلبی کے مطابق اس کی زبان سے شہادت ہو کہ آپ ﷺ بلاشبہ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ جس وقت دل کے ساتھ تصدیق اور زبان کے ساتھ اس کی شہادت جمع ہو گئی تب اس کا ایمان مکمل ہوگا اور تصدیق درست ہوگی۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک کہ وہ لا اِلهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کی شہادت نہ دیں۔

(صحیح بخاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۱، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۳)

اور حدیث جبریل علیہ السلام میں اس سے زیادہ وضاحت ہے جبکہ جبریل علیہ السلام نے آپ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اسلام یہ ہے کہ) شہادت دے کہ لا اِلهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اور ارکان اسلام کو بیان فرمایا۔

پھر جبریل علیہ السلام نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے ساتھ اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں پر ایمان لائے۔ (آخر حدیث تک) (صحیح مسلم کتاب الایمان)

اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایمان محتاج ہے کہ دل میں اس کی مضبوط گرہ بٹھائی جائے اور اسلام یہ ہے کہ زبان سے اس کی شہادت دی جائے۔ تکمیل وصحت ایمان کے لئے بھی حالت محمود و مختار ہے لیکن یہ حالت نہایت مذموم اور بری ہے کہ زبان سے تو شہادت دے اور دل اس کی تصدیق سے خالی ہو۔ اس کا نام نفاق ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ  
 إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ  
 لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ  
 لَكَاذِبُونَ ۝

(پ ۲۸ منافقون ۱) ضرور جھوٹے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی یہ منافقین زبان سے اس کی تصدیق و اعتقاد کے اظہار میں جھوٹے ہیں کیونکہ وہ (دل سے) اس کا اعتقاد ہی نہیں رکھتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جب ان کے دلوں نے اس کی تصدیق نہیں کی جو ان کی زبانوں پر ہے کہ دل اس پر ایمان لانے سے عاری ہیں تو ان کا یہ زبانی اقرار کچھ نفع نہ دے گا۔ لہذا ایمان کی تعریف سے یہ خارج ہیں۔ ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں کہ انہیں مومن کہا جائے۔ جب وہ مومنین کے ساتھ نہیں ہیں تو ان کا شمول جہنم کے نچلے درجہ میں کافروں کے ساتھ ہوگا۔ البتہ دنیا میں زبان سے اقرار کی وجہ سے ان کے اسلام کا حکم دیا جائے گا یہ بھی صرف دنیاوی معاملات کی حد تک جو امام و حاکم سے متعلق ہے کہ امام و حاکم صرف ان کی ظاہری حالت پر حکم دینے کا مجاز رکھتے ہیں جس طرح پر بھی اسلام کی علامتوں کا ظاہری طور پر ان سے اظہار ہو۔ کیونکہ انسان کو دل کے بھیدوں پر اختیار نہیں اور نہ انہیں ان سے بحث کی اجازت دی گئی بلکہ نبی کریم ﷺ نے ضمیروں اور ان کے بھیدوں پر حکم دینے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس کی مذمت فرمائی ہے اور فرمایا کہ هَلَّا شَقَّتْ عَنْ قَلْبِهِ كَمَا تَوْنِي اس کا دل چیر کے دیکھ لیا ہے؟ (صحیح بخاری کتاب المغازی، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۹۶، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۲۹۸)

زبانی اقرار اور دل سے اعتقاد کا فرق حدیث جبریل علیہ السلام سے ظاہر ہے کہ شہادت یعنی زبانی اقرار اسلام ہے اور تصدیق یعنی دل سے اس کا اعتقاد ایمان ہے۔ اب دو ایسی حالتیں اور باقی رہ گئیں جو ان دونوں کے درمیان ہیں۔

ایک تو یہ کہ دل سے تصدیق کرے پھر وہ قبل اس کے کہ زبانی شہادت دینے کے لئے اس کو

وسیع وقت ملے فوت ہو جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے تو ایمان کامل کے لئے قول و شہادت کو شرط مانا ہے اور بعض نے ایسے شخص کو مومن و مستحق جنت خیال کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ دوزخ سے وہ شخص بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۷۲)

آپ ﷺ نے دل کی بات کے سوا کچھ مزید ذکر نہ فرمایا۔ ایسا شخص دل کا مومن ہے جو کہ نہ تو گنہگار ہے اور نہ اس کے غیر (یعنی زبانی شہادت) کے ترک پر قصور وار ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات بالکل صحیح ہے۔

دوسرے یہ کہ دل سے تصدیق کرے اور اس کو مہلت بھی ملے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی شہادت (زبانی اقرار) بھی ضروری ہے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہ کہا اور نہ اپنی تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی اس کی شہادت دی۔ تو اس صورت میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ایک روایت کے بموجب وہ مومن ہے کیونکہ وہ (دل سے) مُصَدِّقٌ وَ مُعْتَقِدٌ ہے اور (زبانی) شہادت اعمال کے قبیل سے ہے لہذا وہ ترک شہادت (زبانی) کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور دائمی جہنم کا سزاوار نہ ہوگا۔

اور دوسری روایت کے بموجب وہ مومن نہیں ہوگا جب تک زبانی اقرار و شہادت تصدیق قلبی کے ساتھ متصل و مقارن نہ ہو اس لئے شہادت و اقرار زبانی انشاء عقد اور التزام ایمان (یعنی ظاہری حالت کو باطن کے اعتقاد کے مطابق بنانے) کا نام ہے اور وہ عقد یعنی تصدیق قلبی کے ساتھ مربوط ہے اور تصدیق اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک کہ مہلت و سعت ہوتے ہوئے شہادت کا اظہار نہ کرے۔ یہی قول صحیح ہے۔ (یہی صاحب کتاب قاضی عیاض رحمہ اللہ کا مذہب ہے)

یہ مختصر وضاحت کلام کافی ہے جو اسلام و ایمان اور ان دونوں کے ابواب اور دونوں کی زیادتی و کمی کی وسعت و طوالت تک بھی لے جاتا ہے اور کیا مجرد تصدیق پر تجزی و تقسیم ممتنع و محال ہے کہ اس میں اجمال و اختصار صحیح نہ ہو حالانکہ عمل میں وہ اس سے زیادہ ہی کی طرف راجع ہے یا اس میں اس کی قوت و یقین میں، اس کی صفات میں اختلاف اور اس کے حالات میں تباین اور اعتقاد میں پختگی اور معرفت میں وضاحت کسی حالت کا دوام اور حضور قلب وغیرہ پیش آ جاتے ہیں یہ ایک وسیع کلام ہے جو کہ مقصد و غرض تالیف سے باہر ہے اور جس قدر کہ ہم نے ذکر کر دیا وہ ہمارے مقصد کے لئے از بس کافی ہے۔ انشاء اللہ ﷻ

## پہلی فصل

آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض، آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع حضور سید عالم ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا لازم و واجب ہونا (اس طرح پر ہے کہ) جب آپ ﷺ پر ایمان لانا اور جو کچھ آپ (شریعت اسلامیہ) لائے اس کی تصدیق کرنا واجب ہو گیا تو آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری بھی فرض ہو گئی کیونکہ یہ بھی منجملہ انہیں چیزوں میں سے ہیں جس کو آپ ﷺ لائے ہیں۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ (پ۵ النساء ۵۹)

اور ارشاد ہوا کہ

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ  
تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۳ ال عمران ۳۱)

اور فرمایا:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ  
اور اللہ و رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کئے جاؤ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۳ ال عمران ۲۲)

اور فرمایا:

وَإِنْ تَطِيعُوا اللَّهَ تَهْتَدُوا  
اور اگر رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو راہ پاؤ گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۸ النور ۲۳)

اور فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ  
جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۵ النساء ۸۰)

اور فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا  
اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۲۸ البقرہ ۷)

اور فرمایا:



وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ. اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے

(پ۵ النساء ۶۹) ان کا ساتھ ملے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ. اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

(پ۵ النساء ۲۴) (ترجمہ کنز الایمان)

(ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ) اللہ ﷻ نے اپنے رسول (سید عالم ﷺ) کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنایا اور آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا اور اس پر ثواب عظیم کا وعدہ شامل کیا اور آپ ﷺ کی نافرمانی پر بڑے عذاب سے ڈرایا ہے۔ لہذا آپ ﷺ کے ہر حکم کو بجالانا اور آپ ﷺ کی ہر ممانعت سے اجتناب کرنا اور بچنا فرض ہے۔

مفسرین کرام اور ائمہ عظام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ آپ کی سنت کو لازم پکڑا جائے اور جو کچھ آپ احکام (امروناہی) لائے ہیں اس کے لئے سر تسلیم خم کیا جائے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ ہر رسول ﷺ کو اسی لئے بھیجتا ہے کہ اس کی اطاعت اور جو کچھ اس کی طرف بھیجا جائے وہ سب امت پر فرض بن جائے۔

مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے رسول کی اس کی سنت میں فرمانبرداری کی اس نے اللہ ﷻ کی فرائض میں اطاعت کی۔

سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ”شرائع اسلام“ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو کچھ رسول ﷺ دین اس کو لازم پکڑ لو۔

(فقیر ابو الیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اللہ ﷻ کی اطاعت سے اس کے فرائض اور رسول ﷺ کی اطاعت سے ان کے سنت کی بجا آوری مراد لی ہے اور بعض سے منقول ہے کہ اللہ ﷻ کی اطاعت کرو اس چیز میں جس کو تم پر اس نے حرام کیا ہے اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اس میں جس کی انہوں نے تبلیغ و دعوت دی اور یہ بھی مروی ہے کہ أَطِيعُوا اللَّهَ سے مراد اللہ ﷻ کی ربوبیت کی شہادت اور نبی کی (اطاعت سے مراد) اس کی رسالت و نبوت کی شہادت ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی

بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر (قائم مقام) کی اطاعت کی یقیناً اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی یقیناً اس نے میری نافرمانی کی۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۴۰، صحیح مسلم کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۱۳۶۶)

لہذا (ثابت ہوا کہ) رسول ﷺ کی اطاعت اللہ ﷻ کی ہی اطاعت ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ پس آپ ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے ذریعہ حکم دیا ہے اس کو بجالایا جائے۔ یہی اللہ ﷻ کی اطاعت ہے۔

اللہ ﷻ نے کفار کا وہ مقولہ نقل فرمایا ہے جبکہ طبقات جہنم میں ان کے چہروں کو آگ میں الٹ پلٹ کیا جائے گا اس وقت کفار کہیں گے:

يَا لَيْتَنَا اطَعْنَا اللَّهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُولًا .  
اے کاش کہ ہم نے اللہ کی اطاعت اور رسول کی  
(۲۲ الاحزاب ۶۶) فرمانبرداری کی ہوتی۔

پس کفار ایسے وقت میں آپ ﷺ کی اطاعت کی تمنا کریں گے جب کہ ان کی یہ تمنا کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو تم اس سے باز رہو اور جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اس کو حد استطاعت تک بجالاؤ۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۷۷، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت کا ہر ایک فرد جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: وہ کون انکار کرنے والا ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے بیشک اس نے میرا انکار کیا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۶، مستدرک کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۵۵)

دوسری صحیح حدیث میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ میری مثال اور اس چیز کی (مثال) جس کے ساتھ اللہ ﷻ نے مجھے بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے میری قوم میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے۔ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں نجات کی تلاش کرو۔ اس پر ایک گروہ نے اس کی اطاعت کی راتوں رات مہلت سے فائدہ اٹھا کر چلے گئے اور نجات پا گئے اور دوسرے گروہ نے جھٹلایا۔ انہوں نے اپنے گھروں میں صبح کی تو صبح کے وقت

ان پر لشکر نے چھا پامارا اور ان کو ہلاک و تباہ کر دیا۔

اسی طرح یہ مثال ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اور جو میں لایا اس کا اتباع کیا (وہ نجات پا گیا) اور یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو میں لایا ہوں اس کی حقانیت کی تکذیب کی تو وہ تباہ و ہلاک ہوا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۶ صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۴ صفحہ ۱۷۸۸ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۶۹)

دوسری حدیث میں اس کی مثال یوں بیان کی ہے کہ جیسے کسی نے ایک گھر بنایا اور اس میں ضیافت کے عمدہ کھانے تیار کئے اور ایک پکارنے والے (داعی) کو بھیجا جو داعی کی پکار کو قبول کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوا تو اس نے عمدہ سامان ضیافت کو کھایا اور جس نے داعی کی آواز پر کان نہ دھرے تو نہ وہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ عمدہ ماکولات و مشروبات ضیافت سے کچھ کھا سکے گا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۶ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۷۱)

(نو) وہ گھر جنت ہے اور داعی سید عالم ﷺ ہیں پس جس نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ ﷺ کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کی اطاعت کی اور جس نے آپ ﷺ کی دعوت پر کان نہ دھرے اور نافرمانی کی وہی اللہ ﷻ کا نافرمان ہے کیونکہ حضور سید عالم ﷺ کی ذات اقدس لوگوں میں (حق و باطل) کی تفریق کرنے والی ہے۔

## دوسری فصل

وجوب اتباع و تعمیل سنت کا کتاب و سنت سے ثبوت

لیکن آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی سنت بجالانے اور آپ ﷺ کی ہدایت کی اقتداء کرنے کے وجوب میں (دلائل یہ ہیں) کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ  
اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو! اگر اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۳ ال عمران ۳۱)

اور فرمایا:

فَامِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الَّذِي الَّذِي  
 يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ  
 تَهْتَدُونَ. (پ۹ الاعراف ۱۵)

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے  
 غیب بتانے والے (نبی) پر کہ اللہ اور اس کی  
 باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ  
 تم راہ پاؤ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ  
 فِيهَا شَجَرًا بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي  
 أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا. (پ۵ النساء ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ  
 ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے  
 میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔

مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت کریں (یونہی) کہا جاتا ہے کہ سَلِّمَ یعنی سپرد کیا  
 اُسْتَسَلَّمَ سپردگی چاہی اور اُسَلَّمَ اطاعت و انقیاد کے ساتھ سر جھکا دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ  
 حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ  
 الْآخِرَ. (پ۲۸ البقرہ ۶۸)

بیشک تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھی پیروی  
 تھی اسے جو اللہ اور پچھلے دن کا امیدوار ہو۔

محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسوۃ رسول ﷺ یہ ہے کہ ان کی اقتداء اور ان کی سنت  
 کی پیروی کی جائے اور ان کی مخالفت خواہ قولی ہو یا فعلی اس کو ترک کر دیا جائے۔ بکثرت مفسرین یہی  
 معنی بیان کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جہاد سے پیچھے رہنے والے (مخلفین) پر عتاب ہے۔

آیہ کریمہ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر میں اہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے  
 سنت کی پیروی مراد ہے۔ پس اللہ ﷻ نے اس کا حکم دیا اور آپ کی ہدایت کے اتباع پر وعدہ فرمایا  
 کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

أَرْسَلْنَا بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ. (پ۲۶ الفتح ۲۸)

جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دن کے  
 ساتھ بھیجا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تا کہ آپ ﷺ مسلمانوں کو پاک کریں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور ان کو صراط مستقیم کی  
 ہدایت فرمادیں اور دوسری آیت میں مسلمانوں سے اپنی محبت کا وعدہ کیا اور جب آپ ﷺ کی وہ اتباع  
 کریں تو ان کی مغفرت کا مژدہ دیا اور مسلمان اپنی خواہشوں پر اور ان پر بھی جن کی طرف ان کے دل

مائل ہوں (آپ کا اتباع کریں گے) بلاشبہ مسلمانوں کے ایمان کی صحت آپ ﷺ کی انقیاد و اطاعت پر اور اس کی رضا آپ ﷺ کے حکم کی متابعت اور آپ ﷺ پر اعتراض کے ترک پر موقوف ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم اللہ ﷻ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس وقت اللہ ﷻ نے نازل فرمایا کہ

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ (پال عمران ۳۱) فرمایا اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو (ترجمہ کنز الایمان)

(تفسیر درمنثور سورہ آل عمران آیت ۳۲ جلد ۲ صفحہ ۱۷۸)

اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ کعب بن اشرف وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم اللہ ﷻ کے (معاذ اللہ) بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہم ہی اللہ ﷻ کے بڑے چاہنے والے ہیں۔ اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

زجاج رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ اگر تم اللہ ﷻ کو چاہتے ہو یعنی اس کی اطاعت کا دم بھرتے ہو تو جو وہ حکم دیتا ہے اس کو کرو۔ اس لئے کہ بندے کا اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنا یہی ہے کہ وہ دونوں کی فرمانبرداری اور پیروی کرے اور اللہ ﷻ کی رضا اسی میں ہے کہ جو وہ حکم دے اس پر عمل کیا جائے یا یہ کہ

اللہ ﷻ کی محبت مسلمانوں کے لئے ہو۔ سو یہ ان کی بخشش اور ان پر انعام و اکرام اپنی رحمت و کرم سے ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے محبت یہ ہے کہ وہ بندے کو (معاصی سے) بچائے اور توفیق (عبادت کی) دے اور بندوں کی محبت اللہ ﷻ سے یہ ہے کہ اس کی پیروی و اطاعت کرے۔ جیسا کہ کسی نے کہا کہ

تَعْصِي الْإِلَٰهَةِ وَأَنْتَ تُظَهِّرُ حُبَّهُ هَذَا لَعْمَرِي فِي الْقِيَاسِ بَدِيعُ

یعنی تو اللہ ﷻ کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ تو اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ بات میری زندگی میں قیاس میں انوکھی ہے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَا طَعْتَهُ إِنَّ الْمُحِبَّ لَمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ

اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی ضرور اطاعت کرتا۔ بیشک محبت جس سے محبت کرے اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ بندے کی محبت اللہ ﷻ سے یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کی عظمت و تکریم کرے اور اس سے خوفزدہ رہے اور اللہ ﷻ کی محبت بندے سے یہ ہے کہ اس کی رحمت اس پر ہو اور اس کا ارادہ

بھلائی سے ہو اور کبھی یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ اللہ ﷻ بندے کی تعریف و توصیف کرے۔  
قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پس جبکہ محبت کے معنی رحمت، ارادت اور تعریف و مدح کے ہوں تو یہ ذات کی صفات میں شامل ہو گیا

اور عنقریب بعد میں بندے کی محبت کے ذکر میں اللہ ﷻ کی مدد سے ان کے علاوہ باتیں آئیں گی۔

حدیث: عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے موعظہ نبی کریم ﷺ کی حدیث بالاسناد مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِثْرِي سُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ  
میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم پکڑو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو

(سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۱۱۳، سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۱۵۱-۱۵۰، مستدرک کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۹۷-۹۵)

(دین میں) نئی نئی باتوں سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ ہر محدث بدعت (سید) ہے اور ہر بدعت (سید) گمراہی ہے۔ اسی حدیث کے ہم معنی جابر رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں یہ زیادہ ہے ہر بدعت (سید) گمراہی سے اور گمراہی جہنم میں ہے۔  
(صحیح مسلم کتاب الجمعہ جلد ۲ صفحہ ۵۹۲)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حضور ﷺ سے مروی ہے کہ (حضور نے یہ غیبی خبر ارشاد فرمائی کہ) خبردار تم میں سے کسی کو وہ شخص فتنہ میں نہ ڈالے جو بستر پر ٹیک لگائے ہوئے ہے (کیونکہ وہ اپانچ ہوگا) کہ اس کے پاس میرا حکم آئے جس کو میں نے حکم کیا ہو یا اس سے باز رہنے کا حکم کیا ہو اس پر وہ کہے کہ میں نہیں جانتا ہم نے کتاب اللہ ﷻ میں نہیں پایا کہ ہم اس کا اتباع کریں۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۱۲، سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۳، مقدمہ ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۷۱)

نوٹ: یہ فرمان نبوت حضور ﷺ کا ایک غیبی معجزہ ہے۔ جو ہو بہو ایسا ہی واقعہ ہوا کہ قریب ایام میں ایک منکر حجیت حدیث عبد اللہ چکڑالوی پیدا ہوا جو اپانچ اور تکیہ لگائے بیٹھا رہتا تھا۔ وہ ایسا ہی کچھ کہتا تھا۔  
اللَّهُمَّ احْفَظْنَا (ترجم)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا کہ اس میں رخصت تھی تو اس سے باز رہنے کی بابت (یعنی نہ کرنے پر) ایک قوم نے پوچھا۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچی تو آپ نے اللہ ﷻ کی حمد کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ جس کام کو میں نے کیا ہے اس سے باز رہے ہیں۔ اللہ ﷻ کی قسم!

مجھے ان کی نسبت اللہ ﷻ کی زیادہ معرفت ہے اور مجھے اللہ ﷻ کا بہت خوف (خشیت) ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۹)

حضور سید عالم ﷺ سے مروی ہے کہ قرآن اس شخص پر بہت سخت ہو جاتا ہے اور وہ مشکل میں پڑ جاتا ہے جو اس سے کراہت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ حکم (فیصلہ) کرنے والا ہے پس جو شخص میری حدیث سے حجت پکڑے اور اس کو سمجھے اور یاد رکھے تو وہ (بروز حشر) قرآن کے ساتھ اٹھے گا اور جو شخص قرآن اور میری حدیث کے ساتھ سستی و اہانت کرے وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہے۔

میں اپنی امت (مستجاب) کو حکم دیتا ہوں کہ وہ میری حدیثوں کو (حجت جان کر) مضبوط تھامے اور میرے حکم کی اطاعت کرے اور میری سنت کا اتباع کرے پس جو میرے قول (حدیث) سے راضی ہے بیشک وہ قرآن سے راضی ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ. اور جو تم کو رسول دیں تم اس کو مضبوط پکڑو۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(۲۸ الحشر)

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اقتداء کی پس وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری

سنت سے روگردانی کی پس وہ مجھ سے نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: بیشک عمدہ کلام کتاب

اللہ ﷻ ہے اور بہترین ہدایت (سید عالم) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی ہے۔ برے کام وہ ہیں جو (دین میں) نئی

باتیں ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۲ مقدمہ ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم تین ہیں جو

اس کے سوا باقی ہے وہ زیادتی ہے۔ 1- آئیہ محکمہ یا 2- سنت قائمہ یا 3- فریضہ عادلہ (یعنی نقد و قیاس وغیرہ)

(سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۳۰۶ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۲۱)

حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سنت کے مطابق تھوڑا عمل

بہتر ہے اس عمل سے جو بدعت (سید) میں زیادہ ہو۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۱ مسند الفردوس جلد ۳ صفحہ ۴۱)

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ ﷻ بندے کو سنت پر عمل کرنے پر جنت میں داخل

فرمائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فتنہ و فساد کے

زمانہ میں میری سنت پر (سختی سے) عمل کرنے والے کے لئے سوشہیدوں کا اجر ہے۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۸۲)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر (۷۲) گروہوں میں بٹ چکے ہیں اور میری امت بہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک کے سوا سب کے سب جہنمی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ وہ (تاجی) فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا وہ وہ ہے آج جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(سنن ترمذی کتاب الایمان جلد ۴ صفحہ ۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری (مردہ) سنت کو زندہ کیا اس نے (گویا) مجھے زندہ کیا اور جو مجھے زندہ کرے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

(الحدیث الاصحاح فی الترغیب کما فی منابہ الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۷۸)

حضرت عمرو بن عوف مزی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بلال ابن حارث رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو جو میرے بعد مردہ ہو چکی ہو اسے زندہ کیا تو اس کا اجر ان کے برابر ہے جو اس پر عمل کریں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے اور جو (دین میں کوئی) نئی بات گمراہی کی نکالے کہ جس سے اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ راضی نہ ہو تو اس کا عذاب ان لوگوں کے برابر ہے جو اس پر عمل کریں (بغیر اس کے کہ) یہ گناہ لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔

(سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۴ صفحہ ۱۵۰ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۹)

## تیسری فصل

سلف صالحین رحمہم اللہ سے اتباع سنت کا وجوب

لیکن وہ جو سلف وائمہ رحمہم اللہ سے آپ ﷺ کی سنت کے اتباع آپ ﷺ کی ہدایت و سیرت پاک کی اقتداء کے وجوب کا ثبوت ہے یہ ہے کہ

حدیث: بالاسناد مروی ہے کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ اے ابا عبد الرحمن ہم قرآن میں صلوة خوف اور صلوة حضرت تو پاتے ہیں مگر صلوة سفر نہیں پاتے؟

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے ابن انخی بیشک اللہ ﷻ نے ہماری طرف حضور نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر بھیجا (اس سے زیادہ) ہم کچھ نہیں جانتے کہ ہم وہی کرتے ہیں جیسا ہم نے آپ ﷺ کو کرتے دیکھا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الامتہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۹ سنن نسائی کتاب الصلوة جلد ۱ صفحہ ۲۲۶)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد صاحب الامر (خلفاء راشدین وغیرہ) نے کسی سنت کو جاری کیا تو اس کو اخذ کرنا (اور اس پر عمل کرنا)



کریا) کتاب اللہ ﷺ کی ہی تصدیق ہے۔ اللہ ﷺ کی اطاعت پر عمل ہے اور دین الہی کی تقویت کا موجب ہے۔ کسی کو یہ اختیار نہیں کہ سنت میں تغیر و تبدل کر سکے اور نہ کوئی اس کا مجاز ہے کہ اس کے مخالف کی کسی بات پر غور و فکر بھی کی جائے۔ جو شخص اس سنت کی پیروی کرتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو اس کی مدد کرتا ہے وہ منصور مظفر ہے۔ جو اس کا مخالف ہے وہ مومنین کے راستہ کے برخلاف چلتا ہے۔ اللہ ﷺ اس کو اس پر مسلط کر دے گا جس کا وہ والی بنے۔ (یعنی اللہ ﷺ اس کو اسی گمراہی میں ڈالے رکھے گا۔ العیاذ باللہ) اللہ ﷺ ایسوں کو جہنم میں جھونک دے گا اور وہ نہایت ہی بری جگہ۔

(الحدیث الاکائی فی السنۃ کما فی منابیل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۷۸)

حضرت حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت کے مطابق عمل قلیل بہتر ہے اس سے جو بدعت (سیدہ) پر عمل کثیر کیا جائے۔

حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں چند مردان اہل علم (علماء کرام) سے یہ بات پہنچی کہ وہ فرماتے تھے: **اَلْاِغْتِصَامُ بِالسُّنَّةِ نَجَاةٌ**. "سنت پر سختی سے عمل کرنا نجات ہے۔"

(الحدیث الاکائی فی سنۃ کما فی منابیل الصفاء للسیوطی)

حضرت عمر بن خطاب ؓ (فاروق اعظم) نے اپنے عمال کی طرف یہ خط لکھا کہ سنت فرانس اور لحن یعنی لغت کو سیکھو اور فرمایا کہ کچھ لوگ تم سے قرآن کے بارے میں جھگڑیں گے (تو خبردار) تم ان سے سنن سے مواخذہ کرنا بلاشبہ اصحاب سنن (اہلسنت) کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

(مقدمہ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۴۹)

اور آپ ﷺ سے ہی ایک حدیث مروی ہے کہ جس وقت (حضرت فاروق اعظم نے) ذوالکلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں تب فرمایا تھا کہ میں نے ویسا ہی کیا ہے جیسا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا تھا۔

(صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ جلد ۱ ص ۹۸)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب آپ نے (حج کے موقع پر) قرآن کیا تو آپ سے حضرت عثمان ذوالنورین ؓ نے فرمایا: آپ جانتے ہیں کہ میں لوگوں کو اس سے منع کرتا ہوں اور آپ اس کو کر رہے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں یہ کس طرح کر سکتا ہوں کہ کسی کے کہنے سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں۔

(صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۹۲۰، سنن نسائی کتاب القرآن جلد ۵ صفحہ ۱۲۸)

اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے یہ بھی مروی ہے کہ (آپ نے فرمایا) مگر میں نبی نہیں ہوں اور نہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ حتی المقدور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتا ہوں۔

حضرت مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت میں غور و فکر کرنا بدعت (سیئہ) میں اجتہاد کرنے سے بہتر ہے۔ (داری باب فی کراہیۃ اخذ الرائی جلد ۱ صفحہ ۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سفر کی نماز (قصر) کی دو رکعتیں ہیں (یعنی چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں ہیں) جس نے سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔ (مسند حمید بسند صحیح کمانی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۷۹)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طریقہ سنت کو لازم پکڑو کیونکہ زمین میں کوئی ایسا نہیں کہ جو طریق سنت پر ہو وہ اپنے دل میں خدا کو یاد کرتا ہو اور اس کی آنکھوں سے آنسو خوف خدا

(خشیت) سے جاری رہتے ہوں۔ پھر اس کو اللہ ﷻ ابدی عذاب دے (یعنی سنت پر عمل کرنے والے کو بیشکی جہنم کا عذاب نہیں ہوگا) اور زمین پر کوئی بندہ ایسا نہیں جو طریق سنت پر ہو اور جب وہ اپنے دل میں خدا کو یاد

کرے تو اس کا رُواں رُواں خشیت الہی سے کھڑا ہو جائے مگر اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جس کے پتے خشک ہو گئے ہوں پھر وہ اس حالت میں ہو کہ اچانک اس کو آندھی پہنچے تو اس کے پتے جھڑ کر

گر جائیں (اسی طرح اس کے گناہ جھڑ جائیں گے) بلاشبہ سبیل و سنت پر عمل کرنا بہتر ہے اس پر کوشش کرنے سے جو خلاف سبیل و سنت ہو اور بدعت (سیئہ) کے موافق ہو۔ (اے مسلمانو!) تم غور کرو تمہارا عمل اگر

اجتہادی یا معتدل ہے تو یہ انبیاء علیہم السلام کے طریق و سنت پر ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے بعض عمال نے اپنے شہروں کا حال لکھتے ہوئے لکھا کہ یہاں چوروں کی بہت

زیادتی و کثرت ہے کیا ان کو محض اپنے گمان پر گرفتار کر لیا کروں یا ان کے لئے ثبوت و شہادت کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ اس پر سنت جاری ہے۔ آپ نے ان کی طرف لکھا۔ ان کو کسی دلیل دینہ سے

پکڑو جیسا کہ سنت جاری ہے۔ پس اگر ان کی حق و انصاف بھی اصلاح نہ کر سکے تو پھر اللہ ﷻ بھی ان کی اصلاح نہ فرمائے گا۔ (مطلب یہ کہ حق دینہ ہی ان کی درستی کر دے گا) حضرت عطار رحمہ اللہ سے آیہ کریمہ

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ  
اور اس کے رسول کے حضور رجوع کرو۔

(پ النساء ۵۹) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں مروی ہے کہ (الی اللہ سے مراد) کتاب اللہ ﷻ اور (الرسول سے مراد) سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کیا

جائے۔ حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آپ کی نظر حجر اسود پر پڑی کہ اے حجر اسود تو ایک ایسا ہی پتھر ہے جو ذاتی طور پر نہ نفع پہنچا سکے نہ ضرر۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو بوسہ (استلام) دیا ہے تو ہرگز میں تجھ کو بوسہ (استلام) نہ دیتا اس کے بعد آپ نے (حجر اسود کو) بوسہ دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اونٹنی کو ایک جگہ پر چکر دیا۔ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا۔ فرمایا: اس سے زیادہ میں نہیں جانتا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس مقام پر) ایسا کرتے دیکھا۔ لہذا میں نے بھی ایسا کیا۔

حضرت ابو عثمان حیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ پر سنت قولی و فعلی کو حاکم بنا لیا اس نے حکمت کی باتیں کیں اور جس نے خواہشات نفسانی کو اپنا حاکم بنا لیا اس نے بدعت کی باتیں کیں۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے کہا کہ ہمارے مذہب کے تین اصول ہیں۔ 1۔ اخلاق و افعال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا۔ 2۔ حلال کھانا۔ 3۔ اور نیت کا تمام اعمال میں خالص ہونا۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ۔ اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۲۲ ع)

کی تفسیری میں مروی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا ایک دن ایک ایسی جماعت کے ساتھ گزر ہوا جس نے برہنہ ہو کر پانی میں داخل ہو کر غسل کیا۔ اس وقت میں نے اس حدیث پر عمل کیا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ”جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھے وہ تہبند باندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو۔“ (سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۹۹) چنانچہ میں برہنہ نہ ہوا۔ تب اسی رات میں نے یہ ندا سنی کہ اے احمد خوشخبری ہو کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہارے گناہ بخش دیئے اور تم کو پیشوا بنا دیا گیا کہ لوگ تمہاری پیروی کریں۔ (آپ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس حاتف غیبی سے پوچھا تم کون ہو؟ جواب ملا کہ جبریل علیہ السلام۔

## چوتھی فصل

سنت کی مخالفت موجب عذابِ آخرت ہے

حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت اور آپ ﷺ کی سنت کی تبدیلی ایسی گمراہی و بدعت ہے کہ اس پر اللہ ﷻ نے ذلت و عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ.  
(پ۱۸ النور ۶۳)

تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى.  
(پ۵ النساء ۱۱۵)

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بالا سند مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے اور اپنی امت کے حال میں حدیث بیان فرمائی۔ اس (حدیث) میں یہ ہے کہ بعض لوگ میرے حوض سے (قیامت کے دن) ہٹا دیئے جائیں گے جیسا کہ بھولا ہوا اونٹ ہٹا دیا جاتا ہے۔ پس میں انہیں پکاروں گا 'ادھرا آؤ' 'ادھرا آؤ' 'ادھرا آؤ'۔ اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد طریقہ بدل لیا تھا۔ تب میں فرماؤں گا: دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔ (یعنی آپ نفرت و بیزاری کا اظہار فرمائیں گے)۔ (صحیح مسلم کتاب الفحائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۰)

حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری امت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۷ صفحہ ۳، صحیح مسلم کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۱۰۲)

اور فرمایا جس نے ہمارے دین میں وہ بات داخل کی جو اس میں نہ تھی وہ مردود ہے۔

(صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۳ صفحہ ۱۶۰، صحیح کتاب الافیہ جلد ۱ صفحہ ۱۳، ۱۴)

حضرت ابورافع ؓ بواسطہ اپنے والد حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار تم میں سے کسی کو وہ شخص فتنہ میں نہ ڈالیں جو فرش پر ٹیک لگائے ہے اس کے سامنے

جب میرا کوئی حکم جس کو میں نے فرمایا یا میری کوئی مخالفت پہنچتی ہے تو وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا، ہم نے کتاب اللہ ﷺ میں نہیں پایا کہ ہم اس کی پیروی کریں۔ حضرت مقدم ﷺ کی حدیث میں یہ زیادہ ہے کہ خبردار بلاشبہ جو رسول اللہ ﷺ نے حرام فرمایا وہ اللہ ﷻ کے حرام کرنے کی طرح ہے۔

(سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۶۴۳ مستدرک کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۸)

اور فرمایا حضور ﷺ نے درانحالیکہ آپ کے سامنے ایک شانہ پر کچھ لکھا ہوا لایا گیا کہ قوم کی حماقت یا فرمایا گمراہی کے لئے یہ کافی ہے کہ اپنے نبی ﷺ کی لائی ہوئی چیز سے روگردانی و انحراف کر کے غیر نبی ﷺ کی طرف رجوع کرے یا اپنی کتاب کو چھوڑ کر دوسروں کی کتابوں کی طرف رغبت کرے۔ اس وقت یہ آیت اتری:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ  
يَتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ط

اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(مراہیل ابوداؤد و ابن جریر و حاکم بحوالہ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۷۱)

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ کلام میں مبالغہ و شیخی خورے یا طعنہ زنی کرنے والے ہیں وہ ہلاک ہو گئے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس چیز کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جس پر رسول اللہ ﷺ عمل کرتے رہے ہیں مگر یہ کہ میں اس پر عمل کروں۔ اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے آپ ﷺ کے کسی حکم کو چھوڑا تو یقیناً گمراہ ہو جاؤں گا۔

(صحیح بخاری کتاب النہی جلد ۲ صفحہ ۶۳، سنن ابوداؤد کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۳۶۵)

## دوسرا باب

امت پر آپ ﷺ کی محبت لازم واجب ہے

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

أَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ  
وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ نَّافَتْرَفْتُمُوهَا.

تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ

(پنا التوبہ ۲۳) اور تمہاری کمائی کے مال۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ آیت کریمہ آپ ﷺ کی محبت کے لزوم اور اس کے فرض و اہم امر اور یہ کہ آپ ﷺ ہی اس

محبت کے اصل مستحق ہیں اس بارے میں ترغیب و تنبیہ اور دلیل و حجت کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے اس کی سخت سرزنش و تنبیہ کی ہے جس نے اپنی آل اولاد اور مال کی محبت کو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ سمجھا۔ ایسوں کو ڈراتے ہوئے اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَتَرَبُّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ ط  
تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پنا التوبہ ۲۴)

آخر آیت میں ایسوں کو فاسق (بے ایمان) فرمایا اور جتلیا یا کہ بلاشبہ یہ لوگ ان گمراہوں میں سے ہیں جن کو اللہ ﷻ نے ہدایت کی توفیق نہ دی۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کی طرف اس کی اولاد اور اس کے والد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اس نے ایمان کی حلاوت پائی۔ 1۔ اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ ان کے ماسوا سے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ 2۔ یہ کہ اللہ ﷻ کے لئے ہی کسی سے محبت کرے۔ 3۔ اور یہ کہ کفر پر لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۹، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۶۷-۶۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک دن آپ نے) حضور ﷺ سے عرض کیا: بیشک میرے نزدیک آپ سوائے اس اپنی جان کے جو دو پہلوؤں کے درمیان ہے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے۔

اس وقت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب قرآن نازل فرمایا۔ یقیناً آپ میری اس جان سے بھی جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے زیادہ محبوب ہیں۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب تم (کامل ایماندار) ہو گئے۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان والند و رباب کیف کانت و بین النبی جلد ۱ صفحہ ۱۵۲۲ فتح)

حضرت سہل رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی ولایت و حکومت تمام حالات میں نہیں دیکھتا اور اپنی جان کو اپنی ملک جانتا ہے تو وہ حضور ﷺ کی سنت کی شیرینی کو نہ چکھے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ  
 تَمَّ فِي سَعَةِ مَوْجِهُ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ  
 مَنْ نَفْسِهِ. (صحیح بخاری کتاب الایمان) ہوں۔

## پہلی فصل

آپ ﷺ سے محبت رکھنے کا اجر و ثواب

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا: قیامت کب آئے گی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا: تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا: میرے پاس اس کے لئے نہ نمازوں کی کثرت ہے نہ روزہ و صدقہ ہے لیکن میں اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کے ساتھ ہے جس کو تو محبوب رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب عمر جلد ۵ صفحہ ۱۱ صحیح مسلم کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۲۰۳)

حضرت صفوان بن قدامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ پھر میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک دیجئے تاکہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک بڑھایا۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں۔ فرمایا: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. مرد جس سے محبت رکھے اس کے ہاتھ ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۲۳) اس حدیث کو لفظاً حضور ﷺ سے عبد اللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اور انس رضی اللہ عنہ سے معنی مروی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے اور ان کے والد و والدہ رضی اللہ عنہما سے محبت کرے وہ میرے ساتھ قیامت کے دن میرے درجہ میں ہوگا۔ (سنن ترمذی مناقب علی جلد ۵ صفحہ ۳۰۵)

۱ صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۷ صفحہ ۳۳-۳۴ صحیح مسلم کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۲۰۳

۲ صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۷ صفحہ ۳۳ صحیح مسلم کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۲۰۳

۳ صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۷ صفحہ ۳۳ صحیح مسلم کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۲۰۳-۲۰۳۲ سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۳۲۵ مند

مروئی ہے کہ ایک مرد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ میرے نزدیک میرے اہل و مال سے زیادہ پیارے ہیں اور میں آپ کو دل میں یاد رکھتا ہوں جب تک میں اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کر لیتا مجھے صبر و قرار نہیں آتا اور جب میں اپنی موت اور آپ کی جدائی (یعنی موت طبعی) کو یاد کرتا ہوں تو میں جانتا ہوں کہ آپ جب جنت میں تشریف لے جائیں گے تو آپ نبیوں کے ساتھ مقام ارفع میں تشریف فرما ہوں گے اگر میں جنت میں داخل ہوا تو آپ کی زیارت نہ کر سکوں گا پھر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ  
الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ  
وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَ  
حَسَنَ أَوْلِيَٰكَ رَفِيقًا (پ۵ النساء ۶۹) ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۵۸۸)

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں آیا۔ اس نے نظر بچا کر آپ ﷺ کو دیکھنا شروع کیا حتیٰ کہ کسی طرف وہ مائل ہی نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا حال ہے؟ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان میں آپ کی طرف نظر کرنے سے حظ (لذت) حاصل کرتا ہوں جب آپ کو بروز قیامت اللہ ﷻ مقام رفیع عطا فرمائے گا (اس وقت میرا کیا حال ہوگا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ سے محبت رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (الاصحاح فی الترغیب کما فی مناقب الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۸۲)

(اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا بِجَاهِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ)

## دوسری فصل

آپ ﷺ سے محبت رکھنے کے بارے میں اقوالِ سلف

نبی کریم ﷺ کی محبت و اشتیاق کے سلسلہ میں جو ائمہ سلف رحمہم اللہ سے منقول ہیں (اب ان کا) ذکر کیا جاتا ہے۔ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد بہت سے وہ لوگ آئیں گے جو مجھ سے محبت کریں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش اپنے اہل



وماں کے بدلے میں میری زیارت ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الجنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۶۸)

اسی کے مثل حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے۔ (مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۱۵۶)

حضرت عمرؓ کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ انہوں نے کہا کہ آپؐ مجھ کو میری جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی اس قسم کی محبت کا حال گزر چکا ہے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ سے بڑھ کر مجھ کو اور کوئی محبوب نہ تھا۔ عبیدہ بنت خالد بن معدانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: جب خالد (ان کے والد) اپنے بستر پر آتے تو وہ رسول اللہؐ سے اپنا شوق اور آپؐ کے صحابہ مہاجرین و انصار سے اپنی محبت کا ذکر نام لے کر کیا کرتے اور کہتے یہ لوگ میری اصل و نسل (یعنی حسب و نسب) ہیں ان کی طرف میرا دل میلان کرتا ہے۔ میرا شوق ان سے طویل ہے۔ اے میرے ربؐ میری روح ان کی طرف جلدی قبض کر (یہی کہتے کہتے) ان پر نیند غالب آ جاتی۔

حضرت ابو بکرؓ کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے نبی کریمؐ سے عرض کیا: قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ حضرت ابوطالب کا اسلام لانا میرے لیے ان کے اسلام لانے یعنی ان کے والد حضرت ابوقحافہؓ کے اسلام لانے سے زیادہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب ہے کیونکہ حضرت ابوطالب کا اسلام لانا آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے۔

اس کے مثل حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ (میرے والد) خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ (ابوطالب) اسلام لائیں اس لئے کہ یہ رسول اللہؐ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۶۸)

ابوالحق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری عورت کا باپ بھائی اور شوہر غزوہ احد میں رسول اللہؐ کی معیت میں قتل ہو گئے تھے۔ اس وقت اس نے پوچھا: رسول اللہؐ کا کیا حال ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ آپؐ الحمد للہ بخیریت ہیں جیسا کہ تم چاہتی ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے بتاؤ تا کہ میں آپؐ کو دیکھ لوں۔ جب اس نے آپؐ کو دیکھا تو کہا کہ آپؐ کی سلامتی کے بعد اب مجھے ہر مصیبت آسان ہے (مجھے ان باپ، بھائی، شوہر کی پروا نہیں) (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۰۲)

حضرت علی ابن طالبؓ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہؐ سے تمہاری محبت کیسی تھی؟ فرمایا: خدا کی قسم مجھے اپنے مال اپنی اولاد اپنے ماں باپ اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بہت

زیادہ آپ ﷺ محبوب تھے۔

زید ابن اسلم رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت عمرؓ پہرا دیتے ہوئے نکلے تو ایک مکان میں چراغ جلتے دیکھا اور ایک بوڑھی عورت اون دھنتے ہوئے کہہ رہی تھی:

عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَوةُ الْأَبْرَارِ صَلَّى عَلَيْهِ الطَّيِّبُونَ الْأَخْيَارِ

حضور ﷺ پر نیکوں کا درود ہو۔ آپ پر ہر اچھے برگزیدہ لوگ درود پڑھتے ہیں۔

قَدْ كُنْتُ قَوَّامًا بِنَا بِالْأَسْحَارِ يَا لَيْتَ شِعْرِي وَالْمَنَايَا أَطْوَارِ

بیشک آپ راتوں کو کھڑے رہنے والے صبح تک رونے والے تھے۔ اے کاش! مجھے معلوم

ہوتا حالانکہ نیندیں (موتیں) مختلف قسم کی ہیں۔

هَلْ يَجْمَعُنِي وَحَبِيبِي الدَّارِ

کیا (اللہ ﷻ) مجھ کو اور میرے محبوب کو ایک گھر (جنت) میں جمع کرے گا۔

اس تمنا کے اجتماع سے مراد اس عورت کی حضور ﷺ کی جنت میں مصاحبت و مقاربت ہے۔

وہیں حضرت عمرؓ بیٹھ گئے اور روتے رہے۔ یہ واقعہ طویل ہے۔ (الزهد صفحہ ۳۶۳-۳۶۴)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا پاؤں شل ہو گیا۔ کسی نے ان

سے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کو یاد کیجئے یہ جاتا رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے زور سے کہا: یا

محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! اسی وقت ان کا پاؤں کھل گیا۔ (عمل الیوم واللیلہ صفحہ ۷۲)

اسی طرح جب حضرت بلالؓ کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی بیوی نے کہا:

وَاحْزَنَاهُ (ہائے افسوس) اسی وقت انہوں نے کہا: وَاطْرَبَاهُ غَدَا الْقَى الْأَجْبَةَ مُحَمَّدَا

وَحَزْبُهُ یعنی خوشی ہو کہ کل میں اپنے محبوب حضور ﷺ اور ان کے گروہ سے ملاقات کروں گا۔

مروی ہے کہ ایک عورت نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی

قبر اطہر کو میرے لئے کھول دیجئے۔ آپ نے اس کے لئے کھلوا یا تو وہ رونے لگی حتیٰ کہ وہ وہیں انتقال

کر گئی۔

جس وقت اہل مکہ نے (فتح مکہ سے پہلے) زید بن دثنیہؓ کو حرم سے نکالا کہ ان کو قتل کر دیں تب

ابوسفیان بن حربؓ نے (اپنی حالت کفر کے زمانہ میں) اس سے کہا: اے زیدؓ میں تم کو خدا کی قسم دیتا

ہوں کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ اس وقت محمد ﷺ تیری جگہ ہوں اور ان کی (معاذ اللہ) گردن ماری جائے اور تو

واپس اپنی اہل و عیال میں چلا جائے؟ تب زیدؓ نے کہا: خدا کی قسم! میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حضور

ﷺ اس وقت جہاں بھی رونق افروز ہوں اس جگہ آپ ﷺ کے پائے اقدس میں کانٹا تک بھی چبھے اور میں اپنی جگہ (یونہی) بیٹھا رہوں۔ اس وقت ابوسفیانؓ نے کہا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی کو اس قدر محبوب رکھتا ہو جس قدر کہ محمد ﷺ کے اصحابؓ ان کو محبوب رکھتے ہیں۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۶۲)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کوئی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آتی تو آپ ﷺ اس سے اللہ ﷻ کی قسم لیتے کہ (کہئے کہ) میں نہ تو خاوند کی دشمنی کی وجہ سے اور نہ کسی زمین کی طمع میں نکلی بلکہ میں صرف اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں نکلی ہوں۔

(تفسیر ابن جریر سورۃ ممتحنہ جلد ۲۸ صفحہ ۴۴)

حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد ان کے پاس ٹھہرے اور ان کے لئے استغفار کی اور کہا کہ خدا کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ تم بڑے روزے دار، شب بیدار اور اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت رکھنے والے تھے۔

## تیسری فصل

### حضور ﷺ سے محبت رکھنے کی علامت

اس بات کو خوب جان لو کہ جو شخص جس کی محبت رکھتا ہے وہ اس کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی کی موافقت کرتا ہے ورنہ وہ اس کی محبت میں صادق نہیں جس کی وہ محبت کا دھرم بھرتا ہے۔ لہذا حضور نبی کریم ﷺ کی محبت میں وہ سچا ہے جس پر اس کی علامتیں ظاہر ہوں۔

پہلی علامت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی کرے اور آپ ﷺ کی سنت کا عامل ہو۔ آپ ﷺ کے افعال و اقوال کا اتباع کرے، آپ ﷺ کے حکم کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے عزت و عشرت، مسرت و کربت ہر حال میں آپ ﷺ کے آداب سے موعظت و نصیحت حاصل کرے۔ اس علامت کی حجت و دلیل اس آیت کریمہ میں ہے کہ:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ.  
(پال عمران ۳۱) میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور علامت محبت یہ ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے مشروع فرمایا اور اس پر عمل کی ترغیب و تنبیہ فرمائی اس کو اپنی خواہشات نفسانی و شہوانی پر ترجیح دے چونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ:

وَالَّذِينَ تَبَوَّأُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ. اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں  
(۲۸ الحشر) گھر بنا لیا..... (ترجمہ کنز الایمان)

دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں  
پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور  
بندوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنے میں ناراض کر دیتے ہیں۔

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ  
اے فرزند اگر تم اس کی قدرت رکھو کہ تمہاری صبح اور شام اس حالت میں ہو کہ تمہارا دل ہر ایک کی  
کدورت سے پاک و صاف ہو تو ایسا کرو۔ اس کے بعد پھر مجھ سے فرمایا:

اے فرزند! یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو زندہ رکھا اس نے مجھ سے محبت کی اور  
جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

لہذا اب جو شخص اس صفت سے متصف ہوگا تو وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں  
کامل ہوگا اور جو شخص ان میں سے بعض امور کی مخالفت کرے گا اس کی محبت اتنی ہی ناقص ہوگی اور وہ  
محبت کے نام سے خارج نہ ہوگا۔

اس کی دلیل حضور ﷺ کا اس شخص کے بارے میں وہ فرمان ہے کہ جس کو شراب پینے پر حد  
جاری کی گئی اور اس وقت بعض لوگوں نے اس پر لعنت کی تھی اور کہا تھا تعجب ہے اس کو ایسی حالت  
میں لایا گیا۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت مت کرو کیونکہ یہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ  
سے محبت رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود جلد ۲ صفحہ ۱۳۳)

علامت محبت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل با کثرت کرے۔ اس  
لیے کہ جو شخص جس چیز کو زیادہ محبوب رکھتا ہے اس کا ذکر با کثرت کیا کرتا ہے۔

انہیں علامات محبت میں سے آپ ﷺ کے لقاء و دیدار کا زیادہ شوق رکھنا ہے اس لئے کہ ہر  
محبت اپنے محبوب کے دیدار کی تمنا رکھتا ہے۔ اشاعرہ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جب  
حضور ﷺ (بوقت ہجرت) مدینہ منورہ رونق تافروز ہوئے تو یہ (لوگ) رجز پڑھتے تھے۔

غَدًا نَلْقَى الْأَجْبَةَ مُحَمَّدًا وَصَحْبَهُ

ہم کل پیاروں سے ملیں گے۔ یعنی حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ سے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۵۱)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اپنے شہید

ہونے سے پہلے کہا تھا۔ اور وہ جو اسے ہم نے خالد بن معدان رضی اللہ عنہ کے قصہ میں بیان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ کثرت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت غایت تعظیم و توقیر بجلائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی کے وقت انتہائی عجز و انکسار کا اظہار کرے گا۔

ابن اسحاق رضی اللہ عنہ تجھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرتے تھے تو انتہائی عاجزی و فروتن سے کرتے اور ان کے بال کھڑے ہو جاتے اور رونے لگتے تھے۔ یہی حال اکثر تابعین رحمہم اللہ کا تھا۔ ان میں سے کچھ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و شوق کی بنا پر روتے اور کچھ آپ کی ہیبت و عظمت کی وجہ سے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کرنے کی وجہ سے کسی سے محبت رکھے۔ اور اسی علاقہ کے سبب وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مہاجرین و انصار سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے عداوت رکھے ان سے عداوت رکھنا اور جو ان سے بغض و فساد رکھے ان سے بغض رکھتا ہے جو شخص جس سے محبت رکھتا وہ اس کو بھی محبوب جانتا ہے جن سے اس کا محبوب محبت کرے۔

بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا کہ اے خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب فرما۔

(صحیح بخاری کتاب الناقب جلد ۵ صفحہ ۲۳، صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۳، سنن ترمذی کتاب الناقب جلد ۵ صفحہ ۲۲۷)

ایک روایت میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ بے شک میں ان کو محبوب رکھتا ہوں پس جو ان سے محبت رکھے اس کو بھی محبوب رکھتا ہوں اور فرمایا: جو ان دونوں سے محبت رکھتا ہے بے شک وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے بلاشبہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص ان دونوں سے بغض و عداوت رکھتا ہے بلاشبہ وہ مجھ سے بغض و عداوت رکھتا ہے اور جو شخص مجھ سے بغض و عداوت رکھتا ہے یقیناً اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو مبغوض رکھتا ہے۔

(مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۸۰)

اور فرمایا: **أَلَا أَلْفِي أَصْحَابِي**۔ ہوشیار! خبردار میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو اپنی اغراض کا آلہ کار نہ بنانا جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھنے کی بنا پر ہے اور جو

ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر ہے۔ جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی یقیناً اس نے اللہ ﷻ کو تکلیف دی جس نے اللہ ﷻ کو تکلیف دی بہت جلد اللہ ﷻ اس کو اپنی پکڑ میں لے گا۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵۸، مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۵۲)

حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا ٹکڑا ہے جو چیز ان کو غصہ میں لاتی ہے وہ مجھ کو بھی غصہ میں لاتی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۲، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۰۳)

آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے محبت و شفقت کرو کیونکہ میں بھی ان کو محبوب رکھتا ہوں۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۲)

اور آپ نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے اور نفاق کی علامت ان سے دشمنی۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۷، صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۹، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۸۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ جس نے اہل عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر کی۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ جس شخص نے کسی سے محبت کی تو وہ ہر اس چیز سے محبت کرے گا جس کو وہ محبوب رکھتا ہوگا۔ اور یہی عادت سلف رحمہم اللہ کی تھی حتیٰ کہ مباحات اور خواہشات نفسانیہ میں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ہانڈی میں کدو کے قتلوں (ٹکڑوں) کو تلاش فرمایا کرتے تو میں نے اس دن سے ہمیشہ کدو کو محبوب رکھا۔

حضرت امام حسن بن علی، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہم حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ان سے انہوں نے فرمائش کی کہ آپ ہمیں وہ کھانا تیار کر دیجئے جو رسول اللہ ﷺ پسند فرمایا کرتے تھے۔

(شامل ترمذی صفحہ ۱۵۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بسنتی جوتی اور زرد رنگ کے کپڑے پہنا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی لباس پہنے دیکھا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس جلد ۷ صفحہ ۱۳۲، صحیح مسلم کتاب اللباس جلد ۲ صفحہ ۸۲۲)

انہیں علامات محبت میں سے یہ ہے کہ اس چیز سے دشمنی رکھے جس سے اللہ ﷻ اور اس رسول ﷺ نے دشمنی رکھی اور اس سے عداوت رکھے جس سے آپ ﷺ نے عداوت رکھی اور اس شخص سے کنارہ کشی کرے جو آپ ﷺ کی سنت کا مخالف ہو اور جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہو اور ہر مخالف

شریعت بات کو سختی سے گراں اور برا جانے اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ  
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ.

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں۔ ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(۲۸ المجادلہ: ۲۲)

بلاشبہ یہی کیفیت آپ ﷺ کے صحابہ کرام ؓ تھی کہ انہوں نے اپنے دوستوں کو قتل کیا اور آپ کی مرضی و خواہش پر اپنے والدین (آباء) اور اولاد کو قتل کیا اور ان سے لڑائی کی۔

عبداللہ بن ابی (ریس المناقین) کے بیٹے عبداللہ ؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی مرضی مبارک ہو تو میں اس کا یعنی اپنے باپ کا سر کاٹ کر پیش کر دوں۔ (کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۳۶۰) اور انہیں علامات محبت میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن سے محبت رکھے کیونکہ آپ نے اس سے ہدایت فرمائی اور خود پائی اور اسی کے موافق آپ کے اخلاق کریمہ تھے۔

یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن ہے اور قرآن سے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تلاوت کرے اور اس پر عمل کرے اور اس کو خوب سمجھے اور اس کی سنت (طریقہ) کو پسند کرے اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے محبت کرے اور قرآن سے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرے اور آپ سے محبت کرنے کی پہچان یہ ہے کہ آپ کی سنت سے محبت کرے اور آپ کی سنت سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت سے محبت کرے اور آخرت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بغض رکھے اور دنیا کا بغض یہ ہے کہ "قوت لایموت" اور توشہ آخرت کے سوا کچھ جمع نہ کرے تاکہ آخرت میں فلاح سے ہمکنار ہو۔

حضرت ابن مسعود ؓ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی سے اپنی جان کے بارے میں نہ پوچھے سوائے قرآن کے کیونکہ اگر اس کی محبت قرآن سے ہے تو وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہے۔ (یعنی فی الآداب صفحہ ۵۲۲)

اور آپ کی علامات محبت میں سے یہ ہے کہ آپ کی امت کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے ان کو اچھی بات بتائے اور ان کی خیر خواہی کی کوشش کرے۔ ان کے نقصانات کو دور کرے

جیسے کہ حضور ﷺ مسلمانوں پر رؤف و رحیم تھے اور آپ سے کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کا مدعی دنیا میں زاہد ہو اور فکر کا خوگر ہو کر فقراء سے ترجیحی سلوک کرے۔

حضور ﷺ نے حضرت ابوسعید خدری ؓ سے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے مجھ سے محبت رکھے گا اس کی طرف فقر اسی رو سے زیادہ تیز دوڑ کر آئے گا جیسے کہ جنگل کی بلندی کی طرف سے یا پہاڑ سے نیچے کو آتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الزهد جلد ۲ صفحہ ۷)

حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا غور کر کیا کہ رہا ہے؟ عرض کیا واللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اس طرح تین مرتبہ کہا۔

آپ نے فرمایا اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر کے لیے سامان (صبر) کی تیاری کر۔ اس کے بعد حضرت ابوسعید خدری ؓ کی حدیث کی مثل اس کے معنی بیان فرمائے۔

(سنن ترمذی کتاب الزهد جلد ۲ صفحہ ۷)

## چوتھی فصل

### محبت کے معنی اور اس کی حقیقت

نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے کے معنی اور اس کی حقیقت کے بیان میں علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ ﷻ اور اس کے نبی ﷺ کی محبت کی کیا تفسیر و مراد ہے۔ ان کی عبارتیں تو بکثرت ہیں لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف اقوال نہیں البتہ احوال و کیفیات ضرور مختلف ہیں۔ چنانچہ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا محبت اتباع رسول ﷺ کا نام ہے۔ گویا کہ انہوں نے اللہ ﷻ کے اس فرمان کی طرف توجہ کی کہ فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي.

فرمادو اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ (پال عمران ۳۱) (ترجمہ کنز الایمان)

بعض علماء نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی محبت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نصرت و مدد کو لازم جانے اور مخالفین سنت کو مٹائے اور سنت کی پیروی کرے اور سنت کی مخالفت سے خوفزدہ رہے۔

بعضوں نے کہا کہ ہمیشہ محبوب کے ذکر کرتے رہنے کا نام محبت ہے اور دوسروں نے کہا کہ محبوب پر جاں نثاری محبت ہے بعض کہتے ہیں کہ محبت محبوب کے ساتھ شوق کا نام ہے اور بعض فرماتے



ہیں کہ محبت یہ ہے کہ دل رب ﷺ کی مراد کے موافق کرے کہ جس کو وہ پسند کرے اس کو یہ پسند کرے جسکو وہ برا کہے اس کو یہ برا جانے اور بعضوں نے کہا کہ موافقت کی طرف دل کے میلان کا نام محبت ہے۔

مذکورہ اکثر عبارتیں محبت کے نتیجہ و ثمرہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں نہ کہ اس کی حقیقت کی طرف اور محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جو انسان کے موافق چیز ہو اس کی طرف اس کا میلان ہو۔ اب اس کی یہ موافقت یا تو اس لئے ہوگی کہ اس کے پالنے سے اس کو لذت حاصل ہوگی۔ جیسے حسین و جمیل صورتیں، عمدہ آوازیں اور لذیذ کھانا پینا وغیرہ کہ ہر سلیم الطبع اس کی طرف مائل ہے کیونکہ یہ اس کی طبیعت کے موافق ہے۔

یا اس لئے اس کے پانے سے لذت حاصل کرتا ہے کہ وہ اپنے حواس عقیلہ سے دل کے اعلیٰ معانی باطنیہ معلوم کر لیتا ہے۔ جیسے علماء و صلحاء، عرفاء اور وہ لوگ جن کی سیرتیں پاکیزہ و عمدہ مشہور ہیں اور ان کے افعال پسندیدہ ہیں۔ کیونکہ انسان کی طبیعت ان امور کی طرف مائل ہے۔ یہاں تک کہ ایک طبقہ کی محبت کی وجہ سے دوسرے طبقہ سے تعصب تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایک گروہ کی حمایت دوسروں کے حقوق میں اس حد تک تجاوز کر جاتی ہے کہ اس کی محبت میں جلاء وطنی (ترک سکونت) کرتے بڑوں کی ہتک کرتے اور جانوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

یا اس کی محبت خاص اس کے لئے ہوتی ہے کہ اس کے احسان و انعام کی وجہ سے اس کی طبیعت اس کے موافق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ طبائع انسانیہ اسی پر پیدا کی گئی ہیں کہ جو شخص اس پر احسان کرے وہ اس سے محبت کرے۔

جب یہ حقیقت تم پر آشکار ہو چکی تو اب ان تمام اسباب و علل کے لحاظ سے حضور ﷺ کے حق میں غور کرو۔ یہ تو تم خوب جان چکے ہو گے کہ نبی کریم ﷺ ان تینوں معانی جو محبت کرنے کے موجب اور سبب ہیں کے جامع ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ظاہری صورت کا جمال، کمال، اخلاق اور باطنی خوبیاں ہم پہلے حصہ میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں۔ مزید بیان کی اصلاً حاجت نہیں۔

اب رہا آپ ﷺ کا اپنی امت پر احسان و انعام، سو وہ بھی پہلے حصہ میں گزر چکا ہے۔ جہاں اللہ ﷻ نے امت پر آپ ﷺ کی شفقت و رحمت کے اوصاف حسنہ بیان فرمائے ہیں کہ کس طرح ان کو ہدایت فرمائی اور کیونکر ان پر شفقتیں کیں اور خدا نے ان کو کیسے دوزخ سے آپ ﷺ کی وجہ سے بچایا اور یہ کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ رؤف و رحیم اور رحمتہ للعالمین ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ بشر نذیر داعی

الی اللہ پاؤں ہیں۔ آپ ﷺ نے ان پر اللہ ﷻ کی آیتیں تلاوت فرمائیں ان کا تزکیہ نفس کیا۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے کر صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی وغیرہ۔ (جو سب سے پہلے مذکور ہو چکا ہے)

لہذا اب وہ کون سا احسان ہے جو آپ ﷺ کے احسان سے بڑھ کر قدر و مرتبہ والا مسلمانوں کے لیے ہے اور کونسی کرم گستری ایسی ہے جو منفعت کے اعتبار سے آپ ﷺ کے انعام سے زیادہ تمام مسلمانوں پر زیادہ عام اور سود مند ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ ہی تو ان کی ہدایت کا ذریعہ تھے۔ آپ ﷺ ہی تو ان کو جہالت و ضلالت سے نکالنے والے اور فلاح و کرامت کی طرف بلانے والے تھے اور آپ ﷺ ہی تو ان کے رب ﷻ کی طرف وسیلہ شفیق اور ان کی طرف سے کلام کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ ہی ان کے گواہ اور ان کے دائمی بقاء اور لازوال نعمتوں کے موجب ہیں۔

یقیناً اب تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضور ﷺ ہی حقیقی محبت کے شرعی طور پر لائق و مستحق ہیں جیسا کہ ہم پہلے صحیح حدیثوں سے بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح عادت و طبیعت کے اعتبار سے بھی حضور ہی مستحق ہیں جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کیونکہ آپ ﷺ کے احسانات عام ہیں پس جب انسان اس شخص کو محبوب رکھتا ہے جو دنیا میں اس پر ایک یا دو دفعہ احسان کرے یا اس کو کسی ہلاکت و نقصان سے بچائے جس کی ایذا کی مدت تھوڑی اور کسی نہ کسی وقت منقطع ہونیوالی ہو۔ اس کے برعکس جو ذات کریم اس کو وہ نعمتیں مرحمت فرمائے جو کبھی ختم نہ ہوں اور اس کو دوزخ کے ایسے عذاب سے بچائے جو کبھی فنا نہ ہو تو وہی محبت کرنے کے زیادہ لائق و مستحق ہے۔

اور جب انسان طبعی طور پر اس بادشاہ کو جو اچھی خصلت رکھتا ہو یا وہ حاکم جس کا حسن سلوک معروف ہو یا وہ قاضی جو دور ہو مگر اس کا علم و کرم اور عمدہ خصائل مشہور ہو۔ ان کو محبوب رکھتا ہے تو وہ ذات اقدس جس میں یہ تمام خصائل جلیلہ کمال کے انتہائی مرتبہ تک مجتمع ہوں زیادہ محبت کی مستحق ہے اور زیادہ لائق ہے کہ اس کی طرف طبیعت مائل ہو۔

یقیناً حضرت علی مرتضیٰؑ نے حضور ﷺ کی صفت میں فرمایا کہ جو شخص آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا وہ خوفزدہ ہو جاتا اور جو آپ ﷺ کی جان پہچان والا ہوتا وہ آپ ﷺ سے محبت کرتا تھا۔ ہم نے بعض صحابہ سے پہلے بیان کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے آنکھ آپ ﷺ کی طرف سے پھرتے نہ تھے۔

(صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہم اجمعین)

## پانچویں فصل

حضور ﷺ سے خیر خواہی واجب ہے

اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ

وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ  
 حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ طَمًا عَلَى  
 الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلِ طَوَّالْتُهُ غَفُورٌ  
 اور نہ ان پر حرج ہے جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو  
 جبکہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ رہیں نیکی والوں پر  
 کوئی راہ (مواخذہ کی) نہیں اور اللہ ہی بخشنے والا  
 رحیم۔ (پہا التوبہ: ۹۱) مہربان ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مفسرین کا قول ہے کہ اللہ ﷻ و رسول ﷺ سے خیر خواہی یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں پورے

اخلاق کے ساتھ مسلمان ہو۔

حدیث: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک دین ایک  
 خیر خواہی ہے بلاشبہ دین خیر خواہی ہے۔ یقیناً دین خیر خواہی ہے۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کس کے لئے؟ فرمایا اللہ ﷻ اور اس کی کتاب  
 اور اس کے رسول اور ائمہ مسلمین و عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی واجب ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۸۴ سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۳۳)

امام ابوسلیمان بستی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نصیحت ایک کلمہ ہے جس سے ایسے تمام امور خیر  
 سے تعبیر کی جاتی ہے جو کہ اس شخص کے لیے ہو جس کے لیے خیر خواہی کی جائے اور یہ ممکن نہیں کہ  
 نصیحت کی تعبیر کسی ایسے ایک کلمہ سے کی جائے جو اس کو حصر (قید) کرے۔

اس (نصیحت) کے لغوی معنی اخلاق کے ہیں۔ جیسے اہل عرب کا مقولہ ہے کہ نَصَحْتُ

الْعَسَلُ إِذَا خَلَصْتَهُ مِنْ شَمْعِهِ یعنی ”شہد کو صاف کیا“ جب کہ تم اسے موم سے پاک کر دو۔

ابوبکر بن ابی الحق خفاف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ”نَصَحٌ“ وہ فعل ہے کہ جس کے باعث درستی

و مناسبت یا موافقت ہو۔ اور یہ ”نَصَاحٌ“ سے ماخوذ ہے۔ نَصَاحٌ اس دھاگہ کو کہتے ہیں جس سے کپڑا

سیا جاتا ہے۔ ابوالحق زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی کہا

پس اللہ ﷻ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ صحیح اعتقاد ہو۔ اس کو واحد جانے اس کی ایسی

تعریف کرے جس کا وہ اہل ہے اور ان باتوں سے اسے پاک سمجھے جو اس پر جائز نہیں۔ محبوبان خدا

سے رغبت رکھے اور جو اس کا دشمن (باغی غدار) ہو اس سے دور رہے اور اس کی عبادت میں اخلاص ہو اور قرآن کریم سے خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرے۔ اس کی تلاوت اچھی طرح کرے۔ اس کے نزدیک عاجزی کرے۔ سرکش غالیوں کی تاویلات اور ملحدین کے طعنوں کو دور کرے۔

رسول ﷺ کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور جو کچھ آپ ﷺ فرمائیں یا منع کریں اس کی بجا آوری کرے۔ اس کو ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی حیات ظاہری اور وفات طبعی میں ہمیشہ آپ ﷺ کی معاونت و نصرت اور حمایت کرے اور آپ ﷺ کی سنت کا احیاء بکوشش کرے اور اس کے مخالفوں کا رد کرے اور سنت کی اشاعت کرے اور آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ سیرت جمیلہ کے موافق اپنے اخلاق بنائے۔

ابو ابراہیم اسحاق سجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے اس کی تصدیق کرے اور آپ ﷺ کی سنت کو سختی سے تھامے اور اس کی اشاعت کرے اس پر دوسروں کو رغبت دلائے۔ اللہ ﷻ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دے اور ان کی فرمانبرداری و عمل کی تبلیغ کرے۔

احمد بن محمد رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ دلوں کے فرائض میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی کا معتقد ہو۔ ابو بکر آجری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ کی خیر خواہی دو خیر خواہیوں کی متقاضی ہے۔ ایک خیر خواہی آپ کی زندگی حیات ظاہری میں دوسری آپ کی حیات باطنی (بعد وفات) میں۔ آپ کی حیات میں آپ کے صحابہ کی خیر خواہی کرنا یہ تھی کہ وہ آپ کی نصرت کرتے آپ سے برائی دور کرتے جو آپ کا دشمن ہوتا اس سے دشمنی کرتے اور آپ کی پیروی و فرمانبرداری کرتے اور آپ پر اپنا جان و مال نذر کر دیتے تھے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ:

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ جَ ۖ كَچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔ (پ۱ الاحزاب ۲۲)

اور فرمایا:

وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ط اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔

(پ۱۸ البقرہ ۸) (ترجمہ کنز الایمان)

لیکن مسلمانوں کی خیر خواہی آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور

آپ ﷺ سے غایت محبت کو لازم جانیں اور آپ ﷺ کی سنت کو سیکھنے کی ہمیشہ کوشش کرنا اور آپ ﷺ کی شریعت میں تفقہ (حامل) کرنا اور آل و اصحاب سے محبت کرنا اور جو آپ ﷺ کی سنت سے روگرداں اور منحرف ہو اس سے اجتناب کرنا اور اس سے دشمنی رکھنا اور اس سے بچنا اور آپ ﷺ کی امت پر شفقت کرنا، آپ کے اخلاق و آداب سے بحث کرنا اور تلاش کرتے رہنا اور اس پر صبر کرنا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا یہ سب خیر خواہی محبت ثمرات اور اس کی علامتوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن لیث قراسان کا ایک بادشاہ تھا جو مشہور حاکم تھا اسے صفار کہتے تھے۔ خواب میں دیکھا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تیرے ساتھ خدا نے کیا کیا۔ اس نے کہا کہ اس نے مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا کہ کس سبب سے؟

کہا کہ میں ایک دن پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اوپر سے اپنے لشکر کو جھانکا تو ان کی کثرت سے میں خوش ہوا۔ اس وقت میں نے تمنا کی اگر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ کی نصرت و اعانت کرتا۔ یہ بات اللہ ﷻ کو پسند آئی اور مجھے بخش دیا۔

اور آئمہ مسلمین کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے امور حقہ کی اطاعت کرے اور اس میں ان کی مدد کرے اور ان کا حکم حق کے ساتھ ہو اور ان کو حق کی عمدہ اسلوب سے یاد دلانا اور غفلت پر ان کو آگاہ و خبردار کرنا اور جو مسلمانوں کے امور ان سے پوشیدہ رہیں ان کو یاد دلانا ہے اور ان پر خروج کرنا۔ لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانا۔ ان کے دلوں کو ان کے برخلاف بگاڑنا ترک کر دے۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کو ان کی خیر خواہیوں کی ہدایت کرنا۔ ان کو اپنی اپنی اور دنیوی امور میں قول و فعل میں مدد دینا۔ ان کے غافل کو خبردار اور ان کے جاہل کو آگاہ کرنا۔ ان کے محتاجوں کی مدد کرنا۔ ان کے بروں کی ستر پوشی کرنا ان کے نقصانات و ضرر کو رفع کرنا اور ان کی طرف ان کے منافع کو پہنچانا وغیرہ ہے۔

## تیسرا باب

آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ادائے حقوق کا حکم اور اس کا وجوب حضور ﷺ کا حکم اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور نیکی کے وجوب میں اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا  
لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ  
وَتوقِّرُوهُ ط

بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور  
ڈر سنا تا تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان  
لاؤ اور رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو۔

(پ ۲۶ الفتح ۹)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ  
اللَّهِ وَرَسُولِهِ.

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے  
نہ بڑھو۔

(پ ۲۶ الحجرات ۱)

(ترجمہ کنز الایمان)

نیز فرمایا:

وَيَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ  
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ.

اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس  
غیب بتانے والے نبی کی آواز سے۔

(پ ۲۶ الحجرات ۲)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ  
بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط

رسول کے پکارنے کو آپس میں نہ ٹھہراؤ جیسا تم  
میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

(پ ۱۸ النور ۲۳)

(ترجمہ کنز الایمان)

ان آیات مذکورہ میں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی عزت و تکریم کو لازم فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تعزیر و تعزیر و تعزیر کے معنی  
میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں خوب مبالغہ کرو اور انہیں  
اور طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اعانت کیا کرو۔

اور ایک قرأت میں وَتُعَزِّرُوهُ بِزَيْنٍ مِنَ الْعِزِّ یعنی دونوں زاء کے ساتھ بمعنی عزت  
مروی ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ سے آگے کلام میں بڑھنے کی  
ممانعت فرمائی ہے یعنی گفتگو کرنے میں آپ ﷺ سے پہلے بات کرنے کو سوء ادب گردانا۔ یہ مذہب  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور ثعلب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند فرمایا۔

سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمانے سے پہلے بات مت کرو اور  
جب حضور ﷺ کلام فرماتے ہوں تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو اور آپ ﷺ کے فیصلہ سے قبل کسی

معاملہ پر فیصلہ کی جلدی کرنے سے منع کیے گئے ہو اور یہ کہ وہ کسی چیز کا حکم دیں خواہ وہ جہاد سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ امور دینیہ میں سے ہو تو آپ ﷺ ہی کے ارشاد پر چلیں۔ آپ ﷺ سے پہلے کسی معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ حضرت حسن مجاہد اضحاک سدی اور ثوری رحمہم اللہ کا قول بھی اسی طرف واقع ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی اور ان کو آپ ﷺ کی مخالفت سے ڈرایا چنانچہ فرمایا۔ اور اللہ ﷻ سے ڈرو بیشک اللہ ﷻ سنتا جانتا ہے۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے سبقت کرنے میں خدا سے ڈرو۔ سلمیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی حق تلفی کرنے اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم میں کوتاہی کرنے سے خدا سے ڈرو۔ بیشک اللہ ﷻ تمہاری باتوں کو سنتا اور تمہارے عملوں کو جانتا ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند کرنے اور زور سے بولنے کی ممانعت فرمائی۔ جیسا کہ آپس میں کرتے ہو کہ اپنی آوازوں کو بلند کر لیتے ہو اور ایک قول یہ ہے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا نام لیکر پکارتے ہو ویسا آپ ﷺ کو نہ پکارو۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ سے بات کرنے میں سبقت نہ کرو۔ مخاطب کرو تو عزت و توقیر سے مخاطب کرو۔ اور آپ ﷺ کو ان القاب سے پکارو اور یاد کرو جن سے پکارا جانا آپ ﷺ کو پسند ہو مثلاً یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم وغیرہ۔

ایسا خطاب کرنا دوسری آیت کے مطابق ہے کہ رسول ﷺ کو پکارنے میں تم ایسا نہ کرو جیسے کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یہ معنی ان کے دو معنوں میں سے ایک ہے۔ دیگر علماء نے فرمایا کہ آپ سے اس طرح مخاطب ہو کہ جس طرح کوئی سائل یا طالب فہم ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے ایسا کرنے پر مسلمانوں کو ڈرایا کہ ان کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اس سے ڈرتے رہو۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت بنی تمیم کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ دیگر اہل عرب کے لیے نازل ہوئی کہ وہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو "یا محمد صلی اللہ علیک وسلم" کہہ کر مخاطب کرنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم ہماری طرف آئیے۔ اس پر اللہ ﷻ نے ان کی مذمت فرمائی اور ان کی جہالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ  
کہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پانچ اجرات ۴)

بعض کہتے ہیں کہ پہلی آیت اس قضیہ کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کے سامنے

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا تھا اور اختلاف کی صورت میں باہم ان کی آوازیں بلند ہو گئی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنی تمیم کی مفاخرت میں خطیب تھے اور ان کے کان بہرے تھے اور زور سے بولا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے کہ مبادہ کہیں ان کے عمل ضائع نہ ہو جائیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں ڈرتا ہوں کہ ہلاک نہ ہو جاؤں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو منع فرمایا ہے کہ بلند آواز سے نہ بولیں حالانکہ میں ”جہیر الصوت“ یعنی بلند آواز والا ہوں۔

تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ثابت رضی اللہ عنہ! کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تم محمود زندگی گزارو اور شہادت حاصل کر کے جنت میں جاؤ۔ چنانچہ یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا خدا کی قسم آئندہ آپ سے اسی طرح عرض و معروض کروں گا جیسے کہ چھپ کر باتیں کرتے ہیں۔<sup>۱</sup> چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بات کرتے تو ایسے ہی باتیں کرتے جیسے پوشیدہ (بات) کرتا ہے۔

(صحیح بخاری مسلم جلد ۶ صفحہ ۱۱۴)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تو اتنی آہستہ بات کرنے لگے کہ بسا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ دریافت کی ضرورت ہوتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۷۶ سورۃ الحجرات)

بیشک جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لیے رکھ لیا۔ ان کے لیے بخشش اور

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

(۲۶ الحجرات ۳) بڑا ثواب ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت ہے کہ

۱۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۸۵ سورۃ الحجرات، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۱۰

۲۔ کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۲۹



إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ  
الْحُجُرَاتِ. (پ۱ الحجرات ۴) ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ بنی تمیم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ لوگ آپ ﷺ کا نام لے کر پکارتے تھے۔

صفوان بن عسال رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ اتنے میں ایک عربی نے جس کی آواز بلند تھی اس نے آپ کو پکارا ”یا محمد! یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)!“ ہم نے اسے کہا کہ اے اعرابی اپنی آواز کو پست کر کیونکہ بلند آواز کرنے سے ہم روکے گئے ہیں۔

اللہ ﷻ نے (حضور ﷺ کی مجلس کے آداب سکھاتے ہوئے) فرمایا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا.

اے ایمان والو! ”راعنا“ نہ کہو۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱ البقرہ ۱۴۴)

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ انصار میں ایک لغت تھی جس کے بولنے سے نبی کریم ﷺ کی تعظیم و عزت کے لیے منع کیا گیا۔ اس لیے کہ اس کے معنی یہ تھے کہ آپ ﷺ ہماری رعایت کریں ہم آپ ﷺ کی رعایت کریں گے۔ لہذا ان کو ایسا کہنے سے روک دیا گیا۔ کیونکہ اس کا اقتضاء یہ بھی تھا کہ گویا وہ آپ ﷺ کی رعایت کرنے سے رعایت کریں گے۔ حالانکہ یہ آپ ﷺ کا حق (نبوت) ہے کہ آپ ﷺ کی ہر حال میں رعایت کی جائے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہود اس کلمہ (راعنا) سے نبی کریم ﷺ کی تعریف کیا کرتے تھے اور اس سے وہ رعونت (تکبر) مراد لیتے تھے۔ لہذا مسلمانوں کو اس قول سے منع کر دیا گیا کہ ایسا کلمہ نہ کہو جس سے کوئی تشبہ پیدا ہو۔ گویا کہ آپ کے حضور ﷺ کے ایسے الفاظ جس میں مشابہت کا پہلو نکلتا ہو منع کر دیا گیا۔ اس کے سوا اور بھی اقوال ہیں۔



۱۔ سنن ترمذی جلد ۴ صفحہ ۲۳ تحفۃ الاشراف جلد ۴ صفحہ ۱۹۲

۲۔ دلائل النبوة لابی نعیم

## پہلی فصل

تعظیم و توقیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر، عزت و تکریم کرنے کی عادت کے بیان میں یہ حدیث ہے کہ حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی محبوب اور میری آنکھوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ نہ تھا اور مجھ میں یہ طاقت نہ تھی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت و جلالت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے آنکھوں کو بھریوں۔ اگر کوئی مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرنے کو کہتا تو میں اس کی بھی طاقت نہ پاتا تھا۔ کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ بھر کے دیکھا ہی نہ تھا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۱۲)

حدیث: ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ مہاجرین و انصار کے پاس تشریف لایا کرتے جہاں یہ صحابہ بیٹھا کرتے تھے ان میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود ہوتے۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہ کرتا تھا۔ یہی دونوں صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے اور باہم متبسم ہوتے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۷۴)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف اصحاب جمع تھے۔ ان کی یہ کیفیت تھی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں ایک یہ حدیث ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو صحابہ اپنے سروں کو جھکا دیتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں۔

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں (صلح حدیبیہ کے وقت) قریش کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قاصد بن کر آیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تعظیم کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے پانی کی طرف جلدی کرتے اور قریب تھا کہ غسلہ وضو حاصل کرنے میں باہم لڑ مریں گے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لعاب مبارک ڈالتے یا ناک صاف کرتے تو صحابہ جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اپنے چہرے اور جسموں پر مل لیتے۔ جب کوئی بال (موئے مبارک) جسم سے گرتا تو وہ دوڑ کر اس کو حاصل کر لیتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم

دیتے تو وہ بسرعت (جلدی سے) اس کو بجالاتے۔ جب کلام فرماتے تو وہ آپ ﷺ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر لیتے آپ ﷺ کی طرف تعظیم کی وجہ سے نظر جما کر نہ دیکھتے۔

چنانچہ جب میں قریش کی طرف لوٹ کر گیا تو کہا اے گروہ قریش! میں کسریٰ کے ملک میں بھی گیا ہوں اور قیصر (روم) کے ملک میں بھی۔ اور نجاشی کے ملک میں بھی پہنچا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو اپنی قوم میں ایسا نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ میں شان رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے کسی بادشاہ کو کبھی نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جس قدر کہ محمد ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ بلاشبہ میں نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو کبھی بھی ان کو نہ چھوڑے گی۔ (صحیح بخاری کتاب الشرح جلد ۳ صفحہ ۱۷۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ جام آپ ﷺ کا سرموٹھ رہا ہے اور آپ ﷺ کے صحابہ آپ کے گردا گرد گردش کر رہے ہیں۔ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ آپ ﷺ کا ہر موٹھے مبارک (بال) کسی نہ کسی ہاتھ پر پڑے (زمین پر نہ گرے)۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۲)

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب قریش نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بیت الحرام (خانہ کعبہ) کے طواف کی اجازت دی جبکہ آپ کو حضور ﷺ نے حدیبیہ کے وقت مکہ بھیجا تھا تو انہوں نے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کر لیں گے میں ہرگز طواف نہیں کروں گا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک جاہل اعرابی سے کہا تم رسول اللہ ﷺ سے مَنْ قَضَىٰ نَجْبَةً (پاؤں الاہزاب ۲۳) کون اپنی منت پوری کر چکا (ترجمہ کنز الایمان) کے بارے میں مطلب دریافت کرو کیونکہ خود صحابہ آپ ﷺ سے ڈرتے اور غایت تکریم کرتے تھے پس اس اعرابی نے پوچھا آپ ﷺ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے جواب نہ دیا۔ اتنے میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ان میں سے ہیں جنہوں نے اپنی منت کو پورا کیا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۰۹-۳۰۸)

قبیلہ کی حدیث میں ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو قرضاء کی نشست پر بیٹھے دیکھا تو آپ ﷺ کی ہیبت و عظمت سے میں کانپنے لگا۔ (قرضاء ایک نشست ہے جو بیٹھ کر گھنے کھڑے کر کے کپڑے یا ہاتھوں سے گھٹنوں کو ملا کر باندھ لیا جائے)۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کے

دروازے کو ناخنوں سے کھٹکایا کرتے تھے۔ برائہ بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کرنا تو آپ ﷺ کے رعب کی وجہ سے برسوں اس میں دیر ہو جایا کرتی تھی۔

(علوم الحدیث صفحہ ۱۹)

## دوسری فصل

### بعد وفات تعظیم و توقیر کا وجوب

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ حضور ﷺ کی حرمت و تعظیم، عزت و تکریم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسی واجب ہے جیسے کہ آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں لازم تھی۔

اور یہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت اور آپ ﷺ کی حدیث و سنت اور آپ کے اسم گرامی اور سیرت مبارکہ کے سنتے وقت اور آپ ﷺ کی آل و اہل بیت اور صحابہ کرام کے ذکر سنتے وقت تعظیم و توقیر واجب ہے۔

ابو ابراہیم نجیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسلمان پر واجب ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کرے یا اس سامنے اس کا ذکر ہو۔ تو خشوع و خضوع کے ساتھ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرے۔ اپنی حرکات میں سکون و قرار اور آپ ﷺ کی ہیبت و جلال کا مظاہرہ کرے اور یہ ایسا ہونا چاہیے کہ اگر وہ آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے دربار میں موجود ہو تو جیسی اس وقت اس کی حالت ہو ویسی ہی اس وقت بھی ہو۔ اور جیسا اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کا ادب سکھایا ویسا ادب کرے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سلف صالحین اور ائمہ متقدمین رحمہم اللہ کی یہ عادت تھی۔

اثر: ابن حمید رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد مروی ہے کہ ابو جعفر امیر المؤمنین نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد شریف میں مناظرہ کیا۔ تو امام صاحب نے اس سے کہا!

اے امیر المؤمنین اس مسجد میں بلند آواز سے نہ بولو کیونکہ اللہ ﷻ نے ایک جماعت کو ادب سکھایا کہ تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر بلند مت کرو اور دوسری جماعت کی مدح فرمائی کہ بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پست کرتے ہیں اور ایک قوم کی مذمت و برائی بیان کی فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَ. (پہلی حجرات ۴)۔ بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں (ترجمہ کنز الایمان) بلاشبہ آپ ﷺ کی عزت و حرمت اب بھی اسی طرح ہے جس طرح آپ

ﷺ کی حیات ظاہری میں تھی۔ یہ سن کر ابو جعفر خاموش ہو گیا۔

پھر دریافت کیا کہ اے ابو عبد اللہ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگوں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ نے فرمایا تم کیوں حضور ﷺ سے منہ پھیرتے ہو حالانکہ حضور ﷺ تمہارے اور تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام کے بروز قیامت اللہ ﷻ کی جناب میں وسیلہ ہیں۔ بلکہ تم حضور ﷺ ہی کی طرف متوجہ ہو کر آپ ﷺ سے شفاعت مانگو پھر اللہ ﷻ آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ  
اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۵ النساء ۶۴)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا میں تم میں سے جس کو بھی حدیث بیان کروں گا ایوب رحمۃ اللہ علیہ اس سے افضل ہوگا پھر فرمایا میں نے اسے دو حج کرتے دیکھا میں اس کو دیکھتا اور سنتا تھا کہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ اتنا روتا کہ مجھے اس پر رحم آجاتا۔ میں نے اس کی یہ بات تو دیکھی سو دیکھی لیکن نبی کریم ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے دیکھا تب میں نے ان سے حدیث لکھی۔

مصعب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا اور خوب جھک جاتے (متواضع ہو جاتے) حتیٰ کہ ان کے مصاحبوں کو گراں معلوم ہوتا۔ ایک دن اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

اگر تم وہ دیکھو جو میں دیکھتا ہوں تو ضرور میرے دیکھے ہوئے کا انکار کرو۔

میں نے محمد بن منذر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ قاریوں کے سردار تھا۔ جب کبھی بھی ہم ان سے حدیث کے بارے میں سوال کرتے تو وہ اتنا روتے کہ ہمیں ان پر رحم آتا۔

بیشک میں نے امام جعفر بن محمد (صادق) رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ انتہائی خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے لیکن جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل کیا جاتا تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور میں نے ان کو کبھی بے وضو حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا۔ میں نے ان کے پاس طویل زمانہ گزارا ہے۔ میں نے ان میں تین خاص عادتیں دیکھیں یا تو وہ نماز پڑھتے ہوتے یا خاموش رہتے تو تلاوت قرآن کریم میں مشغول ہوتے اور وہ بیہودہ بات تو کرتے ہی نہ تھے۔

یہ ان علماء و عباد میں سے تھے جو اللہ ﷻ سے ڈرتے تھے۔

عبدالرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے ہوتے تو ان کے چہرے کا رنگ دیکھا جاتا کہ وہ ایسا ہو گیا کہ گویا اس سے خون نچوڑ لیا گیا ہے اور حضور ﷺ کے ہیبت و جلال سے ان کا منہ اور زبان خشک ہو جاتی اور عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میں آیا کرتا تھا۔ جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک نہ رہتا۔ اور میں نے زہری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ بڑے نرم دل اور ملنسار تھے۔ پس جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ ایسے ہو جاتے گویا کہ نہ تم نے ان کو دیکھا اور نہ انہوں نے تم کو دیکھا۔ اور میں صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا جاتا تھا بلاشبہ وہ عبادت گزار مجتہدین میں سے تھے۔ پس جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا تو رو پڑتے۔ اتنی دیر روتے رہتے کہ لوگ انہیں چھوڑ کر چلے جاتے۔

قنادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب بھی حدیث سنتے تو چیخ مارتے اور گھبرا جاتے تھے۔ اور جب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ بکثرت آنے لگے تو ان سے عرض کیا گیا۔ اگر آپ ایک مستملی بنالیں تو لوگ سننے لگیں۔ مستملی اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنے شیخ سے حدیث سنتا ہے۔ پھر اس کو ایک جماعت کے سامنے پڑھ کر سنا دیتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عز وجل نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ آپ کی حرمت و عزت حیات و وفات میں برابر ہے۔

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ایک ہنس مکھ آدمی تھے۔ لیکن جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کی جاتی تو متواضع ہو جاتے

اور حضرت عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ جب حدیث نبی کریم ﷺ پڑھتے تو خاموش رہنے کا حکم فرماتے اور فرماتے کہ لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ. (پہا الجرات ۲) اس کی تاویل میں کہتے کہ قرأت حدیث کے وقت خاموش رہنا واجب ہے جیسا کہ خود آپ ﷺ سے سننے کے وقت سکوت واجب ہے۔

## تیسری فصل

روایت حدیث کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کا طریقہ

حدیث رسول اللہ ﷺ کی روایت کے وقت اس کی تعظیم و توقیر میں سلف کی یہ عادت ہے کہ

حدیث: عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابن

مسعودؓ کی خدمت میں ایک سال حاضر رہا۔ میں نے نہیں سنا کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ ”رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا۔“ مگر ایک دن حدیث بیان کرتے ہوئے ان کی زبان سے یہ جاری ہو گیا۔ پھر وہ اتنے رنجیدہ ہوئے کہ پیشانی پر پسینہ دیکھا اور وہ ٹپک رہا تھا۔ پھر فرمایا: انشاء اللہ ﷻ ایسا ہی ہے یا اس سے کم و زیادہ یا اس کے قریب قریب۔ (اللہ اللہ یہ روایت میں ادب اور احتیاط ہے۔ مترجم) اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ان کی رگیں پھول گئیں۔

(سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۸۲)

ابراہیم بن عبد اللہ بن قُرَیْمِ النصارى رحمۃ اللہ علیہ قاضی مدینہ منورہ کہتے ہیں کہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ابو حازم رحمہ اللہ پر گزرے کہ وہ حدیث بیان کر رہے تھے سو آپ وہاں سے گزر گئے اور فرمایا کہ میں نے ایسی جگہ نہ پائی کہ بیٹھ سکوں اور اس کو ناپسند کرتا ہوں کھڑے کھڑے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی سماعت کروں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن مسیبؓ کی خدمت میں آیا۔ اس نے ایک حدیث دریافت کی۔ آپ لیٹے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر یہ حدیث بیان کی۔ تب اس شخص نے آپ سے کہا: میری خواہش تو یہ تھی کہ حضرت لیٹے لیٹے ہی حدیث بیان فرما دیتے، اٹھنے کی زحمت نہ فرماتے۔

آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث لیٹے لیٹے بیان کروں۔

اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر وہ ہنس بھی رہے ہوں اس وقت بھی اگر کوئی انہیں حضور ﷺ کی حدیث سنا تا تو معائن کر اور متواضع ہو جاتے۔

ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک بن انسؓ اظہار عظمت و جلال کے لئے وضو کر کے حدیث رسول ﷺ بیان کرتے تھے۔ حضرت مالک بن انسؓ جب کوئی حدیث بیان فرماتے تو وضو کرتے، مودب بیٹھتے اور عمدہ لباس پہنتے، پھر حدیث بیان کرتے۔

مصعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اہتمام کے بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ (گویا بیان حدیث میں جتنا بھی اہتمام و ادب ملحوظ رکھا جائے درحقیقت اس سے عظمت شان رسول ﷺ کا اظہار ہوتا ہے۔ مترجم)

مُطَرِّفِ رَحْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَرَمَاتے ہیں کہ جب لوگ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تو

پہلے آپ کی لوٹڈی (جاریہ) آتی اور ان سے کہتی کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا ہے کہ کیا تم حدیث کی سماعت کرنے آئے ہو یا مسئلہ دریافت کرنے۔ پس اگر وہ کہتے کہ مسئلہ دریافت کرنے آئے ہیں تو آپ فوراً ہی باہر تشریف لے آتے اور اگر وہ کہتے کہ حدیث کی سماعت کرنے آئے ہیں تو آپ پہلے غسل خانہ جاتے، غسل کرتے، خوشبو لگاتے اور عمدہ لباس پہنتے۔ عمامہ باندھتے، پھر اپنے سر پر چادر لپیٹتے، تخت بچھایا جاتا پھر آپ باہر تشریف لاتے اور اس تخت پر جلوہ افروز ہوتے۔ اس طرح پر کہ آپ پر انتہائی عجز و انکسار طاری ہوتا۔ جب تک درس حدیث سے فارغ نہ ہوتے برابر اگر کی خوشبو سلگائی جاتی رہتی۔ دیگر راویوں نے کہا کہ اس تخت پر آپ جب ہی تشریف فرما ہوتے جبکہ آپ کو حدیث رسول ﷺ بیان کرنی ہوتی۔

ابن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: میں اسے بہت محبوب رکھتا ہوں کہ حدیث رسول ﷺ کی خوب تعظیم کروں۔ میں با وضو بیٹھ کر حدیث بیان کرتا ہوں۔ فرمایا: میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ راستہ میں یا کھڑے کھڑے یا جلدی میں حدیث بیان کی جائے اور فرمایا کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو خوب سمجھا کر بیان کروں۔

ضرار بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک بلا وضو حدیث کی قرأت مکروہ ہے، اس طرح قتادہ ؓ سے مروی ہے اور حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب حدیث بیان کرتے۔ اگر بے وضو ہوتے تو تیمم کر لیا کرتے تھے اور حضرت قتادہ ؓ کا یہ حال تھا کہ وہ بلا وضو حدیث بیان ہی نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک ؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا اور آپ حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اس حال میں آپ کے سولہ مرتبہ بچھونے ڈنک مارا۔ (شدت الم سے) آپ کا رنگ متغیر ہو گیا اور چہرہ مبارک زرد پڑ گیا مگر حدیث رسول ﷺ کو قطع نہ فرمایا۔ پس جب آپ مجلس سے فارغ ہوئے اور لوگ چلے گئے تو آپ سے میں نے عرض کیا: اے ابو عبداللہ! آج میں نے ایک عجیب بات دیکھی۔ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے حدیث رسول ﷺ کی عظمت و جلال کی بنا پر صبر کیا۔

ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ (بازار) عقیق گیا۔ راہ میں میں نے آپ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے جھڑکا اور فرمایا: کیا



تم میرے نزدیک اس سے بزرگ تر ہو کہ راستہ میں حدیث رسول ﷺ کو دریافت کرو۔  
اسی طرح ایک مرتبہ آپ سے جریر بن عبد الحمید قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حال میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے تھے تو آپ نے ان کو قید کر دینے کا حکم فرمایا۔ کسی نے آپ سے کہا: یا امام یہ قاضی ہے؟ فرمایا: قاضی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ ہے کہ ہشام بن غازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس حال میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے ہوئے تھے۔ تب آپ نے اس کے بیس (۲۰) ڈڑے (کوڑے) مارے اس کے بعد آپ نے مہربانی فرمائی اور بیس (۲۰) حدیثیں اسے بیان فرمائی۔  
اس وقت ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کاش آپ رحمۃ اللہ علیہ اور زیادہ ڈڑے (کوڑے) لگاتے اور زیادہ حدیث پاک بیان فرماتے یہ مجھے محبوب ہے۔

عبداللہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ دونوں بے وضو حدیث کی کتابت نہیں کرتے تھے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تو حدیث نبوی ﷺ کی بغیر وضو کے نہ قرأت کرتے تھے اور نہ بیان کرتے تھے اور حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو اگر بے وضو ہوتے تو تیمم ہی کر لیتے۔

## چوتھی فصل

اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات کی تعظیم و توقیر

حضور سید عالم ﷺ کی تعظیم و توقیر میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی آل و اولاد اور ازواج و امہات المؤمنین کی تعظیم و توقیر کی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کی ترغیب و تلقین فرمائی ہے اور اسی پر سلف صالحین کا عمل ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ. (پ۲ الاحزاب ۳۳) ناپاکی دور فرمادے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ارشاد ہے:

وَأَزْوَاجَهُ أُمَّهَاتُهُمْ ط

اور ان کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱ الاحزاب ۶)

حدیث: حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو اپنی

اہل بیت کے بارے میں اللہ ﷻ کی قسم دیتا ہوں۔ یہ تین مرتبہ فرمایا (یعنی اہل بیت کی تعظیم تو قیر کرو)۔  
ہم نے زیدؑ سے اہل بیت کی تشریح دریافت کی۔ فرمایا: یہ آل جعفر، آل عقیل اور آل عباسؑ۔

اور حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم اس کو مضبوط پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب اللہ ﷻ اور دوسری میری عترت اہل بیت ہے۔ اب تم غور کرو کہ کس طرح تم ان دونوں کے بارے میں میری نیابت کرو گے۔

(سنن ترمذی کتاب مناقب اہل بیت جلد ۵ صفحہ ۳۲۹-۳۲۸)

حضور ﷺ نے فرمایا: آل نبی ﷺ کی معرفت دوزخ سے نجات اور آل نبی ﷺ سے محبت صراط پر گزرنے میں آسانی اور آل نبی ﷺ کی ولایت کا اقرار عذاب الہی سے حفاظت ہے۔  
بعض علماء فرماتے ہیں کہ آل نبی ﷺ کی منزلت کی معرفت نبی کریم ﷺ کی معرفت و عزت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ جس نے آل نبی ﷺ کی عزت پہچان لی بلاشبہ اس نے ان کی اس عزت و حقوق کی معرفت پالی جو نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الَّذِي تُوْحِيهِ جَاهِلِيَّتِكُمْ لِيُطَهِّرَ الَّذِينَ آمَنُوا فَتَرَى الَّذِينَ يَأْتُونَكَ بِكُلِّ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ  
أَهْلَ الْبَيْتِ. (پ۲ الاحزاب ۳۳) ناپا کی دور فرمادے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ آیت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اتری تھی تو اس وقت حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ایک چادر میں ان کو ڈھانپ لیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور ﷺ کے پس پشت بیٹھے تھے۔ پھر حضور نے یہ دعا کی: اے خدا یہ میری اہل بیت ہے ان سے یہ ریجس (پلیدی) کو دور فرما کر طیب و طاہر بنا دے۔ (سنن ترمذی کتاب مناقب اہل بیت جلد ۵ صفحہ ۳۲۸)  
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ جب آیت مہلبہ اتری تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی، حسن، حسین اور فاطمہؑ کو بلایا اور کہا کہ اے خدا یہ لوگ میرے اہل ہیں

(صحیح مسلم کتاب فضائل علی جلد ۴ صفحہ ۱۸۷)

اور حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؑ کے حق میں فرمایا: جس نے علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دوست رکھا تو علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی اس کے دوست ہیں۔ اے خدا جس نے ان سے دوستی رکھی تو بھی

اس کو دوست رکھ اور جس نے ان سے دشمنی کی تو بھی اسے مبعوض رکھ اور یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں فرمایا:

اے علی کرم اللہ وجہہ الکریم تم سے مسلمان ہی محبت رکھے گا اور منافق ہی تمہارا دشمن ہوگا اور حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان نہ ہوگا یہاں تک کہ تم کو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے دوست نہ رکھے اور جس نے میرے چچا کو ایذا دی یقیناً اس نے مجھے ایذا دی اس لئے کہ چچا کا مرتبہ بمنزلہ باپ کے ہے اور (ایک دن) حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے چچا کل صبح اپنے بچوں کے ساتھ میرے پاس آنا۔ چنانچہ وہ سب آئے اور حضور ﷺ نے ان سب کو اپنی چادر مبارک میں ڈھانپ لیا اور فرمایا: یہ میرے چچا ہیں جو بمنزلہ باپ کے ہیں اور یہ میری اہل ہے اور خدا ان کو آگ سے اس طرح چھپائے رکھے جس طرح میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے۔ اس پر گھر کے درو دیوار نے آمین آمین کہا۔

(اسی طرح) حضور ﷺ اسامہ بن زید اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑتے اور دعا مانگتے: اے خدا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب رکھ۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ جلد ۵ صفحہ ۲۱)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی محبت و تکریم آپ کی اہل بیت میں کرو اور یہ بھی فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی قرابت اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب قریۃ رسول اللہ ﷺ جلد ۵ صفحہ ۱۸ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسر جلد ۲ صفحہ ۱۳۸)

اور حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے حسن رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی اس نے اللہ ﷻ سے محبت رکھی اور یہ بھی فرمایا: جس نے مجھ سے محبت رکھی اس نے ان دونوں (یعنی حسن و حسین رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی اور یہ کہ ان دونوں کے والدین میرے ساتھ میری جگہ پر بروز قیامت ہوں گے۔<sup>۵</sup>

اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے قریش کی بے عزتی کی اللہ ﷻ اس کی بے عزتی

۱۔ مستدام احمد جلد ۱ صفحہ ۱۱۹-۱۱۸

۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۸۶

۳۔ صحیح بخاری کتاب مناقب قریۃ رسول اللہ ﷺ جلد ۵ صفحہ ۱۸

۴۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۳ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۱

۵۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۳ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۱

کرے اور فرمایا: قریش کو آگے بڑھاؤ تم ان سے آگے نہ بڑھو۔ اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دو۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵)

عقبہ بن حرث ؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت ابو بکر ؓ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے کندھوں پر حضرت حسن ؓ سوار ہیں اور حضرت صدیق ؓ فرماتے تھے کہ میرے ماں باپ قربان یہ نبی کریم ﷺ سے مشابہ ہیں اپنے والد علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مشابہ نہیں ہیں اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مسکرا رہے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵)

حضرت عبداللہ بن حسن بن حسین رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی ضرورت سے گیا۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا: جب تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے تو کسی کو میرے پاس بھیج دیا کرو یا خط لکھ دیا کرو کیونکہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ آپ بنفس نفیس خود کسی ضرورت سے میرے دروازہ پر تشریف لائیں۔

شععی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ زید بن ثابت ؓ نے اپنی والدہ کے جنازہ کی صلوٰۃ پڑھی اس کے بعد ان کے پاس ان کا نچر لایا گیا تاکہ وہ اس پر سوار ہو جائیں تو حضرت ابن عباس ؓ نے دوڑ کر اس کی رکاب کو تھام لیا۔ تب حضرت زید ؓ نے فرمایا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد سے چھوڑ دیجئے۔ اس پر حضرت ابن عباس ؓ نے کہا کہ ہم علماء کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔ اس وقت حضرت زید ؓ نے حضرت ابن عباس ؓ کے دست اقدس کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہمیں اہل بیت نبی ﷺ کے ساتھ اسی طرح پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے حضرت محمد بن اسامہ بن زید ؓ کو دیکھا تو کہا:

کاش یہ میرے غلام ہوتے۔ اس وقت کسی نے آپ سے کہا کہ یہ تو محمد بن اسامہ ؓ ہیں۔ تب آپ نے اپنا سر جھکا لیا اور زمین کو ہاتھوں سے کریدنے لگے اور کہا: اگر انہیں رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے تو ضرور محبوب رکھتے۔

صحابی رسول ﷺ حضرت اسامہ بن زید ؓ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں اپنے غلام کا ہاتھ پکڑے پہنچی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس صاحبزادی کے لئے کھڑے ہو گئے اور دوڑ کر ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس بچی (صاحبزادی) کا ہاتھ

۱۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۷۳

۲۔ بزار فضل قریش جلد ۳ صفحہ ۲۹۶

اپنے ہاتھوں میں کپڑا لپیٹ کر تھام لیا اور ان کو ساتھ لے کر اپنی مجلس میں لے آئے اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے اور جو بھی ضرورت تھی اسے پورا فرما دیا۔

(اسی طرح) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لئے تین ہزار (درہم یا دینار سالانہ) اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لئے ساڑھے تین ہزار (درہم یا دینار سالانہ) مقرر فرمائے تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سے کہا: آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا اتنا کیوں زیادہ مقرر فرمایا حالانکہ خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے کسی جنگ میں بھی سبقت نہیں لی ہے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تمہارے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور اسی لحاظ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تم سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔ لہذا میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو اپنے محبوب (فرزند) پر ترجیح دی ہے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۴۰)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ کابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت صوری رکھتے ہیں۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) جب وہ گھر کے دروازہ میں داخل ہوئے اور آپ کے دربار میں پہنچے تو آپ اپنے تخت پر (تعظیم کے لئے) کھڑے ہو گئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور مرغاب کا علاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت صوری کی بنا پر ان کو عنایت فرما دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے جب جعفر بن سلیمان نے کوڑے مارے تھے اور وہ امام پر بہت ناراض ہوا تھا اور آپ کو بے ہوش وہاں سے اٹھا کر لایا گیا تھا۔ جب آپ کو ہوش آیا تو لوگ (مزاج پرسی کے لئے) آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: میں نے اپنے مارنے والے (جعفر بن سلیمان) کو معاف کر دیا۔ کسی نے پوچھا: کیوں آپ معاف فرما رہے ہیں؟

فرمایا: اس لئے کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اگر مجھے موت آگئی اور اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو مجھے شرمندگی ہوگی کہ میری مار کے سبب سے حضور کے کسی قرابتی کو جہنم میں ڈالا جائے۔ (اللہ اکبر یہ عظمت ہے آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ منصور نے امام کا بدلہ جعفر سے لینے کا ارادہ کیا تو امام نے فرمایا: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں واللہ اس کے کوڑوں میں سے جو کوڑا بھی میرے جسم سے ہٹتا تھا میں اسی وقت معاف کر دیتا تھا۔ اس لئے کہ اس کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے۔ حضرت ابوبکر بن عیاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی ضرورت سے تشریف لائیں تو پہلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ضرورت کو پورا

کروں گا کیونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ سے قرابت ہے۔ اگر مجھے آسمان سے زمین پر بھی ڈال دیا جائے تو بھی مجھے یہ محبوب ہوگا کہ ان دونوں پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مقدم رکھوں۔ (اگرچہ مرتبہ کے لحاظ سے شیخین افضل ہیں لیکن قرابت کے لحاظ سے انہیں فوقیت ہے۔ مترجم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا کہ فلاں زوجہ نبی کریم ﷺ انتقال کر گئی ہیں تو آپ نے سجدہ کیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کون سا سجدہ کا وقت ہوا۔ فرمایا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ جب تم کسی نشانی (آیت) کو دیکھو تو سجدہ کرو۔ لہذا زوجہ نبی ﷺ کے انتقال سے بڑھ کر کون سی نشانی ہوگی۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۷۰۶، سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جو کہ رسول اللہ ﷺ کی مولا (باندی) تھیں زیارت کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں زیارت سے نوازا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۹۰)

(اسی طرح) جب دایہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس آئیں تو حضور ﷺ ان کے لئے اپنی چادر بچھاتے اور ان کی ضرورت کو پورا فرماتے۔ جب حضور ﷺ کا وصال ہو گیا اور وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے پاس آئیں تو وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۱۴)

## پانچویں فصل

### صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و تکریم

حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت و تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و توقیر ان کے حقوق کی نگہداشت، ان کی پیروی، خوبی سے ان کو یاد کرنا، ان کے لئے طلب رحمت کرنا، ان کے باہمی تنازعات و اختلافات سے پہلو تہی اور اعراض کرنا اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کرنا ہے اور (اس میں سے یہ بھی ہے کہ) مورخین (کی بے سرو پا) خبریں اور جاہل راویوں، گمراہ رافضیوں، اہل بدعت و ہوا کی وہ خبریں جس میں کسی صحابی کی شان رفیع میں جرح و قدح کی گئی ہے اور ہر وہ بات جو ایسے لوگوں کی طرف سے (بلا تحقیق) منقول ہوں ان سب سے بچنا اور اعتماد نہ کرنا لازم ہے اور (اسی طرح) صحابہ کرام میں جو باہمی تنازعات ہوئے تھے انہیں تاویل حسن اور عمدہ مخرج پر محمول کرنا چاہئے اس لئے کہ صحابہ کرام کی علو مرتبت اسی کی مقتضی اور مستحق ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی کو برائی اور سورتی سے یاد نہ کیا جائے اور نہ کسی پر کوئی عیب و الزام منسوب کیا جائے بلکہ ان کے فضائل و مناقب

حسنت و برکات اور خصائل محمودہ کو یاد کیا جائے اور ان کے سوا دیگر امور سے سکوت و خاموشی اختیار کی جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میرے صحابہ کو (برائی سے) یاد کیا جائے تو خاموش رہو!۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ط وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ  
عَلَى الْكُفَّارِ رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ .  
(پ۲۶ الفتح ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے  
کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔  
(ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوْلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ  
وَالْأَنْصَارِ .  
(پ۱۰۰ التوبہ ۱۰۰)

ایمان میں سب سے پہلے سبقت کرنے والے  
مہاجر و انصار ہیں۔  
(ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ  
يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ .  
(پ۲۶ الفتح ۱۸)

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب  
وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔  
(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدَ اللَّهُ عَلَيْهِ .  
(پ۲۱ الاحزاب ۲۳)

کچھ مرد وہ ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ  
سے کیا تھا۔  
(ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: سیدنا حذیفہ ؓ سے بالاسناد مروی کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء و پیروی کرو اور فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مثال ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے تم راہ یاب ہو جاؤ گے۔

حضرت انس ؓ سے مروی ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کھانے میں نمک کی مثل ہیں کہ کھانا بغیر نمک کے عمدہ ہوتا ہی نہیں اور فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ ﷻ سے ڈرو انہیں اپنی اغراض مشکومہ کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض و عداوت رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی اور جس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی وہ بہت جلد اس کی پکڑ میں آئے گا اور فرمایا:

۱۔ طبرانی کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۴۴

۲۔ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۷۱ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۳۷

۳۔ کشف الاستار جلد ۳

کہ میرے صحابہ کو برا (گالی) نہ دو کیونکہ اگر تم میں سے (جو صحابی نہیں ہے) کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو میرے صحابہ کے ایک مد یعنی دو رطل یا اس کے آدھے کی برابر بھی نہیں پہنچ سکتا اور فرمایا: جس نے میرے صحابہ کو گالی دی تو اس پر اللہ ﷻ کی اور اس کے ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ ﷻ اس شخص کا کوئی فرض و نفل قبول نہ فرمائے گا اور فرمایا:

جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو خاموش رہو اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ ﷻ نے سارے جہان کے لوگوں پر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے علاوہ میرے صحابہ کو فضیلت بخشی ہے۔ پھر ان میں سے میرے لئے چار صحابہ کو منتخب فرمایا۔ وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ میرے صحابہ میں سب سے بہتر ہیں۔ درآنحالیکہ تمام صحابہ ہی بہترین ہیں اور فرمایا: جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی تو اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔<sup>۱</sup>

حضرت مالک ابن انس رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جس نے صحابہ سے دشمنی کی اور انہیں گالیاں دی تو اس کا کوئی حق مسلمانوں کے مال غنیمت میں نہیں ہے اور یہ مسئلہ سورہ حشر کی اس آیت وَالَّذِينَ جَاؤُوا مِن بَعْدِهِمْ سے استخراج کیا اور امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے حضور ﷺ کے صحابہ سے بغض رکھا وہ کافر ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ. (۲۶ الفتح ۲۹) تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس میں یہ دو خصلتیں ہوں گی وہ نجات پا جائے گا ایک صدق (سچائی) دوسری حضور ﷺ کے صحابہ سے محبت۔

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت کی بیشک اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی اس پر سیدھا راستہ کشادہ ہو گیا اور جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی تو وہ اللہ ﷻ کے نور سے مستفیض ہوا اور جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی بلاشبہ اس نے عروہ و قہی (مضبوطی) تمام لی اور جس نے تمام صحابہ کرام کی خوبی کے ساتھ تعریف کی تو وہ نفاق سے بری ہو گیا اور جس نے ان میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص شان کی وہ مبتدع، مخالف سنت اور طریقہ سلف صالح کا دشمن ہے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ ایسے شخص کا کوئی عمل (خیر) آسمان پر صعود نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ تمام صحابہ سے محبت نہ رکھے اور ان سے اس کا دل سالم ہو۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۹۶

۲۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۷ صفحہ ۱۰۳ مسند الفردوس جلد ۵ صفحہ ۱۳

۳۔ مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۶

۴۔ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۶۹



اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں تم بھی ان کو پہچان لو۔ اے لوگو! میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں تم بھی ان سب کو پہچان لو۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمام اہل بدر و حدیبیہ کو بخش دیا ہے۔ اے لوگو! میرے صحابہ، میرے خسر اور میرے داماد کی عزت و احترام کے بارے میں میری نصیحت یاد رکھو۔ ان میں سے کوئی تم سے اپنا ظلم (بدگوئی، لعن طعن وغیرہ کر کے) طلب نہ کرے کیونکہ وہ ظلم ہے جو کل بروز قیامت نہ بخشا جائے گا۔

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۵۷)

ایک شخص نے معاذ بن عمر سے کہا: کہاں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور کہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بوجہ عدل فضیلت ہے) اس پر وہ غصہ ہوئے اور کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ دوسروں کو قیاس مت کرو کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صہر (سالے یعنی زوجہ کے بھائی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے امین تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک جنازہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ نہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض و دشمنی رکھتا تھا لہذا خدا بھی اس سے دشمنی رکھتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں فرمایا: مسلمانو! ان کی برائیاں (لنخزشیں) معاف کر دو اور نیکیاں قبول کر لو اور فرمایا: میرے صحابہ اور سسرال کی عزت و احترام کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کرو جس نے ان کے بارے میں میری نصیحت یاد رکھی اسے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں محفوظ رکھے گا اور جس نے ان کے بارے میں میری نصیحت یاد نہ رکھی تو وہ خدا کی امان سے علیحدہ ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کی امان سے علیحدہ ہوا تو وہ بہت جلد اس کی پکڑ میں آنے والا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس نے میرے صحابہ کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کی تو میں بروز قیامت اس کا محافظ ہوں گا اور فرمایا:

جس نے میرے صحابہ کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کی وہ میرے پاس حوض کوثر پر آئے گا اور جس نے حفاظت نہ کی وہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ آئے گا۔ یہی نہیں بلکہ مجھ دیکھ بھی نہ سکے گا مگر یہ کہ وہ مجھ سے بہت دور ہوگا۔

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ نبی محترم ہیں جو لوگوں کو ادب سکھاتے ہیں اور اللہ ﷺ نے آپ ﷺ کی وجہ سے ہمیں ہدایت دی اور یہ وہ نبی ہیں جو سارے جہان کے لئے رحمت ہیں۔ آدھی رات کو آپ ﷺ تقویٰ کی طرف تشریف لے جاتے ہیں ان کے لئے دعائیں مانگتے اور استغفار کرتے ہیں۔ اس طرح پر جیسے کہ کوئی انہیں رخصت کرتا ہے اور اسی بات کا تو حضور کو اللہ ﷺ نے حکم دیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کی محبت دوستی کا حکم دیا اور حضور ﷺ نے ان سے دشمنی کا حکم دیا جو ان سے دشمنی رکھے۔ (صحیح مسلم کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۶۶۹)

حضرت کعب ﷺ نے خواہش کی کہ آپ بروز قیامت میری شفاعت کریں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۳)

سہیل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص حضور ﷺ کے صحابہ کی عزت و توقیر نہیں کرتا اور آپ ﷺ کے احکام و نصیحت کی عظمت نہیں کرتا اور وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا۔

## چھٹی فصل

آثار و مقامات متبرکہ نبویہ ﷺ کی تعظیم

حضور ﷺ کی عظمت و احترام میں سے یہ بھی ہے کہ جو چیز بھی آپ ﷺ سے منسوب ہو اس کی عزت و عظمت کی جائے۔ آپ ﷺ کی محافل مقدسہ، مقامات معظّمہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مکانات منسوبہ اور ہر وہ چیز جس کو آپ ﷺ نے کبھی چھوا ہو یا جو آپ ﷺ کے ساتھ مشہور ہو گئی ہو ان سب کی تعظیم و توقیر کرنا (اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر واجب ہے)

صفیہ بنت نجدہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ابو مخدورہ رضی اللہ عنہ کے سر کے اگلے بال اتنے دراز تھے جب وہ بیٹھ کر لٹکاتے تو زمین سے لگ جاتے تھے۔ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ تم اسے کٹواتے کیوں نہیں؟ فرمایا: میں اسے ہرگز کٹوانے کے لئے تیار نہیں کیونکہ اسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے چھوا ہے۔

اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند موئے مبارک (بال) تھے جب وہ ٹوپی کسی جہاد میں گر پڑی تو اس کے لینے کے لئے تیزی سے دوڑے۔ جب اس جہاد میں بکثرت صحابہ کرام شہید ہوئے تو لوگوں نے آپ ﷺ پر اعتراض کیا۔ فرمایا: میں نے صرف ٹوپی حاصل کرنے کے لئے اتنی تگ و دو نہیں کی ہے بلکہ اس ٹوپی میں حضور

ﷺ کے موئے مبارک (بال) تھے۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اگر مشرکین کے ہاتھ میں پڑ گئی تو اس کی برکت سے میں محروم ہو جاؤں گا۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۳۹، مستدرک جلد ۳ صفحہ ۲۲۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ حضور ﷺ کے منبر شریف کے اس مقام پر جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے وہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنا ہاتھ رکھتے پھر ان کو اپنے چہرہ پر ملتے۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۲۹)

اسی عظمت مقام کی وجہ سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں جانور پر سوار ہو کر نہ چلتے اور فرماتے کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں سواری کے جانور سے اس ارض مقدس کو پامال کروں جہاں اللہ ﷻ کے رسول ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ بروایت خود آپ ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا جبکہ آپ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سے گھوڑے عنایت فرمائے تو انہوں نے عرض کیا: ایک گھوڑا تو آپ ﷺ اپنے لئے روک لیتے اس کے جواب میں مذکورہ قول فرمایا۔

ابو عبد الرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ احمد بن فضلو یہ زاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوات (جہاد) میں (معروف) تیر انداز تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کمان کو کبھی بغیر وضو نہیں چھوا جب سے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک میں لیا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو بیس کوڑے مارنے اور قید کرنے کا حکم دیا تھا کہ اس نے (معاذ اللہ) یہ کہا تھا کہ مدینہ کی زمین رومی ہے حالانکہ وہ شخص عزت دار تھا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شخص تو گردن مار دینے کے قابل تھا کہ جس مقدس زمین میں حضور ﷺ دفن ہوں وہ اسے پاک (طیب) گمان نہیں کرتا۔

حدیث صحیح میں مروی ہے کہ سرکار ابد قرار رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا: جو شخص اس مقدس سرزمین میں نئی بات (بدعت سیئہ) رائج کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ ﷻ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اس سے کوئی فرض و نفل اللہ ﷻ قبول نہ فرمائے گا۔

ایک روایت ہے کہ ججہ غفاری نے حضور ﷺ کی چھڑی مبارک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اس لئے چھینی کہ اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دے۔ لوگ اس پر چیخ پڑے۔ بالآخر اس کے گھٹنے میں آکلہ پیدا ہو گیا (جب وہ گلنے لگا) تو وہ گھٹنے کا ٹاٹا گیا اور اسی سال وہ مر گیا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے منبر کے پاس کھڑے ہو کر جھوٹی قسم کھائی تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے

اور ابوالفضل جوہری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت مجھے ملی کہ جب وہ زیارت کے لئے مدینہ منورہ

حاضر ہوئے تو آبادی شروع ہوتے ہی سواری سے اتر پڑے اور روتے ہوئے پیدل چلنے لگے۔ اس وقت یہ شعران کی زبان پر جاری تھا۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ يَدْعُ لَنَا فَوَإِذَا لِعِرْفَانِ الرُّسُومِ وَلَا لُبًّا  
جب ہم نے اس ہستی مقدس کے نشانات کو دیکھا جس نے ہمارے عقل و خرد کو نشانات کی معرفت کے لئے نہ چھوڑا۔

نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِي كَرَامَةً لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اَنْ نُّلِمَ بِهِ رُكْبًا  
تو ہم اس محبوب کی بزرگی کی خاطر اپنی سواریوں سے اتر پڑے تاکہ اس سے بچیں جس نے سوار ہو کر زیارت کی اور دربار سے دور کر دیا گیا تھا۔ پاپیادہ چلتے ہیں۔

کسی ایک طالبان حق سے مروی ہے کہ جب وہ مدینہ میں حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھا تو بے ساختہ کہنے لگا۔

رُفِعَ الْحِجَابُ لَنَا فَلَاحَ لِنَاظِرٍ قَمْرٌ تَقَطَّعَ دُونَهُ الْاَوْهَامُ  
ہم سے جب پردہ اٹھایا گیا تو دیکھنے والے کو ایسا چاند نظر آیا جس سے تمام اوہام فنا ہو جاتے ہیں۔

وَإِذَا الْمَطِيئُ بِنَا بَلَّغْنَ مُحَمَّدًا فَظُهُورُهُنَّ عَلَى الرِّجَالِ حَرَامٌ  
جب ہماری سواری کی حضور تک رسائی ہو جائے تو اب کجاووں پر بیٹھنا حرام ہے۔  
قَرَّبْنَا مِنْ خَيْرٍ مَنْ وَطِئَ الثَّرَى فَلَهَا عَلَيْنَا حُرْمَةٌ وَذِمَامٌ  
ہم کو ایسی بارگاہ میں رسائی میسر آگئی جو زمین کے پامال کرنے والوں میں سے سب سے بہتر ہیں تو اب سواریوں کو ہماری جانب سے امن و امان ہو۔

مشائخ کرام سے مروی ہے کہ کسی بزرگ نے پیدل حج کیا۔ کسی نے ان سے وجہ دریافت کی۔ فرمایا: کیا نافرمان یا بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس سوار ہو کر آتا ہے؟ اگر مجھے قدرت ہوتی تو سر کے بل چل کر حاضر ہوتا تاکہ قدموں کے بل۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان مقامات مقدسہ کی بھی تعظیم لازم ہے جہاں وحی قرآنی آیات اور جبریل و میکائیل علیہما السلام وغیرہ اترے ہیں اور وہاں سے فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اور وہ میدان جہاں تسبیح و تقدیس کی آوازیں گونجا کرتی تھیں اور وہ سرزمین مقدس جہاں حضور سید البشر ﷺ نے اوقات عزیزہ گزارے اور وہاں سے دین اسلام اور سنت رسول انام کی تبلیغ و اشاعت ہوئی اور وہ نشانیاں اور مسجدیں جہاں درس دیا جاتا رہا اور نمازیں پڑھی گئیں، فضائل و برکات

اور معاہدہ براہین و معجزات اور دینی احکام و مسائل، مسلمانوں کے لئے شعارِ اسلام، سید المرسلین ﷺ کے قیام پذیر ہونے کے مقامات، خاتم النبیین ﷺ کے وہ منازل و جائے سکونت جہاں سے نبوت کے چشمے جاری ہوئے اور بکثرت فیضان رسالت جہاں میں پھیلے اور وہ مکانات جہاں رسالت کے فیوض و برکات شامل ہیں اور وہ زمین مقدس جو سید عالم ﷺ کے جسم مقدس سے چھو کر سرفراز ہوئی، ان تمام میدانوں کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ وہاں کی خوشبوؤں کی ہوائی جائے ان کے مکانوں، دیواروں کو چوما (بوسہ دیا) جائے۔

يَا دَارَ خَيْرِ الْمُرْسَلِينَ وَمَنْ بِهِ هُدًى الْأَنَامِ وَخُصَّ بِالْآيَاتِ  
اے سید المرسلین کے کاشانہ اقدس اور ہر وہ چیز جو ان سے منسوب ہے جن سے لوگوں نے ہدایت پائی اور وہ معجزات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عِنْدِي لِأَجْلِكَ لَوْعَةٌ وَصَبَابَةٌ وَتَشَوُّقٌ مُسْتَوْقَدُ الْجَمْرَاتِ  
میرے پاس تمہارے لئے سوزش، عشق اور ایسا شوق ہے جس سے چنگاریاں روشن ہیں۔  
وَعَلَىٰ عَهْدٍ إِنْ مَلَأْتُ مَحَاجِرِي مِنْ تِلْكَ الْجُدْرَاتِ وَالْعَرَصَاتِ  
قسم بخدا میں اپنی آنکھوں کو تمہارے ان دیواروں اور میدانوں سے بھریوں گا۔  
لَا عَفْرَنَ مَصُونٍ شَيْبَىٰ بَيْنَهَا مِنْ كَثْرَةِ التَّقْبِيلِ وَالرَّشْفَاتِ  
میں ان مقامات کو کثرت سے بوسہ دے کر اور لپٹ کر اپنی سیاہ داڑھی کو گرد آلود کر لوں گا۔  
لَوْلَا الْعَوَارِي وَالْأَعَادِي زُرْتَهَا أَبَدًا وَلَوْ سَجَبًا عَلَى الْوَجْنَاتِ  
اگر مجھے موانع اور میرے دشمن نہ ہوتے تو میں ہمیشہ ان کی زیارت کرتا۔ اگرچہ میرے رخسار گرد آلود ہو جائیں۔

وَلَكِنْ سَأَهْدِي مِنْ حَفِيلِ تَحِيَّتِي لِقَطِيبِ تِلْكَ الدَّارِ وَالْحُجْرَاتِ  
لیکن میں بہت جلد ان گھروں اور کمروں کے رہنے والوں پر صلوة و سلام کے بکثرت تحفے پیش کروں گا۔

أَرْكِي مِنَ الْمِسْكِ الْمُفْتِقِ نَفْحَةً تَغْشَاءُ بِأَلَا صَالٍ وَالْبُكَرَاتِ  
جو مشک سے زیادہ خوشبو کی لپٹیں مارتی ہوں گی۔ جسے صبح و شام ڈھانک لیں گی۔  
وَتَخُصُّهُ بِزَوَاكِي الصَّلَوَاتِ وَنَوَامِي التَّسْلِيمِ وَالْبَرَكَاتِ  
ان کو پاکیزہ درود اور زیادتی سلام و برکات سے مخصوص کرتی ہیں۔

## چوتھا باب

### درود و سلام کی فرضیت و فضیلت

یہ باب حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کی فرضیت اور اس کی فضیلت کے بیان کرنے میں ہے۔  
اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ  
بیشک اللہ اور اس کے فرشتے اس غیب بتانے والے (نبی) پاک پر درود بھیجتے ہیں۔

(پ۲ الاحزاب ۵۱) (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ﷻ اور اس کے فرشتے نبی پاک ﷺ پر برکت نازل کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ ﷻ نبی پاک پر رحم فرماتا اور اس کے فرشتے دعا کرتے ہیں اور میسرہ ﷺ کا قول ہے کہ صلوٰۃ کے اصل معنی رحم کرنے کے ہیں۔ لہذا آپ ﷺ پر اللہ ﷻ کی جانب سے رحم اور فرشتوں کی طرف سے نرمی اور اللہ ﷻ سے رحمت فرمانے کی استدعا ہے۔

اور حدیث میں ملائکہ کی صلوٰۃ کی تعریف میں وارد ہے کہ وہ شخص جو نماز کے انتظار میں بیٹھے (اس کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں کہ) اے خدا سے بخش دے اے خدا اس پر رحم فرما گویا یہ فرشتوں کی دعا ہے۔  
(صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۴۵۹)

بکر قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی جانب سے صلوٰۃ کے نازل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کے سوا ہیں ان پر رحمت نازل فرماتا ہے اور خاص نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ نازل فرمانا آپ ﷺ کی بزرگی و کرامت میں اضافہ کرنا ہے۔

ابوالعالیہ ﷺ کا قول ہے کہ اللہ ﷻ کی صلوٰۃ یہ ہے کہ مجمع ملائکہ میں حضور ﷺ کی مدح و ثنا کرے اور فرشتوں کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ دعا کریں۔

حضرت قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آپ (خود) پر درود پڑھنے کی تعلیم کی اور حدیث میں لفظ صلوٰۃ اور لفظ برکت کے درمیان فرق فرمایا ہے۔ لہذا یہ دلیل اس امر کی ہے کہ ان دونوں لفظوں کے جداگانہ معنی ہیں۔

اب رعی یہ بات کہ اللہ ﷻ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا کہ وہ آپ ﷺ پر سلام بھیجیں تو اس

بارے میں قاضی ابوبکر ابن بکیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ حضور پر اس آیت کریمہ کے نازل فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ کے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ آپ پر سلام پیش کریں۔ اسی طرح صحابہ کے بعد والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بوقت حاضری قبر انور اور بوقت ذکر حضور ﷺ، آپ پر سلام عرض کریں۔

آپ ﷺ پر سلام عرض کرنے کے معنی میں تین قول ہیں۔

ایک یہ کہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے رفیق پر سلامتی ہو۔ اس معنی میں ”سلامت“ مصدر ہو

گا جیسے لذا اور لذا ذت۔

دوسرا قول یہ کہ سلام کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے محافظین، آپ ﷺ کی رعایت کرنے والوں، آپ ﷺ کے اصحاب اور آپ ﷺ کی کفالت کرنے والوں پر سلام ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے سلام اللہ ﷻ کا نام (اسمائے حسنیٰ میں سے) ہوگا۔

تیسرا قول یہ کہ سلام بمعنی مسامت یعنی آپ ﷺ سے صلح و فرمانبرداری کے ہیں۔ جیسا کہ

اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا

يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (پ النساء ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہیں ہوں گے جب تک اپنے آپس

کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس

سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

## پہلی فصل

### درود شریف کی فرضیت

واضح ہونا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کی الجملہ فرض ہے۔ کسی خاص وقت کے ساتھ

محدود معین نہیں ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر علی الاطلاق درود بھیجنے کا حکم دیا۔

ائمہ و علماء نے اس حکم کو وجوب پر محمول کیا ہے اور اسی پر ان کا اجماع ہے اور ابو جعفر طبری رحمۃ

اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو استحباب پر حمل کر کے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے ممکن

ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ ایک مرتبہ سے زیادہ مستحب ہو چونکہ ایک مرتبہ درود پڑھنے سے بوجہ حرج کے

واجب ساقط ہو جاتا ہے اور وہ گناہ جو ترک واجب و فرض سے لازم آتا ہے وہ صرف ایک مرتبہ ہے

جس طرح حضور ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا (کہ صرف عمر میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا فرض ہے)

اس کے بعد مستحب و محبوب ہے اور اہل اسلام کے شعار و علامات میں سے ہے۔  
 قاضی ابوالحسن بن قضاء رحمۃ اللہ علیہ جو مالکیوں میں مشہور (فقہ ہیں) فرماتے ہیں کہ درود بھیجنانی  
 الجملہ انسان پر واجب ہے اور اس پر فرض ہے کہ اپنی تمام عمر میں باوجود قدرت زیادتی کے ایک مرتبہ  
 آپ ﷺ پر درود پڑھے۔

اور قاضی ابوبکر بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنی تمام مخلوق پر فرض کیا ہے کہ  
 وہ حضور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پیش کریں۔ اس کے لئے کوئی معین وقت لازم نہیں ہے۔ لہذا  
 انسان پر واجب ہے کہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے اور اس سے غفلت نہ برتے۔

قاضی ابو محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فی الجملہ آپ ﷺ پر درود بھیجا واجب ہے۔  
 قاضی ابو عبد اللہ محمد بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب  
 اہل علم وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ فی الجملہ بعد ایمان حضور ﷺ پر درود پڑھنا فرض ہے۔ نماز میں پڑھنے  
 کی تخصیص نہیں ہے۔ کسی نے ایک مرتبہ بھی اپنی تمام عمر میں آپ ﷺ پر درود پڑھ لیا تو فرض اس سے  
 ساقط ہو گیا۔

اور شوافع کا یہ مذہب ہے کہ جس درود شریف کے پڑھنے کا اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ  
 نے حکم دیا ہے وہ صرف نماز میں فرض ہے اور اصحاب شوافع کہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ بالاتفاق واجب  
 نہیں ہے اور امام ابو جعفر طبری اور امام طحاوی رحمہما اللہ وغیرہ نے تمام متقدمین و متاخرین علماء امت کا  
 اجماع نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر تشہد (تعدہ نماز) میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں  
 صرف امام شافعی رحمہ اللہ تنہا ہیں۔ ان کا قول ہے کہ جس نے تشہد کے بعد سلام سے پہلے درود نہ پڑھا  
 اس کی نماز فاسد ہے۔ اگرچہ وہ حضور ﷺ پر اس سے پہلے درود پڑھ چکا ہو پھر بھی جائز نہیں۔ امام شافعی  
 رحمہ اللہ کے اس قول میں نہ تو کسی سلف کا قول ہے اور نہ سنت مروی۔ جس کی پیروی کی جائے۔ اس مسئلہ  
 کے انکار و مخالفت میں متقدمین کی ایک جماعت نے مبالغہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ متقدمین کے  
 برخلاف ہے۔ ان میں سے طبری اور قشیری رحمہما اللہ وغیرہ ہیں۔

ابوبکر بن منذر رحمہ اللہ کا قول ہے جو نماز پڑھے اس پر نماز میں حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا  
 مستحب ہے اور جس نے نماز میں درود شریف کو چھوڑ دیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل کوفہ وغیرہ کے  
 مذہب میں نماز ہو جائے گی اور یہی مذہب تمام اہل علم کا ہے۔

حضرت امام مالک اور سفیان رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ آخری تشہد میں مستحب ہے اور اگر اس  
 نے چھوڑ دیا تو گناہ گار ہوگا۔ صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا منفرد قول ہے کہ نماز میں چھوڑنے والے پر



نماز کا اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے اور اسحق رحمۃ اللہ علیہ قصداً چھوڑنے والے پر اعادہ واجب بتاتے ہیں نہ کہ بھول کر چھوڑنے والے پر۔

ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ محمد بن مواز رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا فرض ہے اور ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم فرائض نماز میں سے نہیں ہے۔ اسے محمد بن عبد الحکیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا اور ابن قسار و عبد الوہاب رحمہما اللہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن مواز رحمۃ اللہ علیہ نماز میں درود کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فرض خیال کرتے ہیں۔ اور ابو یعلیٰ عبدی رحمۃ اللہ علیہ مالکی مذہب کے تین قول بیان کرتے ہیں۔

1. وجوب 2. سنت اور 3. مستحب۔

شواہح میں سے خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اور دیگر علماء نے اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نماز میں درود واجب نہیں ہے اور یہی قول تمام فقہاء کا ہے بجز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ میرے علم میں نہیں کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی پیشوا ہو۔ اب رہی اس کی دلیل کہ یہ فرائض نماز میں سے نہیں ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے تمام سلف صالحین کا عمل اور ان کا اجماع ہے۔ بلاشبہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر لوگوں نے خوب مخالفت میں شدت برتی ہے اور وہ تشہد جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ ہے جسے ان کو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا تھا۔ مگر ان کی روایت میں حضور ﷺ پر درود پڑھنے کا ذکر نہیں ہے اسی طرح ہر وہ تشہد کی روایت جو حضور ﷺ سے مروی ہے مثلاً روایت حضرت ابو ہریرہ ابن عباس جابر ابن عمر ابو سعید خدری ابو موسیٰ اشعری اور عبد اللہ زبیر رضی اللہ عنہم میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح سورۃ قرآنی سکھاتے تھے۔ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر اس طرح ہمیں تشہد سکھاتے تھے جس طرح بچوں کو کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر تشہد کو سکھایا اور ایک حدیث میں ہے کہ اس کی نماز نہیں جس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔ اس روایت کو تمام محدثین نے

۱۔ صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۰۱-۳۰۲ سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵۹۷-۵۹۸

۲۔ متدرک کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۶ للبیہقی کتاب الصلوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲

۳۔ سنن ابن ماجہ کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴۰ دارقطنی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۵۵ سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ متدرک کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۶

ضعیف بتایا ہے۔

ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میری اہل بیت پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہ کی جائے گی۔  
دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح قول وہ ہے جو ابو جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر میں ایسی نماز پڑھوں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت پر درود نہ پڑھوں تو یقیناً میرے نزدیک ایسی نماز پوری نہ ہوگی۔

## دوسری فصل

وہ مواقع جہاں درود شریف مستحب ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا جہاں مستحب ہے اور جس کی ترغیب دی ہے اب ان مواقع کو بیان کیا جاتا ہے۔ اول مقام تو تشہد ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے کہ یہ تشہد کے بعد دعا سے پہلے ہے۔

حدیث: فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص نے اپنی نماز میں دعائمانگی مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس نے درود نہ پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی پھر اسے بلایا اسے اور دوسروں کو تعلیم فرمائی کہ جب تم نماز پڑھو تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع کرو پھر مجھ پر درود پڑھو اس کے بعد جو چاہو دعائمانگو۔ دوسری سند میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمجید سے شروع کرو یہی سند صحیح ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۶۲، سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۱۸، سنن نسائی کتاب الصلوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۴۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دعا اور نماز آسمان و زمین کے مابین معلق رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس وقت تک باریاب نہیں ہوتی جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی کتاب جلد ۱ صفحہ ۳۰۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے ہم معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ“ بھی کہا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ دعا اس وقت تک محبوب (پردے میں) رہتی ہے جب تک دعائمانگنے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو اسے چاہئے کہ پہلے اس کی شان جلال و کبریائی کے مطابق اس کی حمد و ثنا کرے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر

درود پڑھے اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے کیونکہ اس کے بعد سزاوار ہے کہ وہ جو مانگے قبول ہو۔

(مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے سوار کے پیالے کی مانند بناؤ کہ سوار اپنے پیالے کو پانی سے بھرتا ہے پھر اسے رکھتا ہے اور سامان اٹھاتا ہے۔ جب اسے پانی کی حاجت ہوتی ہے تو اس سے پیتا ہے وضو کرتا ہے ورنہ اسے پھینک دیتا ہے لیکن مجھے تم اپنی دعا کے اول و آخر اور درمیان میں رکھو۔ (یعنی تین مرتبہ درود پڑھو) (مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۵)

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دعا کے ارکان پر سامان اور اوقات ہیں پس اگر دعا ارکان کے موافق ہوئی تو قوی ہوگی اور اگر پروں کے موافق ہوئی تو آسمان کی طرف اڑ جائے گی اور اگر وقتوں کے موافق ہوئی تو کامیاب ہو جائے گی اور اگر اسباب کے موافق ہوئی تو کمال تک پہنچ جائے گی۔ دعا کے ارکان حضور قلب رقت سکون و قرار خشوع اور اللہ ﷻ کے ساتھ دلی لگاؤ ہے اور اسباب و علائق سے قطع تعلق ہے اور اس کے پر صدق و سچائی اور اس کے اوقات صبح اور اس کے اسباب نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ دو (۲) درودوں کے درمیان کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر ایک دعا آسمانوں میں محبوب (پڑے میں) رہتی ہے جب وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو دعا بھی ساتھ ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ دعا جسے حنظل رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی جس کے آخر میں

اَسْتَجِبْ دُعَائِي (میری دعا قبول فرما) ہے اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر یہ درود ہے کہ اَنْ تُصَلِّيَ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُولِكَ اَفْضَلُ مَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ اَجْمَعِينَ اٰمِيْنُ۔

آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے مواقع اور مقامات میں سے یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کا ذکر کرے یا آپ ﷺ کا اسم مبارک سنے یا لکھے یا اذان سنے (تو درود پڑھے)

حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل و رسوا ہو) جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی کتاب جلد ۵ صفحہ ۲۱۰)

ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ جانور کے ذبح کرتے وقت نبی کریم ﷺ کے ذکر کر مکروہ جانتے ہیں اور سخون رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب کے وقت درود پڑھنے کو مکروہ کہا ہے اور کہا کہ حساب و کتاب اور ثواب کی نیت سے ہی درود شریف پڑھا جائے۔

اصبح رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہا: دو مقام ایسے ہیں جہاں بجز ذکر الہی کے کچھ نہ کہا جائے۔ ایک وقت ذبح دوسرے چھینک کے بعد۔ ان دونوں جگہوں پر ذکر الہی کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ نہ کہا جائے اور اگر ذکر الہی کے بعد ”صلی اللہ علی محمد“ کہا تو اللہ ﷻ کے نام کے ساتھ اس درود کا ذکر نہ ہوگا۔ (یعنی بوقت ذبح غیر خدا کا نام لینا ثابت نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں ذبح تسمیہ کے ساتھ ہی حلال ہوگا اور یہ اضافہ بہ نیت تقریب الہی ہوگا جو مکروہ نہیں ہے۔ مترجم) اس روایت کو اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کہا: یہ سزاوار نہیں کہ بوقت ذبح یا چھینک کے ابتداء میں حضور ﷺ پر درود پڑھے۔ (اس صورت میں ابہام و فساد کا خطرہ ہے) نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث بیان کی کہ بروز جمعہ کثرت سے درود شریف بھیجنے کا حکم دیا۔

(اسی طرح) درود و سلام کے بھیجنے کے مواقع میں سے دخول مسجد ہے۔ ابوالفتح بن شعبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس شخص کو لائق ہے (چاہئے) کہ جب مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجے اور آپ ﷺ کی آل پر رحمت و برکت کا خواستگار ہو اور آپ ﷺ کی آل پر سلام عرض کرے پھر کہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (اے خدا میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے نکلے تو اسی طرح کرے کیونکہ مسجد کو اللہ ﷻ نے اپنے فضل و رحمت کا مقام گردانا ہے۔

عمر بن دینار رضی اللہ عنہما سی آ یہ کریمہ

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى  
اَنْفُسِكُمْ. (پ۱۸ النور۱۶)

(ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہو: اَلسَّلَامُ عَلٰى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ  
اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ  
وَبَرَكَاتُهُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں بیوت (گھروں) سے مراد مسجدیں ہیں اور نخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب مسجد میں کوئی نہ ہو تو کہو: ”اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ اور جب گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو: ”اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ“  
علقہ سے مروی ہے کہ جب میں مسجد میں جاتا ہوں تو کہتا ہوں: ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ  
اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ صَلَّى اللّٰهُ وَمَلَائِكَتُهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ“ اسی طرح کعب رضی اللہ

سے مروی کہ جب مسجد میں داخل ہوتے یا نکلتے تو یہ کہتے مگر درود بھیجنے کا اس میں ذکر نہیں ہے۔

ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ نے جو ذکر کیا ہے تو ان کی دلیل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے ایسا ہی کرتے اور اسی کی مثل ابو بکر بن عمرو بن حرم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ انہوں نے سلام و رحمت کا ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کو ہم نے آخری قسم میں بیان کر کے لفظوں کے اختلاف کو ظاہر کیا ہے۔

مقامات درود میں سے جنازہ کے ساتھ درود پڑھنا بھی ہے۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کا مسنون ہونا ثابت ہے اور انہی مقامات درود میں سے وہ مقامات جن پر امت کا عمل برابر چلا آ رہا ہے اور کسی نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجنے کا انکار نہیں کیا۔ مثلاً رسالوں اور کتابوں میں بسم اللہ کے بعد درود کے صیغے لکھنے کا تعال (عمل) ہے۔ حالانکہ یہ عمل صدر اول میں نہ تھا بنی ہاشم کے دور حکومت کے وقت سے رائج ہوا۔ اس کے بعد تمام روئے زمین پر یہ عمل پھیل گیا اور انہیں سے یہ ہے کہ رسالوں کتابوں کے اختتام پر بھی درود لکھا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک میرا نام اس کتاب میں ہے فرشتے برابر ہمیشہ اس لکھنے والے کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔ (اللَّهُمَّ مُتَعَنِّمِينَ هَذَا الْفَضِيلَةَ) اور مقامات درود میں سے نماز میں تشہد کے بعد حضور ﷺ پر درود پڑھنا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بالاسناد حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہے: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ آخِرَتِكَ لِعَنِي وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ. جب تم یہ پڑھو گے تو اس کی وہ رحمت جو آسمان و زمین کے ہر نیک بندے کے لئے ہے اسے ملے گی۔ سلام کے مواقع میں سے یہ ایک موقع ہے اور سنت یہ ہے کہ یہ تشہدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ سے پہلے کہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ وہ یہ اس وقت پڑھا کرتے جب وہ تشہد سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرنے کا قصد کرتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ”مبسوط“ میں اسے مستحب رکھا کہ ایسا ہی قبل سلام بھی دوبارہ پڑھے۔ محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کی مراد وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ دونوں سلام پھیرنے سے پہلے السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا کرتے تھے۔

اہل علم اسے مستحب جانتے ہیں کہ بوقت سلام انسان آسمان وزمین کے ہر صالح بندے خواہ وہ فرشتے ہوں، بنی آدم ہوں یا جن ہوں سب کی نیت کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ”مجموعہ“ میں فرمایا: میں مقتدی کے لئے مستحب جانتا ہوں کہ جب اس کا امام سلام کہے تو وہ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہے۔

## تیسری فصل

دروود شریف کی کیفیت اور اس کے کلمات

☆ حضور اکرم ﷺ پر صلوة و سلام کس طرح پیش کرے۔ چنانچہ

حدیث: ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے بالا سند مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ پر ہم کس طرح درود بھیجیں؟ فرمایا: یوں کہو ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ“ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، سنائی، بحوالہ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۳۹)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت جو حضرت ابوسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یوں کہو ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ“ اور سلام وہی ہے جیسا کہ تم کو سکھایا گیا ہے۔

اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ“

اور حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ. (ابوداؤد کتاب الصلوة جلد ۱ صفحہ ۶۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدِ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ اور اس کے معنی بیان کئے۔

حدیث: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بالا سند مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان کلمات کو رسول اللہ ﷺ

نے میرے ہاتھ میں شمار کرایا اور ارشاد فرمایا: ان کو جبریل علیہ السلام نے میرے ہاتھ میں شمار کرایا اور فرمایا کہ اسی طرح یہ رب العزت علیہ السلام کی جناب سے نازل ہوئے۔ وہ یہ کہ ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَي مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ. اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ. اللَّهُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ. اللَّهُمَّ وَتَحَنَّنْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ. اللَّهُمَّ وَسَلِّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ.“

(سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۰۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اس سے خوش ہو کہ اسے پورا ناپ (ثواب) دیا جائے جب وہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود پڑھے تو چاہئے کہ یہ پڑھے:

”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَي مُحَمَّدٍ نِ النَّبِيِّ وَأَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَي إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ“

اور زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ پر کس طرح درود بھیجیں تو فرمایا: درود پڑھو اور دعا میں خوب کوشش کرو پھر کہو: اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَي مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَي إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ

سلامہ کنڈی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا یوں سکھایا:

اللَّهُمَّ دَاخِي الْمَدْحُوتِ وَبَارِي الْمَسْمُوكَاتِ اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِي بَرَكَاتِكَ وَرَأْفَةَ تَحَنُّنِكَ عَلَي مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ الْفَاتِحِ لِمَا أُغْلِقُ وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَالْمُعَلِّنِ الْحَقِّ بِالْحَقِّ وَالذَّمَّاعِ لِحَيْشَاتِ الْآبَاطِيلِ كَمَا حَمَلْ فَاضْطَلَعَ بِأَمْرِكَ لِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزًا فِي مَرْضَاتِكَ دَاعِيًا لِرُوحِيكَ حَافِظًا لِعَهْدِكَ مَا ضِيًا عَلَي نِفَادِ أَمْرِكَ حَتَّى أُرَى قَبْسًا لِقَابِسِ الْآءِ اللَّهُ تَصِلُ بِأَهْلِهِ أَسْبَابُهُ بِهِ هُدَيْتِ الْقُلُوبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْإِثْمِ وَأَبْهَجَ مُوضِحَاتِ الْأَعْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْأَحْكَامِ وَمُنِيرَاتِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ وَخَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُونُ وَشَهِيدُكَ يَوْمَ الدِّينِ وَيُعِينُكَ بِعَمَّةٍ وَرَسُولُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً اللَّهُمَّ

أَفْسَحْ لَهُ فِي عَدْنِكَ وَأَجْزُهُ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ مُهْنَاتٍ لَهُ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ  
مِنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَحْلُولِ وَجَزِيلِ عَطَائِكَ الْمَعْلُولِ اللَّهُمَّ اَعْلِ بِنَاءَ النَّاسِ بِنَاءَهُ  
وَأَكْرِمْ مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَنُزْلَهُ وَاتِمِّمْ لَهُ نُورَهُ وَأَجْزِهِ مِنْ ابْتِعَاتِكَ لَهُ مَقْبُولِ الشَّهَادَةِ  
وَمَرْضَى الْمَقَالَةِ ذَامِنَطِقِ عَدْلِ وَخُطَّةِ فَضْلِ وَبُرْهَانِ عَظِيمِ.

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے میں یہ بھی منقول ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا  
تَسْلِيمًا لَيْتَ لَكَ اللَّهُمَّ رَبِّي وَسَعْدِيكَ صَلَواتُ اللَّهِ الْبَرِّ الرَّحِيمِ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ  
وَالنَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ  
الْعَالَمِينَ عَلَى مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ  
وَرَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الشَّاهِدِ الْبَشِيرِ الدَّاعِي إِلَيْكَ بِإِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيرِ وَعَلَيْهِ  
السَّلَامُ.

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَواتِكَ

وَبَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدِ  
عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَرَسُولِ الرَّحْمَةِ. اللَّهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامَ مُحَمَّدًا يُغِطُهُ فِيهِ  
الْأَوْلُونَ وَالْآخِرُونَ. اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى  
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى  
إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ. (سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳)

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ چاہے کہ حوض مصطفیٰ ﷺ سے

پورا پیالہ پئے تو وہ یہ پڑھے: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَوْلَادِهِ  
وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِبَيْتِهِ وَأَصْهَارِهِ وَأَنْصَارِهِ وَأَشْيَاعِهِ وَمُحِبِّيهِ وَأُمَّتِهِ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ  
أَجْمَعِينَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ پڑھا کرتے

تھے کہ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ رَا الْكُبْرَى وَارْفَعْ دَرَجَةَ الْعُلْيَا وَاتِّهِ سُوْلَهُ فِي الْآخِرَةِ  
وَالْأُولَى كَمَا آتَيْتَ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى.

وہب بن ورو رحمۃ اللہ علیہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے: اللَّهُمَّ اَعْطِ مُحَمَّدًا اَفْضَلَ مَا

سَأَلْتَ لِنَفْسِهِ وَأَعْطِ مُحَمَّدًا اَفْضَلَ مَا أَنْتَ مُسْتَوِلٌ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ.



حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرو تو بہترین درود پڑھا کرو۔ تم نہیں جانتے کہ کون سا درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جائے؟

یوں کہو: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَامَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّنَ مُحَمَّدِ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَرَسُولِ الرَّحْمَةِ. اَللّٰهُمَّ اَبْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَغِيْطُهُ فِيْهِ الْاَوْلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

اور اہل بیت اطہار وغیرہ سے بڑی بڑی طول و طویل درودیں اور بکثرت تعریفیں منقول ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ وہ سلام پڑھو جو تمہیں سکھایا گیا ہے تو اس سے تشہد میں وہ سلام مراد ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا یہ کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ.

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تشہد میں یوں آیا ہے: السَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّ اللَّهِ السَّلَامُ عَلٰى اَنْبِيَاءِ اللَّهِ وَرُسُلِهِ السَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللَّهِ السَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ مَنْ غَابَ مِنْهُمْ وَمَنْ شَهِدَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِمُحَمَّدٍ وَتَقَبَّلْ شَفَاعَتَهُ وَاغْفِرْ لِاهْلِ بَيْتِهِ وَاغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدِيْ وَمَا وَاَلَدٌ وَارْحَمْهُمَا السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعائے مغفرت آئی ہے اور اس سے پہلے درود کی حدیث میں بھی انہیں کی حدیث میں دعائے رحمت وارد ہے لیکن ان کے علاوہ کسی مشہور مرفوع حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

ابو عمر بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعائے رحمت نہیں مانگنی چاہئے بلکہ آپ کے لئے صرف اس درود و برکت کی دعا مانگنی چاہئے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے۔ البتہ دوسروں کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا مانگنی چاہئے۔

ابو محمد بن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی حدیث میں ذکر کیا کہ اَللّٰهُمَّ اِرْحَمْ مُحَمَّدًا وَاٰلَ مُحَمَّدًا كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ لِيَكُنْ يَهْ بِبَاتٍ بَعْضُهَا صَحِيْحٌ حَدِيْثٌ فِيْهَا نَبِيْ اَتَى. اس کی دلیل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حدیث سلام ہے کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

## چوتھی فصل

### درود و سلام کی فضیلت

حضور اکرم ﷺ پر درود و سلام اور دعا کی فضیلت یہ ہے کہ

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جب مؤذن کی اذان سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی وہی کہو اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اس پر اللہ ﷻ کی دس رحمتیں ہوں گی۔ پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک درجہ ہے جو صرف بندگان خدا میں سے کسی ایک کو حاصل ہوگا۔ میں خواستگار ہوں کہ وہ میں ہی ہوں تو جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگی تو اس پر شفاعت حلال ہو گئی۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۸۹، سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ ﷻ اس پر دس رحمتیں فرمائے گا اور اس سے دس گناہ محو (معاف) کر کے اسے دس درجے بلند کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(مستدرک کتاب الدعاء جلد ۱ صفحہ ۵۵۰، سنن نسائی کتاب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ جلد ۳ صفحہ ۵۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی کہ جس نے آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ ﷻ اس پر دس (رحمتیں) فرمائے گا اور دس درجے اسے بلند کرے گا۔ (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۱)

اور ایک روایت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے مجھ سے ملاقات کر کے کہا: میں آپ ﷺ کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے جس نے آپ ﷺ پر سلام پیش کیا میں اس پر سلامتی نازل کروں گا اور جس نے ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجا میں اس پر اتنی ہی رحمت نازل کروں گا۔ (مستدرک کتاب الدعاء جلد ۱ صفحہ ۵۵۰)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ مالک بن اوس بن حدثان عبد اللہ بن ابی طلحہ زید بن حبیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقْرَبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔

(تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ بروز قیامت میرے نزدیک لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہوگا جس نے مجھ پر بکثرت درود بھیجا۔  
(سنن ترمذی کتاب الطوع جلد ۱ صفحہ ۲۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک اس کتاب میں میرا نام رہے گا برابر فرشتے اس کے لکھنے والے کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔  
(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۳۶)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے مجھ پر درود بھیجا تو فرشتے اس پر اس وقت تک طالب رحمت رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے اب چاہے بندہ کم بھیجے یا زیادہ۔  
(سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۴، مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۴۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب چوتھائی رات گزر جاتی تو کھڑے ہو کر فرماتے: اے لوگوذکر الہی کرو فتنہ و فساد کا وقت آ گیا اور اس کے پیچھے علامات قیامت ظاہر ہو گئیں۔ موت اپنی تکلیفوں کے ساتھ آگئی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجتا ہوں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے لئے کتنا وقت مقرر کر لوں؟

فرمایا: جتنا تم چاہو۔ عرض کیا: چوتھائی؟

فرمایا: جتنا چاہو اگر تم اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: تہائی؟

فرمایا: جتنا چاہو اگر اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: دو تہائی؟

فرمایا: جتنا چاہو اگر اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں اپنا تمام وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے لئے وقف کرتا ہوں۔

فرمایا: اس وقت تمہیں کفایت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(سنن ترمذی کتاب جلد ۲ صفحہ ۵۳)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر ایسی رونق و بشارت دیکھی کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا تو فرمایا: مجھے ایسی مسرت سے کون روک سکتا ہے۔ بیشک ابھی ابھی جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور وہ میرے رب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خوشخبری لائے۔ کہا کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیک وسلم کی طرف مجھے بھیجا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہر وہ شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اس پر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے فرشتے دس گنا رحمت فرمائیں گے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے سماعت اذان کے بعد پڑھا: اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ ابِ مُحَمَّدًا نِ الْوَسِيْلَةِ وَالْفَضِيْلَةِ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا نِ الَّذِي وَعَدْتَهُ. اس کے لئے بروز قیامت میری شفاعت حلال ہوگی۔

(سنن نسائی باب الفضل فی الصلوة علی النبی ﷺ جلد ۳ صفحہ ۱۵۰ ابن حبان جلد ۲ صفحہ ۱۳۳)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی جس نے سماعت اذان کے بعد کہا: ”وَ اَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ وَاَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا.“ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوة جلد ۱ صفحہ ۲۹۰)

حضرت ابن وہب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے دس مرتبہ مجھ پر سلام عرض کیا تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا۔ (الترغیب والترہیب)

بعض حدیثوں میں مروی ہے کہ میری بارگاہ میں کچھ ایسے لوگ پیش ہوں گے کہ میں انہیں مکثرت درود کی بنا پر جو اتہوں نے مجھ پر پڑھا پہچان لوں گا۔ (کشف الغمہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ بروز قیامت اس کی سختیوں اور اس کی شدتوں سے نجات پانے والا تم میں سے وہی ہوگا جس نے مجھ پر بکثرت درود بھیجا ہوگا۔ (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳ سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے سے گناہ اس طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح ٹھنڈے پانی سے (پیاں یا آگ بجتی ہے) اور آپ ﷺ پر درود بھیجنا غلام آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَسَلَامُهُ. (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳ سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

## پانچویں فصل

درود و سلام نہ بھیجنے والے کی مذمت اور گناہ

جس نے نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجا اس کی برائی اور گناہ یہ ہے کہ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل و رسوا ہو) کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس کی ناک خاک آلود ہو کہ ماہ رمضان آیا پھر وہ اس کے گناہ بخشائے بغیر گزر جائے (یعنی اس نے عمل خیر نہ کئے) اور اس کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین کے بڑھاپے کو پایا پھر وہ اسے جنت میں داخل کئے

بغیر چلے جائیں۔ (سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۲۱۰)  
 حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غالباً حضور ﷺ نے والدین میں سے کسی ایک کے لئے فرمایا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ پھر جب دوسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ پھر جب تیسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ فرمایا کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا:

اے محمد صلی اللہ علیک وسلم جس کے سامنے آپ ﷺ کا نام اقدس لیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے پھر وہ مر جائے تو اللہ ﷻ اسے جہنم میں داخل کرے گا اور اسے اپنے سے دور کر دے گا۔ آپ فرمائیں آمین۔ اور کہا کہ جس نے رمضان المبارک پایا اور اس نے اس سے کچھ حصہ نہ لیا پھر وہ مر گیا۔ پھر ویسا ہی کہا (آخر میں) کہا کہ جس نے والدین کو یا کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت نہ کی پھر وہ مر گیا آگے وہی کہا۔ (یعنی آپ کہیے آمین) (مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۶)

حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت فرمائی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۱۶۳)  
 حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے روایت کی۔ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو اسے جنت کا راستہ بھلا دیا جائے گا۔

(مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۳، القول البدیع)  
 حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک پورا بخیل وہ ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے پھر وہ اس سے پہلے کہ خدا کا ذکر کریں اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے بغیر اٹھ جائیں تو ان پر خدا کی طرف سے کوئی ذمہ نہیں چاہے وہ عذاب کرے یا انہیں بخش دے۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۱۲۹ متدرک کتاب الدعوات جلد ۱ صفحہ ۴۹۶)  
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جو مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا تو اللہ ﷻ اسے جنت کا راستہ بھلا دے گا۔ (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳، الاحزاب ۵۶)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے کہ کسی شخص کے

سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (عبدالرزاق فی جامعہ کمانی منائل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۰۵)  
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے سے پہلے جدا ہو جائے تو مردار کی بدبو اس کے ساتھ جاتی ہے۔

(تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳، الاحزاب ۵۶)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جو قوم مجلس میں بیٹھے اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے تو ان پر حسرت ہوگی اگرچہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں جب وہ اس کے ثواب کو دیکھیں گے۔

(تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳، الاحزاب ۵۶)

حضرت ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل علم سے نقل کر کے کہا جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ مجلس میں درود پڑھ لے تو جب تک وہ اس مجلس میں بیٹھے اسے اتنا ہی کافی ہے۔

## چھٹی فصل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصیت سے درود پیش ہوتا ہے

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مخلوق میں سے جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔ چنانچہ

حدیث: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس کرتا ہے پھر میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب الناسک جلد ۲ صفحہ ۵۳۲، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۵۱۸)

حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور کہا کہ ارشاد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میری قبر انور کے پاس سلام عرض کرتا ہے اسے خود سماعت کرتا ہوں اور جو دور سے بھیجتا ہے اسے پہنچایا جاتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں تاکہ وہ

میرے حضور میری امت کا سلام پہنچائیں۔ (سنن نسائی جلد ۳ صفحہ ۴۳، مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۸۷)

اسی کی مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جمعہ کے

دن تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے سلام عرض کرو۔ کیونکہ وہ تمہاری جانب سے ہر جمعہ کو (خصوصیت کے ساتھ) پیش کیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جو بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اس وقت اس کی فراغت کے بعد فوراً میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔  
(جامع صغیر للسبیوطی صفحہ ۲۰۶)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تم جہاں بھی ہو وہیں سے مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے حضور پہنچتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو کوئی درود و سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش ہوتا ہے۔ (ابن راہویہ فی منہ کمانی منائل الصفاء صفحہ ۲۰۶)  
بعض علماء نے بیان کیا۔ بندہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کا نام بھی پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے کاشانہ اقدس کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ۔  
تم مجھ پر درود بھیجو جہاں بھی تم ہو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن درود کی خوب کثرت کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

سلیمان بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یہ لوگ حاضر ہوتے ہیں اور آپ پر سلام عرض کرتے ہیں۔ کیا حضور ان کے سلام کو پہچانتے ہیں؟ فرمایا: ہاں اور انہیں سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ ہمیں یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَيْسَ مِنَ الزُّهْرَاءِ اَوْ رِيَوْمِ الْاَزْهَرِ (یعنی جمعرات اور جمعہ) کو خوب کثرت سے مجھ پر سلام بھیجا کرو کیونکہ یہ دونوں تمہاری طرف سے مجھ کو پہنچتے ہیں اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو زمین نہیں کھا سکتی۔ جو مسلمان بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس اس کے نام کے ساتھ لاتے ہیں یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ایسا ایسا عرض کیا ہے۔

## ساتویں فصل

غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجنے کا مسئلہ  
علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں پر اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود

بھیجنا چاہئے یا نہیں؟

قاضی عیاض بتوفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عام علماء حضور ﷺ کے سوا دوسروں پر بھی درود بھیجنے کے جواز پر متفق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ وہ حضور کے سوا دوسروں پر درود بھیجنے کو ناجائز گردانتے ہیں اور ان میں سے یہ بھی مروی کہ انبیاء کے سوا کسی پر درود بھیجنا مناسب نہیں ہے۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی پر درود بھیجنا مکروہ ہے بجز نبی کے اور بعض مشائخ کے خط میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب پایا کہ وہ بجز سید عالم ﷺ کے کسی پر بھی درود بھیجنے کو جائز نہیں بتاتے۔ حالانکہ یہ مذہب ان کا مشہور نہیں ہے۔ بلاشبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ”مبسوط“ میں یحییٰ بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ نبیوں کے سوا دوسروں پر درود بھیجنے کو مکروہ جانتا ہوں اور ہمیں یہ سزاوار نہیں کہ جو حکم دیا گیا ہے اس سے تجاوز کریں۔ یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں اس قول پر عامل نہیں۔ انہیں کوئی مضائقہ نہیں کہ تمام نبیوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر درود بھیجا جائے۔ انہوں نے حجت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث پیش کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے آپ پر درود بھیجنے کی تعلیم دی ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کی ازواج اور آپ کی آل کا بھی ذکر ہے اور میں نے ابو عمران فارسی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق روایت پائی کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کے سوا دوسروں پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔<sup>۱</sup> کہا کہ ہم یہی کہتے ہیں گزشتہ لوگوں کا اس پر عمل نہ تھا۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجو<sup>۲</sup> کیونکہ اللہ ﷻ نے انہیں بھی ایسا ہی مبعوث فرمایا ہے جیسے مجھے مبعوث کیا۔

محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو سندیں مروی ہیں وہ ضعیف ہیں حالانکہ صلوٰۃ (درود) کے معنی زبان عرب میں رحم چاہنے اور دعائے ننگے کے ہیں اور یہ مطلق ہے جب تک کہ کوئی صحیح حدیث یا اجماع مانع نہ ہو اور بلاشبہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ

وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے

(۲۲ الاحزاب ۴۳) فرشتے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

۱۔ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۶ الاحزاب ۵۶

۲۔ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۶ الاحزاب ۵۶

۳۔ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۵۷



اور ارشاد ہوا:

خُدْمِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ  
وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ.  
اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل  
کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کرو اور ان  
(پا التوبہ ۱۰۳) کے حق میں دعائے خیر کرو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ  
وَرَحْمَةٌ. ف  
یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں  
(پا البقرہ ۱۵۷) اور رحمت۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ﷻ ابو اؤلیٰ کی آل پر رحمت فرما اور جب کوئی قوم  
آپ کی بارگاہ میں صدقہ لاتی تو فرماتے: اے اللہ ﷻ فلاں کی آل پر رحمت فرما اور حدیث صلوة (درود)  
میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ اور دوسری حدیث میں ہے کہ  
وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

بعض علماء نے فرمایا کہ ”ال“ سے مراد آپ ﷺ کے تمام پیروکار ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ  
آپ ﷺ کی تمام امت (مستجاب) ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے تبعین جماعت اور قبیلہ مراد ہے۔  
کسی نے کہا کہ مرد کی آل اس کی اولاد ہے اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کی قوم مراد ہے اور ایک قول یہ  
ہے کہ آپ ﷺ کی وہ اہل مراد ہے جس پر صدقہ کھانا حرام ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے  
کہ کسی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ”الِ مُحَمَّدٍ“ کون ہیں؟ فرمایا: ہر متقی پر ہیزگار۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں آئے گا کہ ”ال محمد“ سے مراد خود حضور  
ﷺ کی ذات اقدس ہے کیونکہ حضور ﷺ خود اپنے پر درود میں پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ  
صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔ اس سے مراد اپنی ذات اقدس ہوتی تھی۔ اس لئے  
کہ حضور فرض کو چھوڑا نہ کرتے اور نفل کو بجالاتے تھے۔ کیونکہ فرض تو وہ ہے جس کا اللہ ﷻ نے حکم دیا وہ  
تو خود حضور کی اپنی ذات پر درود پڑھنا ہے۔ یہ فرمان خود حضور ﷺ کے قول کے موافق ہے کہ (آپ نے  
حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے فرمایا کہ) یقیناً آل داؤد الطیبین کی لحن میں سے انہیں کچھ حصہ لحن عطا  
فرمایا گیا۔

اس جگہ آل داؤد الطیبین سے خود حضرت داؤد الطیبین کی ذات مراد ہے۔

ابو حمید ساعدی رحمۃ اللہ علیہ کی درود والی حدیث میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن جلد ۶ صفحہ ۱۶۱ صحیح مسلم کتاب السافرن جلد ۱ صفحہ ۵۳۶

وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود بھیجا کرتے تھے۔ اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ”موطا“ میں ذکر کیا جو کہ یحییٰ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ہے اور اس کے سوا دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا مانگا کرتے تھے اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم اپنے اصحاب کے لئے غائبانہ دعا مانگا کرتے اور کہتے کہ اے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے فلاں شخص پر اس قوم اَبْرَازِ (نیک) کی رحمتیں (درودیں) بھیجے جو راتوں کو قیام کرتے اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔

قاضی (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ اقوال ہیں جن کی طرف علماء محققین گئے ہیں اور میرا رجحان اس قول کی طرف ہے جسے امام مالک اور سفیان رحمہما اللہ نے کہا اور وہ حدیث وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور بکثرت فقہاء و متکلمین کا مذہب مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی دوسرے پر ان کے ذکر کے وقت درود نہ پڑھا جائے بلکہ درود و سلام انبیاء علیہم السلام کی عزت و توقیر کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کے ذکر کے وقت تزییہ تقدیس اور تعظیم خاص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک و سہیم نہیں۔ ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام نبیوں کے ساتھ صلوة و سلام کی خصوصیت واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

(پ۲ الاحزاب ۵۶) (ترجمہ کنز الایمان)

انبیاء علیہم السلام کے سوا جو ائمہ وغیرہ ہیں ان کو غفران و رضوان کے ساتھ یاد کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتا ہے:

يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ. عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے

(پ۲۸ الحشر ۱۰) ایمان لائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ لَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ. اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی۔ (پ۱۱ التوبہ ۱۰۰) (ترجمہ کنز الایمان)

نیز یہ بات صدر اول میں معروف و مشہور نہ تھی بلکہ یہ روافض و شیعہ کی نوا ایجاد ہے جو بعض ائمہ کے لئے کرتے ہیں لہذا وہ ان کے ذکر کے وقت صلوة و سلام میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا شریک و مساوی بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہ بدعتیوں کی مشابہت ہے جس کی

شریعت میں ممانعت ہے۔ اس بارے میں ان کے اس لزوم کی مخالفت واجب ہے۔ البتہ آل وازواج کا ذکر روڈ میں نبی پاک ﷺ کے ساتھ آپ کے اتباع و اضافت میں کر سکتے ہیں نہ کہ مستقلاً خصوصیت کے ساتھ۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جن پر صلوة استعمال فرمایا ہے تو وہ دعا کے قائم مقام اور ان پر توجہ خاص کے لئے ہے نہ کہ اس سے ان کی تعظیم و توقیر مراد تھی۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ  
بَعْضِكُمْ بَعْضًا  
رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا جو جیسا  
تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(۱۸ النور ۶۳)

لہذا اس لحاظ سے بھی حضور ﷺ کے لئے دعا کے الفاظ ایک دوسرے کی دعا کے الفاظ سے مخالف و مغائر ہونا واجب ہے۔ یہ مذہب مختار امام ابوالمظفر اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو ہمارے مشائخ میں سے ہیں۔ اسے ابو عمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

## آٹھویں فصل

### قبر انور کی زیارت کا حکم اور زائر کی فضیلت

حضور اکرم ﷺ کے قبہ خضراء (بزگنبد) کی زیارت کا حکم اور زائر حرم نبوی ﷺ کی فضیلت اور وہاں حاضر ہو کر کس طرح سلام دعا عرض کرنا چاہئے تو واضح ہو کہ روضہ انور کی زیارت کرنا تمام اہل اسلام کے لئے طریقہ مسنون ہے اس پر سب کا اجماع ہے اس میں ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے کہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بہ نیت ثواب مدینہ منورہ میں میری زیارت کی تو وہ میری پناہ میں ہوگا اور بروز قیامت میں اس کا شفیع ہوں گا۔

(بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۲۵)

دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات ظاہری میں زیارت کی۔

(سنن دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی یہ کہے ہم نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔

اس (مکروہ جاننے) کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نام کی کراہت ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک میں ہے۔ اللہ ﷻ قبروں کی زیارت کرنے والوں پر لعنت کرے۔ حالانکہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد خود حضور ﷺ کے اس ارشاد سے منسوخ ہے کہ فرمایا کہ تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا گیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”جس نے میری قبر کی زیارت کی۔“ تو حضور ﷺ نے خود اسم زیارت کا اطلاق فرمایا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس لئے مکروہ ہے کہ یوں کہا جاتا ہے کہ زائر نے جس کی زیارت کی اس سے افضل ہوتا ہے۔ یہ بات بھی کچھ نہیں ہے اس لئے کہ ہر زیارت کرنے والا اس صفت کا نہیں ہوتا اور نہ یہ عام قاعدہ ہے۔ بلاشبہ جنتیوں کی حدیث میں آیا ہے کہ اہل جنت اپنے رب ﷻ کی زیارت کریں گے۔ لہذا زیارت کے لفظ کا اطلاق جناب باری کے لئے کہیں ممنوع نہیں۔

ابو عمر ان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے طواف زیارت اور زیارت قبر نبی ﷺ کو اس لئے مکروہ کہا کہ عام لوگ ایک دوسرے کے لئے باہمی استعمال کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی عام لوگوں کے ساتھ ایسے لفظوں میں بھی برابری کرنا مکروہ ہے۔ لہذا مستحب یہ ہے کہ خاص طور پر یوں کہا جائے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کیا۔

ایک وجہ کراہت یہ بھی ہے کہ عام لوگوں کی زیارت کرنا مباح ہے لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ کی طرف رخت سفر باندھنا سوار یوں کو لے جانا واجب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مراد وجوب سے وجوب استحباب ترغیب اور تاکید ہے نہ کہ وجوب بمعنی فرض کے اور میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ زیارت کو منع کرنا اور مکروہ فرمانا قبر نبی ﷺ کی طرف اضافت اور نسبت کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ ”ہم نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی ہے۔“ تو اسے وہ مکروہ نہ فرماتے۔

کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے اللہ ﷻ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ میرے بعد اس کی عبادت کرنے لگیں۔ اللہ ﷻ کا اس قوم پر بڑا غضب ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو

۱۔ سنن ترمذی کتاب الجناز جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۳۷۔ ۳۵۶ جلد ۳ صفحہ ۳۳۲

۲۔ صحیح مسلم کتاب الجناز جلد ۲ صفحہ ۶۷۲

مسجد میں بنا لیا یعنی ان کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ اس بنا پر امام نے اس لفظ کی نسبت کو قبر کی طرف کرنے اور ان لوگوں کی مشابہت کے ذریعہ کو منقطع کرنے اور اس دروازے کو بند کرنے کے لئے مکروہ بتایا۔ واللہ اعلم۔

اسحق بن ابراہیم فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ ہمیشہ سے مسلسل جاری ہے کہ جو حج کا ارادہ رکھے وہ مدینہ منورہ ضرور جائے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا قصد کرے اور آپ ﷺ کے روضہ انور، منبر، قبر شریف، مجلس اور جہاں جہاں آپ ﷺ کے دست اقدس نے مس فرمایا اور جہاں آپ کا قدم شریف پہنچا اور وہ ستون جس سے آپ ﷺ تکیہ لگایا کرتے اور جہاں جبریل علیہ السلام آپ پر وحی لاتے اور وہ لوگ جو وہاں آباد ہیں اور جنہوں نے وہاں کا قصد کیا۔ صحابہ کرام اور ائمہ مسلمین وغیرہ ان سب کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرے اور ان سب سے نصیحت حاصل کرے۔

ابن ابی ندیک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بعض ان علماء سے جن سے ملا ہوں سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی قبر انور کے پاس کھڑا ہو یا یہ کریمہ پڑھے کہ **اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِيِّ**۔ (پ۲ الاحزاب ۵۲) پھر کہا: **اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ** اور اسے ستر مرتبہ کہا تو فرشتہ اسے خبردار کرتا ہے کہ اے فلاں شخص تجھ پر اللہ ﷻ کی رحمت ہو تیری کوئی حاجت ضائع نہ جائے گی۔

یزید بن ابوسعید مہری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ جب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو جب رخصت ہونے لگا تو آپ نے فرمایا: تم سے میری ضرورت ہے وہ یہ کہ جب تم مدینہ منورہ حاضر ہو تو بہت جلد روضہ نبوی ﷺ پر حاضر ہو کر میری طرف سے سلام عرض کرنا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صرف سلام عرض کرانے کے لئے مستقلاً شام سے قاصد بھیجا کرتے تھے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے وہاں ٹھہرے اور دونوں ہاتھ اٹھائے میرا خیال ہے کہ انہوں نے صلوٰۃ و سلام عرض کیا۔ پھر وہ چلے گئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا۔ جب نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کرو اور دعا مانگو تو قبر شریف کے سامنے آپ کے چہرہ انور کے مواجہ کی جگہ کھڑے ہو قبلہ کی طرف کھڑے نہ ہو اور قریب ہو کر سلام عرض کرو اور آپ ﷺ کی قبر مبارک کو اپنے (گنہگار) ہاتھ سے نہ چھوؤ (کہ یہ ادب کے خلاف ہے)۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ”مبسوط“ میں فرمایا: میں اسے مناسب خیال نہیں کرتا کہ قبر نبی

ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر دعائے مانگے لیکن وہ سلام عرض کرے اور گزر جائے۔

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ نبی کریم ﷺ کے مولجہ (کی جگہ) کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ اس قذیل کو جو قبر شریف کے پاس قبلہ کی جانب ہے اپنے سر کے اوپر رکھے۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سومرتبہ دیکھا کہ وہ قبر انور کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے: السَّلَامُ عَلَي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، السَّلَامُ عَلَي أَبِي بَكْرٍ، السَّلَامُ عَلَي أَبِي. اس کے بعد وہ واپس چلے جاتے۔

(بھٹی فی الحج جلد ۵ صفحہ ۲۲۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا ہے کہ وہ منبر شریف کی اس جگہ پر جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے۔ وہ اپنا ہاتھ رکھتے پھر اپنے چہرہ پر مس کرتے۔ ابن قسیط اور عثیم رحمہما اللہ سے مروی کہ حضور کے صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ جب وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے منبر کے اس کنارہ (کنکرہ) کو جو قبر انور کے قریب ہے اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ اس کے بعد قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگا کرتے تھے۔ ”موطا“ میں بروایت یحییٰ بن یحییٰ لیشی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر نبوی ﷺ کے پاس کھڑے ہوتے پھر حضور ﷺ پر اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود بھیجتے۔

ابن قاسم اور قطبی رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعائے مانگتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ابن وہب رضی اللہ عنہما کی روایت میں فرماتے ہیں کہ سلام عرض کرنے والا کہے۔ ”السَّلَامُ عَلَيكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ اور ”مبسوط“ میں فرمایا کہ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کرے۔ قاضی ابوالولید باجی رحمہ اللہ نے کہا کہ میرے نزدیک نبی کریم ﷺ کے لئے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے لفظ صلوة سے دعائے مانگے۔ جیسا کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں خلاف وارد ہے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب مسجد نبوی میں داخل ہو تو بسم اللہ پڑھ کر کہو۔

وَسَلَامٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَبِّنَا وَصَلَّى اللَّهُ وَمَلَائِكَتُهُ عَلَي مُحَمَّدٍ أَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَجَنَّتِكَ وَاحْفَظْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ.

اس کے بعد روضہ مطہرہ کی طرف متوجہ ہو وہ قبر و منبر کے درمیان ہے۔ وہاں پہلے دو رکعت

(حجۃ السجد) پڑھے یہ مولجہ شریف میں کھڑے ہونے سے پہلے ہے۔ ان میں اللہ ﷻ کی حمد کرے پھر اپنی وہ تمام حاجتیں خدا سے مانگے جس کے لئے نکلا ہے اور اس پر اس کی مدد مانگے۔ اگر یہ دور کعتیں روضہ

شریف کے علاوہ کسی اور جگہ مسجد میں ہوں تو مضائقہ نہیں۔ مگر روضہ شریف میں افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ (روضہ) ہے۔<sup>۱</sup>

پھر مواجہ شریف میں تو واضح وقار کے ساتھ کھڑا ہو اس کے بعد حضور ﷺ پر درود بھیجے اور جتنا ہو سکے آپ ﷺ کی تعریف و ثناء بیان کرے اور سلام کرے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے لئے دعائے گنہگار پڑھے۔ پھر رات دن اکثر اوقات میں مسجد نبوی میں درود شریف پڑھے۔ مسجد قبا اور قبور شہداء کی زیارت کو نہ چھوڑے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ”موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ“ میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کرے جب مدینہ منورہ میں داخل ہو یا نکلے یا وہاں رہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب مدینہ سے باہر نکلنے کا قصد ہو تو سب سے آخر میں مواجہ شریف میں کھڑا ہو اسی طرح مسافرین کریں جب وہ واپس لوٹیں۔

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود بھیجو اور کہو: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَاَفْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب مسجد سے نکلو تو تب بھی مجھ پر درود پڑھ کر کہو: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَاَفْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ مِنْ فَضْلِكَ اور ایک اور روایت میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ۔<sup>۲</sup>

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے تو کہتے: صَلَّى اللّٰهُ وَمَلَائِكَتُهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَلْسَلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ بِاسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ دَخَلْنَا وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا اور جب وہ نکلتے تو اس کے مثل کہتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے پڑھتے صَلَّى اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَلْسَلَامُ کے بعد وہی الفاظ مذکور ہیں جو پہلے حدیث فاطمہ رضی اللہ عنہا میں گزرے اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ ﷻ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھی اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا اور اسی کے مثل ذکر کیا اور ایک روایت میں ہے کہ ”بِسْمِ اللّٰهِ وَ اَلْسَلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ“<sup>۳</sup> ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَيَسِّرْ لِيْ اَبْوَابَ رِزْقِكَ۔<sup>۴</sup>

۱۔ مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۸

۲۔ سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱۸ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعت جلد ۱ صفحہ ۲۵۴

۳۔ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعت جلد ۱ صفحہ ۲۵۴ (۴)۔ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۲۸۳

۵۔ سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۷ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعت جلد ۱ صفحہ ۲۵۴

۶۔ سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۷

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور کہے: **اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي**

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ”مبسوط“ میں فرمایا کہ اہل مدینہ کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ جب بھی وہ مسجد میں داخل ہوں تو مواجہ شریف میں کھڑے ہوں۔ یہ تو مسافروں کے لئے لازم ہے۔ اس میں یہ بھی کہا کہ جو شخص سفر سے آئے یا سفر کے لئے نکلے تو اسے مضانقہ نہیں کہ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر درود پڑھے اور دعا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے۔

کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اہل مدینہ نہ تو سفر کرتے ہیں اور نہ سفر سے آتے ہیں لیکن ہر روز ایک مرتبہ یا اکثر ایسا کرتے ہیں اور بسا اوقات جمعہ کے دن ضرور مواجہ شریف میں حاضری دیتے ہیں یا کئی دنوں میں ایک یا دو مرتبہ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے اور ایک گھڑی تک دعا مانگتے ہیں۔ فرمایا: مجھے یہ بات کسی فقیہہ مدینہ سے نہیں پہنچی۔ اس کا ترک بہتر ہے۔ اس امت کے آخری لوگ جب ہی درست ہو سکتے ہیں جب کہ پہلے والے اپنی اصلاح کی درستگی کر لیں اور مجھے اس وقت کے صدر اول کے لوگوں سے یہ بات نہیں پہنچی کہ وہ ایسا کرتے تھے لہذا یہ مکروہ ہے بجز اس کے کہ وہ سفر سے آئے یا سفر کے لئے نکلنے کا ارادہ کرے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ جب سفر کو نکلتے یا سفر سے داخل ہوتے ہیں تو مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ کہا کہ یہ ایک رائے ہے۔ باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اہل مدینہ اور مسافروں کے درمیان فرق ہے کیونکہ مسافر تو اسی ارادہ سے آتے ہیں اور اہل مدینہ وہاں کے مقیم ہیں۔ انہوں نے مواجہ شریف میں حاضر ہونے کے لئے سفر نہیں کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اسے پوجیں۔ اس قوم پر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت غضب ہے۔ جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے اور فرمایا کہ میری قبر کو عید بھی نہ بنانا (کہ سال میں صرف ایک مرتبہ حاضر ہو گئے یا یہ کہ حاضری پر اترانے لگو۔ مترجم)

احمد بن سعید ہندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ جو شخص مواجہ شریف میں کھڑا ہو تو نہ اسے چومے اور نہ لپٹے اور نہ زیادہ دیر کھڑا ہو (کہ یہ ادب کے خلاف ہے) اور ”تحتیہ“ میں ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کے بعد سلام عرض کرنے سے پہلے دو گانہ پڑھے اور نوافل پڑھنے کے لئے بہترین جگہ مصلیٰ نبوی ہے اور وہ ستون ہے جو مزین ہے اور فرض نمازوں میں سب سے اگلی صف افضل ہے اور مسافروں کے لئے گھر میں نفل پڑھنے سے مسجد میں نفل پڑھنا مستحب ہے۔



## نویں فصل

### مسجد نبوی شریف کی فضیلت و آداب

مسجد نبوی میں داخل ہونے اور وہاں نماز پڑھنے کے وہ آداب و فضیلت جو اس سبق کے سوا ہیں اور مسجد مکہ، قبر انور اور منبر شریف کا ذکر اہل مدینہ و مکہ کی فضیلت یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَمَسْجِدٍ أُسَسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ط  
بے شک وہ مسجد کہ پہلے دن ہی سے جس کی بنیاد پر ہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم (پا التوبہ: ۱۰۶) اس میں کھڑے ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ کون سی مسجد ہے؟ فرمایا: یہ میری مسجد۔ یہ قول ابن مسیب، زید بن ثابت، ابن عمر، مالک بن انس ﷺ وغیرہ کا ہے۔

حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی کہ وہ مسجد قبا ہے۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۸ التوبہ: ۱۰۸)

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی کہ وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تین مسجدوں کے سوا کسی کے لئے رختِ سفر نہ باندھو۔ ایک مسجد حرام، دوسری یہ مسجد نبوی، تیسری مسجد اقصیٰ ہے۔ (اس سے مطلقاً سفر یا کسی بزرگانِ دین کے عرس یا حضور سید عالم ﷺ کے روضہ کی زیارت کے لئے خصوصیت کے ساتھ سفر کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ ہر اس سفر کی ممانعت ہے جو ان تین کے سوا نیتِ عبادت سے سفر کیا جائے روضہ مقدسہ اور اعراس اولیاء وغیرہ کے لئے سفر بہ نیتِ عبادت نہیں ہوتا بلکہ زیارت کے لئے ہوتا ہے جو مستحب ہے مترجم غفرلہ)

اس سے پہلے ہم دخولِ مسجد کے وقت صلوة و سلام پڑھنے کے متعلق احادیث بیان کر چکے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے: اَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔<sup>۱</sup> امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کسی کی آواز سنی تو بولنے والے کو بلایا۔ پوچھا: تم کس قبیلہ کے ہو؟ کہا: قبیلہ ثقیف سے ہوں۔ فرمایا: اگر تم مکہ و مدینہ کی بستی کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا بلاشبہ ہماری ان مسجدوں میں آواز بلند کرنے کا حکم نہیں ہے۔<sup>۲</sup>

۱۔ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۵ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۱۶

۲۔ سنن ابوداؤد کتاب المناسک جلد ۲ صفحہ ۵۲۹ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۱ صفحہ ۱۰۱۲ صحیح بخاری باب فضل الصلوة فی مسجد مکہ و المدینہ جلد ۱ صفحہ ۵۳

۳۔ سنن ابوداؤد کتاب الصلوة جلد ۱ صفحہ ۳۱۸

۴۔ صحیح بخاری کتاب الصلوة جلد ۱ صفحہ ۳۵

محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ مسجد میں قصداً آواز بلند کی جائے یا ایسی اذیت رساں کوئی چیز لائی جائے جس سے لوگ نفرت کرتے ہوں۔

قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ "مبسوط" کے باب فضل مسجد نبوی میں فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم باقی تمام مسجدوں کے لئے بھی ہے۔ قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نمازیوں کو اتنی بلند آواز سے پکارنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو مکروہ ہے۔ اس طرح کے پکارنے میں کسی خاص مسجد کی خصوصیت نہیں۔ مسجد جماعت میں بلند آواز سے لبیک پکارنا بھی مکروہ ہے سوائے مسجد حرام اور مسجد منیٰ کے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا مسجد حرام کے سوا تمام مسجدوں سے ایک ہزار نمازوں سے زیادہ افضل ہے۔<sup>۱</sup>

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا اس استثناء کے معنی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف مکہ و مدینہ کی باہمی فضیلت کے سلسلہ میں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت میں جو اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بیان کی ہے اور اسے ان کے شاگرد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کے اصحاب کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ایک نماز تمام مسجدوں سے بجز مسجد حرام کے ایک ہزار گنا افضل ہے کیونکہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا مکہ میں نماز پڑھنے سے ہزار سے کم افضل ہے۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں کی نسبت سو درجہ افضل ہے۔ (مسند حمیدی جلد ۲ صفحہ ۴۲۰)

گویا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنی نو سو درجے مکہ کی مسجد میں نماز سے افضل ہوئی اور دوسری مساجد کی نسبت ہزار نماز کے برابر ہوئی۔ یہ قول اس پر مبنی ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ یہی قول سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر اہل مدینہ کا ہے۔

لیکن اہل مکہ و کوفہ کا مذہب مسجد مکہ کی فضیلت پر ہے اور یہی قول عطاء بن وہب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور اسے ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے اور اوپر کی حدیث کے استثناء کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔

(جو علماء یہ کہتے ہیں کہ) مسجد حرام میں نماز افضل ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل بیان کیا ہے۔<sup>۲</sup> اس میں یہ ہے کہ مسجد

۱۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵۴ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۲

۲۔ مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۳۹۷-۳۹۸، بحار، جلد ۳ صفحہ ۷۲

حرام میں نماز پڑھنا میری اس مسجد سے سو درجے افضل ہے اور قتادہ رضی اللہ عنہ اسی کی مثل روایت کیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا بہ نسبت اس کے باقی تمام مساجد سے ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی قبر انور کی جگہ روئے زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے (بلکہ کعبہ و عرش سے بھی افضل ہے کذا فی الشرح مترجم)

قاضی ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حدیث کا اقتضاء یہ ہے کہ مسجد مکہ تمام مساجد سے حکم میں مختلف ہے۔ اس سے اس کا حکم مدینہ کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ یہ تفصیل (فضیلت) صرف فرض نماز میں ہے اور مالکیوں میں سے مطرف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ تفصیل نوافل میں بھی ہے، کہا کہ وہاں کے جمعہ کا ثواب دیگر مقامات کے جمعہ اور وہاں کے رمضان کا ثواب دوسری جگہ کے رمضان سے افضل ہے۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں رمضان مبارک اور دیگر عبادات کی فضیلت کے بارے میں اسی کے مثل ایک حدیث بیان کی ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے حجرہ شریفہ اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے مروی کہ انہوں نے اتنا زیادہ کیا کہ میرا منبر میرے حوض پر واقع ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میرا منبر جنت کے درجوں میں سے ایک درجہ پر ہے۔

طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ بیت (گھر و حجرہ) سے مراد وہ ہے جہاں آپ ﷺ سکونت پذیر رہے اور یہ ظاہر معنی ہیں باوجودیکہ مروی ہے جو حدیث میں بیان ہوا کہ ”میرے حجرے اور میرے منبر“ دوسرے معنی یہ کہ بیت سے مراد قبر انور ہے۔ یہ قول زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کا ہے جیسا کہ اس حدیث میں مروی کہ ”میری قبر اور میرے منبر کے درمیان اس کے بعد طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب کہ آپ ﷺ کی قبر انور آپ ﷺ کے گھر میں ہے تو ساری روایتیں متفق ہوئیں۔ ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ رہا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی قبر انور آپ ﷺ کے حجرہ شریفہ میں ہے جو کہ آپ ﷺ کا گھر تھا۔ اب رہا حضور ﷺ کا ارشاد کہ ”میرا منبر میرے حوض پر ہے۔“ ایک قول کی بنا پر مسکن ہے کہ آپ ﷺ کا بعینہ وہ منبر جو دنیا میں ہے مراد ہو اور یہ زیادہ ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں

۱۔ مجمع الرواۃ جلد ۳ صفحہ ۱۴۵

۲۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۲ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۱۰۱

۳۔ موطا امام مالک باب جاء فی مسجد النبی ﷺ صفحہ ۱۶۰

۴۔ موطا امام مالک باب جاء فی مسجد النبی ﷺ صفحہ ۱۶۰

پر منبر ہوگا۔ تیسرے یہ کہ حضور کے منبر کی طرف قصد کرنا اور اس کے سامنے یا متصل اعمال صالحہ کی بجا آوری کے لئے حاضر ہونا یہ حوض پر لے آئے گا اور اس سے پانی پینا واجب کر دے گا۔

باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ”رَوْضَةٌ مِّن رَّيَاضِ الْجَنَّةِ“ میں دو معنی کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ وہ دخول جنت کو واجب کرتا ہے اور یہ کہ اس جگہ دعا مانگنا نماز پڑھنا اس ثواب کا مستحق کر دیتا ہے جو مروی ہے کہ ”جنت تکواریوں کے سایہ میں ہے۔“ دوسرے یہ کہ اللہ ﷻ بعینہ یہ بقعہ طاہرہ جنت میں منتقل فرمادے گا جیسا کہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت صحابہ سے مروی کہ

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص مدینہ کی سختیوں پر صبر کرے گا میں اس کا بروز قیامت گواہ یا شفیع ہوں گا اور حضور ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جو مدینہ سے چلا گیا تھا کہ درحقیقت مدینہ ہی ان کے لئے بہتر تھا۔ اگر انہیں معلوم ہوتا اور فرمایا: مدینہ بھٹی کی مثل ہے جو میل و گند کو جلاتی ہے اور طیب و طاہر بناتی ہے اور فرمایا: مدینہ سے کوئی خوشی و رغبت سے نہیں نکلے گا لیکن اللہ ﷻ اس سے بہتر شخص کو وہاں لے آئے گا اور حضور ﷺ سے مروی کہ جو شخص دونوں حرم میں سے کسی ایک میں حج یا عمرہ کرتا ہو امر گیا اللہ ﷻ روز قیامت بلا حساب و کتاب و عذاب اٹھائے گا۔ دوسری سند سے ہے کہ وہ بروز قیامت مامون لوگوں میں مشہور ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی جو اس کی استطاعت رکھتا ہے کہ مدینہ میں وہ مرے تو وہیں اسے مرنا چاہئے کیونکہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وَضِعَ لِلنَّاسِ الْذِي بِبَكَّةَ بِشَكِّ پھلا وہ گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ مُبَارَكًا (إِلَى قَوْلِهِ) آمِنًا. (پ۱ ال عمران ۹۷-۹۶) مبارکہ میں ہے (آخر آیت تک) (ترجمہ کنز الایمان)

بعض مفسرین نے فرمایا: نار جہنم سے وہ محفوظ رہے گا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص جس نے حرم سے باہر آگ کو طلب کیا اور جہالت کے زمانہ کی نئی باتیں پیدا کیں اور اس کی طرف پناہ لے گیا۔ یہ اللہ ﷻ کے اس قول کے مثل ہے کہ

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمِّنًا. اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع (پ۱ البقرہ ۱۲۵) اور امان بنایا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ بعض کا قول ہے۔ منقول ہے کہ کچھ لوگ سعدون خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مقام مُنَسْتَجِبٍ میں آئے اور اسے بتایا کہ قبیلہ کتامہ نے ایک آدمی کو مار ڈالا اور اسے جلا دیا۔ وہ ساری رات جلتا رہا مگر اس پر آگ کا کچھ اثر نہ ہوا اس کا بدن ویسا ہی سفید رہا۔ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شاید اس نے تین

حج کئے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ جس نے ایک حج کیا اس نے اپنا فرض ادا کیا اور جس نے دو حج کئے اس نے اپنے رب کو قرض دیا اور جس نے تین حج کئے تو اللہ ﷻ اس کے بالوں اور بدن کو آگ پر حرام کر دے گا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف نظر مبارک ڈالی تو فرمایا: تجھے ایک گھر ہونے کی وجہ سے مرحبا تیری کتنی بڑی عظمت ہے تیرا کتنا بڑا احترام ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۹۲)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو بھی اللہ ﷻ سے رکن اسود کے نزدیک دعا مانگے گا اسے ضرور قبول فرمائے گا۔

اسی طرح میزاب (پرنالہ) کے پاس ایک حدیث حضور ﷺ سے مروی ہے کہ جس نے مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بروز قیامت مامون و محفوظ لوگوں میں حشر ہوگا۔

فقیر قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی حافظ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی کہ

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے جو بھی دعا اس ملتزم کے پاس مانگی وہ ضرور قبول ہوگی۔

(سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے ملتزم کے پاس جو بھی دعا مانگی ہے وہ قبول ہوئی ہے۔ حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سنا اس مقام پر جو بھی دعا مانگی وہ قبول ہوئی۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت سنی اس مقام پر جو بھی دعا مانگی وہ مقبول ہوئی اور حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے جب سے یہ سنا تو وہاں جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی اور محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے حمیدی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو ملتزم کے پاس جو دعا مانگی قبول ہوئی اور ابوالحسن محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو وہاں جو دعا مانگی قبول ہوئی۔ ابواسامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ حسن بن رشیق رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کچھ کہا ہو لیکن میں نے جب سے حسن بن رشیق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی۔ دنیا کے بارے میں قبول کی گئی مگر مجھے امید ہے کہ آخرت کے بارے میں بھی ضرور قبول کی جائے گی اور عذری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے ابواسامہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا

مقام ملتزم پر جو دعا مانگی ضرور قبول ہوئی اور ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اس مقام پر بہت سی دعائیں مانگی ہیں۔ کچھ تو مقبول ہو گئیں اور جو باقی ہیں اللہ ﷻ کے وسیع فضل سے امید ہے وہ بھی قبول ہوں گی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فصل میں ہم نے تھوڑے نکات بیان کئے ہیں اگرچہ ان کا تعلق اس باب سے نہ تھا بلکہ اس فصل سے تھا جو اس سے پہلے گزری مگر فائدے کے تکمیل کی خاطر لکھ دیا۔ واللہ الموفق للصواب برحمۃ۔

## قسم سوئم

اس حصہ میں ان چیزوں کا بیان ہے جو نبی کریم ﷺ کے لئے واجب محال جائز یا ممتنع ہیں اور ان کیفیات و حالات بشریہ کا بیان جن کی نسبت آپ کی جانب کرنا صحیح ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ  
قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ

اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول  
ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو  
اٹنے پاؤں پھر جاؤ گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

مَا الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ  
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ط  
كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ.

مسیح ابن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے  
بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صدیقہ  
ہے دونوں کھانا کھاتے تھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا  
إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي  
الْأَسْوَاقِ.

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب  
ایسے ہی تھے جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں  
چلتے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ارشاد ہوا:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ.

میں تمہاری طرح ہی انسان ہوں مگر میری طرف  
وحی آتی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسان تھے اور  
انسانوں کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ ان سے جنگ و جدال کی طاقت نہ

رکھتے اور نہ وہ ان کی ہدایتیں قبول کرتے اور نہ ان کی جانب توجہ کرتے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا.  
اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی  
(پے الانعام ۹) بناتا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی وہ فرشتہ بھی انسانوں ہی کی صورت میں ہوتا تا کہ تم اس سے مل جل سکتے کیونکہ تم فرشتے  
سے جنگ وجدال سرور انس و میلان اور فرشتے کی اپنی صورت دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے ہو۔ اللہ  
ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا.  
تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے  
چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے۔  
(۱۵ الاسرئی) (ترجمہ کنز الایمان)

سنت الہیہ یہ نہیں ہے کہ فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا جائے مگر یہ کہ وہ رسول اس نوع کی جنس میں  
سے ہو یا وہ شخص ہو جسے اللہ ﷻ رسالت کے لئے خاص کر لے اور اس کے لئے برگزیدہ کر کے اسے  
مقابلہ کی طاقت مرحمت فرمادے جیسے انبیاء و رسل ہیں (صلوات اللہ علیہم اجمعین) پس انبیاء و رسل اللہ ﷻ  
اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں جو کہ مخلوق کو اللہ ﷻ کے احکام منہیات اور وعدہ و وعید پہنچاتے  
ہیں اور انہیں وہ باتیں بتاتے ہیں جو وہ نہیں جان سکتے ہیں یعنی اس کے احکام اس کی تخلیق اس کا جلال  
اس کی ہیبت و جبروت اور اس کی حکومت و ملکوت وغیرہ۔

پس انبیاء علیہم السلام کے ظاہری اعضاء اجسام اور تخلیق انسانی بشری اوصاف سے متصف  
ہوتے ہیں اور ان پر وہ تمام باتیں طاری ہوتی ہیں جو انسانی عوارضات کے لئے خاص ہیں۔ مثلاً  
بیماریاں، موت، فنا وغیرہ۔ لیکن ان کی ارواح قدسیہ اور باطنی کیفیات انسانیت کی ان اعلیٰ درجہ کی  
صفات پر فائز ہوتی ہیں جو ملاء اعلیٰ سے متعلق ہوتی ہیں اور وہ صفات فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہوتی  
ہیں۔ جو ہر قسم کے تغیر و آفات سے منزہ و محفوظ ہیں۔ اکثر حالات میں بشری کمزوریاں اور انسانی  
ناطقتی ان تک پہنچ ہی نہیں سکتیں کیونکہ اگر ان کا باطن بھی ان کے ظاہری انسانی اعضاء کی طرح خالص  
ہوتے تو یقیناً وہ ملائکہ سے (وحی) لینے ان کو دیکھنے ان سے کلام کرنے اور ان سے میل جول (دوستی و انس)  
کی طاقت نہ رکھتے جس طرح دوسرے عام انسان و بشر اس کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر ان کے اجسام  
اور ظاہری حالت ملائکہ پر انسانی صفات کے خلاف ہوتے تو ہرگز انسان و بشر اور وہ لوگ جن کی طرف  
انہیں بھیجا گیا ہے ان سے ملنے جلنے کی طاقت نہ رکھتے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ کے ارشاد میں پہلے گزر چکا  
ہے۔

تو وہ اپنی ظاہری حالت اور اجسام کے لحاظ سے تو بشر و انسان کے مشابہ ہیں لیکن اپنی باطنی حالت اور ارواح کے لحاظ سے ملائکہ کے ساتھ ملتے ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل (دوست) بناتا تو یقیناً ابو بکر رضی اللہ عنہ کو میں خلیل و دوست بناتا لیکن یہ اسلامی بھائی ہے۔ تمہارا مصاحب رحمن رضی اللہ عنہ کا خلیل ہے۔

اور فرمایا کہ میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے اور فرمایا کہ میں ہرگز تم جیسا نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصیام جلد ۳ صفحہ ۳۳، ۳۴، صحیح مسلم کتاب الصیام جلد ۲ صفحہ ۷۷۴)

لہذا (ثابت ہوا کہ) ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی باطنی حالت (انسانی بشری حالت سے) پاک و منزہ اور ہر عیب و نقص اور علتوں سے مبرا ہے۔ یہ ایک ایسا مجمل بیان ہے کہ ہر ذی ہمت کے لئے اس کا مضمون ہرگز کفایت نہیں کرے گا بلکہ اکثر لوگ بسط و تفصیل کی ضرورت محسوس کریں گے۔ چنانچہ ہم آگے اس خصوص پر دو باب بیان کرتے ہیں۔ وَهُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

## پہلا باب

امور دینیہ اور عصمت انبیاء علیہم السلام

حضور سید عالم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے امور دینیہ اور عصمت کے بیان اور جو اس سلسلہ میں گفتگو و کلام ہے۔ یہ ہے کہ

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ توفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ واضح ہو کہ لوگوں پر جو تغیرات اور آفتیں آتی ہیں وہ اس سے باہر نہیں کہ یا تو بغیر قصد و اختیار ان کے جسم و حواس پر طاری ہوتی ہیں۔ جیسے امراض و عوارض وغیرہ یا قصد و اختیار کے ساتھ ہوں گی۔

در حقیقت یہ سب کے سب ہیں تو عمل و فعل لیکن مشائخ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کو تین قسموں پر منقسم کرتے ہیں۔ 1. عقد بالقلب، 2. قول باللسان اور 3. عمل بالجوارح۔

انسان پر جو بھی آفت و تغیر واقع ہوتا ہے خواہ وہ اس کے قصد و اختیار سے ہو یا بغیر قصد و اختیار کے ان تین ہی قسموں پر منحصر ہیں۔

نبی کریم ﷺ اگرچہ نوع انسان میں سے بشر ہیں اور آپ ﷺ کی جبلت (طبیعت) پر ان باتوں کا اطلاق جائز و ممکن ہے جو دیگر انسانوں کی جبلت و طبیعت پر ہوتی ہیں لیکن یقینی طور پر دلائل قاطعہ



قائم ہو چکیں ہیں اور کلمہ اجماع پورا ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ عام انسانوں کی جبلت و طبیعت سے باہر ہیں اور ہر اس آفت سے منزہ و مبرا ہیں جو قصد و اختیار سے یا بغیر قصد و اختیار کے واقع ہوں۔ جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ ﷻ تفصیل کے ساتھ ہم بیان کریں گے۔

## پہلی فصل

### حضور ﷺ کی دلی پختگی

نبی کریم ﷺ کی دلی پختگی اظہار نبوت کے وقت سے ہی تھی۔ چنانچہ ہمیں اور تمہیں اللہ ﷻ کی توفیق کے ساتھ معلوم ہونا چاہئے کہ حضور سید عالم ﷺ کو تو حید باری، علم و صفات الہی، ایمان باللہ اور جو کچھ آپ ﷺ پر وحی کی گئی ان سب پر اعلیٰ درجہ کی معرفت، علم واضح اور یقین کامل حاصل تھا۔ ان میں نہ تو کسی قسم کی جہالت تھی اور نہ شک و شبہ۔ اس معرفت و یقین کے جو مخالف ہو سکتا تھا ان سب سے آپ ﷺ معصوم اور منزہ تھے۔ یہ ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور براہین واضح سے یہ بات صحیح نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا اعتقاد اس کے سوا ہو۔ اب یہ اعتراض بے جا ہے اگر کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مقولہ پر معترض ہو کہ انہوں نے رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ

بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لَّيَطْمَئِنُّ قَلْبِي ط  
یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ دل کو قرار آ

(پ البقرہ ۲۶۰) جائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس لئے (۱) کہ اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں اللہ ﷻ کی خبروں میں قطعاً شک نہ تھا ان کی مراد تو اطمینان قلب اور مردوں کے مشاہدہ سے متنازعہ کو ختم کرنا تھا ورنہ انہیں اس واقعہ سے پہلے علم حاصل تھا۔ اب ان کیفیات احیاء موتی کے مشاہدہ کے ذریعہ مزید علم کا حصول مقصود تھا۔

(۲) دوسری وجہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بارگاہ الہی میں اپنی قرب و منزلت معلوم کرنی مقصود تھی اور یہ کہ اس کی بارگاہ الہی میں اپنے سوال کی مقبولیت کا علم حاصل کرنا تھا (کہ اپنا مرتبہ پہچانیں) اس وجہ کی بنا پر اللہ ﷻ کا یہ ارشاد کہ **أَوْلَمْ تُوْمِنُ** (کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟) یعنی اے ابراہیم علیہ السلام کیا تم اس مرتبہ اور اپنی اس برگزیدگی و خلت پر یقین نہیں رکھتے جو میری بارگاہ میں ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یقین کی زیادتی اور اطمینان کی تقویت کا سوال کیا اگرچہ انہیں پہلے ہی سے شک نہیں تھا کیونکہ علوم ضروریہ اور نظریہ کبھی اپنی قوت میں بڑھتے رہتے

ہیں اور ضروریات میں شکوک کا جاری رہنا محال اور نظریات میں جائز ہوتا ہے۔ لہذا نظریا خبر سے مشاہدہ کی طرف جانے اور علم یقین سے عین یقین تک ترقی کرنے کا ارادہ کیا۔ اس لئے کہ خبر ہرگز مشاہدہ کا مقام نہیں رکھتی۔ اسی بنا پر تو سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ انہوں نے آنکھوں سے ظاہری پردے اٹھادینے کا سوال کیا تا کہ نور یقین کے ساتھ اپنی اس حالت پر مزید یقین حاصل ہو جائے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ کہ مشرکوں پر اس طرح پر حجت قائم کر دی جائے کہ یوں اللہ ﷻ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا تا کہ اعلانیہ طور سے ان پر حجت قوی ہو جائے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ کہ بعض کا قول ہے کہ ان کا یہ سوال بطریق ادب تھا لیکن مراد یہ تھی کہ اے خدا تو مجھے مردے زندہ کرنے کی قدرت مرحمت فرما اور ”لِيَطْمَئِنُّ قَلْبِي“ سے یہ مراد تھی کہ میرا دل اس تمنا سے تسلی پائے۔

(۶) چھٹی وجہ یہ کہ انہوں نے اپنے دل میں شک دیکھا۔ حالانکہ انہیں شک نہ تھا مگر یہ کہ اس طرح پر شک دور کر کے قرب مزید کا حصول ہو جائے۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيمَ (ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کے زیادہ مستحق ہیں) یہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کی نفی ہے اور کمزور طبیعتوں کی مقام معرفت سے دوری ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ایسے گمان کی نسبت کریں۔

مطلب یہ کہ ہم اٹھائے جانے اور اللہ ﷻ کے احیاء موتی پر یقین رکھتے ہیں۔ پس اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا تو یقیناً ہم ان سے زیادہ شک کریں گے یہ بطریق ادب فرمایا اس سے آپ کی وہ امت مراد ہے جن پر شک جائز ہے یا بطریق تواضع و شفقت فرمایا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو ان کی اپنی حالت کی آزمائش یا یقین کی زیادتی پر محمول کیا جائے۔

اس کے بعد اگر تم یہ کہو کہ اللہ ﷻ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

فَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكِّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ . . . پس اگر تم شک میں ہو اس کے جو ہم نے تم پر

(پا پوس ۹۴) نازل کیا ہے تو..... (ترجمہ کنزالایمان)

اے پڑھنے والے تو اس سے خوفزدہ رہ اور تیرے دل کو اللہ ﷻ مضبوط رکھے کہ تیرے دل میں اس خطرے کی گنجائش نکلے جو بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا کہ جس میں حضور نبی کریم ﷺ کو وحی کے بارے میں (معاذ اللہ) شک کا اثبات ہے اور یہ کہ آپ ﷺ بشر ہیں اس قسم کے خطرات کا آپ ﷺ پر اطلاق ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے وحی کے بارے میں ہرگز شک نہیں کیا اور نہ آپ ﷺ نے کسی سے استفسار کیا۔

اسی طرح ابن جبیر اور جرح رحمہما اللہ سے مروی جسے قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہ کبھی مجھے شک گزرا اور نہ اس بارے میں کسی سے دریافت کیا۔ بالعموم مفسرین اسی قول پر ہیں۔ البتہ مفسرین نے اس کے معنی میں کئی قول بیان کئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اے حبیب ﷺ شک کرنے والوں کو فرما دیجئے اگر تم شک کے مریض ہو تو..... لا آیت۔ مفسرین نے کہا کہ اس سورۃ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس تاویل پہ دلالت کرتی ہو اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ  
دِينِي. (پاؤں ۱۰۴)

اس تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس میں اہل عرب کو خطاب ہے۔ نبی کریم ﷺ کو نہیں ہے۔

جیسا کہ خود ہی فرمایا:

لَئِن أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ.  
اے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو  
ضرور تیرا سب کیا دھرا کارت جائے گا۔

(پاؤں ۱۵)

اگرچہ اس آیت میں مخاطب تو حضور ﷺ ہیں مگر مراد حضور کے سوا ہیں۔ اسی کے مثل یہ قول

باری ہے۔

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هَؤُلَاءِ.  
اے محبوب تم اس سے کہ یہ لوگ عبادت کرتے

ہیں شبہ میں نہ پڑو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس طرح کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت ہیں۔

بکر بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تم نے یہ نہ دیکھا کہ اللہ ﷻ فرما رہا ہے۔

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ.  
اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی

(پاؤں ۹۵) آیتیں جھٹلائیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ تو وہ ہیں کہ جس دعوت کی تبلیغ فرماتے ہیں یہ لوگ آپ ﷺ کی

تکذیب کرتے ہیں پھر آپ ﷺ سے یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ ان مکذبین کی ہمنوائی کرنے والوں میں

سے ہو جائیں۔ یہ تمام دلیل اس بات پر شاہد ہیں کہ بظاہر خطاب حضور ﷺ کو ہوتا ہے لیکن دوسرے

لوگ مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

الرَّحْمَنُ فَسْئَلُ بِهِ خَبِيرًا. (پاؤں الفرقان ۵۹) رحمن ہے پس اسے خبر دینے والے کو پوچھو۔

(ترجمہ کنز الایمان)

ایسا جنہیں حکم دیا جا رہا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے سوالگوں ہیں تاکہ وہ حضور ﷺ سے سوال کریں اور نبی کریم ﷺ تو خبر دینے والے اور مسؤل عنہ ہیں نہ کہ خبر طلب کرنے والے اور سوال کرنے والے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ شک جس کے ساتھ غیر نبی ﷺ کو ان لوگوں سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا جو کتاب پڑھتے ہیں سو وہ اس بارے میں ہے جن کا اللہ ﷻ نے قصہ بیان کیا ہے یعنی امتوں کی خبریں وغیرہ نہ کہ وہ امر جس کی طرف آپ کو بلایا ہے یعنی توحید و شریعت۔ اسی کے مثل اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے کہ  
وَسُئِلُ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا. اور ان سے پوچھو جو ہم نے تم سے پہلے رسول (پ۲۵ الزخرف ۲۵) بھیجے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

عُتْبَىٰ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ کے قول کے بموجب بظاہر خطاب حضور ﷺ سے ہے لیکن مراد مشرکین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ہم سے ان نبیوں کے بارے میں دریافت کرو جو آپ سے پہلے ہم نے بھیجے ہیں یہاں خافض (یعنی حرف جر عن مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ) محذوف ہے اور کلام پورا ہو گیا۔ پھر شروع کیا کہ  
أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ. کیا ہم نے سوائے رحمن کے کچھ اور خدا ٹھہرا (پ۲۵ الزخرف ۲۵) لئے..... (ترجمہ کنز الایمان)

یہ بطریق انکار ہے یعنی ہم نے نہیں کیا۔ اسے مکی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایا گیا کہ شب معراج انبیاء علیہم السلام سے اس بارے میں استفسار فرمائیں۔ مگر آپ کا یقین اس سے زیادہ پختہ تھا کہ آپ ان سے استفسار کے محتاج ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں سوال نہیں کروں گا مجھے اسی پر یقین ہے۔

اسے ابن زید رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ ہمارے رسولوں کی امتوں سے دریافت کیجئے کیا وہ بغیر توحید کے آئے تھے۔ اسی معنی میں مجاہد، سدی، ضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔

اسی آئیہ کریمہ اور ما قبل کی آیت کے معنی و مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کو یہ آگاہ فرمانا تھا کہ اسی کے ساتھ تمام رسول علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے۔ بلاشبہ اللہ ﷻ نے کسی کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم نہیں دیا۔ دراصل اس میں مشرکین عرب وغیرہ کا رد فرمانا مقصود ہے کہ وہ کہتے تھے کہ

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى. ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ (پ۲۳ الزمر ۳) یہ ہمیں اللہ کے پاس کر دیں۔“ (ترجمہ کنز الایمان)

اسی طرح اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ إِنَّهُ  
مُنَزَّلٌ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ  
الْمُمْتَرِينَ ۝

اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ  
تیرے رب کی طرف سے سچ اترا تو اے سننے  
والے تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(۱۱۴ الانعام)

مطلب یہ کہ ان کے علم میں یہ شک ہے کہ آپ ﷺ کے رسول ﷺ نہیں۔ اگرچہ وہ  
زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے ہیں۔ اس سے حضور ﷺ کا شک مراد نہیں ہے جیسا کہ پہلی آیت میں  
مذکورہ ہوا اور ممکن ہے یہ آیت بھی پہلے معنی کی طرح حاصل ہو۔

یعنی اے حبیب صلی اللہ علیک وسلم! آپ ان لوگوں سے فرمادیں جو اس میں شک و تردد رکھتے  
ہیں کہ تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اس پر پہلی آیت دلیل بن جائے گی۔ ارشاد ہوا:  
أَفَغَيْرَ اللَّهِ ابْتَغَىٰ حُكْمًا.

تو کہا اللہ کے سوا میں کسی اور کا فیصلہ چاہوں

(ترجمہ کنز الایمان)

(۱۳ الانعام)

بلاشبہ نبی کریم ﷺ اس طرح پر دوسروں کو خطاب فرما رہے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تقریر و  
بیان ہے جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے۔

وَءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّي  
الْهَيْنَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ط

کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری  
ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یقیناً انہیں معلوم تھا کہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم کو تو  
شک نہیں ہے۔ پس سوال کرو تمہارا اطمینان و علم اپنے علم و اطمینان کے ساتھ زیادہ ہو جائے گا اور ایک  
قول یہ ہے کہ اگر تم کو اس بارے میں شک ہے کہ جو ہم نے تم کو شرافت و فضیلت عنایت فرمائی تو ان  
سے اپنی صفت اور فضیلت کے بارے میں سوال کرو جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ رَبِّكُمْ فَقُلُوا  
جِنِّمْ لَنَا نَبِيًّا مِمَّنْ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ سَاقِدُونَ وَظُنُّوا أَنَّهُمْ  
قَدْ كَذَبُوا.

جن پر ہم نے اتارا ہے۔ اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں کہ  
یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی  
امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے

(ترجمہ کنز الایمان)

(۱۳ یوسف) غلط کہا تھا۔

تو ہم کہیں گے کہ اس کے وہ معنی ہیں جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا  
کہ معاذ اللہ کیا رسول ﷺ اپنے رب ﷻ سے یہ گمان کریں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول ﷺ جب

مایوس ہو گئے تو گمان کیا کہ وہ قبعین جنہوں نے ان سے مدد کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔ اسی قول پر اکثر مفسرین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ظنُّوا کی ضمیر قبعین اور امتوں کی طرف راجع ہے نہ کہ انبیاء و رسل کی طرف۔

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اور نخعی ابن جبیر رحمہما اللہ اور ایک جماعت علماء کا ہے۔ اسی معنی کی رعایت سے مجاہد رحمہ اللہ نے كَذَبُوا (فح کے ساتھ) پڑھا ہے اس کے بعد اب تیرا دل کسی شاز تفسیر کی طرف راغب نہیں ہونا چاہئے۔ جب یہ علماء کے منصب کے لائق نہیں تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو سیرت کی حدیث اور ابتداء وحی کے حال میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ”میرے دل میں خوف گزرا تھا۔“ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ کو فرشتہ کی رویت کے بعد اللہ ﷻ جو آپ کو عطا فرمائے گا اس میں کوئی شک تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ خشیت قوت تحمل و برداشت مقابلہ و ملک اور تنزیل وحی کی وجہ سے ہو کہ شاید کہ قلب اطہر برداشت نہ کر سکے یا جان چلی جائے۔ یہ اس روایت کی تاویل ہے جو صحیح حدیث میں وارد ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات فرشتہ کی ملاقات کے بعد فرمائی یا یہ کہ فرشتہ کی ملاقات اور اللہ ﷻ کی نبوت سے اطلاع کی خبر دینے سے پہلے جب کہ آپ ﷺ پر عجائبات پیش ہو رہے تھے کہ شجر و حجر آپ ﷺ کو سلام عرض کرتے آپ ﷺ کو خوابیں اور بشارتیں آنی شروع ہوئیں۔ اس وقت فرمایا ہو۔ جیسا کہ اسی حدیث کی دیگر سندوں میں مذکور ہے کہ یہ باتیں پہلے تو خواب میں ہوئیں اس کے بعد بیداری میں۔ اسی طرح دوبارہ دکھائی گئیں تاکہ آپ ﷺ کو یکدم اعلانیہ اور بالمشافہ دیکھنے سے گھبراہٹ نہ پیدا ہو اور خلقت بشری کی بنا پر ممکن ہے کہ برداشت نہ فرما سکیں۔

حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی ابتداء جو ہوئی تو رویائے صادقہ (سچی خواب) سے ہوئی۔ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ کو تنہائی (خلوت) محبوب ہو گئی۔ فرماتی ہیں یہاں تک کہ حق (قرآن یا فرشتہ یا وحی) غار حرا میں آنے لگا آخر حدیث تک۔

(صحیح بخاری کتاب بدء الوحی جلد ۳ صفحہ ۱۳۹ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں پندرہ سال قیام پذیر رہے آواز سماعت فرماتے اور سات سال تک صرف روشنی ملاحظہ فرماتے کچھ اس میں نظر نہ آتا اور آٹھ سال تک آپ پر وحی کی گئی۔ (طبقات ابن سعد)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صحابی سے روایت کی نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور قرہی مقام غار

حرا کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ پس میرے پاس فرشتہ آیا اور انحالیکہ میں سو رہا تھا۔ مجھ سے کہا: اقراء (پڑھو) میں نے کہا: مَا اقراء (میں نہیں پڑھوں گا) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی مثل بیان کیا کہ فرشتہ نے آپ ﷺ کو چٹایا اور قرأت کرائی کہ اقراء باسم ربک (پڑھ اعلیٰ) تین مرتبہ ایسا کیا۔

فرماتے ہیں پھر وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا اور میں نیند سے بیدار ہو گیا گویا کہ وہ سورت میرے دل نشیں ہو گئی۔ حالانکہ میرے نزدیک شاعر اور دیوانہ پن سے بڑھ کر کوئی شخص مبعوض نہ تھی۔ میں نے خیال کیا کہ میں قریش مجھ سے ہمیشہ ایسا گمان نہ کرنے لگیں اگر قریش نے ایسا گمان کیا تو یقیناً میں کسی بلند و بالا پہاڑی پر چڑھ کر اپنے کو گرا کر ہلاک کر لوں گا۔ میں ایسا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ آسمان سے ایک ندا سنی:

اے محمد صلی اللہ علیک وسلم تم اللہ ﷻ کے رسول ﷺ ہو اور میں جبریل الطبیعی ہوں۔ اس وقت اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ مرد کی صورت میں جبریل الطبیعی ہیں اور حدیث کو بیان کیا۔ اس کے بعد (راوی حدیث حضرت اسحق رحمۃ اللہ علیہ نے) بیان کیا کہ آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا جو ارادہ کیا وہ تو اس وقت کا حال ہے جب کہ آپ ﷺ کی جبریل الطبیعی سے ملاقات نہ ہوئی تھی اور اللہ ﷻ کے آپ ﷺ کو اپنی نبوت سے خبردار اور اس کے اظہار اور رسالت کے ساتھ سرفرازی کی خبر سے مطلع فرمانے سے پہلے کی بات تھی۔

اور اسی طرح عمرو بن شریل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب میں خلوت میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک ندا سنتا ہوں اور مجھے خوف ہے خدا کی قسم کہ یہ کوئی خاص بات ہے۔  
(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸)

حماد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میں ایک آواز سنتا ہوں اور ایک (خاص قسم کی) روشنی دیکھتا ہوں مجھے خوف ہے کہ یہ کہیں میرا جنون نہ ہو۔ اس کی اس طور پر تاویل کی جائے گی کہ آپ کا قول جو ان بعض احادیث میں ہے چونکہ ایسی باتیں شاعر اور مجنون سے بہت دور ہوتی ہیں اور اس میں ایسے الفاظ ہیں جن سے شک کے معانی اس امر کی تصحیح میں جس کو آپ نے دیکھا سمجھے جاتے ہیں (اس کی یوں تاویل کریں گے کہ) یہ تمام باتیں اس وقت کی ہیں جب کہ آپ ﷺ نے ابھی فرشتے سے ملاقات نہ فرمائی تھی اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ دی تھی کہ آپ ﷺ اس کے رسول الطبیعی ہیں اور ان الفاظ کے بعض طریقے صحیح نہیں ہیں لیکن اللہ ﷻ کی اطلاع اور فرشتے کی ملاقات کے بعد اس میں اصلاً شک نہ ہوا تھا اور اس پر شک

جائز بھی نہیں ہے۔ جو آپ ﷺ پر القاء (وحی) فرمائی گئی تھی۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ حدیث سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھ میں منتر تھا نزول قرآن سے پیشتر منتر کیا جاتا تھا جب قرآن پاک نازل ہوا اور آپ ﷺ کو وہی (آنکھ کی) تکلیف ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ کی خدمت میں اس شخص کو بھیجوں جو آپ ﷺ پر منتر کرے۔ فرمایا: اب کوئی ضرورت نہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ انہوں نے اپنا سر کھول کر جبریل علیہ السلام کا امتحان لیا۔ (آخر حدیث تک) تو یہ حدیث صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں خاص ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صحت کی تحقیق کی آیا کہ جو شخص آپ ﷺ کے پاس آتا ہے وہ جبریل علیہ السلام ہی ہے۔ (یا کوئی اور) سوان کا شک جاتا رہا۔ یہ اس لئے نہ تھا کہ انہوں نے یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کے لئے کیا تھا اور یہ کہ اس طرح پر آپ ﷺ کے حال کی خبر چاہی تھی بلکہ عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں جو کہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ورقہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ تم اس معاملہ کا اس طرح پر امتحان کرو۔

اور اسماعیل بن ابویحکیم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اے ابن عم کیا آپ ﷺ یہ کر سکتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کے صاحب (جبریل علیہ السلام) آئیں تو آپ ﷺ مجھے فرمادیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور جب آئے تو آپ ﷺ نے ان کو خبر دی۔ تب انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ میرے پہلو میں بیٹھیں اس کے بعد پوری حدیث بیان کی۔ اس حدیث میں یہ ہے

کہ اے ابن عم! یہ شیطان نہیں فرشتہ ہی ہے آپ ﷺ ثابت قدم اور خوش رہئے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ یہ بات تو اس کی پختہ دلیل ہے کہ انہوں نے یہ جو کچھ کیا اپنے لئے طلب ثبوت تھا۔ اس طرح وہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنا چاہتی تھیں نہ کہ یہ نبی کریم ﷺ کے لئے تھا۔

انْقِطَاعِ وَحْيٍ (وحی کا نہ آنا)

انقطاع وحی میں معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہماری معلومات کی حد تک اس کا اتنا غم کیا کہ کئی مرتبہ عزم کیا کہ بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ کر گر پڑیں۔ وہ اس کی اصلیت میں قدح

۱۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۳۸-۱۳۷

۲۔ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۵۵



نہیں کرتے کیونکہ معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ”نبی کریم ﷺ نے ہماری معلومات کی حد تک۔“ انہوں نے اس کی نہ تو حضور ﷺ تک اسناد کی ہے اور نہ اس کے راوی بیان کئے ہیں اور نہ اس کا ذکر کیا جس نے یہ حدیث بیان کی ہے اور نہ یہ کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور اس قسم کی روایت نبی کریم ﷺ سے معروف ہے باوجودیکہ اس کا احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ ابتداء امر کی بات ہو۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے یہ اس لئے کیا کہ آپ کو ان لوگوں نے پریشان کیا ہو جن کو آپ ﷺ نے تبلیغ فرمائی۔

جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ  
إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝

تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے  
اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے۔

(پ۱۵ الکہف ۶)

(ترجمہ کنز الایمان)

اس تاویلی معنی کی تصحیح وہ حدیث بھی کر رہی ہے جسے شریک رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عبد اللہ بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے جابر بن عبد اللہ ﷺ سے روایت کی کہ مشرکین مکہ جب دار الندوہ میں مشاورت کے لئے جمع ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے متعلق انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ سب کہیں کہ (معاذ اللہ حضور ﷺ) ساحر ہیں۔ یہ بات آپ ﷺ پر غایت درجہ گراں خاطر ہوئی اور کھیل اوڑھ کر لیٹ گئے اور بدن اقدس کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور تلاوت کی کہ يَا أَيُّهَا الْمُزْمِلُ (اے جھرمٹ والے نبی) يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (اے کھل پوش نبی) یا یہ کہ انقطاع وحی کا سبب کسی ایسے سبب سے نہ ہوا جس کا مسدور آپ ﷺ سے ہوا ہو تو اس سے خائف ہوئے کہ یہ انقطاع وحی کہیں خدا کی جانب سے بطور مواخذہ نہ ہو تو اس وقت آپ ﷺ نے ایسا ارادہ کیا حالانکہ اس وقت تک شریعت میں ایسے خیال کرنے کی بھی ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی جس کی بنا پر کوئی اس پر اعتراض لازم آسکے۔

اسی سلسلہ میں سے حضرت یونس علیہ السلام کا اس اندیشہ سے بھاگنا کہ کہیں ان کی قوم ان کی تکذیب نہ کرے۔ جو کہ انہوں نے عذاب الہی کا وعدہ اپنی قوم سے کیا تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ ﷻ کا فرمان کہ

۱۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۱ صفحہ ۲۱۷

۲۔ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ دلائل النبوة لابن نعیم جلد ۱ صفحہ ۲۱۷

فَظَنُّ اِنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ. تو گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے۔

(پکا الانبیاء ۸۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ ہم ان پر سختی نہ فرمائیں گے۔ اس میں مکی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ انہوں نے اپنے فرار (چلے جانے میں) میں رحمت الہی کی خواہش سمجھی کہ ان کے چلے جانے سے اللہ ﷻ ان کی قوم پر تنگی نہ فرمائے گا اور بعض کا قول ہے کہ انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان کی قوم پر وہ عذاب لائیں گے جس میں ان کی قوم مبتلا کی گئی۔ نَقْدِرَ كَوْنُقْدِرَ (دال کی تشدید کے ساتھ) بھی پڑھا ہے۔ یعنی انہوں نے گمان کیا ہم ان پر یہ عذاب مقدر نہ کریں گے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کے فرار اور غصہ پر مواخذہ نہ کریں گے اور ابن زید رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے معنی یہ کئے کہ اَفْظَنُّ کیا انہوں نے گمان کیا یعنی یہ کلام بطور استفہام صادر ہوا ہے اور ہمزہ استفہام تخفیف کے لئے محذوف ہے (یہ مسلمہ امر ہے کہ) کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی نبی ﷺ پر یہ گمان کرے کہ نبی اپنے رب ﷻ کی صفات میں سے کسی صفت سے ناواقف ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے کہ

اِذْ هَبْ مَغَاضِبًا. (پکا الانبیاء ۸۷) جب چلا غصہ میں بھرا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور صحیح تفسیر یہی ہے کہ وہ اپنی قوم سے ان کے کفر کی بنا پر ناراض ہو کر چلے گئے یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے رب ﷻ سے ناراض ہو کر چلے گئے اس لئے کہ اللہ ﷻ سے ناراضگی تو اس سے عداوت و بغاوت ہے اور اللہ ﷻ سے عداوت کفر ہے۔ یہ تو مسلمانوں کے لئے بھی جائز نہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنی قوم سے حیا کی وجہ سے چلے گئے کہ انہیں کوئی جھوٹا نہ کہہ دے یا انہیں قتل نہ کر دے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ کسی بادشاہ سے اس بات پر ناراض ہو کر چلے گئے کہ اس کو جو اللہ ﷻ نے کسی نبی ﷻ کی وساطت سے حکم الہی بجالانے کا حکم دیا تھا (اور اس نے ان کی نافرمانی کی تھی) تو اس سے حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے فلاں نبی ﷻ اس (بادشاہ) پر زیادہ قوی ہے تو اس نے ان پر سختی کی تو وہ اس بنا پر ناراض ہو کر چلے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ حضرت یونس علیہ السلام کی نبوت کی بعثت اس کے بعد ہوئی کہ مچھلی نے ان کو اپنے شکم سے باہر نکال دیا تھا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ  
فَنَبَلْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۝ وَاتَيْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقُطِينٍ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ.  
پھر ہم نے اسے میدان پر ڈال دیا وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کا پیڑ اگایا اور ہم نے اسے  
(پا صفت ۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷) لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اس سے بھی استدلال کیا کہ

وَلَا تَكُنْ لِصَاحِبِ الْحُوتِ .  
اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہونا۔

(ترجمہ کنزالایمان)

(پ ۲۱ ع ۴)

اس کے بعد قصہ کو بیان کرتے ہوتے فرمایا:

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ O  
تو اسے اس کے رب نے چن لیا اور اپنے قرب  
(پ ۲۹ الحاقہ ۵۰) خاص کے سزاواروں میں کر لیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پس واقعہ قبل نبوت کا ہے۔

اور اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ میرے دل پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ (جس کی وجہ سے میں) اپنے رب ﷻ سے استغفار دن میں سو مرتبہ کرتا ہوں اور ایک روایت میں ہے ستر مرتبہ سے زیادہ ہر دن کرتا ہوں۔

تو اے پڑھنے والے! تو اس وسوسہ سے اپنے کو محفوظ رکھ تا کہ تیرے دل میں یہ خیال گزرے کہ یہ ”غین“ وسوسہ یا شک ہے جو نبی کریم ﷺ کے دل میں گزرتا ہے بلکہ اس جگہ ”غین“ سے مراد وہ شے ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ”غین“ غین السماء (آسمان کے بادل) سے مشتق ہے۔ وہ ایک ابر کا ٹکڑا ہے جو آسمان پر چھا جاتا ہے۔

دوسروں نے کہا کہ ”غین“ ایک ایسی شے ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے مگر اسے چھپاتی نہیں جیسے ہلکا بادل جو ہوا میں چھا جاتا ہے لیکن آفتاب کی شعاع کو روکتا نہیں ہے۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ آپ ﷺ کے قلب اقدس پر ہر دن سو مرتبہ یا ستر مرتبہ سے زیادہ غین طاری ہوتا ہے کیونکہ لفظ مذکور جس کو ہم نے بیان کیا اس کا مقتضی نہیں ہے اور وہی اکثر روایتوں میں آیا ہے۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ یہ تعداد استغفار کی ہے نہ کہ غین کی۔

نبی کریم ﷺ کے لئے اس غین سے مراد غفلت قلبی، فترات نفسانی اور سہوا انسانی ہے جو بوقت ذکر و مشاہدہ حق آپ پر بوجہ مقاسات بشری، سیاست امت، شفقت اہل و عیال، مقارمت دوست و دشمن، مصالحت نفس کی وہ کلفتیں جو خاص آپ ﷺ کو عطا ہوئیں، ادائے رسالت، حمل امانت وغیرہ ہو۔

آپ ﷺ ان سب حالتوں میں اپنے رب ﷻ کی طاعت اور اپنے خالق کی عبادت ہی میں مشغول رہتے تھے لیکن چونکہ آپ ﷺ کا مرتبہ و مقام بارگاہ الہی میں تمام مخلوق سے زیادہ ارفع و اعلیٰ تھا

اور آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کی معرفت سب سے زیادہ حاصل تھی اور آپ ﷺ کی وہ حالت جب کہ آپ ﷺ کا قلب مبارک ملاحظہ غیر سے خالی ہوتا اور آپ ﷺ کی بہت رفیع اس کے ماسوا سے فارغ ہوتی اور آپ ﷺ اپنے رب ﷻ کے ساتھ متفرد اور ہمہ تن ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوتے اور آپ ﷺ کی وہ حالت ان دونوں حالتوں سے رفیع تر ہوتی تھی۔ تو آپ ﷺ اس حالت فترت اور شغل بالغیر کو اپنی حالت رفیعہ اور مرتبت جلیلہ کا نقصان اور انحطاط خیال فرماتے۔ اس بنا پر آپ ﷺ اپنے رب ﷻ سے استغفار کرتے تھے۔

اس حدیث کے معنی و مفہوم کے بیانات میں سے یہ معنی و مفہوم سب سے زیادہ قوی اور مشہور تر ہے۔ اسی معنی مذکور کی طرف اکثر علماء کا میلان ہے۔ اگرچہ وہ اس کے ارد گرد گردش کرتے رہے ہیں لیکن جو بیان ہم نے کیا ہے اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ بلاشبہ ہم نے اس کے گہرے معنی کو فہم سلیم کے قریب کر دیا ہے اور اس شخص کے لئے جو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے بالکل روشن کر دیا ہے۔ یہ تاویل اور توجیح اس پر مبنی ہے کہ طریق تبلیغ کے سوا اور امور میں انبیاء کرام علیہم السلام پر سہو و نسیان اور غفلت کا طاری ہونا جائز ہے جیسا کہ عنقریب آنے والا ہے۔

اور ارباب باطن و مشائخ تصوف کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس فہم کی غفلت اور فترت سے بھی مبرا اور منزہ ہیں ان کا مذہب ہے کہ اس سے وہ غم و انکار مراد ہیں جو کہ وفور شفقت و راحت کی وجہ سے امت کے لئے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر وارد ہوتے رہتے تھے۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ یہ استغفار ان کے لئے فرماتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث مذکور میں ”غین“ سے مراد سیکینہ و اطمینان ہو جو کہ آپ کے قلب سلیم کو حاصل ہوتا تھا۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ. (پ۱ التوبہ: ۵۰) تو اللہ نے اس پر اپنا سیکینہ اتارا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس توجیح پر آپ ﷺ کا استغفار کرنا اظہار عبودیت و احتیاج رب کے لئے ہوگا۔ ابن عطار رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ ﷺ کا استغفار فرمانا تعلیم امت کے لئے ہے تاکہ انہیں استغفار میں رغبت ہو علاوہ بریں دوسروں نے بھی کہا کہ اس سے مقصود بچاؤ کی دریافت اور جائے امن کی طرف میلان ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ”غین“ سے مراد حالت خشیت اور وہ عظمت الہی مراد ہو جو آپ ﷺ کے قلب اطہر پر وارد ہوتی ہو ایسی حالت میں ادائے شکر اور التزام عبودیت کے لئے استغفار فرماتے ہوں جیسا کہ عبادت کے (دوام) پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں شکر گزار خدا کا بندہ نہ بنوں۔ انہیں آخری وجوہات پر وہ حدیث محمول ہے جو اس حدیث کی دوسری سندوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے دل میں ایک خاص حالت دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس وقت میں اللہ ﷻ سے استغفار کرتا

ہوں۔ اگر تم یہ دریافت کرو کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ سے جو یہ فرمایا تو اس کا کیا مطلب ہے کہ  
 وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ۔ اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو  
 اے سننے والے ہرگز نادان نہ بن۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱ الانعام ۳۵)

اور حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ  
 فَلَا تَسْأَلْنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۗ  
 اِنِّيْ اَعْظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ۝ توجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں  
 میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۲ ہود ۳۶)

تو واضح ہونا چاہئے کہ اس بارے میں اس قائل کی طرف توجہ نہ کی جائے گی جو ہمارے نبی  
 ﷺ کے بارے آیت کی تفسیر میں کہتا ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو اس سے جاہل  
 ہیں۔ اگر اللہ ﷻ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بارے  
 میں کہ آپ ﷺ ان میں سے نہ بنیں جو اس سے جاہل ہیں۔ یقیناً اللہ ﷻ کا وعدہ حق ہے کیونکہ فرماتا  
 ہے:

اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔ (پ۱۲ ہود ۳۵) بیشک تیرا وعدہ حق ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس تفسیر کی طرف التفات اس لئے نہ ہوگا کہ اس میں اللہ ﷻ کی صفات میں ایک صفت  
 (معاذ اللہ) ”جہل“ کا اثبات ہوتا ہے جس کا صدور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے جائز نہیں اور مقصود تو ان  
 کو نصیحت کرنا ہے کہ وہ اپنے امور میں جاہلوں کی روش کی مشابہت نہ کریں۔ جیسا کہ فرمایا: اِنِّيْ  
 اَعْظُكَ (میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں) اور ان آیتوں میں کوئی دلیل اس پر نہیں ہے کہ وہ اس صفت پر تھے  
 جن سے انہیں منع کیا گیا تھا بھلا یہ کیسے ان سے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ آیت نوح علیہ السلام اس سے پہلے ہے  
 کہ

فَلَا تَسْأَلْنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۗ توجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۲ ہود ۳۶)

لہذا اس کے مابعد کو ماقبل پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا مثل اذن کا محتاج ہوتا  
 ہے اور ابتداء میں اس کا سوال کرنا جائز ہے۔ لہذا اللہ ﷻ نے ان کو اس سے منع فرمایا جسے اس کا علم  
 حاوی اور اس کا غیب اس پر طاری جو ایسا سبب تھا جس میں ان کے بیٹے کی ہلاکت تھی۔ اس کے بعد  
 اللہ ﷻ نے ان پر اپنی نعمت یہ بتا کر پوری فرمادی کہ

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (پ ۱۲ صودے ۴۷) وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ معنی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کئے۔ اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو دوسری آیت میں آپ ﷺ کی قوم کی روگردانی پر آپ ﷺ کو لزوم صبر کی تلقین فرمائی تاکہ اس وقت آپ ﷺ تنگ دل نہ ہوں کہ لاعلمی میں کہیں شدت کے ساتھ افسردگی نہ فرمائیں۔ اسے ابو بکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب آپ ﷺ کی امت کے لئے ہے یعنی تم لوگ جاہلوں میں سے نہ بنو۔ اسے ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کہا: قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں اور اسی فضیلت کی بنا پر نبوت کے بعد قطعی طور پر انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا قائل ہونا ضروری ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ جب تم نے انبیاء علیہم السلام کی اس سے عصمت ثابت کی اور یہ کہ ان پر ان باتوں میں سے کچھ بھی جائز نہیں تو پھر اس وقت اللہ ﷻ کی اس وعید کے کیا معنی ہوں گے جو حضور ﷺ کے لئے فرمائی اگر وہ ایسا کریں۔ چنانچہ فرمایا:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ

اے سننے والے اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل رائیگاں جائیں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مِنَ اللَّهِ مَالًا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ (پ ۱۱ یونس ۱۰۶) اور اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے اور نہ برا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

إِذَا إِلَّا ذُقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ

اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دوئی عمر کا مزہ دیتے۔

(پ ۱۵ الاسراء ۵۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

لَا خِذْنَا بِالْيَمِينِ

ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے۔

(پ ۲۹ الحاقۃ ۳۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَإِنْ تَطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا

(پ ۱۶ الانعام ۱۶) دیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

فرمایا:

فَإِنْ يَشَاءَ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ. اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر فرمادے۔ (ترجمہ کنز الایمان) (پ ۲۵ الشوریٰ ۲۳)

فرمایا:

وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ. اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا۔ (ترجمہ کنز الایمان) (پ ۶ المائدہ ۶۷)

فرمایا:

اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ. اللہ کا یونہی خوف رکھنا اور کافروں اور منافقوں کی نہ سننا (پ ۲۱ الاحزاب ۱) (ترجمہ کنز الایمان)

تو بتوفیق الہی معلوم ہونا چاہئے کہ حضور ﷺ کی طرف اس امر کی نسبت جائز نہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ نہ کریں اور نہ یہ جائز کہ آپ ﷺ اپنے رب ﷻ کی مخالفت کریں یا اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں یا اللہ ﷻ پر وہ بات لگائیں جو اس کی شان کے لائق نہیں یا اس پر افتراء کریں یا خود گمراہ ہو جائیں یا اللہ ﷻ آپ ﷺ کے دل پر مہر لگا دے یا آپ ﷺ کافروں کی پیروی کرنے لگیں (ان سب باتوں کا صدور آپ ﷺ سے ممکن ہی نہیں) لیکن یہ تمام باتیں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر منکشف کر کے اور ایک ایک کر کے بیان کر کے مخالفوں پر تبلیغ کرنا آسان کر دیا اور یہ بتا دیا کہ اگر آپ ﷺ کی تبلیغ اس نہج پر نہ ہوئی تو گویا آپ ﷺ نے تبلیغ ہی نہیں کی۔ اس طرح آپ ﷺ پر حقائق واقعہ واضح کر کے آپ ﷺ کو خوش کر دیا اور آپ ﷺ کے دل کو مضبوط بنا دیا اور فرمایا:

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

(پ ۶ المائدہ ۶۷) (ترجمہ کنز الایمان)

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ تم دونوں خوف نہ کرو تاکہ تبلیغ و اظہار دین میں ان کی بصیرت قوی ہو جائے اور دشمن کا خوف جاتا رہے جو دلوں کو کمزور بناتا ہے۔

لیکن اللہ ﷻ کا فرمان

لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَثْوَابِ.

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے۔

(پ ۲۹ العارج ۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہ

إِذْ إِلَّا ذُقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ.

اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دوئی عمر کا مزہ دیتے۔

(پ ۱۵ الاسراء ۷۵) (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس شخص کا بدلہ ہوگا۔ اگر آپ ﷺ بھی ایسا کریں گے تو آپ ﷺ کا بھی یہی بدلہ ہوگا۔ حالانکہ آپ ﷺ ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ اسی طرح اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

وَإِنْ تَطَّعَ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ.

(پ ۱۱ الانعام ۱۱۶) دیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس آیت سے آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگ مراد ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

إِنْ تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا.

(پ ۲۵ الشوریٰ ۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اگر تم سب کافروں کی پیروی کرو گے تو.....

اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان

فَإِنْ يَشَاءَ اللَّهُ.

یعنی اگر اللہ چاہے تو..... (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہ

وَلَيْنُ أَشْرَكْتَ.

اے سننے والے اگر تو نے شرک کیا۔

(پ ۲۴ الزمرہ ۶۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اس کی قسم کی دیگر تمام آیتیں درحقیقت آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے ہیں اور یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو شرک کرتے ہیں لہذا نبی کریم ﷺ کی طرف تو اس کی نسبت بھی جائز نہیں ہے اور اللہ ﷻ کا یہ قول کہ

إِنِّي اللَّهُ.

(پ ۲۲ الاحزاب ۱) یعنی اللہ سے ڈرو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور کافروں کی اطاعت نہ کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔ حقیقتاً اللہ ﷻ جس سے چاہے جیسا چاہے منع فرما سکتا ہے اور جو چاہے حکم فرما سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ.

یعنی آپ ان لوگوں کی سرزنش نہ فرمائیں جو

رب کو پکارتے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حالانکہ حضور ﷺ نے نہ ان کی سرزنش فرمائی تھی اور نہ واقعاً آپ ﷺ ظالموں سے تھے۔



## دوسری فصل

### قبل اظہار نبوت انبیاء علیہم السلام کی عصمت

عقد قلبی میں سے انبیاء علیہم السلام کا نبوت سے پہلے معصوم ہونا بھی ہے۔ چنانچہ اس خصوص میں لوگوں کا اختلاف ہے اور مذہب حق و صواب یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی اللہ ﷻ کی ذات و صفات اور اس میں شک کرنے سے معصوم ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے ان کی ولادت کے وقت سے ہی نہایت قوی و مضبوط آثار و اخبار ہویدا (ظاہر) ہوتے ہیں اور وہ ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف توحید و ایمان پر ہی پرورش پاتے ہیں بلکہ معارف کے انوار اور سعادت کے الطاف کی بارشوں میں ان کی نشوونما ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے حصہ اول کے دوسرے باب میں خبردار کیا ہے۔

اہل سیر و تواریخ میں سے کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ کبھی بھی کوئی ایسا نبی چنا گیا ہو جو نبوت سے پہلے: (معاذ اللہ) کفر و شرک میں معروف و مشہور رہا ہو جو کہ اس باب میں نقل پر اعتماد کیا جائے۔ حالانکہ بعض علماء استدلال میں کہتے ہیں کہ جس میں اس قسم کی عادت ہوتی ہے اس سے لوگ نفرت کیا کرتے ہیں۔

لیکن میں (فقیر قاضی عیاض) کہتا ہوں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ پر قریش نے ہر قسم کے افتراءات اور بہتان اٹھائے اور آپ ﷺ پر ہر قسم کے طعن کئے اور نیز انبیاء و سابقین علیہم السلام کے کفار نے بھی اپنے اپنے نبی ﷺ پر جو ان سے ممکن تھا قسم قسم کی الزام تراشی کی جیسا کہ اللہ ﷻ نے بیان فرمایا اہل سیر و تواریخ نے ہم سے نقل کیا۔ لیکن ہم نے ان پر اٹھائے گئے مطاعن میں یہ کہیں نہیں پایا کہ کسی نے ان پر یہ الزام لگایا ہو کہ انہوں نے اپنے معبود حقیقی یا اس حکم کی سرتابی کی ہو جو وہ لائے تھے اور اگر ایسا کہیں ہوا ہوتا تو یقیناً ایسے الزام دھرنے سے وہ کبھی نہ چوکتے اور اس پر انہیں عار دلاتے اور طعنہ زنی کرتے کہ ان کا کیا اعتبار! یہ تو اپنے معبود کے بارے میں ہی غیر مستقل ہیں۔ بلاشبہ وہ کفار اپنے نبی ﷺ کی اس پر زجر و توبیخ کرنے میں، جس کی پرستش سے وہ نبی روکتے تھے ان کی حمایت کی خاطر زیادہ رسوا کن اور مضبوط دلیل ہوتی۔ حالانکہ انبیاء کرام ان کے اور ان کے آباؤ اجداد کے معبودان باطل کی پرستش پر برابر منع کرتے رہے ہیں۔ اب ان تمام کفار کا بالاتفاق اس طعن سے اعراض کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کو ایسا اعتراض کرنے کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور ہم تک منقول

ہوتا اور وہ کبھی اس سے پہلو تہی نہ کرتے جیسا کہ وہ بوقت تحویل قبلہ خاموش نہ رہے اور کہہ اٹھے جیسا کہ اللہ ﷻ نے نقل فرمایا کہ

مَا وَلَّهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا. کس نے مسلمانوں کو اپنے اس قبلہ سے پھیر دیا (پ۲ البقرہ ۱۴۲) جس پر وہ تھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت و تقدس پر اللہ ﷻ کے اس فرمان سے استدلال کیا کہ

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ. اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے (پ۲ الاحزاب ۷) عہد لیا اور تم سے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ. اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرماتے تو تم ضرور ضروران پر ایمان (پ۳ آل عمران ۸۱) لانا اور ان کی مدد کرنا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اسی آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو روز ميثاق پاک فرمایا اور یہ بات تو بعید ہے کہ اللہ ﷻ آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی ولادت سے قبل عہد لے اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے اس پر عہد لے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی نصرت و مدد کریں گے۔ ایسے عہد کے بعد یہ کیونکر ممکن ہے کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر شرک و معاصی وغیرہ کی نسبت کرنا جائز ہو سکے۔ ایسی نسبت کو وہی شخص جائز رکھ سکتا ہے جو ملحد ہو۔ یہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

اس کے علاوہ ایسا کیونکہ ہو سکتا ہے حالانکہ حضرت جبریل الطبیؑ نے آپ ﷺ کی صغریٰ میں آ کر شق صدر کر کے اس سے علقہ (تومرا) نکالا اور آپ ﷺ سے کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے اس کے بعد اسے غسل دے کر ایمان و حکمت سے پُر کر دیا۔ جیسا کہ ابتدائی خبریں اس کی تائید کرتی ہیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہونا چاہئے جب کہ انہوں نے ستارے چاند اور سورج کو دیکھ کر کہا: یہ ہے رب؟ اگرچہ اس پر ایک قول یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ ﷺ کی ابتدائی عمر تھی جو بچپن کی فکر و نظر ہے اور یہ عمر تکلیفات شرعیہ کے

لازم ہونے کی نہیں ہوتی لیکن اعلاظم تبحر علماء و مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اپنی قوم کو عاجز کرنے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لئے تھا

اور اس کے معنی میں ایک قول یہ ہے یہ ایسا استفہام ہے جو انکار کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ کیا یہ میرا خدا ہو سکتا ہے؟ (یعنی ہرگز نہیں!) اور زجاج رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ علیہ السلام کا قول ”هَذَا رَبِّي“ کے معنی یہ ہیں تمہارے قول کے مطابق۔

جیسا کہ فرمایا ”اَيْنَ شُرَكَائِي“ یعنی جو کہ تم میرا شریک بناتے ہو وہ کہاں ہیں؟ اب رہی یہ بات کہ آپ علیہ السلام نے ایک آن کے لئے کبھی کسی معبود باطل کی عبادت نہ کی اور نہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو خدا کا شریک بنایا اس پر خدا کا یہ فرمان شاہد ہے کہ اِذْ قَالَ لِاٰبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُوْنَ O (پ۱۹ الشعراء) یعنی جب انہوں نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کسے پوجتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم بت پوجتے ہیں۔ فرمایا:

اَفَرءَ يٰتَم مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ O اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ الْاَقْدَمُوْنَ O فَاِنَّهُمْ عَدُوْلِيْ اِلَّا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ . (پ۱۹ شعراء ۷۷-۷۶-۷۵)

کیا تم دیکھتے ہو یہ جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بیشک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِذْ جَاءَ رَبُّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ O (پ۲۳ الشفۃ ۸۴)

جبکہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا تو غیر سے سلامت دل لے کر۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ط (پ۱۳ ابراہیم ۳۵)

اور بچا مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ وہ بتوں کی پرستش کریں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اگر تم کہو کہ اس کے کیا معنی ہیں کہ

لَسِيْنَ لَمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَا كُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضّٰلِّيْنَ O (پ۱۶ الانعام ۷۷)

اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گمراہیوں میں ہوتا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس کا جواب ایک قول کے مطابق یہ ہے کہ اگر وہ اپنی مدد سے میری نصرت نہ فرماتا تو میں گمراہی اور عبادت میں تمہاری طرح ہو جاتا۔ آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا بر سبیل خوف خدا تھا اور نہ آپ علیہ السلام تو روز ازل سے ہی ضلالت وغیرہ سے معصوم تھے اور اگر تم یہ کہو کہ اس فرمان الہی کے کیا معنی ہیں کہ

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ  
مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا  
کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا یقیناً ہم تم کو  
اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین  
(پ۱۳ ابراہیم ۱۳) پر ہو جاؤ  
(ترجمہ کنز الایمان)

اس کے بعد اللہ ﷻ نے اپنے رسولوں کی جانب سے فرمایا:

قَدْ افترینا علی اللہ کذباً ان غدنا فی  
ملتکم بعد اذ نجانا اللہ منها  
ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے  
دین میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں  
(پ۹ الاعراف ۸۹) اس سے بچایا۔  
(ترجمہ کنز الایمان)

تو تم اس شک میں نہ پڑنا کہ ”لوٹ آنا“ (عود) اس کا مقتضی ہے کہ وہ اس دین پر لوٹ آئیں  
گے جس پر وہ پہلے سے تھے کیونکہ محاورتا عرب میں یہ لفظ کبھی اس محل پر بھی بولا جاتا ہے جس کی ابتداء نہ  
ہو اس وقت اس عود کے معنی صیرورث یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹ جانے  
کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ جہنمیوں کے لئے فرمایا کہ عَادُوا حُمَماً<sup>۱</sup> (یعنی وہ کوئلہ ہو جائیں گے) (اس جگہ پر عاد  
کا لفظ فرمایا گیا) حالانکہ وہ اس سے پہلے ایسے کوئلہ نہ تھے اور جیسا کہ شاعر نے کہا

تِلْكَ الْمَكَارِمُ لَا قَعِيَانٍ مِنْ لَبَنٍ شَيْبًا بِمَاءٍ فَعَادَ أَبْوَالًا  
یعنی یہ مکارم جمیلہ اس دودھ کے برتنوں کی مانند نہیں ہیں جس میں پانی ملایا گیا۔ پھر اس کے  
بعد وہ پیشاب بن گئے ہوں حالانکہ اس سے پہلے وہ بول نہ تھا۔  
اگر تم کہو کہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ O اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفته پایا تو اپنی طرف  
(پ۳۰ البقرہ ۷) راہ دی۔  
(ترجمہ کنز الایمان)

یہاں ضال کے معنی وہ گمراہی نہیں ہے جو کہ کفر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نبوت سے وارفتہ  
تھے تو آپ ﷺ کو اس کی طرف ہدایت فرمائی۔ اسے طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ اے  
محبوب آپ ﷺ کو گمراہوں میں پایا تو آپ ﷺ کی ان سے حفاظت کر کے ایمان و ارشاد کی راہ دکھائی  
اسی طرح سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی شریعت سے بے خبر  
تھے یعنی آپ جانتے نہ تھے تو ہم نے اس کی طرف ہدایت کی اور ضلال کے معنی اس جگہ حیرانی کے ہیں۔  
اس لئے نبی کریم ﷺ غار حرا میں خلوت گزریں ہو کر اس چیز کے خواہش مند ہوتے تھے جو اپنے

رب ﷺ کی طرف راہ دکھائے۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے اسلام کی طرف راہ دکھائی۔ یہ مطلب قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو نہ جانتے تھے تو اللہ ﷻ نے اس کی طرف ہدایت فرمائی۔ یہ معنی خدا کے اس قول کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط  
اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۵ النساء ۱۱۳)

اسے علی ابن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی گمراہی معصیت نہ تھی اور ایک قول یہ ہے کہ ”ہدایت فرمائی“ یعنی دلائل کے ساتھ احکام کو واضح کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مکہ یا مدینہ اختیار کرنے میں سرگرداں پایا تو اللہ ﷻ نے مدینہ کی طرف ہدایت فرمائی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو پایا تو آپ ﷺ کے سبب سے گمراہوں کو ہدایت ہوئی۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ کو اپنی محبت سے جواز میں آپ ﷺ سے تھی بے خبر پایا یعنی آپ ﷺ جانتے نہ تھے تو آپ ﷺ کو اپنی معرفت کرا کر آپ ﷺ پر احسان فرمایا اور حسن ابن علی رحمۃ اللہ علیہ نے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ پڑھا یعنی آپ ﷺ کو گمراہ نے پایا تو آپ کے سبب وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو وارفتہ پایا یعنی ”میری معرفت کا دوست پایا“ ضال کے معنی دوست کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ط  
یعنی آپ اپنی اسی پرانی محبت میں ہیں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۳ یوسف ۹۵)

یہاں دین میں گمراہی کے معنی نہیں ہیں اگر (برادران حضرت یوسف علیہ السلام) اس معنی میں اللہ ﷻ کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کو کہتے تو یقیناً وہ سب کافر ہو جاتے۔ اسی طرح ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللہ ﷻ کا قول یہ ہے کہ

إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (پ۱۲ یوسف ۳۰) یعنی ہم (زینجا) کو کھلی محبت میں دیکھتے ہیں۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس چیز کے بیان کرنے میں متحیر پایا جو نازل ہوئی تو اس نے اس کے بیان کی راہ دکھائی۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ. (پ۱۳ النحل ۱۶) اور ہم نے آپ پر ذکر یعنی قرآن اتارا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ ﷺ کو نبوت کے ساتھ کوئی جانتا

ہی نہ تھاحتی کہ ہم نے تمہیں ظاہر کر دیا اب آپ ﷺ کے سبب سے نیک بخت ہدایت یافتہ ہو گئے۔  
 (قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ) میں کسی ایسے مفسر کو نہیں جانتا جس نے اس جگہ ضلال کے معنی  
 ایمان سے گمراہ کیے ہوں اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ  
 فَعَلْتَهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ۔ میں نے وہ کام یا جبکہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔

(۱۹ اشعراء ۲۵) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ان خطا کاروں میں سے تھا جو بلا قصد و ارادہ کوئی کام کر لیتے۔ اسے ابن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ  
 نے بیان کیا اور زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی ”بھولنے والوں میں سے“ بیان کئے ہیں اور ایک قول  
 وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو بھولنے والا پایا تو راہ دکھائی۔ جیسا کہ ارشاد  
 باری ہے:

أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا۔ کہیں ان میں ایک عورت بھولے۔

(۳ البقرہ ۲۸۲) (ترجمہ کنز الایمان)

اگر تم کہو کہ اللہ ﷻ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ۔ اس سے پہلے تم نہ کتاب جانتے تھے نہ احکام  
 (۲۵ الشوریٰ ۵۲) شرع کی تفصیل۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی میں کہا کہ آپ ﷺ وحی سے  
 پہلے جانتے نہ تھے کہ قرآن کو پڑھو گے اور کیونکر مخلوق کو ایمان کی طرف دعوت دی جائے گی۔  
 قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا اور فرمایا کہ اس ایمان کو نہ جانتے تھے جو فرائض و احکام  
 ہیں۔ کہا کہ آپ ﷺ پہلے توحید الہی پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے بعد وہ فرائض نازل ہوئے جن کو آپ  
 ﷺ پہلے جانتے نہ تھے۔ اب مکلف بنا کر ایمان میں زیادتی فرمائی اور یہی بہترین توحید ہے۔

اگر تم کہو کہ اللہ ﷻ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ○ اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔

(۱۲ یوسف ۳) (ترجمہ کنز الایمان)

تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ○ اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں۔

(۱۱ یونس ۷) (ترجمہ کنز الایمان)

بلکہ ابو عبد اللہ ہر وی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی میں بیان کیا کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے بے خبر (غافل) تھے ایسے کہ آپ کو معلوم نہ تھا مگر جبکہ ہم نے وحی فرمائی۔ اسی طرح وہ حدیث جسے عثمان بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ ایک دن مشرکوں کے ساتھ ان کی مجلس میں تشریف لے جا رہے تھے تو سنا کہ دو فرشتوں نے جو آپ کے پیچھے تھے ایک نے دوسرے سے کہا: تم جاؤ اور اس کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ تو اس نے کہا: میں کیسے کھڑا ہو جاؤں حالانکہ اس کا زمانہ بتوں کے چھونے کے قریب ہے۔ اس کے بعد آپ کبھی ان کے جلسوں میں نہیں گئے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۵، ابن عدی فغفاء الرجال جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۷)

یہ حدیث بھی وہ ہے جس کا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے شدت سے انکار کیا ہے اور کہا کہ یہ موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ عثمان (راوی حدیث نے) اس کی سند میں وہم کیا اور حدیث فی الجملہ منکر ہے اس کی اسناد پر اتفاق نہیں۔ لہذا یہ ناقابل توجہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اس کے برعکس علماء میں مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے بت پرستی سے طبعی طور پر نفرت تھی اور دوسری اس حدیث میں جو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کے چچا (ابوطالب) اور ان کی اولاد نے جب اپنی عید کے دن حضور ﷺ سے تشریف لے جانے کے لئے کہا تو آپ ﷺ نے نفرت کا اظہار فرمایا تو انہوں نے قسم کے ساتھ اصرار کیا تب آپ ﷺ ان کے ساتھ گئے اور خوفزدہ واپس آئے۔

اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: جب کبھی بھی میرا کسی بت کے نزدیک گزر رہا تو ایک طویل قامت سفید روپ شخص نے ظاہر ہو کر چلا کر کہا: پیچھے ہٹو اسے نہ چھوؤ۔ اس کے بعد پھر کبھی ان کی کسی عید پر نہیں گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۵۴)

اور بحیرہ کے قصہ میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا جبکہ اس نے نبی کریم ﷺ کو لات وعزیٰ کی قسم دلائی تھی اور یہ اس وقت کا قصہ ہے جبکہ آپ ﷺ اپنے چچا (ابوطالب) کے ساتھ شام کے سفر میں صغریٰ میں تشریف لے گئے تھے اور آپ ﷺ سے علامات نبوت ہویدا ہوئے تھے تو اس بحیرہ نے امتحاناً آپ ﷺ کو قسم دلائی تھی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے لات وعزیٰ کی قسم دے کر سوال مت کرو۔ خدا کی قسم! مجھے ان دونوں سے بڑھ کر کسی سے نفرت نہیں ہے۔ اس پر بحیرا نے کہا: تمہیں خدا کی قسم تم مجھے وہ بات بتلاؤ جو میں دریافت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اب جو چاہو پوچھو۔

اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت میں توفیق الہی سے یہ معروف و مشہور ہے کہ آپ ﷺ اظہار

نبوت سے پہلے حج کے مواقع پر مزدلفہ میں مشرکین کے وقوف کے مخالف تھے اور آپ ﷺ عرفہ میں وقوف فرماتے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقوف فرمایا تھا۔

## تیسری فصل

انبیاء علیہم السلام تو حید ایمان اور وحی میں مضبوط تھے

قاضی ابوالفضل توفیق الہی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے جو کچھ بیان کر دیا ہے اس سے یہ بات ثابت اور ظاہر ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام تو حید و ایمان اور وحی میں مضبوط تھے لیکن قطع نظر اس بات کے جو ان کے قلوب صافیہ کا اعتقاد و یقین ہے وہ تو علم یقین سے علی وجہ الکمال بھرا ہوا ہے اور یہ کہ یہ حضرات قدس دین و دنیا کے امور کی معرفت و علم میں اس قدر حاوی تھے کہ کوئی ان سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا۔ جس نے خبروں کا مطالعہ اور حدیث میں غور و فکر کیا ہے اور جو کچھ ہم نے کہا ہے اس نے اس پر گہری نظر و فکر کی ہے تو اسے ثابت ہو جائے گا کہ ہم نے اپنے نبی کریم ﷺ کے بارے میں اس کتاب کے چوتھے باب کی قسم اول میں جو تنبیہات کی ہیں اس کے لئے کافی ہیں مگر اب ہم ان کے ان حالات کو ظاہر کرتے ہیں جو بظاہر ان معارف سے مختلف اور امور دنیا سے متعلق ہیں۔

(تو معلوم ہونا چاہئے) انبیاء علیہم السلام کے لئے دنیاوی امور کی معرفت میں عصمت شرط نہیں ہے کیونکہ انبیاء کو ان میں سے بعض امور کی یا تو اطلاع نہیں ہوتی ہے یا ان کا اعتقاد اس کے خلاف ہوتا ہے اور یہ بات ان کے لئے اصلاً عیب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے تمام عزائم امور آخرت ان کی خبریں، امور شریعت اور اس کے قوانین و احکام سے متعلق رہتے ہیں اور دنیاوی امور ان سب کی ضد اور غیر ہے بخلاف ان کے سوا اہل دنیا کے۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ  
عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ O  
جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی  
اور آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۱ الروم ۷)

جیسا کہ ہم عنقریب دوسرے باب میں انشاء اللہ بیان کریں گے لیکن بایں ہمہ انبیاء علیہم السلام کو یہ کہنا نہیں چاہئے کہ وہ دنیاوی امور کو بالکل جانتے ہی نہ تھے۔ اگر ایسی بات ہو تو یہ ان کو غفلت اور نادانی کی طرف لے جائے گی اور انبیاء کرام علیہم السلام اس سے پاک و منزہ ہیں بلکہ ان کو تو دنیا والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور ان کی سیاست (حکومت) و ہدایت اور ان کی دینی و دنیاوی اصلاح کی ذمہ



داری انبیاء کرام علیہم السلام کے سپرد کی گئی ہے اور ان امور کی بجا آوری کلیتہً دنیاوی امور سے لاعلمی کی صورت میں ہو نہیں سکتی۔ اس سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کے حالات اور سیرتیں معلوم ہی ہیں۔

ان کی ان سب سے واقفیت مشہور ہے لیکن اگر یہ اعتقاد دین سے متعلق ہے تو نبی کریم ﷺ کو ان کا معلوم ہونا ہی کہنا صحیح ہوگا اور فی الجملہ ناواقفیت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ لامحالہ اس کا علم اللہ ﷻ کی جانب سے وحی کے ذریعہ ہوا ہوگا اور اس میں شک و شبہ کرنا جائز نہیں جیسا کہ پہلے گزرا۔ تو اب ناواقفیت کہاں رہی بلکہ آپ ﷺ کو علم الیقین ہو گیا یا یہ کہ آپ ﷺ نے اسے اپنے اجتہاد سے کیا ہوگا تو یہ اس وقت ہے جب کہ آپ ﷺ پر اس سلسلہ میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو تو اس قول کی بنا پر محققین کے نزدیک وقوع اجتہاد جائز ہے۔

جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا اقتضاء ہے کہ اس میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اپنے اجتہاد سے تمہاری ان باتوں کا فیصلہ کرتا ہوں جہاں مجھ پر وحی نہیں آتی۔ اس کی تخریج ثقہ راویوں نے کی ہے۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کا قصہ اور جہاد میں پیچھے رہ جانے والوں کو اذن دے دینا ہے۔<sup>۱</sup> یہ بعض کی رائے پر ہے تو یہ بھی جس پر آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اپنے اجتہاد کا نتیجہ ہے یقیناً حق و صحیح ہوگا اور یہ ایسا حق و صحیح ہے کہ کسی مخالف کی خلاف رائے کی طرف ہرگز توجہ نہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کے قول کے موافق جو کچھ مجتہدین کے صواب کی طرف گیا ہے جو کہ ہمارے نزدیک حق و ثواب ہے اور نہ دوسرے قول پر کہ حق ایک طرف ہوگا۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا شرعیات میں اجتہاد فرمانا خطا سے معصوم ہونا ثابت ہے اور اس لئے بھی کہ مجتہدین کی خطائے اجتہادی تو شریعت سے ثابت ہو جانے پر ہے اور نبی کریم ﷺ کی نظر و اجتہاد تو ان امور میں ہوتی ہے جہاں آپ ﷺ پر وحی سے کچھ حکم نہ ملا ہو اور نہ اس سے قبل جب کہ آپ ﷺ نے دل سے ارادہ فرمایا کوئی حکم مشروع ہوا ہو لیکن وہ امور شرعیہ جن پر آپ ﷺ کا دل مضبوط نہیں وہ پیشک ابتداء میں آپ ﷺ اس سے لاعلم تھے مگر جب ان کو اللہ ﷻ نے تھوڑا تھوڑا علم مرحمت فرمادیا تو اب ان کا علم بھی آپ ﷺ کو مکمل حاصل ہو گیا یا تو وحی کے ذریعہ یا کسی کام کو شروع کرنے کی اجازت مرحمت فرمانے کی صورت میں آپ ﷺ نے اس پر حکم فرمایا ہو جو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دکھایا اور بلاشبہ آپ اکثر امور میں وحی کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ سنن ابوداؤد کتاب الاضیئہ جلد ۲ صفحہ ۱۵

۲۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۵

۳۔ تفسیر ابن جریر سورہ توبہ آیت ۸۱ جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۹

بایں ہمہ آپ ﷺ نے اس وقت تک دنیا سے کوچ نہیں فرمایا جب تک کہ آپ ﷺ کو تمام علوم حاصل نہ ہو گئے اور تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ کو تمام معارف ثابت نہ ہوئے اور ہر قسم کا شک و شبہ اور علی وجہ الکمال جہل کا انتفاء آپ ﷺ سے نہ ہو گیا۔ حاصل کلام یہ کہ نبی کریم ﷺ سے وہ تفصیلات شرعیہ جن کی دعوت کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا۔ ان سے ناواقفیت کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ صحیح نہیں کہ آپ ﷺ نے ان امور کی دعوت دی جن کو آپ ﷺ (معاذ اللہ) خود نہ جانتے تھے۔

لیکن وہ امور جو آپ ﷺ کے اعتقاد سے متعلق ہیں مثلاً آسمانوں، زمینوں کے ملکوت مخلوقات الہیہ، اس کے اسماء حسنیٰ اور آیات کبریٰ کی تعیین، امور آخرت، علامات قیامت، نیک و بد کی حالت، علم ما کان ما یکنون یعنی گزشتہ و آئندہ کی خبریں۔ ان سب کا علم آپ کو وحی الہی سے ہی حاصل ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے بیان کے موافق اس میں بھی آپ معصوم ہیں اور جو کچھ بھی آپ کو علم دیا گیا اس میں اصلاً شک و شبہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کو وہ یقین کی اعلیٰ منزل پر معلوم ہے لیکن اس میں یہ شرط نہیں کہ ان سب کی تفصیل کا آپ ﷺ کو علم ہو۔ اگرچہ آپ ﷺ کو اس کا اتنا علم ہے کہ کسی اور بشر کو ہرگز اتنا علم نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نہیں جانتا مگر اسی قدر جتنا کہ مجھے میرے رب ﷻ نے علم دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ کسی انسان کے دل پر گزرا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ. (پ ۱۷ سجدہ ۱۷) پیچھے چھپا رکھی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

هَلْ أَتَبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تَعْلِمَنِي مِمَّا عَلِمْتَ رُشْدًا ۚ (پ ۱۵ الکہف ۶۶) کیا میں تمہارے ساتھ ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں معلوم ہوئی۔

(پ ۱۵ الکہف ۶۶) (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور اکرم ﷺ کا قول ہے کہ اے خدا بواوسطہ اپنے اسماء حسنیٰ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنے اسماء کا علم سکھا خواہ میں اسے جانتا ہوں یا اس کا مجھے علم نہیں ہے اور ارشاد ہے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے ہر اس نام کا جو تو نے اپنا رکھا ہے یا اسے ترجیح دی ہے علم غیب میں جو تیرے پاس ہے اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝ (پ ۱۳ یوسف ۷۶) ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

۱۔ ربیعی کمانی منابہ الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۱۹

۲۔ سند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۱

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ علم کی آخری حد اللہ ﷻ کی ذات پر ہے اس لئے کہ معلومات الہیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کی کوئی آخری حد ہے۔ یہ حکم تو نبی کریم ﷺ کے اس اعتقاد کے بارے میں ہے جو توحید شریعت اور امور دینیہ کے معارف و لطائف کے سلسلہ میں ہے۔

## چوتھی فصل

حضور ﷺ اثرِ شیطان اور ہر شر و فساد پر معصوم تھے

واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کا شیطان سے محفوظ و معصوم ہونے پر امت کا اجماع ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ ہی آپ ﷺ کا محافظ ہے شیطان نہ تو آپ ﷺ کے جسم اقدس پر کسی قسم کی اذیت پہنچا سکتا ہے اور نہ آپ ﷺ کے قلب اطہر میں وسوسہ ڈال سکتا ہے۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کا ہمنشیں جن نہ بنایا گیا ہو اور ایک ہمنشیں فرشتہ نہ ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا آپ ﷺ کے لئے بھی ہے؟ فرمایا: ہاں۔ لیکن اللہ ﷻ نے میری مدد فرمائی اور وہ اسلام لے آیا۔ (صحیح مسلم کتاب المناقین جلد ۲ صفحہ ۲۱۶)

دوسری حدیث میں منصور رحمۃ اللہ علیہ سے اتنا زیادہ ہے کہ اب وہ مجھے صرف خیر کا ہی حکم کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے معنی میں مروی اور یہ کہ فَاَسْلَمُ مِمَّكَ کے پیش کے ساتھ یعنی میں اس سے بچتا ہوں اور بعض نے اس روایت کی تصحیح کی اور اس کو ترجیح دی ہے اور مروی ہے کہ وہ اسلام لے آیا یعنی وہ اپنی حالت کفر سے اسلام کی طرف منتقل ہو گیا ہے اب وہ صرف خیر کی تلقین کرتا ہے۔ فرشتہ کی طرح۔ یہ ظاہر حدیث میں ہے اور بعض نے فَاَسْتَسْلَمُ یعنی ”فرمانبردار ہو گیا ہے“ روایت کی ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) بتوفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کہ وہ شیطان جو آپ ﷺ کا ہمنشیں ہے اور جو کہ بنی آدم پر مسلط ہے اس کا یہ حکم ہے تو اس کا کیا حال ہوگا جو آپ ﷺ سے دور ہے اور جس نے آپ ﷺ کی محبت کو لازم نہ کیا اور نہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ آپ ﷺ کے قریب بھی جاسکے کیونکہ احادیث میں مروی ہے کہ شیاطین نے کئی موقعوں پر آپ ﷺ کے نور کو بجھانا چاہا اور آپ ﷺ کو ہلاک کرنے اور شغل میں مبتلا کرنے کی کوشش میں آپ ﷺ کا پیچھا کیا تھا۔ جب وہ آپ ﷺ کے اغوا کرنے سے مایوس ہو گیا تو وہ ناکام ہو کر رہ گئے جیسا کہ آپ ﷺ کو نماز میں ورغلانا چاہا تو

آپ ﷺ نے اسے پکڑ کر قید کر دیا اور صحاح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے پاس شیطان آیا۔ (صحیح بخاری بدء الخلق جلد ۱ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۲۸۵)

عبدالرزاق رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ بلی کی صورت میں تھا تو اس نے مجھ پر حملہ کیا تا کہ نماز قطع کرا دے تو اللہ ﷻ نے مجھے اس پر غلبہ عنایت فرمایا اس کے بعد اسے چھوڑ دیا اگرچہ یہ قصہ ہوا کہ اسے ستون سے باندھ دوں تا کہ صبح کے وقت سب اسے دیکھیں۔ لیکن اس وقت مجھے اپنے بھائی سلیمان رضی اللہ عنہ کا قول یاد آ گیا کہ رَبِّ هَبْ لِي مَلَكًا یعنی اے میرے رب مجھے ملک عنایت فرما غرضیکہ اللہ ﷻ نے شیطان کو ناکام لوٹا دیا اور ابو برداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دشمن خدا ابلیس میرے پاس آگ کا شعلہ لایا تا کہ وہ میرے چہرہ پر مارے در انحالیکہ حضور ﷺ نماز میں تھے۔ آپ ﷺ نے اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ اور اس پر لعنت کا ذکر کیا۔ پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا اس کے بعد مذکورہ حدیث کے مطابق ذکر ہے اور فرمایا:

بلاشبہ صبح کے وقت تک بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے اسی طرح معراج کی حدیث میں ہے کہ عفریت (شیطان) نے ایک آگ کے شعلہ کی جستجو کی اس وقت جبریل رضی اللہ عنہ نے اَعُوذُ بِاللَّهِ کے پڑھنے کی ترغیب دی یہ موطا (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں مذکور ہے۔ جبکہ شیطان آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے پر قادر نہ ہوا تو پھر اس نے آپ کے دشمنوں کو ایذا رسانی پر برا بیخیز کر کے ذریعہ بنایا۔ جیسا کہ حضور ﷺ کے معاملہ میں قریش کے ساتھ مکہ میں شہید کرنے کے قصہ میں ہوا اور شیطان شیخ نجدی کی صورت میں آیا اور دوسری مرتبہ یوم بدر میں سراقہ بن مالک کی صورت میں نمودار ہوا اور خدا کا فرمان ہے:

إِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ.

(پہا الانفال ۲۸) کر دکھائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ایک مرتبہ بیت عقبہ کے وقت قریش کو آپ ﷺ کی شان و شوکت سے ڈراتا تھا ان تمام واقعات میں اللہ ﷻ نے شیطان کے شر اور نقصان سے آپ ﷺ کی کفایت کرتے ہوئے معصوم و مصون رکھا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس وقت شیطان کے چھونے سے محفوظ رکھا جب کہ وہ آیا تھا کہ بوقت ولادت ان کو پہلو سے چھوئے مگر اس نے حجاب (پردے) میں چھوا اور

۱۔ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۲۸۵

۲۔ دلائل النبوة للمبہوتی جلد ۷ صفحہ ۹۵، مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۲۱۹

۳۔ تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۵۱

۴۔ صحیح بخاری بدء الخلق جلد ۲ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۸

حضور ﷺ جب بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کو دو (لذ) پلائی گئی اور اس وقت آپ ﷺ سے باز پرس کے وقت کہا گیا کہ اس سے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ (خدا نخواستہ) آپ کو ذات الجنب ہو گیا ہے۔  
تب آپ ﷺ نے فرمایا: ذات الجنب تو شیطان کے چھونے سے ہوتا ہے اور مجھے تو اللہ ﷻ نے اس سے محفوظ رکھا ہے کہ شیطان مجھ پر غالب آسکے۔

(صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۱۰ صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۲ صفحہ ۱۷۳۳)

اب اگر کہا جائے اس ارشاد باری کے کیا معنی ہیں کہ

وَمَا يَنْزَعَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ  
دے (کسی برے کام پر اکسائے) تو اللہ کی پناہ  
فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ط

(پ۹ الاعراف ۲۰۰) مانگ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس کے جواب میں بعض مفسرین نے کہا کہ یہ اللہ ﷻ کے اس قول کی طرف راجع ہے کہ

وَاعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ O  
اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

(پ۹ الاعراف ۱۹۹) (ترجمہ کنز الایمان)

اس کے بعد کہا کہ اگر تمہیں نزع پہنچ جائے یعنی اگر تم کو غضب ہلکا کرے جو کہ ان سے اعراض کے ترک پر برا بیچتے کرے تو اللہ ﷻ سے پناہ مانگو۔ بعض نے کہا کہ نزع کے معنی فساد کے ہیں۔

جیسا کہ فرمایا: ”اس کے بعد کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈالے۔“ اور ایک قول یہ ہے کہ نزع سے مراد ابھارنا اور جوش میں لانا ہے اور نزع و سوسہ کا ادنیٰ درجہ ہے تو اللہ ﷻ نے فرمایا کہ جب دشمن پر آپ ﷺ کو غصہ حرکت میں لے آئے یا شیطان آپ ﷺ کو یوں پریشان کرے تو اللہ ﷻ سے پناہ مانگو اور خطرات تو سوسہ سے کم درجہ پر ہے۔ آپ ﷺ پر تو اس کا بھی راستہ نہیں جب ہی تو پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ لہذا اللہ ﷻ اس میں بھی آپ ﷺ کی کفایت فرمائے گا اور یہ آپ ﷺ کی عصمت کی تکمیل کا سبب بنے گا کیونکہ آپ ﷺ کے اعراض سے بڑھ کر وہ غلبہ نہیں پاسکتا اور اسے آپ ﷺ پر ہرگز قدرت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس آیت کی تفسیر میں اقوال ہیں۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے شیطان فرشتہ کی صورت میں ظاہر ہو اور آپ ﷺ پر شبہ ڈالے نہ یہ قبل رسالت صحیح ہے اور نہ یہ بعد رسالت۔ اور اس میں اعتماد و دلیل معجزہ ہے بلکہ نبی کو اس میں قطعاً شک نہیں ہوتا۔ کہ فرشتہ جو کچھ اللہ ﷻ کی طرف سے لاتا ہے وہ حقیقتاً اسی کا قاصد ہے یا تو اس بدیہی علم سے کہ اللہ ﷻ ان کے لئے پیدا فرمادیتا ہے یا ان دلائل سے جس کو ان پر اپنی جانب سے

ظاہر فرمادیتا ہے تاکہ وہ اپنے رب ﷻ کے کلام کو سچائی اور انصاف کے ساتھ پورا کر سکیں۔ اللہ ﷻ کے کلام میں تبدیلی نہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے کہ

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ ج

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے جب انہوں نے پڑھا شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پہ

(پا ۵۲) کچھ اپنی طرف سے ملا دیا (ترجمہ کنزالایمان)

تو معلوم ہونا چاہئے کہ لوگوں کے لئے اس آیت کی تاویل میں چند قول ہیں ان میں سے کچھ تو نرم و سہل ہیں اور کچھ سخت و بھاری ہیں۔ سب سے بہتر وہ قول ہے جس پر جمہور مفسرین ہیں وہ یہ کہ آرزو سے مراد تلاوت ہے اور دخل شیطانی سے مطلب یہ کہ وہ پریشاں خاطر کرے اور تلاوت کرنے والے کو دنیاوی امور یاد دلائے یہاں تک کہ اس پر تلاوت میں وہم و نسیان داخل ہو جائے یا سننے والے پر اس کے سوا تحریف اور بری تاویل داخل کر دے جن کو اللہ ﷻ زائل اور منسوخ کر دیتا ہے اور اس کا شبہ دور کر دیتا ہے اور آیات کو محکم کر دیتا ہے۔ اس آیت پر عنقریب گفتگو آنے والی ہے۔ انشاء اللہ ﷻ۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کا انکار کیا جس میں یہ کہا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک پر شیطان نے تسلط کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اسی قسم کے تمام قصے غلط ہیں اور ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے کھول کر بیان کر دیئے ہیں اور اس شخص کا قول بھی ذکر کیا ہے جس نے یہ کہا کہ جسم سے مراد وہ لڑکا ہے جو ان کے پیدا ہوا تھا۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے اور ان کے اس قول میں کہ

أَبَى مَسْنَى الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا لگادی۔

(پا ۲۳ ص ۴۱) (ترجمہ کنزالایمان)

کہا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ کوئی یہ تاویل کرے کہ شیطان نے انہیں بیمار کیا تھا اور ان کے بدن کو اذیت پہنچائی تھی۔ حالانکہ یہ صرف اللہ ﷻ ہی کے حکم سے ہوا تھا تاکہ وہ ان کا امتحان لے اور انہیں ثواب مرحمت فرمائے۔ اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ شیطان نے جو انہیں تکلیف دی تھی وہ ان کی بیوی کا دوسوہ تھا۔

اگر تم یہ کہو کہ اللہ ﷻ کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ جو حضرت یوشع علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

وَمَا أَنْسَانِيَهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ. (پا الکہف ۶۳) اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ. یعنی شیطان نے ان کے رب کے ذکر کو بھلا

(پا یوسف ۴۲) دیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ہمارے نبی ﷺ کا فرمان جب کہ ایک وادی میں سو جانے کی وجہ سے نماز سے رہ گئے تھے کہ ”یہ ایسی وادی ہے جہاں شیطان ہے“<sup>۱</sup> اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول جب کہ انہوں نے گھونسا مارا تھا کہ

هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (پا القصص ۱۵)

یعنی ”یہ کام شیطان کی طرف سے ہو۔“ (ترجمہ کنز الایمان)

تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ایسا کلام ہے جسے اہل عرب اپنے کلام میں ہر بری بات کو جو کسی سے صادر ہو یا کوئی برا فعل ہو جائے تو وہ اس کو ہمیشہ شیطان کی طرف سے سمجھا کرتے تھے۔

جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

طَلَعَهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ۝ اس کے پھن گویا شیطان کے سر ہیں۔

(پا الصفات ۶۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور ﷺ نے فرمایا: (اس شخص کے لئے جو نمازی کے آگے سے گزرے) کہ اس سے لڑو کیونکہ وہ شیطان ہے<sup>۲</sup> اور یہ بھی ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے قول کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت تک ان کی نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ثابت نہیں ہوئی تھی اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ. اور جب حضرت موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا

(پا الکہف ۶۰) (ترجمہ کنز الایمان)

چنانچہ مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی تب وہ نبی ہوئے اور ایک قول ہے کہ آپ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ان کی نبوت سے پہلے تھے جو قرآن کی دلیل سے ثابت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تو وہ آپ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا

۱۔ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۱۲۷، مؤطا امام مالک صفحہ ۳۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب بدع الخلق جلد ۴ صفحہ ۹۷، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۶۲

ہے اور اللہ ﷻ کے قول **اِنَّ سَاۡءَ الشَّيْطَانِ** (پا یوسف ۴۲) (ان کو شیطان نے بھلا دیا) کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جسے شیطان نے اپنے رب کے ذکر سے بھلا دیا تو وہ جیل خانے کے دو ساتھیوں میں سے ایک کے لئے ہے اور رب سے مراد بادشاہ ہے یعنی بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا حال بیان کرنے سے شیطان نے بھلا دیا اور یہ بھی ہے کہ اس قسم کے فعل شیطان سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام پر وسوسوں نے غلبہ کر لیا تھا بلکہ ان کا دل کسی دوسرے امور میں مشغول ہو گیا تھا۔ اب ان دونوں کو ان امور کو یاد دلانا مقصود ہے جس نے ان کو بھلا دیا تھا لیکن حضور ﷺ کا فرمان کہ

”یہ ایسی وادی ہے کہ جس میں شیطان ہے۔“ سو اس میں یہ کہاں ذکر ہے آپ ﷺ پر وہ غلبہ پا گیا تھا اور نہ یہ کہ اس نے وسوسہ میں مبتلا کر دیا تھا بلکہ اگر اس کو اس کے ظاہری معنی کے اقتضاء پر رکھیں تو اس سے تو صرف شیطان کا کام ظاہر ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ شیطان بلال کے پاس آیا اور انہیں تھپک تھپک کر سلا دیا جیسے بچے کو سلاتے ہیں یہاں تک کہ وہ سو گئے! تو معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان کا اس وادی پر غلبہ صرف بلال پر تھا جو کہ نماز فجر کے ادائیگی پر مقرر تھے۔

یہ اس صورت میں تاویل ہے جب کہ حضور ﷺ کا ارشاد کہ ”اس وادی میں شیطان ہے۔“ قضاء نماز پر نیند کو سبب بنا کر تنبیہ قرار دیں لیکن اگر اس کو ہم وادی سے کوچ کرنے پر تنبیہ قرار دیں اور اس کو کوچ کو وہاں نماز نہ پڑھنے کی عدت ٹھہرائیں تو یہ دلیل زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سیاق کی بنتی ہے تو اب اس پر اس باب میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بیان ظاہر ہے اور اشکال اٹھ جاتا ہے۔

## پانچویں فصل

### حضور ﷺ کے اقوال میں عصمت

لیکن نبی کریم ﷺ کے اقوال میں عصمت کا ثبوت تو آپ ﷺ کی سچائی پر صحیح معجزہ کے ساتھ واضح دلائل قائم ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ کے طریق تبلیغ پر امت کا اجماع ہے کہ جو خلاف واقعہ خبریں ہوں ان کی خبر دینے سے آپ ﷺ معصوم ہیں نہ تو قصداً نہ سہواً اور نہ بطور غلط لیکن عمداً خلاف کہنا تو بالکل غلط ہے اس لئے کہ معجزہ دلیل ہے اس پر کہ وہ اللہ ﷻ کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میرے رسول نے جو کچھ فرمایا سچ فرمایا اور بالاتفاق تمام اہل ملت کا اس پر اجماع ہے۔ اور جو قول غلطی و سہو



سے واقع ہو جائے تو استاد ابوالحق اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے (اور حضور ﷺ اس سے بھی پاک و منزہ اور معصوم ہیں۔ مترجم)

قاضی ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کے نزدیک یہ محال ہونا بسبب اجماع اور شریعت میں اس کی نفی وارد ہونے اور عصمت نبی ﷺ کی جہت سے ہے نہ یہ کہ فی نفسہ معجزہ کے اقتضاء کی وجہ سے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک معجزہ کی دلیل کے اقتضاء میں اختلاف ہے ہم اس بحث میں اپنے بیان کو طویل نہیں کرنا چاہتے ورنہ اس بحث میں ہم کتاب کی غرض سے خارج ہو جائیں گے لہذا جس پر مسلمانوں کا اجماع واقع ہو گیا ہے اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔

یعنی یہ کہ نبی کریم ﷺ سے یہ جائز نہیں کہ تبلیغ شریعت میں اور جو رب ﷺ کی طرف سے ہم کو پہنچائیں اور وہ جس کی وحی آپ ﷺ کی طرف آئے قصد و بلا قصد سے خلاف قول واقع ہو خواہ آپ ﷺ خوشی یا غصہ کی حالت میں ہوں یا صحت و مرض کی حالت میں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم جو کچھ بھی آپ ﷺ سے سنوں اسے لکھ لیا کروں۔ فرمایا: ہاں۔ عرض کیا: خواہ آپ ﷺ خوشی میں ہوں یا غصہ میں۔ فرمایا: ہاں۔ کیونکہ میں ان تمام حالات میں سوائے حق کے کچھ نہیں فرماتا اور مناسب ہے کہ معجزہ کے دلیل ہونے کے بیان میں جیسا اس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کچھ مزید بیان کیا جائے۔

لہذا ہم کہتے ہیں کہ جب کہ آپ ﷺ کے صدق پر معجزہ قائم ہو چکا اور یہ کہ آپ ﷺ حق کے سوا کچھ نہیں فرماتے اور یہ کہ اللہ ﷻ کی جانب سے تبلیغ احکام میں صدق ہی صدق ہے اور یہ کہ معجزہ قائم مقام اللہ ﷻ کے اس فرمان کے ہے کہ ”اے رسول ﷺ تم نے جو کچھ میری طرف سے پہنچایا سچ پہنچایا“ چنانچہ اللہ ﷻ آپ ﷺ کا قول نقل فرماتا ہے:

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ.

میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۹ الاعراف ۱۵۸)

اور فرمایا:

تاکہ جو میری طرف آیا اسے تم پر بیان کر دوں۔

وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ.

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۲۶ الاحقاف ۲۳)

اور جو تمہارے لئے اترا ہے اسے تمہارے لئے ظاہر کر دوں۔

۱۔ مستدرک کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ  
اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو  
نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

(پ۲۷ النجم ۲-۳) (ترجمہ کنز الایمان)

نیز ارشاد ہے:

وَقَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ.  
تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے  
رب کی طرف سے تشریف لائے۔

(پ۶ النساء ۱۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ  
اور وہ رسول جو دیں اسے لو اور جس سے منع  
عَنْهُ فَانْتَهُوا. (پ۲۸ الحشر ۷) فرمائیں باز رہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

لہذا اس باب میں خلاف واقع جو خبر بھی پائی جائے گی خواہ وہ کسی درجہ سے صحیح نہ ہوگی۔ اگر  
معاذ اللہ ہم غلط اور سہو کو آپ ﷺ پر جائز رکھیں تو یقیناً ہمیں غیر سے فرق کی تمیز نہ ہوگی اور لامحالہ حق  
باطل کے ساتھ مل جائے گا لہذا فی الجملہ معجزہ آپ ﷺ کی تصدیق پر بغیر کسی تخصیص کے مکمل شامل ہے  
اور نبی کریم ﷺ کا ان سب امور سے پاک و منزہ اور معصوم ہونا دلیل سے بھی واجب ہے اور اجماع  
امت سے بھی۔ جیسا کہ ابوالحق اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

## چھٹی فصل

### معترضین کے جوابات

اب ہم معترضین کے سوالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک یہ مروی  
ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سورۃ نجم تلاوت فرمائی اور ارشاد باری سنایا کہ  
أَفْرَاءَ يُتَمُّ اللَّاتُ وَالْعُزَّىٰ ۖ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ ۖ  
الأخرى ۖ (پ۲۷ النجم ۲۰-۱۹) منات کو (ترجمہ کنز الایمان)

تو کہا لَکَ الْغَرَانِیقُ الْعَلِیُّ وَإِنَّ شَفَاعَتَهَا لَتُرْجِیُّ اور یہ بھی مروی کہ لَتُرْجِیُّ کی جگہ  
تُرْتَضِیُّ کہا اور ایک روایت میں ہے إِنَّ شَفَاعَتَهَا لَتُرْجِیُّ وَإِنَّهَا لَمَعَ الْغَرَانِیقُ الْعَلِیُّ اور ایک

روایت میں ہے وَالْفَرَانِقَةَ الْعُلَىٰ تِلْكَ شَفَاعَةٌ تُرْتَجَىٰ پس جب سورہ مبارکہ ختم فرمائی تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا۔

جب کفار نے سنا کہ حضور ﷺ ان کے معبودوں کی تعریف کرتے ہیں اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر القا کر دیا (معاذ اللہ) اور یہ کہ آپ ﷺ اس کے خواہشمند تھے کہ کوئی ایسی چیز نازل ہو جائے جس سے آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کی قوم کے درمیان نزدیکی ہو جائے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ (چاہتے تھے کہ) کوئی چیز ایسی نازل نہ ہو جس سے کفار کو نفرت پیدا ہو اور اس قصہ کو بیان کیا کہ اور جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے ان کو یہ سورہ سنائی تو جب ان دو کلموں پر پہنچے تو کہا یہ تو میں لے کر نہیں آیا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ غمزہ ہوئے۔ اس پر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ  
(پہا الج ۵۲)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا کہ

وَأَنْ كَادُوا لَيَفْتِنُوكَ  
اور قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پہا بنی اسرائیل ۷۳)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ اس مشکل روایت میں کلام کرنے کے لئے ہمارے پاس دو ماخذ (دلیلیں) ہیں ایک تو یہ کہ یہ روایت ہی کمزور ضعیف ہے دوسری یہ کہ ہم اس کو تسلیم کریں۔ لیکن پہلے ماخذ (دلیل) میں تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ یہ روایت کسی صحاح میں محدث نے نقل نہیں کی اور نہ اس کی سند میں معتبر راوی ہیں اور نہ درستی کے ساتھ متصل ہے۔ صرف ان مفسرین و مورخین نے جو عجیب و غریب روایتوں اور خبروں کے دلدادہ ہوتے ہیں اور وہ ہر صحیح و ضعیف روایت کو کتابوں سے نقل کر لیتے ہیں اس روایت کو بیان کیا ہے۔

قاضی بکر بن العلاء مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا سچ بات کہی ہے کہ بلاشبہ کچھ اہل ہوا بوقوف و احمق لوگ ان تفسیروں کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہیں اور اس سے بعض ملحد باوجود ضعیف راویوں کے اور مضطرب و منقطع السند روایتوں کے اختلافی کلمات سے چمٹ گئے ہیں۔ چنانچہ کوئی تو یہ کہتا ہے کہ

(۱) آپ ﷺ نے اسے نماز میں پڑھا۔

(۲) اور کسی نے کہا کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو اپنی قوم کو بلا کر ان کے جلسہ میں پڑھا۔

(۳) اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کو اونگھ آگئی تھی اس میں یہ پڑھا۔

(۴) اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ دل میں باتیں کر رہے تھے تب بھول کر یہ پڑھا۔

(۵) اور کسی نے کہا کہ شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات ڈال دیئے تھے۔

جب آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کے سامنے تلاوت کی تو اس نے کہا: میں نے یہ تو آپ ﷺ کو نہیں سنایا تھا اور جب یہ بات آپ ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: واللہ اس طرح نازل نہیں ہوئی وغیرہ وغیرہ مختلف روایتیں ہیں اور جس مفسر یا تابعی نے اس حکایت کو آپ ﷺ سے نسبت دی ہے کسی نے بھی اس کی سند صحابہ تک یا آپ ﷺ تک متصل و مرفوع نہیں بیان کی اور ان سے اکثر طریقے اس میں ضعیف اور موضوع ہیں۔

اس سلسلہ میں صرف شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مرفوع ہے جو ابی بشر رحمۃ اللہ علیہ سے وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اس حدیث میں گمان کرتا ہوں کہ یہ مشکوک ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تھے اور پورا قصہ بیان کیا۔

اس بارے میں ابو بکر بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہمیں معلوم نہیں کہ یہ حدیث حضور ﷺ تک متصل السند ہو جس کا بیان کرنا جائز ہو اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے امیہ بن خالد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی جس کو وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بطور ارسال بیان کرتا ہے۔ یہ حدیث صرف کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پہنچانی جاتی ہے۔

اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا جو ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ یہ روایت کسی بھی ایسی سند سے مروی نہیں جس کی بنا پر اسے بیان کرنا بھی جائز ہو۔ سوائے اس طریق کے اور اس میں بھی کمزوری اور ضعف ہے جس پر انہوں نے تنبیہ کی ہے نیز یہ مشکوک بھی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ لہذا یہ روایت نہ تو قابل اعتماد ہے اور نہ حقیقتاً اس میں کچھ واقفیت ہے۔ اب رہی کلبی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث تو یہ اس قبیل سے ہے جس کی روایت اس سے جائز ہی نہیں اور انتہائی ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر بھی جائز نہیں کیونکہ وہ متهم بالکذب ہے جیسا کہ بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا اور وہ جو ان سے صحیح میں ہے کہ حضور ﷺ نے سورہ نجم کو مکہ میں پڑھا اور آپ ﷺ نے مسلمانوں اور مشرکوں اور جن و انسان کے ساتھ سجدہ کیا تو یہ نقل کے لحاظ سے ہی کمزور ہے۔

اب رہی اس کی معنوی حیثیت تو اس پر مضبوط دلیل قائم ہو چکی ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ اس قسم کی رذیل روایتوں سے منزہ و معصوم ہیں لیکن آپ ﷺ کی یہ تمنا کہ آپ ﷺ پر

معبودان باطلہ کی تعریف میں آیتیں اتریں تو یہ کفر ہے یا یہ کہ آپ ﷺ پر شیطان غالب آ جائے اور آپ ﷺ پر قرآن مشتبہ کر دے یہاں تک کہ آپ ﷺ قرآن میں وہ داخل کر دیں جو قرآن سے نہیں ہے اور آپ ﷺ اس قسم کا اعتقاد کر لیں کہ قرآن کی کچھ آیتیں ایسی ہیں جو قرآن کی نہیں ہیں حتیٰ کہ جبریل علیہ السلام اس پر آپ ﷺ کو خبردار کریں۔ یہ تمام باتیں حضور ﷺ کے حق میں محال اور ممتنع ہیں یا یہ کہ آپ ﷺ عمداً اپنی طرف سے ایسا فرمائیں یہ بھی کفر ہے یا یہ کہ آپ ﷺ سہواً (بھول کر) ایسا فرمائیں آپ ﷺ ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔

بلاشبہ ہم نے براہین اور اجماع سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کے قلب و زبان سے کلمہ کفر کا اجراء خواہ عمداً ہو یا سہواً آپ ﷺ کو جو فرشتہ وحی لائے اس میں شیطانی القا ہو جائے یا شیطان کو غلبہ کا آپ ﷺ پر کوئی راستہ مل جائے یا اللہ ﷻ پر آپ ﷺ اپنے دل سے ایسی باتیں گھڑ کر نسبت کریں جو آپ ﷺ پر نازل نہیں ہوئیں جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝

اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(۲۹ الحاقہ ۴۴)

اور فرمایا کہ

إِذَا لَأَ دَقْنِكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ

اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دوونی موت کا مزہ دیتے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(۱۵ الاسراء ۷۵)

الْمَمَاتِ .

آپ ﷺ ان تمام باتوں سے پاک و منزہ اور معصوم ہیں۔

دوسری وجہ یہ کہ نظر اور طرف کے لحاظ سے یہ قصہ ہی ناممکن الوجود ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ

کلام ایسا ہو جیسا کہ قصہ میں مذکور ہے تو یہ باہمی اتصال سے بعید ہوگا کیونکہ یہ متناقض الاقسام ہے کہ

تعریف و مذمت یکجا ہوں جو کہ تالیف و نظم کے خلاف ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو یقیناً نبی کریم ﷺ اور

موجود مسلمانوں اور مشرکوں سے پوشیدہ نہ رہتی جبکہ یہ بات ادنیٰ تا مل (غور) کرنے والے پر مخفی نہیں

ہے تو اس ذات مبارکہ کا کیا حال ہوگا جس کا علم سب سے زائد جس کا علم بیان و معرفت اور فصاحت

کلام میں اعلیٰ درجہ پر فائق ہو۔

اور تیسری وجہ کہ منافقوں، دشمن مشرکوں، کمزور دل اور جاہل مسلمانوں کی عادت معلوم ہے کہ

پہلی ہی دفعہ ان کو نفرت ہو جاتی اور قلیل فتنہ کی خاطر نبی کریم ﷺ پر باتیں ملا دیا کرتے تھے اور مسلمانوں

کو عار دلاتے تھے اور ان کے پے در پے مصائب پر خوش ہوا کرتے تھے اور وہ لوگ جو دل کے روگی

ہوتے تھے مگر اسلام کا اظہار کرتے تھے ان کی یہ کیفیت تھی کہ ادنیٰ شبہ پڑ جانے سے مرتد ہو جایا کرتے تھے لیکن اس قصہ میں سوائے اس کمزور روایت کے اور کچھ منقول نہیں اور اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو یقیناً قریش اس بنا پر مسلمانوں پر غالب آجاتے اور یہودی ضروران پر حجت قائم کرتے جیسا کہ انہوں نے قصہ معراج میں مکابہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ ضعیف الایمان لوگ مرتد ہو گئے تھے۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر واقعہ ہوا۔ بلاشبہ اس فتنہ سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہ ہوتا اگر اس کا وجود ہوتا اور اگر دشمن موقع پاتے تو اس سے زیادہ شدید موقع شور مچانے کا نہ ہوتا۔ مگر کسی دشمن سے اس قصہ میں ایک کلمہ بھی منقول نہیں اور نہ کسی مسلمان سے اس سلسلہ میں کوئی بات منہ سے نکلی۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو اس قصہ کے باطل ہونے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کافی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کچھ شیاطین انس و جن نے اس روایت کو بعض بیوقوف نادان محدثین کے دل میں ڈال دیا تاکہ ضعیف الایمان مسلمان اس سے شبہ میں پڑ جائیں۔

چوتھی وجہ یہ کہ اس قصہ کے راویوں نے بیان کیا کہ اس سلسلہ میں آیہ کریمہ لِيَقْتُونَكَ (پہلی اسرائیل ۷۳) نازل ہوئی۔ حالانکہ یہ دونوں آیتیں اس واقعہ کا رد کر رہی ہیں جو یہ بیان کر رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ یہ آپ ﷺ کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے تھے تاکہ آپ ﷺ اللہ ﷻ پر افتراء کریں۔ (معاذ اللہ) اگر آپ ﷺ کو خدا ثابت قدم نہ رکھتا تو مائل ہی ہو جاتے۔ اس کا مضمون و مفہوم بتلا رہا ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس امر سے معصوم رکھا کہ آپ ﷺ خدا پر افتراء کریں اور آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھا کہ ان کی طرف ادنیٰ جھکاؤ بھی نہ ہو چہ جائیکہ زیادہ۔

وہ اپنی اس واہی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے معبودان باطلہ کی تعریف میں میلان و افتراء سے بڑھ کر حصہ لیا (معاذ اللہ) کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اللہ ﷻ پر افتراء کیا اور وہ بات کہی جو نہ کہی گئی تھی۔“ (معاذ اللہ) حالانکہ یہ مفہوم آیت کے بالکل خلاف ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو صرف یہی بات اس روایت کو بتا دیتی۔ اب جب کہ یہ بات سرے سے ہی درست نہیں تو اس کا حال ظاہر ہے اور یہ بات اس آیت کی مثل ہے جو دوسری جگہ ہے۔

اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ ط وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ط

(پہلی النساء ۱۱۳)

اور اے محبوب اگر اللہ کا فضل و رحمت تم پر نہ ہوتا تو ان میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے  
کہ تمہیں دھوکہ دیں اور وہ اپنے ہی آپ کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں  
گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس جگہ بھی قرآن کریم میں لفظ کَاذ آیا ہے۔ اس  
کے معنی یہی ہیں کہ وہ واقع نہ ہوگا۔

چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يَكَاذُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ط  
قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھ لے  
(۱۸ النور ۲۳) جائے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حالانکہ وہ نہیں لے گئی اور فرمایا: اَكَاذُ اُخْفِيهَا ”عنقریب اسے مخفی کر دوں گا“ حالانکہ نہیں  
کیا۔

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قریش اور بنی ثقیف نے اس وقت التجا کی جبکہ آپ ﷺ  
ان کے معبودوں کی طرف گزرے کہ آپ ﷺ ان کی طرف چہرہ انور تو پھیریں اور انہوں نے وعدہ کیا  
کہ اگر آپ ایسا کریں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور آپ ہرگز ایسا  
کر ہی نہیں سکتے تھے۔ ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ نہ تو ان کے قریب ہوئے اور نہ اظہار  
میلان کیا۔

اور اس آیت کی تفسیریں دیگر اقوال بھی مذکور ہیں جیسا کہ ہم نے عصمت رسالت کے بیان  
میں بیان کیا ہے کہ اللہ ﷻ نے صاف طور پر آپ کی عصمت بیان فرمائی ہے جو ان نادانوں کی بیوقوفی  
کی تردید کر رہی ہے۔ بلاشبہ اللہ ﷻ نے کفار کے مکر و فتنہ سے آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھ کر احسان  
فرمایا۔ اسی سے ہماری مراد آپ ﷺ کی پاکی اور آپ ﷺ کی عصمت ہے۔ یہی آیت کا مفہوم ہے۔  
لیکن دوسرا ماخذ (دلیل) تو وہ بر بنائے تسلیم حدیث بشرط صحت ہے اور اللہ ﷻ نے ہمیں اس  
کی صحت سے ضرور پناہ دی ہے لیکن بہر حال ائمہ مسلمین نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں جس میں کچھ  
ضعیف ہیں اور کچھ قوی ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے جو قتادہ اور مقاتل رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کو اس سورۃ  
کی قرأت کے وقت اونگھ آگئی تھی اور یہ کلام نیند کی وجہ سے آپ ﷺ کی زبان پر جاری ہو گیا تھا۔  
یہ بالکل غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ پر یہ کسی حال میں جائز نہیں اور نہ اللہ ﷻ نے آپ کی

زبان پر اسے پیدا کیا اور نہ یہ جائز ہے کہ خواب یا بیداری میں آپ ﷺ پر شیطان غلبہ پاسکے کیونکہ اللہ ﷻ نے اس باب آپ ﷺ کو میں ہر عمد و سہو سے معصوم کیا۔

اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دل سے یہ بات بنائی لہذا یہ شیطان کا آپ ﷺ کی زبان پر القا ہے (معاذ اللہ) اور ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت جو ابو بکر بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ سے ہے کہا کہ آپ ﷺ کو سہو ہو گیا جب آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا: اسے شیطان نے زبان پر جاری کر دیا اس قسم کی تمام باتیں غلط ہیں کہ نبی کریم ﷺ عمد یا سہو سے ایسا فرما سکیں اور نہ شیطان ہی آپ ﷺ کی زبان پر قابو پاسکتا ہے۔

ایک قول ضعیف یہ ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی تلاوت کے دوران کفار کی مضبوطی اور تنبیہ کے طور پر ایسا فرمایا ہو جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ هَذَا رَبِّي (یہ میرا رب ہے) اس کی کئی تاویلیں ہیں اور ان کا یہ قول کہ بَلْ فَعَلَهُمْ كَبِيرُهُمْ هَذَا. (پہلے الانبیاء ۶۲) بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(تو آپ نے) سکوت اور دو کلاموں کے درمیان وقفہ کر کے فرمایا۔ اس کے بعد تلاوت جاری رکھی۔ ایسے وقفہ و فعل کے بعد ممکن ہے اور قرینہ اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قرآن سے نہیں ہے۔ یہ ایک تاویل ہے جسے قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو نماز میں پڑھنے کے بارے میں مروی ہے کیونکہ اس وقت تک نماز میں کلام کی مخالفت وارد نہ تھی۔

اور وہ بات جو قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محققین کے نزدیک اس کی تاویل میں ظاہر و قابل ترجیح تسلیم روایت میں ہے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمان الہی کے مطابق قرآن کو ترتیل سے پڑھا کرتے اور اپنی قرأت میں ایک ایک آیت جدا جدا کر کے تلاوت کرتے تھے جیسا کہ ثقہ راویوں نے آپ سے روایت کی۔ پس ممکن ہے کہ شیطان اس گھات میں رہتا ہو کہ حضور ﷺ کے سکتے اور وقفہ کے درمیان اپنی طرف سے کلام بنا کر حضور ﷺ کی آواز کے مشابہ کر کے داخل کر دیتا ہوتا کہ قریب کے کفار سن لیں اور وہ گمان کر لیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے اور اس کی وہ اشاعت کرتے ہوں تو یہ بات مسلمانوں کے نزدیک ہرگز عیب نہیں کیونکہ سورۃ اترتے ہی اس واقعہ سے پہلے مسلمانوں نے اسے حفظ کر لیا تھا اور ان کو یہ بات ثابت تھی کہ نبی کریم ﷺ ہر حال میں بتوں کی مذمت اور ان کے عیوب بیان کرتے ہیں یہ بات خوب مشہور تھی۔

موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مغازی میں اس کے مثل بیان کر کے کہا کہ مسلمانوں نے



اسے نہیں سنا۔ وہ تو شیطانی القا ہے جسے مشرکین کے کان اور دلوں نے سنا تھا اور جو مروی ہے کہ اس کی اشاعت شبہ اور فتنہ کے سبب آپ غمزدہ ہو گئے تھے اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ  
(پہا الحج ۵۲) (ترجمہ کنز الایمان)

تو معلوم ہوا کہ تمنیٰ کے معنی یہاں تلاوت ہے۔ اللہ ﷻ نے خود فرمایا:  
لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيًّا۔  
وہ نہیں جانتے کتاب کو مگر امانی یعنی تلاوت کو۔

(پہا البقرہ ۷۸)

اور فرمایا:

فَيُنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ۔  
تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے  
(پہا الحج ۵۲) کو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی اسے محو کر دیتا ہے اور اس کے فریب کو زائل کر دیتا ہے اور دینی آیتوں کو محکم بنا دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جو سہو بوقت تلاوت ہو جاتا تھا معلوم ہونے پر اس سے آپ ﷺ رجوع کر لیتے تھے۔ سو یہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے جو کہ آیت کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ نے دل سے باتیں کیں اور کہا: جب آپ ﷺ نے تمنا کی یعنی دل سے باتیں کیں اور ابو بکر ابن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ قرأت میں سہو جب ہی صحیح ہوتا ہے کہ اس کے معانی اور لفظوں میں تغیر و تبدل اور ایسی زیادتی ہو جو قرآن میں نہ ہو بلکہ سہو تو یہ ہے کہ قرآن کی کسی آیت یا کلمہ کی تلاوت رہ جائے لیکن ایسا سہو قائم و باقی نہیں رہتا بلکہ اسی پر فوراً خبردار کر کے یاد دلایا جاتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب سہو کے جواز و عدم جواز پر آپ ﷺ کے حق میں بحث کریں گے۔

اس روایت کی تاویل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ میں بیان کیا کہ  
”وَالْفَرَانِقَةُ الْعُلَىٰ وَإِنْ شَفَاعَتُهُنَّ تُرْتَجَىٰ“ اس سے فرشتے مراد ہیں۔

اس روایت کے موافق کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کی کہ اس سے فرشتے مراد ہیں یہ اس بنا پر کہ کفار یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرشتے اور یہ بت اللہ ﷻ کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ) جیسا کہ اللہ ﷻ ان کی حکایت کر کے اسی سورۃ میں رد فرماتا ہے:

الْكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ۔  
کیا تم کو بیٹا اور اس کی بیٹی

(ترجمہ کنز الایمان)

(پہا النجم ۲۱)

اللہ ﷻ نے ان کی یہ تمام باتیں مردود فرمادیں اور فرشتوں سے شفاعت کی امید صحیح ہے اور جب مشرکوں نے اس کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں ذِکْر سے مراد ان کے معبود ہیں اور شیطان نے انہیں فریب اور شبہ میں ڈال دیا اور ان کے دلوں کو یہ اچھی معلوم ہوئی جو ان کے دلوں میں شیطان نے ڈالی تو اللہ ﷻ نے اسے منسوخ کر دیا جسے شیطان نے ڈالا اور اپنی آیات کو مضبوط کر دیا اور ان دونوں لفظوں کی تلاوت کو جن سے شیطان نے راہ پائی تھی اشتباہ کی وجہ سے اٹھالیا۔

جیسا کہ قرآن میں اکثر نسخ واقع ہوا اور اس کی تلاوت اٹھالی گئی۔ اللہ ﷻ کے اس اتارنے میں بھی حکمت تھی اور منسوخ کرنے اور اٹھانے میں بھی حکمت ہے تاکہ وہ یہ دیکھے اس طرح پر کون گمراہ ہوتا ہے اور کون راہ یاب ہوتا ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝

اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں۔

(پ البقرہ ۲۶)

(ترجمہ کنزالایمان)

نیز فرمایا:

وَأَنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ۔ اور بے شک ستم گار ادھر کے (پرلے درجے کے)

(پ الحج ۵۳) جھگڑالو ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اس لئے بھی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے وہ اسے اپنے رب ﷻ کی طرف سے حق جانیں تو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس پر اور مضبوط ہو جائیں۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس سورۃ کی تلاوت کی اور اس آیت کریمہ اللات وَالْعُزَّىٰ پر پہنچے تو کفار ڈرنے لگے کہ اس کے بعد ان کی مذمت میں آیت آئے گی تو انہوں نے جھٹ ان کی مدح میں ان دو کلموں کا اضافہ کر دیا تاکہ نبی کریم ﷺ کی تلاوت میں گڈمڈ ہو جائے۔ پھر وہ کفار اپنی عادت کے مطابق حضور ﷺ پر طعنہ زنیاں کریں۔ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے۔

لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَاقِبِ ۝ یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بے ہودہ شغل (شور) لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝ (پ حم السجدہ ۲۶) کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس فعل کی شیطان کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ اس نے ان کو اس پر برا بیخنتہ کیا اور اس نے اسے شائع و ذائع کیا تھا اور نبی کریم ﷺ سے جب اسے کہا تو آپ ﷺ ان کے اس افتراء اور کذب پر غمگین ہوئے۔

اس پر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی یوں تسلی فرمائی کہ

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ  
وَلَا نَبِيٍّ (پا ۵۲ الحج)

(ترجمہ کنزالایمان)

اور قرآن کی حفاظت فرمائی اپنی آیتوں کو محکم بنایا اور جو دشمنوں نے اشتباہ ڈالا اسے دفع فرمایا۔ جیسا کہ اللہ ﷻ خود اس کا ضامن ہے کہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ  
(پا ۹۱ الحجر) ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اسی قبیل سے وہ روایت ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے اپنے رب ﷻ کی طرف سے عذاب کا وعدہ کیا۔ جب انہوں نے توبہ کر لی تو ان سے عذاب دور کر دیا تب کہا کہ میں ان کی طرف جھوٹا بن کر بھی نہ جاؤں گا اور غصہ ہو کر چلے گئے۔

خدا تمہیں عزت دے، معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بات کسی روایت تواریخ میں مذکور نہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے کہا ہو کہ اللہ ﷻ ان کو ہلاک کرنے والا ہے اس میں تو صرف یہ ہے کہ انہوں نے ان کو ہلاک کر ڈالنے کی استدعا کی تھی اور دعا ایسی خبر نہیں جس کے صدق و پورا ہونے یا جھوٹے ہونے کا مطالبہ کیا جاسکے لیکن ان سے یہ کہا تھا۔

فلاں روز صبح کے وقت ایسا ایسا عذاب آنے والا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ فرمایا تھا۔ پھر اللہ ﷻ نے ان سے عذاب کو دور کر کے ان پر مہربانی فرمائی۔ چنانچہ فرماتا ہے:

إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ط لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ  
عَذَابَ الْخُزْيِ (پا یونس ۹۸) رسوائی کا عذاب ہٹا دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اخبار دسیر میں ہے کہ انہوں نے عذاب کے دلائل و علامتیں دیکھی تھیں۔ اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم یونس کو عذاب نے اس طرح ڈھانپ لیا تھا جس طرح چادر قبر کو ڈھانپ لیتی ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ اس روایت کے کیا معنی ہیں کہ عبد اللہ بن سرح جو رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا پھر وہ مرتد اور مشرک ہو کر قریش سے مل گیا۔ ان سے کہا کہ میں حضور ﷺ کو جس طرف چاہتا تھا پھیر لیتا تھا آپ اگر عزیز حکیم لکھاتے تو میں کہتا یا عَلِيمٌ حَكِيمٌ ہے۔ فرماتے: ہاں ٹھیک ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اس سے فرماتے: ایسا لکھو۔ تو وہ کہتا: ایسا لکھ دوں۔ تب آپ ﷺ فرماتے: جیسا تو چاہے لکھ۔ مثلاً آپ ﷺ فرماتے: عَلِيمًا حَكِيمًا لکھو۔ تو وہ کہتا: کیا سَمِينًا بَصِيرًا لکھ

دوں۔ فرماتے: جیسا چاہے لکھو اور صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ایک نصرانی اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب بنا پھر وہ مرتد ہو گیا اور وہ کہتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا میں انہیں لکھ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

تو اے مسلم تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ میں اور تمہیں حق پر ثابت قدم رکھے اور شیطان کو ہم پر راہ نہ دے کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ مشتبہ کر دے کہ اس قسم کی حکایتیں اولاً تو مسلمان کے دل میں کسی قسم کا شک ڈال ہی نہیں سکتیں کیونکہ یہ حکایتیں ان لوگوں کی طرف سے ہیں جو مرتد ہو گئے اور انہوں نے اللہ ﷻ کے ساتھ کفر کیا۔ حالانکہ ہم اس مسلمان کی خبر کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو کذب وغیرہ کے ساتھ متہم ہو چہ جائے کہ اس کافر کے افتراء کو مانیں جس نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھا۔ وہ تو اس سے بڑھ کر ہے اور ہر ایسے سلیم العقل پر تعجب ہے جس نے ایسی حکایتوں کی طرف توجہ بھی کی۔ بلاشبہ یہ حکایتیں دشمن کافر اور دین اسلام سے بغض و عناد رکھنے والے اور اللہ ﷻ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھنے والے سے صادر ہوئیں اور کسی مسلمان سے اس قسم کی کوئی روایت منقول نہیں اور نہ کسی صحابی نے ایسا تذکرہ کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ اس نے کہا اس نے اللہ ﷻ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کیا۔

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ  
بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ O  
آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ ہی جھوٹے  
(پ ۱۴۱ نحل ۱۰۵) ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور وہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے تو یہ ظاہر حکایت ہے اس میں یہ کہاں ہیں کہ وہ اس کا شاہد ہے کہ انہوں نے جو سنا حکایت کر دی۔ حالانکہ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور کہا کہ اسے ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس پر اس کا کوئی تابع نہیں ہے اور اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حمید رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور کہا کہ میرا گمان ہے کہ اسے ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الہی فرماتے ہیں کہ (واللہ اعلم) اسی وجہ سے کسی اہل صحاح نے اس روایت کو نہ تو ثابت رضی اللہ عنہ سے اور نہ حمید رحمۃ اللہ علیہ سے تخریج کی اور صحیح حدیث عبد اللہ بن عزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اسے اہل صحت نے تخریج کی ہے اور ہم نے اسے بیان کیا ہے۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی قول نہیں ہے۔ صرف مرتد نصرانی کی حکایت

ہے اگر یہ صحیح ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں اور نہ اس میں نبی کریم ﷺ کی نسبت جو آپ ﷺ پر وحی ہوئی وہم کا گمان ہوتا ہے اور نہ اس میں آپ ﷺ کی تبلیغ پر سہو، غلطی اور تحریف کا جواز ہے اور نہ کوئی نظم قرآن کے منجاب اللہ ﷻ ہونے میں طعن ہے۔

اس لئے کہ اگر یہ صحیح ہے تو اس میں اس سے زیادہ نہیں کہ کاتب نے آپ ﷺ سے کہا: يَا عَلِيُّمُ حَكِيمُ اسے لکھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا ہی ہے تو یہ ایک یاد و کلموں پر سبقت لسان یا قلم نہیں ہے جو آپ ﷺ پر نازل ہوا۔ آپ ﷺ کے اظہار فرمانے سے قبل اس لئے کہ جو کچھ آیت رسول اللہ ﷺ نے لکھائی ہے وہ اس پر دلالت کر رہی تھی اور اسی کلمہ کا تقاضا کرتی تھی۔ اس میں تو کاتب کے کلام کی معرفت و قوت اور ذہانت و قطانت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ بسا اوقات ایسا اتفاق کسی سمجھ دار آدمی کے لئے ہو جاتا ہے جبکہ وہ کوئی شعر سنتا ہے تو اس کے قافیہ کی طرف اس کا ذہن سبقت کر جاتا ہے یا جب وہ کسی عمدہ کلام کے ابتدائی حصہ کو سنتا ہے تو ایسے جملہ کی طرف اس کا ذہن سبقت کر جاتا ہے جس سے کلام پورا ہو جاتا ہے اور یہ اتفاق پورے کلام میں نہیں ہوتا جیسا کہ ایک آیت یا ایک سورۃ میں نہیں ہوتا۔

یہی صورت حضور ﷺ کے اس فرمان کی ہے اگر وہ صحیح ہو ”کہ سب ٹھیک ہے“ تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیت کے آخر میں دو دو جہیں یاد و قرأتیں ایک ساتھ حضور پر نازل ہوئی ہوں ان میں سے ایک تو لکھادی اور دوسری کی طرف کاتب کی اپنی ذہانت اور دانائی کہ مقتضائے کلام کے موافق ذہن دوڑ گیا۔ تو اس نے اس کا نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا اس پر آپ ﷺ نے اس کی تصویب کر دی۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے جسے چاہا حکم فرما دیا اور جسے چاہا منسوخ اور محو فرما دیا۔ جیسا کہ بعض آیتوں کے آخری حصہ میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝  
 اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ (پے المآئدہ ۱۱۸) والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ جمہور کی قرأت ہے اور قاریوں کی ایک جماعت نے فَإِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (تو ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے) پڑھا ہے حالانکہ یہ مصحف میں نہیں ہے۔ یہی صورت ان کلمات کی ہے جو درمیان میں دو وجہوں پر آئی ہیں۔ جس میں سے ایک کو تو جمہور نے پڑھا اور مصحف میں برقرار رکھا (اور دوسرا مصحف میں نہیں ہے) مثلاً وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا وَنُنشِزُهَا وَنُنشِزُهَا وَنُنشِزُهَا اور يَنْقُضُ

الحق اور يقص الحق دونوں ہیں۔ یہ اختلافات شک کے موجب نہیں اور نہ نبی کریم ﷺ کی طرف غلطی اور وہم کی نسبت کی جاسکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے یہ ان خطوط میں لکھا گیا ہو جو حضور ﷺ کی طرف سے لوگوں کی طرف قرآن کے سوا لکھا گیا ہو اور اس میں اس نے خدا کی تعریف و تسمیہ میں جو چاہا لکھ دیا ہو۔

## ساتویں فصل

دنیاوی امور میں صدقِ مقال اور احوالِ بشریہ

یہ بحث تو اس کلام میں تھی جو تبلیغ سے متعلق تھا لیکن وہ جو تبلیغ سے متعلق نہیں ہے یعنی وہ خبریں جو نہ تو احکام سے متعلق ہیں اور نہ وہ امور آخرت سے اور نہ وحی کی طرف اس کی اسناد ہے بلکہ وہ دنیاوی امور اور آپ ﷺ کے حالات میں وارد ہیں تو ان میں بھی نبی کریم ﷺ کو منزه سمجھنا واجب ہے کہ آپ ﷺ کی کوئی خبر خلاف واقع ہونہ عمدانہ سہواً اور نہ غلطاً اور یہ کہ آپ ﷺ خوشی، غصہ، محبت، مزاج اور مرض وغیرہ ہر حالت میں معصوم تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سلف کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔

یہ یوں ہے کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صحابہ کے دین اور عادت یہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کے تمام حالات کی تصدیق میں سبقت کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ہر بات پر ان کو بھروسہ اور اعتماد تھا خواہ وہ کسی معاملہ میں ہو اور کسی جانب سے واقعہ ہو اور ہرگز انہیں کسی وقت بھی توقف اور تردد نہ ہوتا تھا اور نہ وہ اس وقت اس بات کا ثبوت مانگا کرتے تھے کہ کہیں اس میں سہو ہے یا نہیں؟

جب ابن ابی الحقیق یہودی کو حضرت عمرؓ نے خیبر سے نکالا تو اس نے آپ ﷺ سے جھگڑا کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو برقرار رکھا تھا (اور آپ نکال رہے ہیں) اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو خیبر سے نکالا جائے گا۔ تو یہودی نے کہا: یہ تو ابوالقاسم (رسول اللہ ﷺ) کا مذاق تھا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے دشمن خدا تو جھوٹ بولتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط جلد ۳ صفحہ ۱۶۹)

آپ ﷺ کے اخبار و آثار سیر و شمائل وہ ہیں جن کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور انہیں تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنی غلطی کا تدارک کیا ہو یا جو فرمان بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے یا جو خبر بھی آپ ﷺ نے دی ہے اس میں وہم کا اقرار کیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور وہ بھی منقول ہوتا۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ایک مرتبہ انصار سے کھجور کے پیوند لگانے کے قصہ میں رجوع کرنا منقول ہے حالانکہ یہ بھی ایک مشورہ تھا نہ کہ خبر تھی۔ (صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۵)

اس کے سوا اور بہت سے امور ہیں جو اس باب سے نہیں جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر میں کسی معاملہ میں قسم کھا لوں پھر اس کے سوا دوسری طرف بھلائی کو دیکھوں تو قسم کو توڑ کر اسے کر لوں گا اور قسم کا کفارہ دے دوں گا اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم لوگ میرے پاس جھگڑالے کر آتے ہو۔ اور یہ فرمانا کہ اے زبیرؓ اپنی کھیتی کو اتنا پانی دے کہ پانی دیوار کو پہنچ جائے اور غیرہ۔

جیسا کہ ہم ہر وہ قصہ جو اس باب میں مشکل نظر آتا ہے اور جو اس کے بعد ہے ان دونوں شبہوں کے ساتھ انشاء اللہ ﷻ بعد میں بیان کریں گے۔

ایک یہ بھی بات ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی جھوٹی خلاف واقعہ خبر معروف ہو جائے تو اس کی باتوں میں شک پڑ جاتا ہے اور وہ حدیث میں متہم کہلاتا ہے۔ اس کا قول لوگوں کے دلوں میں نہیں پڑے گا۔ لہذا محدثین اور علماء کرام نے باوجود ثقہ ہونے کے وہم و غفلت سوء حفظ اور کثرت غلط کی وجہ سے ایسوں سے حدیث لینے کو ترک کر دیا ہے۔

ایک یہ بھی ہے کہ عدا دنیاوی امور میں جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بکثرت جھوٹ بولنا بالاجماع گناہ کبیرہ ہے اور مروت کو ساقط کر دیتا ہے اور ان سب امور میں منصب نبوت پاک و منزہ ہے اور جبکہ ایک مرتبہ جھوٹ بولنا جس میں برائی اور شاعت ہو اسے (منصب نبوت) داغدار اور عیب دار بنا دیتا ہے اور اس کے قائل کو گنہگار کر دیتا ہے وہ اسی کے ساتھ ملتا ہے جو اس مرتبہ پر نہ پہنچے پھر اگر ہم اس کو صغیرہ میں شمار کریں تو کیا اس کا حکم ایک مرتبہ جھوٹ بولنے کے حکم میں ہوگا اور مختلف فیہ بن جائے گا؟

لہذا صحیح بات یہی ہے کہ نبوت کو اس کے تھوڑے اور بہت سے اور سہو و عمد سے منزہ رکھا جائے اس لئے کہ نبوت کا مقصود تبلیغ اخبار اور تصدیق ہے جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں۔ اگر اس میں (سہو و عمد) سے کچھ جائز رکھا جائے تو یہ منصب نبوت کے مخالف اور شک پیدا کرنے والی اور معجزات میں تناقض ہوگا۔

لہذا ہمارا یقینی طور پر اعتقاد ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال میں کسی وجہ سے خلاف نہیں

۱ صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۸ صفحہ ۱۰۸ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۳ صفحہ ۱۲۶۹

۲ صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۵۷ صحیح مسلم کتاب الاقضية جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۷

۳ صحیح بخاری کتاب التفسیر جلد ۶ صفحہ ۲۹ صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۰ سنن ابوداؤد کتاب الاقضية جلد ۴ صفحہ ۵۲ سنن ترمذی

کتاب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۲۰۸ سنن نسائی کتاب القضاء جلد ۸ صفحہ ۲۳۸ سنن ابن ماجہ کتاب الرعود جلد ۲ صفحہ ۲۸۹

ہے نہ قصداً اور نہ بدون قصد کے اور جو لوگ سستی کرتے ہیں اور اس کو جائز رکھتے ہیں کہ جو امور تبلیغ سے متعلق نہیں ہیں اس میں سہو ممکن ہے ہم اس سے تسامح نہیں کرتے البتہ بعد نبوت ہرگز نہیں اور اس کے باوجود نبوت سے پہلے بھی ان پر جھوٹ جائز نہیں اور نہ ان کی طرف امور دنیا اور ان کے حالات میں اس کی نسبت کرنی جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ بات ان کو عیب دار اور شکی بناتی ہے لوگوں کے دل بعد ان کی رسالت و تبلیغ کی تصدیق سے نفرت کرنے لگیں گے۔ نبی کریم ﷺ کے ہم زمانہ قریش وغیرہ امت دعوت پر ذرا غور کرو اور ان کے سوالات کو دیکھو کہ وہ کس طرح آپ ﷺ سے حالات اور آپ ﷺ کی سچائی کے معترف تھے۔ انہوں نے معروف باتوں کا اقرار کیا تھا۔

ناقلین کا ہمارے نبی ﷺ کی عصمت پر قبل نبوت اور بعد نبوت اتفاق ہے اور ہم نے ان آثار کو اس کتاب کے پہلے حصہ کے دوسرے باب میں بیان کیا ہے اب اس بات کی صحت کو جس کی طرف ہم ارشاد کر چکے ہیں بیان کرتے ہیں۔

## آٹھویں فصل

### سہو حدیث

اب اگر تم یہ کہو کہ سہو حدیث میں حضور ﷺ کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ اس پر ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ نے نماز کو قصر فرمایا یا آپ کو سہو ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے کوئی بات نہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ نہ تو میں نے قصر کیا اور نہ سہو ہوا۔

آپ ﷺ نے دونوں حالتوں کی نفی فرمائی کہ ان میں سے کوئی بات نہیں حالانکہ ان میں سے ایک بات ضرور ہوئی جیسا کہ ذوالیدین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ان میں سے کچھ تو ہے۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تمہیں خیر کی توفیق بخشے کہ علماء کرام کے اس واقعہ میں چند جواب ہیں جن میں سے کچھ تو منصفانہ ہیں اور کچھ بدیت ظلم اور متعصبانہ ہیں۔

باخبر رہو میں کہتا ہوں کہ اس قول کے موافق جس میں آپ ﷺ پر وہم و غلط کو ان باتوں میں جو تبلیغ سے متعلق نہیں ہیں جائز رکھا ہے تو اس کو تو ہم نے دو قولوں سے کمزور کر دیا ہے۔ لہذا اس بنا پر تو



اس قسم کی حدیث پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ لیکن اس مذہب کی بنا پر جس میں سہو و نسیان حضور ﷺ کے تمام افعال میں ممنوع ہے ان کے نزدیک تو اس قسم کی بظاہر نسیان کی صورتوں میں قصداً اور عمدتاً افعال کئے گئے ہیں تاکہ سہو میں سنت کی تعلیم مل جائے لہذا آپ ﷺ اپنی خبر میں صادق ہیں اس لئے کہ نہ تو آپ ﷺ سے سہو ہوا اور نہ قصر فرمائی لیکن اس قول پر یہ فعل قصد و ارادہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تاکہ اس شخص کو جسے ایسی صورت پیش آ جائے سنت ہو جائے۔ یہ قول ناپسندیدہ ہے ہم اسے اپنی جگہ پر بیان کریں گے۔ لیکن آپ ﷺ پر اقوال میں سہو کا محال ہونا اور غیر اقوالی میں سہو کا جائز ہونا ”ہم عنقریب انہیں بیان کریں گے“ اس (واقعہ مذکورہ) میں بھی کئی جواب ہیں۔

ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اعتقاد اور اپنے ضمیر سے خبر دی لیکن قصر سے انکار کرنا تو یہ صحیح ہے جو ظاہر و باطن پر صادق ہے۔ رہا نسیان تو اس کی آپ ﷺ نے اپنے اعتقاد سے خبر دی کہ آپ ﷺ نے اپنے گمان میں سہو نہیں فرمایا گویا کہ اس خبر کو آپ ﷺ نے اپنے گمان سے قصد و عمدہ مراد لیا۔ اگرچہ الفاظ میں اس اعتقاد و ظن کا ذکر نہیں۔ یہ بھی صحیح ہے۔

دوسری وجہ ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان کہ میں بھولا نہیں اسلام کی طرف راہ ہے یعنی میں نے قصداً اسلام پھیرا ہے اور تعداد رکعات میں سہو واقع ہوا یعنی نفس سلام میں سہو واقع نہیں ہوا۔ یہ تو جہہ محتمل اور بعید ہے۔

اور تیسری توجیح اس سے بھی زیادہ بعید ہے جس کی طرف علماء گئے ہیں کہ الفاظ ہی محتمل ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ان میں سے کچھ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قصر و نسیان دونوں جمع نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے ایک ہے لفظوں کا یہ مفہوم دوسری صحیح روایت کے خلاف ہے کہ آپ نے فرمایا: ”نہ تو نماز قصر کی ہے اور نہ سہو واقع ہوا۔“ یہ باتیں میں نے اپنے ائمہ سے نقل کی ہیں۔ یہ سارے وجوہ (وجہیں) لفظ کے لئے محتمل ہیں باوجود اس کے بعض بعید ہیں اور بعض میں تعسف و عناد ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الہی فرماتے ہیں کہ جو میں کہوں گا اور جو مجھے ظاہر ہوا وہ ان تمام وجوہات میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں بھولا نہیں ہوں اس لفظ کا انکار ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے اپنے آپ سے نفی کی ہے اور دوسروں پر آپ ﷺ نے اپنے اس قول سے اس کا انکار کر کے ”تمہارے لئے یہ بری بات ہے کہ تم یوں کہو کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں“ لیکن یوں کہو کہ میں بھلایا گیا ہوں۔ چونکہ آپ ﷺ نے دوسری حدیثوں کی

روایتوں میں فرمایا کہ میں بھولا نہیں کرتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔

پھر جب آپ ﷺ سے سائل نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ نے نماز قصر کی ہے یا سہو واقع ہوا تو آپ ﷺ نے قصر کا انکار کیا جیسا کہ واقعہ میں تھا اور آپ ﷺ کا نسیان سو یہ اپنے نفس کی جانب سے تھا اگر کوئی بات اس میں سے جاری ہوگئی تو یقیناً آپ بھلائے گئے۔ یہاں تک کہ دوسرے نے سوال کر ہی لیا تو یہ متحقق ہو گیا کہ آپ ﷺ بھلائے گئے تھے اور اس میں سے کچھ جاری کر دیا گیا تا کہ مسنون ہو جائے۔

اب حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ ”نہ تو بھولا ہوں اور نہ قصر کی ہے ان میں سے کچھ بات نہیں۔“ صدق و حق ہے کیونکہ آپ نے نہ تو قصر کیا اور نہ حقیقتاً بھولے ہیں لیکن آپ ﷺ بھلائے گئے ہیں۔ اور ایک اور وجہ بھی ہے جسے میں نے بعض مشائخ کے کلام سے اشارتاً سمجھا ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کو سہو تو ہوتا تھا لیکن بھولتے نہ تھے اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے نفس سے نسیان (بھول) کی نفی فرمائی۔

بعض مشائخ نے فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ نسیان ایک غفلت اور مصیبت ہے اور سہو وہ ایک شغل ہے۔ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی نماز میں سہو ہو جاتا تھا لیکن اس سے غفلت اور نسیان واقع نہ ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ کو نماز کی حرکات کی ادائیگی میں کمال استغراق ہوتا تھا لہذا اس مشغولیت کی وجہ سے سہو ہو جاتا تھا نہ کہ اس سے غفلت ولا پرواہی کی بنا پر۔

اب اگر یہ معنی متحقق ہو جائیں تو حضور ﷺ کے اس فرمان میں کہ نہ میں نے قصر کیا اور نہ نسیان واقع ہوا کوئی اختلاف نہیں رہتا اور میرے نزدیک حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ نہ میں نے قصر کیا اور نہ نسیان واقع ہوا۔ اس کے معنی اس ترک کے ہیں جو نسیان کی دو وجہوں میں سے ایک ہے۔ واللہ اعلم کہ آپ ﷺ کی یہ مراد ہو کہ میں نے نہ تو دو رکعتوں پر سلام پھیرا ہے اور نہ پوری نماز کا تارک ہوا ہوں لیکن میں بھلایا گیا ہوں اور یہ میرے نفس کی جانب سے نہ تھا اس پر آپ کی یہ صحیح حدیث دلالت کر رہی ہے جو آپ نے فرمایا کہ میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تا کہ سنت بناؤں۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن جلد ۶ صفحہ ۱۵۹-۱۵۸ صحیح مسلم کتاب المسافرین جلد ۱ صفحہ ۵۴۵)

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں مذکورہ کلمات جو کہ تین کذب تھے جس میں سے دو قرآن میں منصوص ہیں ایک یہ کہ اِنِّی سَقِیْمٌ (پ ۲۳ الصف ۸۹) میں بیمار ہوں اور دوسرا یہ کہ بَلْ فَعَلَهُ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا (پ ۱۱ انبیاء ۶۳) بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا اور تیسرا وہ قول جو بادشاہ سے اپنی بیوی کے

بارے میں کہا کہ یہ ”میری بہن ہے“۔ (صحیح بخاری کتاب الفعائل جلد ۵ صفحہ ۱۱۲، صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲) تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے یہ تمام باتیں کذب سے خارج ہیں نہ قصد اُصادر ہیں نہ بغیر قصد کے بلکہ یہ ان معارضات میں داخل ہیں جو کذب سے خارج ہیں اِنْسِيْ مَقِيْمٌ (۲۳ اَلْفُتٰۤى ۸۹) ”میں بیمار ہوں“ کے قول میں حسن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں یعنی ہر مخلوق کو مرض لاحق ہوا ہی کرتا ہے تو انہوں نے اپنی قوم سے ان کے ساتھ ان کے میلے میں جانے سے اس طرح عذر کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ میں بیمار ہوں یعنی موت مجھ پر مقدر ہو چکی ہے ایک قول یہ ہے کہ انہیں ایک ستارہ معلوم کے طلوع کے وقت بخارا آ جایا کرتا تھا۔ پس جب انہوں نے وہ ستارہ طلوع ہوتا دیکھا تو اپنی عادت کے مطابق عذر کر دیا۔ ان تمام صورتوں میں کذب کہاں ہیں بلکہ ایک خبر صحیح و صادق ہے اور بعض نے کہا: انہوں نے اپنی بیماری کے ساتھ ان پر تعریضاً حجت قائم کی اور ان کی اس دلیل کو کمزور ثابت کیا جو وہ ستاروں کی وجہ سے مشغول رہا کرتے تھے اور یہ کہ آپ اسی دیکھنے کی حالت میں اور پہلے اس کے کہ آپ کی حجت ان پر قائم ہو کہ بیماری اور مرض کی حالت میں ہیں باوجودیکہ خود آپ کو شک نہ تھا نہ آپ کا ایمان ضعیف تھا لیکن جو استدلال ان کے سامنے پیش کیا تھا اس میں ضعف تھا اور اس کی دلیل کمزور تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے دلیل کمزور ہے اور نظر معلول ہے حتیٰ کہ اللہ ﷻ نے انہیں ان کے استدلال کی صحت و حجت ہونے پر ستاروں، سورج و چاند کے ساتھ وحی فرمائی جس کا خدا نے ذکر کیا ہے۔ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

اب رہا آپ ﷺ کا یہ قول کہ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا (پے الانبیاء ۶۳) سو یہ خبر گویائی کے ساتھ مشروط فرمائی گویا کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اگر وہ بول سکتا ہے تو اس نے یہ کیا ہے لہذا یہ قول اپنی قوم کو جھڑکنے کے لئے تھا۔ یہ کلام بھی صادق ہے اس میں بھی کوئی خلاف واقع نہیں۔

اب رہا تیسرا قول یہ ”میری بہن ہے“ سو اس کی وجہ تو حدیث میں ہی مذکور ہے کہ آپ نے کہا کہ تو اسلام میں میری بہن ہے۔ یہ بھی سچ ہے کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ“۔ (پے الحجرات ۱۰)

اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم ﷺ نے تو ان کا کذب رکھا ہے اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے ہیں اور حدیث شفاعت میں فرمایا کہ وہ اپنے ان کذبوں کو یاد کریں گے۔ سو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان تین کلموں کے سوا کبھی اور کوئی ایسا کلام نہیں کیا جو سورۃ تو کذب ہو مگر باطن میں واقعتاً وہ حق ہو اور جبکہ ان کے ظاہری معنی ان کے باطنی مفہوم کے خلاف تھے بنا

بریں حضرت ابراہیم علیہ السلام مواخذہ سے خوفزدہ ہو گئے لیکن وہ حدیث جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس کے سوا دوسری طرف بطور توریہ ذکر کیا کرتے تھے تو اس میں بھی کوئی خلاف گوئی نہیں کیونکہ یہ تو اپنے ارادہ کو پوشیدہ رکھنے کے لئے تھا تا کہ دشمن اپنے بچاؤ کا سامان نہ تیار کر لے اور اپنے جانے کو پوشیدہ رکھنے کے لئے دوسری جگہ کا ذکر بطریق سوال کرتے اور اس کے حالات پر بحث اور اس کے ذکر کا توریہ کرتے تھے اور یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ فلاں جنگ کے لئے چلو اور ہمارا ارادہ فلاں مقام کا ہے جس جانب آپ ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ لہذا یہ نہ ہوتا تھا اور یہ توریہ خبر نہیں ہے جس سے خلاف گوئی پائی جائے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں کون زیادہ عالم ہے؟ فرمایا: میں زیادہ عالم ہوں۔ اس پر اللہ ﷻ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ ﷻ کی طرف نہیں کی۔

اسی میں یہ ہے کہ فرمایا بلکہ مجمع بحرین میں ہمارا ایک بندہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ یہ وہ خبر ہے جسے اللہ ﷻ نے فرمایا کہ وہ ایسے نہیں ہیں۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس حدیث کی بعض دوسری صحیح سندوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعہ ہے کہ کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جو تم سے زیادہ عالم ہے پس جبکہ ان کا جواب ان کے علم پر ہے تو وہ خبر حق و صادق ہے اس میں نہ خلاف گوئی ہے اور نہ شبہ ہے اور دوسری سندوں کی بنا پر تو اس کا محمول ان کا گمان و اعتقاد ہے جیسا کہ اگر آپ اس کی تصریح کر دیتے۔ اس لئے کہ نبوت و اصطفاء میں ان کی حالت اس کی مقتضی ہے۔ لہذا ان کا اس امر کی بابت خبر دینا بھی اپنے اعتقاد و گمان کے موافق سچ تھا اس میں کوئی خلاف گوئی نہیں ہے کبھی اَنَا اَعْلَمُ ”میں زیادہ عالم ہوں“ سے مراد وہ امور لئے گئے ہیں جو ان کے مقتضی تھے یعنی نبوت کے وظائف مثلاً علوم توحید امور شریعت اور سیاست امت اور حضرت خضر علیہ السلام دوسرے امور کو ان سے زیادہ جانتے تھے جنہیں کوئی نہیں جانتا مگر عطائے الہی کے ساتھ علوم غیبیہ کا جاننا۔ جیسے وہ قصے جو ان دونوں کے حال میں مذکور ہیں۔ لہذا فی الجملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اعلم تھے جیسا کہ گزرا اور حضرت خضر علیہ السلام خصوصاً طور پر اعلم تھے جیسا کہ انہیں سکھایا گیا۔ اس پر اللہ ﷻ کا یہ فرمان شاید ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (۱۵) (پہا الکہف ۶۵) اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

۱۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۳۹، صحیح مسلم کتاب التوبہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۲۸

۲۔ صحیح بخاری کتاب الفعائل جلد ۵ صفحہ ۱۲۳، صحیح مسلم کتاب الفعائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۷

اور اللہ ﷻ کا ان (موسیٰ ﷺ) کو اس پر عتاب کرنا جیسا کہ علماء نے کہا تو یہ ان کے اس قول کے انکار پر ہے کیونکہ موسیٰ ﷺ نے علم کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ جیسا کہ ملائکہ نے کہا تھا:

لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔

(پ البقرہ ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

یا یہ اس وجہ سے کہ ان کا یہ قول شرعاً اللہ ﷻ کو پسند نہ آیا (واللہ اعلم) کیونکہ وہ شخص جو ان کے کمال کو ان کے تزکیہ نفس اور ان کے بلند درجے تک امت میں سے نہیں پہنچا اس میں ان کی اقتداء کرے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا کیونکہ اس میں انسان کا اپنے نفس کی تعریف کرنا پایا جاتا ہے جس سے اس کو کبر و عجب، تعاطی اور دعویٰ پیدا ہو جائے گا۔

اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت ان رزائل سے منزہ ہے لیکن دوسرے لوگ اس راہ پر چل سکتے ہیں اور ان کا اندھیرے میں گر پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے مگر جسے اللہ ﷻ اپنی حفاظت میں لے۔ لہذا اپنے نفس کی اس سے حفاظت کرنا بہتر ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے۔ اسی بنا پر ان جیسی باتوں سے حفظ ما تقدم کے لئے نبی کریم ﷺ نے ان باتوں میں جن کو آپ نے جان لیا تھا۔ فرمایا: اَنَا سَيِّدٌ وَلِدِ اَدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں فخر یہ نہیں کہتا۔ اور یہ حدیث قائلین نبوت حضرت خضر علیہ السلام کے دلائل میں سے ایک ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عالم ہوں حالانکہ ولی نبی سے زیادہ عالم نہیں ہوتا لیکن انبیاء کرام علیہم السلام معرفتوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اور حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے پر) اس قول سے دلیل پکڑی ہے کہ ”یہ کام میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا۔“ تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ انہوں نے وحی سے کیا اور جو حضرت خضر علیہ السلام کو نبی نہیں کہتے انہوں نے کہا کہ ممکن ہے کہ ان کا یہ کام کسی دوسرے نبی کے حکم سے ہو اور یہ ضعیف قول ہے کیونکہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا کوئی اور نبی موجود ہو اور کسی اہل سیر نے اس بارے میں ایسی کوئی بات نقل نہیں کی جس پر اعتماد کیا جاسکے اور جبکہ ہم نے اَعْلَمُ مِنْكَ ”تم سے زیادہ عالم“ کو عموم پر نہیں رکھا بلکہ اسے خصوص پر محمول کیا جو خاص خاص واقعات میں ہے تو اب ہمیں حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کے ثابت کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ اسی بنا پر بعض مشائخ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے اللہ ﷻ سے احکام لینے میں زیادہ عالم تھے اور حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان قضایا میں جو انہیں دے گئے تھے زیادہ عالم تھے اور کچھ نے یہ کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حصول ادب کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف مجبور کئے گئے تھے نہ کہ حصول تعلیم کے لئے۔

## نویں فصل

حضور ﷺ کے اعضاء جوارح کی عصمت

نبی کریم ﷺ کے اعضاء مبارکہ کے عمل سے متعلق عصمت کا بیان یہ ہے اور اسی قبیل سے وہ زبانی ارشادات بھی ہیں جو پہلے خبروں میں بیان ہو چکے ہیں اور وہ قلبی اعتقادات توحید کے ماسوا جو مخصوص معارف کے ضمن میں پہلے مذکور ہو چکے ان کے سوا ہیں۔ (یہ تمام اعضاء مبارکہ کے اعمال میں سے ہیں) کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کے فواحش اور گناہ کبیرہ مہلکہ سے معصوم و منزہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جمہور کی دلیل یہی اجماع ہے جسے ہم نے بیان کیا اور یہی قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور دیگر علماء نے اجماع کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل سے بھی ان سب کی ممانعت اور عصمت ثابت کی ہے یہی قول سب کا ہے اور اس کو استاذ ابوالحق رحمۃ اللہ علیہ نے مختار رکھا ہے۔

اسی طرح تمام علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء کرام رسالت کے چھپانے اور تبلیغ میں کمی کرنے سے معصوم ہوتے ہیں کیونکہ عصمت کا اقتضاء ہی یہ ہے اور اسی سلسلہ میں سب سے اجماع کے ساتھ معجزہ (ثابت) ہے۔

اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ انبیاء کرام ان برائیوں سے جہاں وہ اللہ ﷻ کی طرف سے معصوم ہوتے ہیں وہاں وہ با اختیار خود اور بکسب خویش بھی معصوم ہوتے ہیں سوائے حسین نجار رحمۃ اللہ علیہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں معاصی پر سرے سے قدرت ہی نہیں ہوتی۔

اب رہا گناہ صغیرہ! تو سلف صالحین وغیرہ کی ایک جماعت نے انبیاء علیہم السلام کے لئے ان کو جائز رکھا ہے اور یہی مذہب ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فقہاء و محدثین و متکلمین کا ہے۔ ہم عنقریب ان کے دلائل بھی بیان کریں گے جو وہ اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں اور ایک گروہ توقف کی طرف گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مجال عقلی نہیں ہے اور نہ شریعت سے کوئی قطعی دلیل متعدد وجوہ سے وارد ہے اور محققین فقہاء و متکلمین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ کبیرہ سے عصمت کی طرح گناہ صغیرہ سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اس لئے ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ کی تعیین میں لوگوں کا اختلاف و اشکال ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ جس سے خدا کی نافرمانی ہو وہ کبیرہ

ہے اور ان میں سے وہ صغیرہ ہے جو کبیرہ کی نسبت چھوٹا ہو اور جس میں کسی امر الہی کی مخالفت ہو ضروری ہے کہ وہ کبیرہ ہو اور قاضی ابو محمد عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں کہ کہا جائے کہ اللہ ﷻ کی نافرمانیاں چھوٹی (صغیرہ) ہیں بجز اس معنی کے کہ جب کبیرہ سے اجتناب کیا جائے تو وہ بخشے جاسکتے ہیں۔ اس کے لئے بھی یہ بات نہیں کہ اس کے بخشے جانے پر کوئی خدا کا حکم ہے۔ بخلاف کبار کے کہ جب تک وہ ان سے توبہ نہ کرے تو کوئی شے ان کو نہیں مٹا سکتی۔ البتہ ان کی معافی اللہ ﷻ کی مشیت پر موقوف ہے۔ یہی قول قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ اشعریہ کی ایک جماعت اور بکثرت ائمہ فقہاء کا ہے اور کچھ مالکی ائمہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ دونوں قولوں کی بنا پر ضروری نہیں کہ اس میں اختلاف ہو کہ انبیاء علیہم السلام صغائر کی تکرار اور ان کی کثرت سے بھی معصوم ہوتے ہیں اس لئے کہ ان (صغائر) کی تکرار اور کثرت کبیرہ تک پہنچا دیتی ہے

اور اس صغیرہ میں بھی اختلاف نہیں جو حیا و عزت کو زائل کرنے، مروت کو کم کرے اور برائی و کمینہ پن کو لازم کرے لہذا انبیاء کرام علیہم السلام ان سب سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ اس پر اجماع ہے اس لئے کہ یہ باتیں ان کے بلند و بالا مرتبے کو گرائیں، عیب دار بنائیں اور لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتی ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام ان باتوں سے منزہ و پاک ہیں۔ بلکہ ان کی اس عصمت و تنزیہ میں کچھ مباح چیزیں شامل ہو جاتی ہیں جو پھر اس مباح کے کرنے سے اسم مباح سے نکل کر حرام تک نوبت پہنچتی ہے۔

اور کچھ علماء کا یہ مذہب ہے کہ مکروہات میں قصد اڑنے سے معصوم ہیں۔ بعض ائمہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے صغائر سے معصوم ہونے پر اس سے دلیل پکڑی ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ ان کے افعال کی پیروی اور ان کے نقش قدم کا اتباع اور ان کی خصلتوں، سیرتوں اور عادتوں کا مطلقاً اتباع کیا جائے۔ یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے اصحاب بدون التزام قرینہ شرعیہ کے اور بعض کے نزدیک مطلقاً ہے۔ اگرچہ اس کے حکم میں ان کا اختلاف ہے۔

ابن خُوْبَزٍ مِندَاز اور ابوالفرج رحمہم اللہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں التزام کو واجب نقل کرتے ہیں۔ یہی قول ابہری، ابن قسار، رحمہما اللہ اور اکثر مالکیوں کا ہے اور یہ قول اکثر اہل عراق ابن سنیج، اصطرخی اور ابن خیران رحمہم اللہ شوافع کا ہے اور اکثر شوافع استجاب پر ہیں اور ایک گروہ اباحت کی طرف گیا ہے اور بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ جو امور دیدیہ ہیں اور اس سے قربت کا مقدر پایا جائے اس میں اتباع ہے۔

اور جو افعال میں اباحت کے قائل ہیں انہوں نے کوئی قید نہیں لگائی اور کہا کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام پر صغائر کو جائز رکھتے ہیں لیکن ان میں ان کے افعال کی پیروی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ آپ کے افعال میں کوئی فعل ایسا نہیں کہ جس میں آپ کے مقصد میں تمیز ہو سکے۔ آیا کہ اس میں قربت ہے یا اباحت منع ہے یا گناہ اور یہ صحیح نہیں کہ کسی شخص کو کسی حکم کے بجالانے کا حکم ہو پھر اس میں گناہ بھی ہو۔ خصوصاً اصولیوں کے قواعد کی روشنی میں کیونکہ وہ فعل کو قول پر مقدم رکھتے ہیں جبکہ عمل و فعل میں تعارض واقع ہو۔

ہم اس دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جس نے صغائر کو جائز رکھا اور جس نے اس کی نفی کی سب اس پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کسی قولی یا فعلی منکر (برائی) پر کسی کو قائم نہیں رہنے دیتے تھے اور آپ ﷺ کی شان سے یہ ہے کہ آپ ﷺ جب کسی شے کو ملاحظہ فرمالتے اور اس پر آپ ﷺ خاموش رہتے تو وہ اس کے جوائز پر دلیل بن جاتی تھی۔ لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے لئے تو آپ ﷺ کی یہ شان ہو اور خود آپ ﷺ سے منکر (برائی) کا وقوع جائز رکھا جائے۔ اسی بنا پر مکروہات کے مقامات سے آپ ﷺ کی عصمت واجب ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا اور اس لئے بھی کہ آپ ﷺ کے افعال کی پیروی کا واجب یا مستحب ہونا فعل مکروہ پر زجر و نہی کے منافی ہے۔ نیز صحابہ کرام کے دین و طریقے سے یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ آپ ﷺ کے تمام افعال کی ایسی ہی پیروی کرتے تھے خواہ وہ کسی جہت سے ہوں یا کسی فن میں ہوں جس طرح کہ وہ آپ ﷺ کے ارشادات کی پیروی کرتے تھے۔

بلاشبہ (ایک مرتبہ) جب آپ ﷺ نے اپنی انگوٹھی اتاری تو تمام صحابہ نے اپنی انگوٹھیاں اتار ڈالیں۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے اپنی کفش مبارک اتاری تو تمام صحابہ نے اپنی جوتیاں اتار دیں اور صحابہ نے صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رویت کو حجت قرار دیا جبکہ انہوں نے حضور ﷺ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے قضائے حاجت کرتے دیکھا۔ اس کے علاوہ بہت سے صحابہ نے عبادت و عادت کے بکثرت امور میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کو دلیل و ماخذ قرار دیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور فرمایا:

کیا رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نہیں بتائی کہ فرمایا کہ روزے کی حالت میں تقبیل کرتا ہوں<sup>۱</sup> اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطور دلیل فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے<sup>۲</sup>

۱۔ صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۸ صفحہ ۱۱۲ صحیح مسلم کتاب اللباس جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۶

۲۔ سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۶ متدرک کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۲۶۰

۳۔ صحیح بخاری کتاب الوضوء جلد ۱ صفحہ ۳۵ صحیح مسلم کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۵

۴۔ موطا امام مالک کتاب الصیام صفحہ ۲۳۷

۵۔ موطا امام مالک کتاب الصیام صفحہ ۲۳۸-۲۳۷



اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر غصہ فرمایا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے جو چاہا حلال کر دیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً میں تم سے زیادہ خشیت الہی رکھتا ہوں اور تم سے بڑھ کر اس کی حدود کو جانتا ہوں۔

اس باب میں بکثرت احادیث و آثار ہیں جن کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن بحیثیت مجموعی قطعی طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے افعال کی پیروی اور اتباع کیا کرتے تھے۔ اگر وہ اس میں آپ ﷺ کی مخالفت کسی فعل میں جائز سمجھتے تو یہ انتظام نہ ہوتا اور ضرور یہ بھی ان سے منقول ہوتا اور ان سے اس میں ان کی بخششیں ظاہر ہوتی اور یقیناً دوسروں پر ان کے قول و اعذار پر انکار نہ فرماتے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

البتہ انبیاء کرام علیہم السلام سے مباحات جائز الوقوع ہیں۔ اس لئے کہ اس میں اس پر کوئی برائی نہیں آتی بلکہ مباحات میں وہ اجازت یافتہ ہیں اور ان کے ہاتھ دوسروں کے ہاتھوں کی مانند مباحات پر مسلط ہیں بجز اس کے کہ انہیں کسی رفیع المنزلت مرتبہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہو اور ان کے سینے انوار معرفت سے کشادہ کر دیئے گئے ہوں اور وہ خدا اور دار آخرت سے اپنے دلی تعلق کی وجہ سے برگزیدہ کر دیئے گئے ہوں۔ ایسی صورت میں وہ مباحات کی طرف بھی توجہ نہیں فرماتے مگر اتنا ہی جتنی کہ ان کی ضرورت پوری ہو سکے جس سے کہ ان کو راستہ کے چلنے کی طاقت اور دین کی اصلاح کرنے کی قوت اور دنیاوی ضرورت حاصل ہو جائے اور جو چیز بھی اس راہ میں لے جاتی ہے وہ بھی طاعت میں شامل ہو جاتی ہے اور وہ قربت و عبادت بن جاتی ہے

جیسا کہ ہم نے شروع کتاب میں اپنے نبی کریم ﷺ کی خصلتوں کے بیان میں ظاہر کیا ہے تو اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہمارے نبی ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اوپر اللہ ﷻ کا کتنا فضل عظیم ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ان کے افعال بھی عبادت اور بندگی میں شامل ہیں جو کہ مخالفت اور معصیت کی راہ سے بہت دور ہیں۔

## دسویں فصل

### قبل اظہار نبوت کی عصمت

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام قبل نبوت بھی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؟ چنانچہ کچھ نے تو اسے محال کہا اور کچھ نے اسے جائز رکھا۔ لیکن درست بات یہی ہے کہ وہ مشیت

الہی سے ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہوتے ہیں اور ہر اس برائی سے بھی پاک ہوتے ہیں جو شک کا موجب ہو یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ اس مسئلہ کا تصور بھی محال ہے۔ اس لئے کہ گناہ اور منہیات تو شریعت کے تقرر کے بعد ہی ہوتے ہیں۔ نزول وحی سے قبل ہمارے نبی کریم ﷺ کے حال میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا آپ ﷺ اس سے پہلے بھی تابع شریعت تھے یا نہیں؟

اس پر ایک جماعت نے کہا کہ آپ ﷺ کسی شے کے تابع نہ تھے یہی قول جمہور کا ہے۔ اس قول کی بنا پر تو معاصی کا وجود ہی نہیں پایا جاسکتا اور اس وقت آپ ﷺ کے لئے یہ معتبر ہی نہ تھے۔ اس لئے کہ احکام شریعت اوامر و نواہی اور تقرر شریعت سے متعلق ہیں۔ پھر اس امر کے قارئین کے دلائل میں بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ سیف السنہ جماعتہائے امت کے مقتدی قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے باخبر ہونے کے لئے نقل اور بطریق سماعت حدیث کا وارد ہونا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ضرور منقول ہوتی اور عادتاً اس کا چھپانا ناممکن ہے کیونکہ آپ ﷺ کی روش میں یہ ایک مہتمم بالشان اور بڑا معتبر امر تھا اور اس شریعت کے پیروکار اس پر فخر کرتے اور یقیناً وہ لوگ آپ ﷺ پر اس سے حجت لاتے۔ (کہ آپ نے پہلے تو اس شریعت پر عمل کیا اب کیوں اسے چھوڑتے ہیں وغیرہ) لیکن اس باب میں اصلاً کوئی شے مروی ہی نہیں ہے

اور ایک جماعت ممتنع عقلی کی طرف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ اس لئے محال عقلی ہے کہ جو متبوع ہو کر مشہور ہو جائے پھر اس کا تابع بننا بہت دور کی چیز ہے ان کی بنیاد حسن و قبح پر ہے اور یہ راستہ سیدھا نہیں ہے۔ اس سے تو بہتر ”نقل“ سے حجت لانا جیسا کہ قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کا قول گزرا بہت عمدہ اور ظاہر ہے۔

ایک اور جماعت حضور ﷺ کے لئے توقف کی قائل ہے اور اس میں کسی قسم کے قطعی حکم کی آپ ﷺ پر متروک (رخصت ظاہر) کرتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک دونوں وجہوں کو عقل محال نہیں جانتی اور ان کے نزدیک ان دونوں میں کوئی نقل ظاہر نہیں ہوئی۔ یہ مذہب ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور ایک تیسرا گروہ کہتا ہے۔ آپ ﷺ پہلی شریعت کے عامل تھے۔ اس کے بعد وہ شریعت کی تعیین میں مختلف ہو گئے۔ آیا آپ کسی خاص شریعت کے پابند تھے یا نہیں؟ چنانچہ کچھ لوگوں نے تو شریعت کی تعیین میں توقف اختیار کیا اور کچھ نے دلیری اور جزم کیا اور کچھ لوگوں نے متعین و مقرر کیا۔ پھر یہ تعیین کرنے والے بھی اس پر مختلف ہو گئے کہ آپ ﷺ نے کس کی شریعت کا اتباع کیا چنانچہ کسی

نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کہا۔ یہ خلاصہ ان مذاہب کا ہے جو اس سلسلہ میں ہیں لیکن سب سے زیادہ ظاہر وہ مذہب ہے جس پر قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں یعنی پہلے آپ ﷺ نے کسی متعین شریعت پر عمل نہ فرمایا۔

اور سب سے زیادہ بعید مذہب شریعت کی تعین کرنے والوں کا ہے۔ اس لئے اگر یہ بات ہوتی تو ضرور منقول ہوتی جیسا کہ پہلے گزرا اور اصلاً یہ بات کسی سے پوشیدہ نہ رہتی اور ان کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہتی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر الانبیاء (بنی اسرائیل) ہیں تو لازم آتا کہ جو نبی بعد کو آیا اس نے بھی ان کی شریعت کا اتباع کیا ہو جیسا کہ یہ ثابت ہی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت عام تھی۔ بلکہ صحیح یہی ہے کہ کسی نبی کی بھی دعوت عام نہ تھی بجز ہمارے نبی ﷺ کی دعوت کے (کیونکہ آپ کی ہی دعوت سارے عالم کے لئے ہے) نیز دوسروں کے لئے یوں بھی حجت نہیں کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

أَنْ تَتَّبِعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (پہ انجیل ۱۲۳) دین ابراہیم کی پیروی کیجئے۔ (ترجمہ کنز الایمان) اور نہ دوسروں کے لئے حجت ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا. تمہارے لئے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس (پہ الشوری ۱۳) نے نوح کو دیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس لئے کہ اس آیت میں اس کا محل یہ ہے کہ ان کا اتباع صرف توحید میں ہے جیسا کہ اللہ

ﷻ نے فرمایا:

بلاشبہ اللہ ﷻ نے ان کا بھی نام لیا جو مبعوث نہ تھے اور وہ بھی ہیں جن کی کوئی خاص شریعت نہ تھی جیسے کہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام اس قول کے بنا پر جو ان کی رسالت کا قائل نہیں ہے اور یقیناً اللہ ﷻ نے اس آیت میں اس جماعت کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کی شریعتیں باہم مختلف تھیں۔ جن کا اجتماع ممکن ہی نہیں

لہذا اب دلیل سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پر ان سب کا مجتمع ہونا توحید و عبادت باری تعالیٰ میں ہی مراد ہے۔ اس کے بعد اب کیا اس شخص پر یہ قول لازم نہیں آتا جو یہ کہتا ہے کہ اب ہمارے نبی ﷺ کے سوا کسی نبی کی پیروی لازم نہیں ہے یا وہ اس میں مختلف ہیں۔ لیکن جس نے اتباع کو عقلی طور پر ممنوع قرار دیا ہے تو اس کا یہ قاعدہ بلا تردد ہر رسول علیہ السلام میں جاری ہوگا اور جو لوگ نقل کی طرف مائل ہوئے ہیں تو اس کے لئے جہاں بھی ایسی صورت پائی گئی وہ اس کا اتباع کرے گا اور جو توقف کے قائل

ہیں وہ اپنی اصل پر ہیں اور جو اتباع کے وجوب کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ کسی پہلی شریعت کا اتباع کرتے تھے تو انہوں نے اس کا التزام کیا کہ وہ اپنی دلیل کو ہر نبی ﷺ کے لئے جاری کرے۔

## گیارہویں فصل

وہ افعال و اعمال جو بلا قصد و ارادہ صادر ہوئے

یہ حکم تو ان مخالفتوں کا ہے جنہیں بالقصد عمل میں لایا جائے جن کا نام معصیت ہے جو تحت تکلیف ہیں لیکن وہ عمل جو بلا قصد و عمد صادر ہوں جیسے وہ معمولات شرعیہ جنہیں شریعت نے مقرر کیا ہے جن کا تعلق خطاب سے نہیں ہے اس میں سہو و نسیان واقع ہو جائے تو ان پر (جب عوام سے) کوئی مواخذہ نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ان پر ترک مواخذہ اور عدم عصیان لازمی ہے۔ اس معاملہ میں وہ امتوں کے ساتھ مساوی حکم میں ہیں۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ امر طریقہ تبلیغ، بیان شریعت، متعلقات احکام اور اس عمل کے ذریعہ تعلیم امت مقصود ہو کہ ان کو دلیل بنا کر ان کی پیروی کی جائے اور دوسرا یہ کہ وہ عمل ان سے خارج ہو اور صرف انبیاء علیہم السلام کی اپنی ذات کے لئے خاص ہو

لیکن اول قسم کا عمل علماء کی جماعت کے نزدیک اس باب میں قولی سہو کا حکم رکھتا ہے حالانکہ پہلے ہم نے بالاتفاق نبی کریم ﷺ کے لئے اس کا محال ہونا اور آپ پر قصد آیا سہو جواز کی نسبت سے آپ ﷺ کا معصوم ہونا بیان کر دیا ہے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں اسی زمرہ قول میں آپ ﷺ کے افعال ہیں جن میں کسی طرح بھی خلاف جائز نہیں ہے۔ خواہ بالقصد ہوں یا بطور سہو۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کے اعمال بھی ادائے تبلیغ کی جہت سے قول کے معنی میں ہیں۔ اب اگر ان عوارض کو آپ کے اعمال پر جاری کر دیا جائے تو یہ شک و شبہ کا باعث اور طعنہ زنی کا موجب بنے گا اور سہوی احادیث میں علماء کرام نے کئی طرح کی تاویلیں کر کے عذر کیا ہے جن کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔ اسی طرف

ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ہے

لیکن اکثر فقہاء و متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ بطور سہو بلا قصد افعال بلاغیہ اور احکام شرعیہ میں مخالفت کا صدور آپ ﷺ سے جائز ہے۔ جیسا کہ نمازیں کہ سہو کی حدیثوں سے ثابت ہے اور انہوں نے عمل کے اور اقوال بلاغیہ کے درمیان تفریق کی ہے کیونکہ معجزہ قول کے صدق پر قائم ہے اور قول میں مخالفت اس کے برخلاف ہے لیکن افعال میں سہو کا وقوع وہ اس کے برخلاف نہیں ہے اور نہ وہ

نبوت کے منافی ہے بلکہ افعال میں غلطی اور دل کی غفلت لازمہ بشریت ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں بھی ایک بشر ہی ہوں جو بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو۔  
لہذا جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔

(سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۴۰۲)

البتہ یہ بات ہے کہ نبی کریم ﷺ پر نسیان و سہو کی حالت طاری ہونا افادہ علم اور بیان شرع کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں خود بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تاکہ وہ تمہارے لئے سنت بن جائے بلکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں خود نہیں بھولتا مگر بھلایا جاتا ہوں تاکہ اسے سنت بناؤں اور آپ ﷺ پر ایسی حالت واقع ہونا تو آپ ﷺ کی تبلیغ کی زیادتی اور آپ ﷺ پر اتمامِ نعمت ہے جو کہ نقص کی نشانیوں اور طعن کی غرضوں سے بہت بعید ہے کیونکہ اس کے جواز کے ماننے والے حضرات بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ بلاشبہ رسول سہو و غلط پر قائم و ثابت نہیں رہتا بلکہ انہیں اس پر فوراً خبردار کر دیا جاتا ہے اور اسی وقت اس کے حکم کی معرفت ہو جاتی ہے۔ یہ بعض کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور دوسرے قول پر کہتے ہیں کہ وصال شریف سے پہلے آگاہ کئے جاتے ہیں۔

لیکن وہ افعال جو طریقہ تبلیغ اور بیان احکام سے متعلق نہیں ہیں مگر وہ آپ کے امور دیدیہ اور اذکار قلبیہ کے ساتھ مخصوص ہیں جن کو آپ ﷺ نے اس لئے نہیں کیا کہ اس میں آپ ﷺ کی اتباع کی جائے تو ایسے امور میں علمائے امت کے اکثر طبقے آپ ﷺ پر سہو و غلط تساہل و تغافل قلبی کے جواز کے قائل ہیں اور یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اس امر کی تکلیف دی گئی ہے کہ آپ ﷺ مخلوق کے امور امت کی سیاست اہل خانہ پر شفقت اور اعزاء کا لحاظ فرمائیں پھر بھی ایسے امور پے در پے اور متواتر نہیں ہوتے تھے بلکہ شاذ و نادر ہی واقع ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

بعض اوقات میرے قلب پر ایسی کیفیت واقع ہوتی ہے کہ میں اللہ ﷻ سے پناہ مانگتا ہوں اور یہ بات ایسی نہیں کہ آپ ﷺ کے مرتبے میں اس سے کوئی کمی واقع ہو اور معجزات کے مخالف ہو اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ کی طرف سہو نسیان، غفلت، تساہل کی نسبت بھی محال ہے۔ یہی مذہب جماعت صوفیاء اور قلوب و مقامات کے عرفاء کا ہے اور اس بیان میں اور بھی مذاہب ہیں جن کو انشاء اللہ ﷻ بعد میں ذکر کریں گے۔

## بارہویں فصل

### سہوی احادیث پر مکمل بحث

ہم نے اس سے پہلے متعدد فصلوں میں بیان کر دیا ہے کہ سہو سے متعلق جواز و محال کے بارے میں حضور ﷺ کے لئے کیا صورت ہے اور یہ کہ ہمارے نزدیک تمام حدیثوں میں اور تمام دینی ارشادات میں بالکل سہو جائز ہی نہیں ہے اور یہ کہ افعال میں صرف اس حد تک جائز رکھا ہے جس کو ہم نے سلسلہ کلام میں اشارہ کرتے ہوئے بیان کر دیا ہے۔ اب ہم ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ حضور ﷺ کے بارے میں جو سہوی حدیث نماز میں مروی ہے وہ تین ہیں۔ پہلی حدیث وہ جو ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا اور دوسری حدیث ابن بُحَیْنَةَ کی ہے جس میں آپ نے دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے قیام فرمایا تھا اور تیسری حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی ہے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھیں۔<sup>۱</sup> یہ تینوں حدیثیں سہو پر مبنی ہیں جو کہ افعال میں واقع ہوا جسے ہم نے بیان کر دیا ہے اور یہ کہ اس میں خدا کی یہ حکمت مضمون تھی اس طرح آپ ﷺ کی سنت ثابت ہو جائے کیونکہ افعال کے ساتھ تبلیغ بہ نسبت قول کے زیادہ روشن اور احتمال کو زیادہ اٹھانے والی ہے۔ پھر بھی یہ شرط ہے کہ آپ کو سہو پر ثبات نہیں رہتا۔ بلکہ فوراً آپ ﷺ کو محسوس ہو جاتا ہے تاکہ اشتباہ جاتا رہے اور حکمت کا فائدہ ظاہر ہو جائے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ اس قسم کے نسیان اور سہو کا حضور کے افعال میں واقع ہونا آپ ﷺ کے معجزے کے مخالف اور تصدیق کے منافی نہیں ہے

اور بیشک حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بشر ہی ہوں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ لہذا جب بھول واقع ہو تو یاد دلا دیا کرو اور فرمایا کہ اللہ ﷻ فلاں شخص پر رحم فرمائے کہ اس نے فلاں فلاں آیت مجھے یاد دلائی جس کو میں نے (سہواً) چھوڑ دیا تھا اور یہ بھی مروی ہے کہ مجھے وہ بھلا دی گئی تھیں اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تاکہ میں سنت کر دوں۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب السہو جلد ۲ صفحہ ۵۹ صحیح مسلم کتاب المساجد بزار صفحہ ۴۰۴

۲۔ صحیح بخاری کتاب السہو جلد ۲ صفحہ ۶۰ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۹۹

۳۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۷۵ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۴۰۱

یہ لفظ شک راوی سے ہے اور یہ بھی حدیث ہے کہ میں بذات خود نہیں بھولتا ہوں لیکن بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ سنت بناؤں۔ ابن نافع اور عیسیٰ بن دینار رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں شک واقع نہیں ہے اور یہ کہ اس کے معنی میں ہی تقسیم ہے یعنی یہ کہ میں خود نہیں بھولتا اور مجھے اللہ بھلا دیتا ہے۔

قاضی ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان دونوں ارشادات میں یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی مراد یہ ہو کہ بیداری میں تو خود بھولتا ہوں اور خواب میں مجھے بھلایا جاتا ہے یا یہ کہ میں بشری طور پر تو بھول جاتا ہوں کیونکہ انسان سے کسی شے کا ذہول اور سہو ہوتا ہی ہے یا یہ کہ اس طرف پوری طرح انہماک اور فارغ بال کی بنا پر بھلایا جاتا ہوں۔ پس آپ نے دونوں نسیان میں سے ایک کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ آپ ﷺ کے لئے اس میں ایک سبب تھا اور دوسرے کی اپنی طرف سے نسبت کے وقوع کی نفی فرمائی کیونکہ اس میں مضطرب کی طرح تھے۔

اور اصحاب معانی و کلام کی ایک جماعت اس حدیث میں اس طرف گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حالت نماز میں جو سہو واقع ہو اوہ آپ ﷺ خود نہیں بھولے تھے کیونکہ نسیان تو ذہول، غفلت اور مصیبت ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ ان تمام حالتوں سے پاک و منزہ ہیں جو سہو لے آتی ہیں کیونکہ آپ ﷺ نماز کی حرکات و سکنات میں خوب انہماک فرماتے تھے۔ تو یہ نماز میں غایت انہماک کی بنا پر ہے نہ کہ غفلت کی وجہ سے اور انہوں نے حضور ﷺ کے دوسرے قول سے حجت پکڑی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں خود نہیں بھولتا ہوں (بلکہ بھلایا جاتا ہوں)

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ ﷺ پر یہ تمام باتیں سرے ہی سے محال ہیں۔ انہوں نے کہا کہ (بظاہر) آپ ﷺ کا یہ سہو تو قصد و عمد کے ساتھ ہوتا تا کہ یہ مسنون بن جائے۔ یہ قول ناپسندیدہ ہے اور اس کے مقاصد متناقض ہیں۔ یہ قول بے فائدہ ہے اس لئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک حال میں آپ قصد اسما ہی (بھولنے والے) بن جائیں۔ تو ان کے اپنے اس قول میں کوئی وزن نہیں کہ آپ قصد نسیان کی صورت اختیار کر لیتے تھے تا کہ وہ مسنون ہو جائے۔ اس لئے کہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”میں خود نہیں بھولتا بھلا دیا جاتا ہوں“ بلاشبہ دونوں وصفوں میں سے کوئی ایک وصف ضرور پایا جاتا ہے۔ جس سے تعمد و قصد کے تناقض کی نفی ہو جاتی ہے اور فرمایا کہ میں بھی بشری ہوں جو تمہاری طرح بھول میں واقع ہوتا ہوں۔ اس پر ہمارے بڑے بڑے ائمہ کرام مائل ہیں اور وہ ابوالمنظف اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس کے سوا کوئی اس تاویل کو قبول نہیں کرتا اور نہ میں ہی اسے مختار جانتا ہوں اور ان دونوں گروہوں کے لئے حضور ﷺ کے اس فرمان میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ میں خود

نہیں بھولتا ہوں بلکہ مجھے بھلایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بالکل نسیان کی نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس میں صرف لفظ نسیان کی نفی اور اسی لفظ کی کراہت ہے۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں وہ شخص بہت برا ہے جو یہ کہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا۔ البتہ میں بھلایا گیا ہوں (یکہنا چاہئے) یا یہ بات ہے کہ امر صلوٰۃ میں آپ ﷺ کے قلب اطہر کی طرف سے غفلت اور قلت اہتمام بسبب انہماک تام فی الصلوٰۃ کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ اس کے بعض حصہ کو اس کے بعض سے سہو فرما گئے۔ جیسا کہ غزوہ خندق کے موقع پر نماز ترک کرنے کا واقعہ ہوا یہاں تک کہ نماز کا وقت گزر گیا اور آپ ﷺ دشمن کی مدافعت میں مشغول رہے۔ لہذا آپ ﷺ نے ایک امر کی طاعت میں مشغول رہنے کی بنا پر دوسری طاعت میں تاخیر فرمادی۔ ایک قول یہ ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر چار نمازیں قضا ہوئی تھیں یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء۔ اسی سے خوف کی حالت میں تاخیر نماز کے جواز میں دلیل پکڑی گئی ہے جبکہ نماز کو اس کے وقت میں ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہوں یہ شامیوں کا مذہب ہے لیکن صحیح مسئلہ یہ ہے کہ نماز خوف کا حکم اس کے بعد نازل ہوا لہذا یہ حکم پہلی صورت کا ناسخ ہے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ وادی (جنگل) کے دن تو نبی کریم ﷺ کے خواب استراحت کی وجہ سے نماز قضا ہوئی تھی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری یہ دونوں آنکھیں سو رہی تھیں مگر میرا دل بیدار تھا۔ تو اس کے جواب میں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ علماء کرام کے اس باب میں کئی جواب ہیں۔

ان میں سے ایک یہ کہ یہ حکم تو بوقت خواب آپ ﷺ کے قلب اطہر اور آپ ﷺ کی چشم ہائے مبارک کا اکثر اوقات کے بارے میں ہے نادر وقت میں آپ ﷺ کا اور حال ہوتا تھا۔ جیسا کہ نادر صورت میں کسی دوسرے سے کوئی عمل خلاف عادت ہو جائے اس تاویل کی تصحیح آپ ﷺ کے فرمان سے ہی نفس حدیث کے ذریعہ ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ کبھی مجھ پر ایسی نیند طاری ہی نہیں ہوئی جیسی کہ اب ہوئی۔ اسی قسم کی باتیں اسی وقت صادر ہوتی ہیں جبکہ اللہ ﷻ کسی امر میں اثبات حکم تائیس سنت اور اظہار شریعت کے لئے ایسا ارادہ فرمائے جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ضرور ہم بیدار ہو جاتے

۱۔ صحیح بخاری کتاب الشهادات جلد ۳ صفحہ ۱۵۱ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳۷

۲۔ صحیح بخاری کتاب المواعیت جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ صحیح مسلم کتاب ۱۔ ۱۔ ۱۔ جلد ۱ صفحہ ۲۳۷

۳۔ سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ سنن نسائی جلد صفحہ ۲۹۷

۴۔ صحیح بخاری کتاب الوضوء جلد ۱ صفحہ ۲۳۳



لیکن اس نے تمہارے بعد والوں کے لئے ایسا ارادہ فرمایا۔

دوسرا جواب یہ کہ آپ کے قلب اطہر پر گہری نیند طاری نہیں ہوتی تھی تاکہ آپ پر نیند میں حدیث واقع نہ ہو کیونکہ مروی ہے کہ آپ اس سے محفوظ تھے حالانکہ آپ سو جاتے تھے اور نیند کی آواز بھاری ہو جاتی یہاں تک کہ خراٹوں کی سی آواز معلوم ہونے لگتی تھی۔ پھر بیدار ہو کر یونہی نماز پڑھ لیا کرتے اور وضو نہیں کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث جس میں اٹھنے کے بعد وضو کرنے کا ذکر ہے تو وہ خواب اپنی زوجہ (بیوی) کے ساتھ ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۸ صفحہ ۵۸، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۲۹)

لہذا اس سے محض سو جانے سے آپ ﷺ کے وضو کرنے پر حجت نہیں لائی جاسکتی کیونکہ ممکن ہے اپنی زوجہ سے ملامت یا کسی اور حدیث کی بنا پر وضو کرنا ہو۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اسی حدیث کے آخری حصہ میں یہ ہے کہ پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی سی آواز سنی گئی۔ اس کے بعد اقامت کہی گئی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کا قلب اطہر اس لئے نہیں سوتا تھا کہ خواب کی حالت میں وحی ہوتی تھی۔ لہذا اودی کے قصہ میں صرف آپ ﷺ کے چشم ہائے مبارک کی نیند سورج کے نہ دیکھنے میں ہے اور یہ قلبی کیفیات میں سے نہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے ہماری روحوں کو قبض فرمایا تھا اور اگر وہ چاہتا تو ہماری طرف اس وقت کے سوا (نماز کے وقت) لوٹا دیتا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اگر آپ کی نیند میں استغراق کی عادت نہ ہوتی تو آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ کیوں فرماتے کہ تم ہماری صبح کا خیال رکھنا۔ تو اس کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ صبح کو اندھیرے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور جس کی آنکھ سو جائے اس پر اول فجر کی رعایت آسان نہیں ہوتی یہ تو بدیہی بات ہے کہ ظاہری اعضاء سے اس کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اول وقت کی رعایت کی خاطر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نگہداشت کا حکم فرمایا تاکہ وہ آپ ﷺ کو اس کی خبر کر دیں۔ جیسا کہ آپ نیند کے سوا میں بھی اگر کسی اور کام میں مشغول ہو جائے تو اس کی رعایت کراتے تھے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کا اس سے منع فرمانے کا کیا مطلب ہے کہ ”میں بھول گیا ہوں۔“ حالانکہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرح بھول جاتا ہوں پس جب بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس سے میں بھلا دیا گیا تھا۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۲۹ صفحہ ۲۹ صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ ان الفاظ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ لیکن آپ ﷺ کا ایسا کہنے سے منع فرمانا کہ یوں کہا جائے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں تو یہ اس پر محمول ہوگا کہ اس کی تلاوت قرآن سے منسوخ ہوگئی ہے یعنی اس میں آپ ﷺ کی جانب سے غفلت نہیں ہے لیکن اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس پر مجبور فرمایا تاکہ وہ جو چاہے (لوح قلب سے) محو فرما دے یا جو چاہے باقی و ثابت رکھے اور جو سہو و غفلت آپ ﷺ کی جانب سے ہو تو اس میں یہ صلاحیت ہے کہ یوں کہا جائے میں بھول گیا ہوں (حالانکہ سہو و غفلت آپ ﷺ سے واقع ہوتا ہی نہیں بلکہ اللہ ﷻ کی طرف سے بھلا دیا جاتا ہے۔ مترجم)

اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ سے یہ بات بطریق استحباب وارد ہوتی ہے کہ فعل کو اپنے خالق کی طرف منسوب کریں اور دوسری حدیث میں بطریق جواز ہے کیونکہ اس میں بندے کا عمل ہے اور حضور ﷺ کا تبلیغ شریعت اور بندوں تک پہنچا دینے کے بعد کسی آیت کو چھوڑنا پھر امت کو آپ ﷺ کو یاد لانا یا خود بخود یاد آ جانا جائز ہے بجز اس کے کہ اللہ ﷻ ہی اسے منسوخ کر کے دلوں سے محو فرما دیتے اور اس کے ذکر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ فرما دے۔

بلاشبہ یہ جائز ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی مرتبہ ایسے طریقہ پر بھلا دیئے جائیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ ﷻ آپ ﷺ کے پہنچانے سے پہلے ہی اسے جو نظم میں تبدیلی پیدا نہ کرے اور جس سے حکم میں خلط ملط نہ ہو اور وہ جو خبر میں خلل نہ ڈالے آپ سے بھلا دے۔ پھر اسے اللہ ﷻ ہی یاد دلا دے اور یہ محال ہے کہ آپ ﷺ اسے ہمیشہ ہی بھول جایا کریں کیونکہ اللہ ﷻ اپنی کتاب (قرآن) کی خود حفاظت فرماتا اور اس کے پہنچانے کی تکلیف نبی کریم ﷺ کو خود دیتا ہے۔

## تیرھویں فصل

انبیاء کرام علیہم السلام صغائر کے ارتکاب سے بھی معصوم ہیں

اس فصل میں ان لوگوں کا رد ہے جو گناہ صغیرہ کو انبیاء علیہم السلام پر جائز بتاتے ہیں اور ان دلیلوں پر بھی بحث کی ہے جس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔

واضح ہونا چاہئے کہ جو فقہاء و محدثین اور ان کے تابعین متکلمین میں سے حضرات انبیاء علیہم السلام پر گناہ صغیرہ کا صدور جائز رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس پر قرآن و حدیث کے بکثرت صریح نصوص سے استدلال کیا ہے۔ اگر وہ ظاہر نصوص کا التزام کریں تو اس سے گناہ و کبیرہ اور خرق اجماع تک

نوبت پہنچی ہے جس کا کوئی مسلمان قائل ہو ہی نہیں سکتا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وہ جن نصوص سے استدلال کرتے ہیں اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور اس کے اقتضاء میں متعدد احتمالات متقابل ہیں اور ان کے اس التزام کے برخلاف سلف کے بہت سے اقوال وارد ہیں۔ اب جبکہ ان کے مذہب پر اجماع نہیں اور ان کے استدلال پر پرانا اختلاف چلا آتا ہے اور ان کے اس قول کے خطا و غلط پر اور دوسرے قول کی صحت پر دلائل موجود ہوں تو اس کا ترک واجب اور قول صحیح کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

اب ہم انشاء اللہ ﷻ ان کے دلائل پر بحث کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے استدلال میں سے ایک اس آیات کریمہ میں جو ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے ہیں۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (پ ۲۶ الفتح ۲)

تاکہ اللہ آپ کے سبب آپ کے اگلے اور پچھلوں کے گناہ بخشے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ارشاد ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط (پ ۲۶ محمد ۱۹)

اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (پ ۳۱ الم نشرح ۲-۳)

اور تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ ۚ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ. (پ ۳۳ التوبہ ۳۳)

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ. (پ ۱ الانفال ۶۵)

اگر اللہ پہلے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو اے مسلمانوں تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ۝ (پ ۳۰ عبس ۲-۳)

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا۔ اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور کچھ اہل قصوں میں مروی ہیں جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے وارد ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ ﷻ کا قول ہے:

وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى. (پ ۱۶ ط ۱۳۱) اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

فَلَمَّا اتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَالَهُ شُرَكَاءَ. (پ ۹ الاعراف ۱۹) پھر جب اس نے انہیں جیسا چاہئے بچہ عطا فرمایا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی ٹھہرائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہ

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا. (پ ۸ الاعراف ۲۳) اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ برا کیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں کہ

سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ. (پ ۱ الانبیاء ۸۷) پاکی ہے تجھے بیشک مجھ سے بے جا ہوا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے:

وَوَظَنَ دَاوُدَ إِنَّمَا فَتْنَاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ. (پ ۲۳ ص ۲۳) اب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر اور رجوع لایا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَلَقَدْ هَرَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا. (پ ۱۲ یوسف ۲۳) بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی اس کا ارادہ کرتا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور وہ قضیہ جو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے مابین واقع ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ

فَوَكَزَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ ذُ قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۝ (پ ۲ القصص ۱۵) پس اس کو موسیٰ نے گھونسا مارا وہ اس پر مر گیا کہا کہ یہ شیطان کا کام ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور ﷺ کا اپنی دعا میں یہ الفاظ لانا۔ اے میرے خدا میرے اگلے پچھلے چھپے ظاہر سب گناہ معاف کر دے۔ (صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۳۶) اسی قسم کی دیگر آپ ﷺ کی دعائیں ہیں اور حدیث شفاعت میں ہے کہ بروز قیامت انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ذنوب کا ذکر کریں گے اور حضور ﷺ کا یہ فرمانا

کہ بعض وقت میرے دل کی عجیب حالت ہوتی ہے اس وقت اپنے رب ﷻ سے استغفار کرتا ہوں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں اللہ ﷻ سے استغفار کرتا ہوں اور اس سے ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں۔ اور اللہ ﷻ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے فرمایا:

وَالَا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي. (پ ۱۲ ص ۴۷) اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور بیشک اللہ ﷻ نے ان سے کہا تھا کہ

وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ۝ (پ ۱۸ ص ۲۷) ان ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈوبائے جائیں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝ (پ ۱۹ ص ۸۲) اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہ

تُبْتُ إِلَيْكَ. (پ ۹ ص ۷) تیری طرف رجوع کرا ہوں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا کہ

لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ. (پ ۲۳ ص ۳۳) بیشک ہم نے حضرت سلیمان کو جانچا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس قسم کی بہت سی ظاہر مثالیں ہیں۔ (اب ان سب کا جواب سنو) لیکن اللہ ﷻ کے اس فرمان سے حجت پکڑنا کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ. (پ ۲۶ ص ۲) تو اس کے معنی و تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔

چنانچہ بعض کا تو یہ قول ہے کہ اس سے قبل نبوت اور بعد نبوت مراد ہے اور کچھ نے یہ کہا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ سے جو لغزشیں واقع ہو گئی ہیں اور وہ جو واقع ہوں گی ان سب کی اللہ ﷻ نے اطلاع دے دی کہ آپ ﷺ بخشے ہوئے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ نبوت سے پہلے اور جو بعد کو

ہیں آپ ﷺ سب سے معصوم ہیں اسے احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے آپ ﷺ کی امت مراد ہے اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کا سہو و غفلت اور تاویل مراد ہے۔ اسے

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختار جانا اور بعض نے یہ کہا کہ "مَا تَقَدَّمَ" (جو پہلے ہوئے) سے مراد آپ کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش اور وَمَا تَأَخَّرَ (جو پیچھے ہوئے) سے مراد

آپ ﷺ کی امت کے گناہ ہیں اسے سمرقندی اور سلمیٰ رحمہما اللہ نے ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا۔ اسی تاویل کے مطابق اللہ ﷻ کے اس قول کی تاویل کی جائے گی کہ وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْبِكَ وَالْمُؤْمِنِينَ

وَالْمُؤْمِنَاتِ. چنانچہ مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ حضور ﷺ سے خطاب بھی دراصل آپ ﷺ کی امت سے ہی خطاب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرمانے کا حکم دیا کہ

(تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۵)

آپ فرمادیں:

مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ط اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا  
(پ۱ الاحقاف ۹) اور تمہارے ساتھ کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس پر کفار بہت خوش ہوئے۔ تب اللہ ﷻ نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ. نازل فرمائی اور مومنین کے انجام کے بارے میں دوسری آیت میں اس کے بعد فرمایا۔ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ لہذا آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر طرح مغفور ہیں اگر کوئی لغزش ہو بھی تب بھی کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس جگہ مغفرت سے مراد ہر عیب و نقص سے برأت ہے۔ لیکن اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ. (پ۳۰ الم نشرح ۲) اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا۔ (ترجمہ کنزالایمان) تو اس میں ایک قول یہ ہے کہ قبل نبوت کی آپ ﷺ کی گزشتہ لغزشیں مراد ہیں۔ یہ قول ابن زید اور حسن رحمہما اللہ کا ہے۔ اسی معنی میں قتادہ ﷺ کا قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نبوت سے پہلے بھی محفوظ و معصوم تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقیناً آپ کی کمر بوجھل ہو جاتی۔ اسے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور بعض نے کہا کہ کمر توڑنے والے بوجھ سے مراد رسالت کی مشقت ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اسے ادا فرمایا۔ اسے ماوردی اور سلمی رحمہما اللہ نے بیان کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ سے ایام جاہلیت کے بوجھ کو دور فرما دیا۔ اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کچھ نے یہ کہا کہ آپ ﷺ کی خفیہ مشغولیتیں آپ کی حیرتیں اور آپ کی شریعت میں جستجو و طلب کا بوجھ مراد ہے یہاں تک کہ ہم نے شریعت کو آپ ﷺ پر واضح فرما دیا۔ اسی معنی میں قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ پر وہ بوجھ ہلکا کر دیا جو آپ ﷺ کے ذمہ کیا گیا تھا کیونکہ ہم نے اس کی حفاظت کی جس کا آپ ﷺ کو محافظ بنایا گیا تھا اور انقضاء ظہورک (آپ کی کمر کے بوجھل ہونے) کے معنی یہ ہیں کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ کی کمر بوجھ سے دوہری ہو جائے اور جس نے اس کے معنی نبوت سے پہلے کے کئے ہیں تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے آپ ﷺ کے قبل (اظہار) نبوت وہ امور جن میں آپ پہلے مشغول تھے۔ اب (اظہار) نبوت کے بعد آپ ﷺ پر وہ ممنوع قرار دے دیئے گئے۔ پھر اس کو بوجھ شمار کیا اور آپ ﷺ پر وہ بوجھل ہوئے تو انہیں دور کیا۔ یا ”وضع“ سے مراد اللہ ﷻ کی کفایت و عصمت تمام گناہوں سے ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقیناً آپ کی کمر ٹوٹ جاتی یا یہ کہ رسالت کا بوجھ مراد ہے یا امور جاہلیت سے جو آپ کا دل بوجھل اور مشغول تھا مراد ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ کو مطلع کر دیا کہ جو وحی آپ پر ہوگی اس کی میں حفاظت کروں گا۔ لیکن اللہ ﷻ کا فرمان کہ

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ. اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن

(پ۱ التوبہ ۴۳) دے دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو یہ تو ایسی بات ہے کہ اس سے قبل اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو کوئی ممانعت فرمائی ہی نہیں تھی جس کو گناہ یا نافرمانی کہا جائے اور نہ اسے اللہ ﷻ نے ہی معصیت شمار فرمایا بلکہ اہل علم نے تو اسے عتاب بھی شمار نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جو وہ اس طرف گئے ہیں۔

اور نطقو یہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق بلاشبہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس سے مبرا رکھا ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کی اجازت دی تھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ یقیناً اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس کی اجازت دی تھی جس میں کوئی وحی نازل نہ ہو جیسا چاہیں عمل کریں۔ یہ کیونکر نہ ہو۔ حالانکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَإِذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ. (پ۱۸ النور ۶۲) جسے تم چاہو اجازت دے دو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

چنانچہ جب آپ ﷺ نے ان کو اذن دے دیا تب اللہ ﷻ نے آپ کو مطلع فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کے دل کے بھیدوں سے واقف نہیں۔ اگر آپ ان کو اذن نہ بھی دیتے تب بھی وہ ضرور بیٹھے رہتے اور آپ کو اس پر بھی مطلع فرمایا کہ اب جو کچھ ہو گیا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس آیت میں عَفَا یعنی معافی کے معنی غَفَرَ یعنی بخشنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ ویسے ہی معنی ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ عَفَا اللَّهُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ یعنی گھوڑے اور غلاموں کی زکوٰۃ سے اللہ ﷻ نے تم کو معاف فرمادیا۔ حالانکہ ان پر پہلے سے کوئی فرض نہیں ہوا تھا۔ یعنی تم پر یہ لازم نہیں ہے۔ اسی طرح امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”عَفُو“ کو صرف اسی معنی میں لینا کہ گناہوں سے ہی معافی ہوتی ہے۔ اسے وہی شخص کہہ سکتا ہے جو کلام عرب کے محاورات سے نا بلند (نادائف) ہے اور فرمایا: درحقیقت عَفَا اللَّهُ عَنْكَ کے معنی یہ ہیں کہ آپ پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا اور داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روایت یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کی عزت و تکریم ہے۔ مکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائے کلام کے طریق پر ارشاد فرمایا گیا جیسے یوں کہا کرتے ہیں۔ أَصْلَحَكَ اللَّهُ ”خدا تمہیں نیکی کی توفیق دے“ یا یہ کہ أَعَزَّكَ یعنی تمہیں عزت بخشے وغیرہ اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ عَفَاكَ اللَّهُ یعنی خدا آپ کو عافیت سے رکھے لیکن بدر کے قیدیوں کے بارے میں یہ آ یہ کریمہ کہ

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ط

(پ۱ الانفال ۶۷)

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خود نہ بہائے۔

۱۔ سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵، سنن ترمذی کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۶، سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۳۵، سنن ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۷

تو اس آیت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف گناہ کی نسبت کی جائے بلکہ اس میں تو صرف یہ بیان ہے کہ خدا نے آپ کو اس کے ساتھ مخصوص فرمایا اور آپ کو تمام نبیوں پر اس میں فضیلت عطا فرمائی۔ گویا کہ اللہ ﷻ نے یوں فرمایا کہ آپ کے سوا یہ کسی نبی ﷺ پر جائز نہ تھا۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خاص میرے ہی لئے مال غنیمت کو حلال فرمایا حالانکہ پہلے یہ کسی نبی ﷺ پر حلال نہ تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کے معنی ہیں کہ

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا (پہا الانفال ۶۷) تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

سو اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ ان لوگوں سے خطاب فرمایا گیا جو اسی کو مقصودِ اصلی خیال کرتے تھے اور محض دنیاوی غرض اور اس کی بہتری کے خواستگار تھے اور اس سے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ مراد نہیں ہیں بلکہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ یقینی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ مشرکین بدر کے دن بھاگے تھے اور لوگ مال غنیمت لوٹنے اور اس کے جمع کرنے میں مشغول اور خطرات جنگ سے بے پرواہ ہو گئے تھے یہاں تک کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو خوف پیدا ہو گیا کہ ان پر پھر کفار واپس نہ لوٹ پڑیں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ. اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا۔

(پہا الانفال ۶۸) (ترجمہ کنز الایمان)

(تو کفار لوٹ ہی پڑتے) چنانچہ مفسرین کے اس آیت کے معنی میں مختلف قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر میری طرف سے یہ بات نہ گزری ہوتی کہ میں کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دوں گا جب تک کہ انہیں منع نہ کر دوں تو یقیناً تم کو عذاب دیتا۔ سو اس قول کی بنا پر قیدیوں کا معاملہ تو گناہ رہتا ہی نہیں۔ اس کی نفی یہ تفسیر کر رہی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان قرآن پر نہ ہوتا کہ وہی پہلی کتاب ہے پھر تم نے درگزر کرنے کو واجب کر لیا تو یقیناً تم کو مال غنیمت لینے پر عذاب کیا جاتا۔ اس تفسیری قول اور اس بیان کی مزید وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ اگر تم قرآن پر ایمان نہ رکھتے اور ان لوگوں میں سے ہوتے جن کے لئے مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں تو یقیناً تمہیں بھی ویسا ہی عذاب دیا جاتا جیسا ظالموں کو دیا گیا تھا اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اگر لوح محفوظ میں یہ بات پہلے سے نہ ہوتی کہ تمہارے لئے یہ مال غنیمت حلال ہے تو لازماً تمہیں سزا دی جاتی یہ تمام تفسیری اقوال گناہ اور معصیت کی نفی کر رہے ہیں اس لئے کہ جو شخص وہ کام کرے جو اس کو حلال ہے تو وہ نافرمان اور گنہگار نہیں ہے۔



کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا. تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پہلا انفال ۶۹)

اور ایک قول یہ ہے کہ حضور ﷺ اس میں مختار تھے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت یقینی طور پر مروی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کی بارگاہ میں بدر کے دن آئے اور کہا کہ آپ کے صحابہ قیدیوں کے بارے میں مختار ہیں چاہے وہ انہیں قتل کریں چاہے وہ فدیہ لے لیں بایں شرط کہ ان میں سے آئندہ سال ان کے برابر قتل کئے جائیں۔ تو انہوں نے فدیہ کو قبول کرتے ہوئے اسے منظور کیا کہ ہم سے قتل کئے جائیں۔

(سنن ترمذی کتاب السیر جلد ۳ صفحہ ۶۴، تحفۃ الاشراف جلد ۷ صفحہ ۴۳۱)

یہ قول اس بات کی صحت پر دلیل ہے کہ جو ہم نے کہا ہے کہ انہوں نے وہی کام کیا ہے جس کی انہیں اجازت دی گئی ہے لیکن بعض صحابہ نے دو وجہوں میں سے زیادہ کمزور درجہ کی طرف میلان کیا حالانکہ اس کے سوا دوسری وجہ زیادہ درست و صحیح تھی یعنی انہیں جوش و خروش سے قتل کیا جاتا۔ اس پر انہیں عتاب فرمایا گیا اور ان پر ان کے کمزور پہلو کے اختیار کرنے پر واضح کیا گیا اور دوسرے پہلو کی صحت و درستگی بتائی گئی۔ لہذا یہ سب نا فرمان اور گنہگار نہیں ہوئے۔ اسی طرف طبری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اشارہ ہے۔

لیکن حضور ﷺ کا اس قضیہ میں یہ ارشاد ”اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو ہم میں سے بجز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی اس سے نجات نہ پاتا۔“ سو یہ بھی اس رائے کی صحت و درستگی کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس شخص کی رائے کی طرف جو اس کے موافق ہو کہ اس میں دین کی عزت اس کے کلمہ کا غلبہ و اظہار اور اس کے دشمن کی ہلاکت و بربادی ہے اور اس طرف بھی مشیر (اشارہ) ہے کہ یہ قضیہ اگر عذاب کو واجب کرنے والا ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے ہی نجات پاتے ہمیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تخصیص و تعیین اس لئے ہے کہ کفار کے قتل کرنے کا مشورہ انہوں نے ہی سب سے پہلے دیا تھا لیکن اللہ ﷻ نے ان پر عذاب اس قضیہ میں اس لئے مقدر نہیں فرمایا کہ یہ ان کے لئے حلال تھا جیسا کہ گزرا۔

داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اختیار کی یہ روایت ثابت ہی نہیں اگر ثابت ہوتی تو کیونکر یہ گمان کرنا نبی کریم ﷺ پر جائز ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی حکم ایسا جس میں کوئی اشارہ یا صریح دلیل نہیں دیا ہو اور نہ اس میں آپ کی طرف کوئی حکم ہو۔ یقیناً اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس سے منزہ فرمایا ہے۔

اور قاضی بکر بن علاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کو اس آیت میں خبر دی ہے کہ آپ کی تاویل مال غنیمت اور فدیہ کے حلال ہونے کی فرضیت کے موافق ہے۔ بلاشبہ اس سے پہلے عبد اللہ بن جحش ﷺ کے اس لشکر میں جس میں کہ ابن حضری ﷺ مقتول ہوئے تھے تو حکم بن کیسان ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے فدیہ لیا گیا تھا۔ اس وقت تو اللہ ﷻ نے ان پر عتاب نہیں فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ واقعہ بدر کے سال سے پہلے ہوا۔

لہذا یہ تمام باتیں اس کی دلیل ہیں کہ قیدیوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فعل آپ ﷺ کی تاویل اور اپنی بصیرت کی بنا پر تھا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تو اس وقت اللہ ﷻ نے ان پر انکار نہیں کیا لیکن اللہ ﷻ نے بدر کے معاملہ کو بڑا بنایا چونکہ اس میں قیدی بہت زیادہ تھے اور اللہ ﷻ ہی اپنی نعمت کے اظہار اور اپنے احسان کی تاکید زیادہ جانتا ہے ان کی تعریف لوح محفوظ میں مرقوم ہے کہ ان کے لئے فدیہ اور مال غنیمت حلال ہے۔ اس میں کوئی عتاب انکار اور گناہ نہیں ہے۔ یہ اس کے کلام کا مفہوم و مراد ہے۔

لیکن اللہ ﷻ کا یہ ارشاد کہ

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝ (پ ۳۱) تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
تو اس میں بھی حضور ﷺ کے لئے معصیت کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس میں تو اللہ ﷻ خبر دے رہا ہے کہ آپ کا جو مقابل ہے وہ تو ان میں سے ہے جو کبھی پاک نہ ہوگا۔ اگر آپ ﷺ پر اصل حال منکشف کر دیا جاتا تو آپ ﷺ بطریق اولیٰ ان دونوں مردوں میں سے نابینا کی طرف توجہ فرماتے۔  
رہی یہ بات کہ نبی کریم ﷺ نے اس کافر کی طرف رخ انور پھیر کر پوری توجہ فرمائی تو یہ اللہ ﷻ کی طاعت احکام الہی کی تبلیغ اور کافر کی تالیف قلب کے لئے تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ پر اللہ ﷻ نے مشروع فرمایا تو یہ کوئی معصیت اور اس کی مخالفت نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ سے جو بات بیان فرمائی ہے وہ تو دو مردوں کی حالت کا اظہار اور آپ ﷺ کے سامنے کافر کی توبہ نہ کرنا اور کافر سے پہلو تہی کرنا مقصود تھی۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے خود ہی فرمایا:-

وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا يَرْشَكَ ۝ تمہارا کچھ زیاں نہیں اس میں کہ وہ سحرانہ ہو۔

(پ ۳۰) (ترجمہ کنز الایمان)

اور ایک قول یہ ہے کہ عَبَسَ وَتَوَلَّى سے وہ کافر مراد ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ تھا اسے ابو تمام (صاحب دیوان حماد) نے بیان کیا۔

لہذا لائل العروة للشمس جلد ۳ صفحہ ۱۷۷

لیکن حضرت آدم عليه السلام کے قصہ میں اللہ عز وجل کا یہ قول کہ

فَاَكَلَا مِنْهَا. ان دونوں نے اس میں سے کھا لیا۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۱۶ ط ۱۲۱)

بعد اس کے کہ یہ فرما دیا تھا کہ

وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ

الظَّالِمِينَ O (پ البقرہ ۳۵) والے ہو جاؤ گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہ

أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ. کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ الاعراف ۲۲)

اور اللہ عز وجل کا ”معصیت“ صاف طور پر فرمانا کہ

وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى O اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع

ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۱۶ ط ۱۲۱)

ایک قول یہ کہ اس نے خطا کی۔ اس کے بعد اللہ عز وجل نے اس کے عذر کو بیان فرمایا کہ

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ

نَجِدْ لَهُ عَزْمًا O تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۱۶ ط ۱۱۵) قصد نہ پایا۔

ابن زید رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ آپ عليه السلام ابلیس کی عداوت کو جو وہ آپ کے ساتھ رکھتا تھا اور

اس عہد کو بھول گئے جو اس بارے میں اللہ عز وجل نے آپ سے اپنے اس قول کے بارے میں لیا تھا۔

إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَلِزَوْجِكَ. بے شک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۱۶ ط ۱۱۷)

ایک قول یہ ہے کہ آپ عليه السلام اس عہد و دشمنی شیطان کو باسبب بھول گئے جو اس نے ان

دونوں کو دھوکا دیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان کو اسی لئے انسان کہا جاتا ہے کہ اس سے جو

عہد لیا گیا تھا وہ اسے بھول گیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ آپ عليه السلام نے اسے حلال جان کر اس کی

مخالفت کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ دونوں کو شیطان کی قسم سے دھوکا ہوا کہ اس نے بقسم کہا کہ ”میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔“ انہیں یہ گمان ہو گیا کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ حضرت آدم عليه السلام کا یہ عذر بعض آثار میں بھی مروی ہے اور ابن جبیر رحمته نے کہا کہ شیطان نے ان دونوں سے خدا کی قسم کھائی یہاں تک ان دونوں کو دھوکا دے دیا اور مومن (صادق الایمان) دھوکے میں آ ہی جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ عليه السلام کا نسیان تھا مخالفت کی نیت نہ تھی۔ اس لئے تو اللہ تعالى نے فرمایا:

وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا. (پاٹ ۱۱۵) اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اکثر مفسرین اسی پر ہیں اس جگہ عزم کے معنی حزم و صبر کے ہیں۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس کے کھاتے وقت نشہ میں تھے اس میں ضعف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالى نے جنت کی شراب کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ نشہ میں نہیں لاتی۔ لہذا زیادہ سے زیادہ یہ کہ آپ عليه السلام سے بھول ہو گئی تھی اور بھول معصیت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آپ عليه السلام پر غلطی سے یہ امر مشتبہ ہو جائے جب بھی معصیت نہیں کیونکہ بھولنے والا اور سہو میں مبتلا ہونے والا حکم تکلیف سے بالاتفاق نکل جاتا ہے۔ شیخ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ امر نبوت سے پہلے ہوا ہو۔ اس کی دلیل اللہ تعالى کا یہ ارشاد ہے کہ

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۝ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ  
فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۝

اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تعالى نے اجبا اور ہدایت کو ”عصیان“ کے بعد ذکر فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تاویل کھایا کیونکہ وہ اس سے لاعلم تھے کہ یہ وہی درخت ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان کی تاویل یہ تھی۔ اللہ تعالى نے تو ایک مخصوص درخت کی ممانعت فرمائی ہے نہ کہ جنس درخت کی۔ اسی لئے کہا گیا کہ تو بہ ترک تحفظ سے تھی نہ کہ مخالفت و نافرمانی سے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ اللہ تعالى کی ممانعت اس قسم کی نہیں تھی جس سے حرام ہو جانا پایا جائے۔ اب اگر یوں کہا جائے کہ بہر حال اللہ تعالى نے تو یہ فرمایا:

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۝  
اور آدم سے اپنے رب کے حکم بارے لغزش  
واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی۔

(پاٹھ ۱۳۱) (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ.  
اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے

(پاٹھ ۱۳۲) قرب خاص کی راہ دکھائی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ حدیث شفاعت میں ہے کہ وہ اپنے گناہ کو یاد کرینگے اور کہیں گے کہ مجھے درخت کے  
کھانے کی ممانعت فرمائی گئی تھی مگر میں نے نافرمانی کی۔

اس جیسے دیگر اعتراضات کا جواب مجملاً آخر فصل میں انشاء اللہ ﷻ آئے گا۔

جبکہ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ! تو اس کا کچھ حصہ تو ابھی گزر چکا ہے اور اس قصہ یونس علیہ السلام

میں بھی گناہ کی کوئی صراحت نہیں ہے اس واقعہ میں تو صرف یہ ہے کہ انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور  
ناراض ہو کر چلے گئے ہم اس پر بھی بحث کر چکے ہیں۔

اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ ﷻ نے ان پر اپنی قوم سے خروج کی بنا پر کہ ان پر

عذاب اترے گا ناراضگی فرمائی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب اللہ ﷻ نے ان سے عذاب کا وعدہ

فرما کر اللہ ﷻ نے انہیں معاف کر دیا تب کہا کہ خدا کی قسم میں جھوٹا بن کر کبھی ان سے نہ ملوں گا۔ ایک

قول یہ ہے کہ وہ لوگ جھوٹے قاتل کر دیا کرتے تھے یوں وہ خوفزدہ ہو گئے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بار

رسالت کے اٹھانے سے کمزور ہو گئے۔

بلاشبہ ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ انہوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ ان تمام باتوں میں کوئی

اس کی صراحت نہیں کہ انہوں نے معصیت کی۔ بجز اس قول کے جو نا پسندیدہ ہے۔ اور اللہ ﷻ کا یہ

ارشاد ہے کہ

أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝  
جب وہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا۔

(پاٹھ ۲۰) (ترجمہ کنز الایمان)

تو مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ دور ہو گئے۔ لیکن اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ. (پاٹھ الانبیاء ۸۷) بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو ظلم کی تعریف تو ”وَضَعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهِ“ یعنی کسی چیز کو اس کے غیر محل میں

رکھ دینا ہے۔ تو اب ان کا اپنے گناہ کا اقرار کرنا بعض کے نزدیک تو یہ ہے کہ یا تو اس وجہ میں کہ وہ اپنے رب ﷻ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم سے نکلے تھے یا بایں وجہ کہ وہ بار رسالت کے تحمل کی برداشت نہ رکھتے تھے یا یوں کہ آپ ﷺ نے اپنی قوم پر عذاب کی دعا مانگی تھی۔ (اور وہ معاف کر دیا گیا تھا) حالانکہ حضرت نوح ﷺ نے اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا مانگی تھی مگر اس پر تو مواخذہ نہیں ہوا تھا۔

واسطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ کہ انہوں نے ظلم کی نسبت اپنے رب ﷻ کی طرف کرنے سے خود کو منزہ رکھا اور اپنے نفس کی طرف ظلم کی نسبت کر کے اقرار کیا اور خود اس کو (نفس) اس کا مستحق جانا۔ اسی طرح حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا یہ قول ہے کہ

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا.  
اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ برا کیا۔

(پ۱ الاعراف ۲۳)

(ترجمہ کنز الایمان)

اس لئے کہ یہ دونوں جہاں اتارے گئے تھے اس کے غیر موضع پر پڑنے اور جنت سے نکلنے اور زمین پر اترنے کا سبب بنے تھے۔

جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس قصہ کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے جسے اہل کتاب کے ان مورخین نے لکھا ہے جنہوں نے تغیر و تبدل کیا ہے اور اسے ان سے مفسرین نے نقل کر لیا ہے۔ حالانکہ اللہ ﷻ نے اس پر کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں آیا ہے اور وہ جسے اللہ ﷻ نے صراحت سے بیان فرمایا وہ تو صرف یہ ہے کہ

وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتْنَاهُ فَاستَغْفَرَ رَبَّهُ، وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۗ فَغَفَرْنَا لَهُ، ذَٰلِكَ ۗ وَإِن لَّهُ عِنْدَنَا لَازْلَفِي وَحُسْنِ مَآبٍ ۝

اب داؤد سمجھا کہ ہم نے اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع لایا تو ہم نے اسے پھر معاف فرمایا بیشک اس کے لیے ہماری بارگاہ میں قرب اور

(پ۱ ص ۲۴-۲۵) اچھا ٹھکانہ ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اس کا یہ فرمان کہ فِيهِ أَوَابٌ یعنی وہ بڑا جوح کرنے والا ہے پس فَتْنَاهُ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے آزمایا اور اَوَابٌ کے معنی میں قتادہ ؓ نے فرمایا: وہ مطیع ہے۔ یہ تفسیر بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک شخص سے اس سے زیادہ نہیں فرمایا کہ میری خاطر اپنی بیوی سے جدا ہو یا اسے میرے ذمہ کر دے اس پر اللہ ﷻ نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آگاہ کیا کہ تم دنیا میں مشغول نہ ہو اس معاملہ میں یہی بات

زیادہ مناسب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے پیغام دے دیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ دل سے اسے پسند کیا کہ وہ حاضر ہو اور سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا آپ نے جس گناہ سے استغفار کی وہ دو شخصوں کا جھگڑا تھا (آپ نے فرمایا) کہ اس نے تم پر ظلم کیا تو انہوں نے مقابل کے قول سے ہی ظالم بنایا۔ ایک قول یہ ہے کہ بلکہ اس لئے استغفار کی کہ انہوں نے اپنی جان سے خوف کھایا اور آزمائش کا گمان کیا کہ انہیں ملک اور دنیا دی گئی۔

اور وہ جو کچھ مؤرخین نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اس کی نفی میں احمد بن نصر اور ابو تمام رحمہما اللہ وغیرہ محققین گئے ہیں۔ چنانچہ داؤد کی رحمۃ اللہ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ادریا کے قصہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے اور کسی نبی سے ایسا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ محبت کی خاطر کسی مسلمان کو قتل کرادیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان دو شخصوں کا جھگڑا آپ علیہ السلام سے بکریوں کے بچوں کے بارے میں تھا ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ! تو اس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اب رہے ان کے بھائی تو ان کی نبوت ہی کب ثابت ہے جس کی وجہ سے ان کے افعال پر بحث کریں اور قرآن کریم میں اسباط (اولاد) کا ذکر کرنا اور انہیں انبیاء میں شمار کرنا سو اس بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے وہ نبی مراد ہیں جو ان کی اولاد میں ہوئے اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ وہ فعل کیا تھا تو اس وقت ان کی عمریں چھوٹی تھیں اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے وقت وہ سب حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان نہ سکے اور اسی لئے انہوں نے کہا کہ

أَرْسَلُهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ.  
کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے

(پ ۱۲ یوسف ۱۲) کھائے اور کھیلے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

لیکن اللہ ﷻ کا یہ ارشاد کہ

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ  
عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ  
بُرْهَانَ رَبِّهِ ط

(پ ۱۲ یوسف ۲۳) دیکھ لینا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس میں بھی اکثر فقہاء و محدثین کا یہ مذہب ہے کہ نفس کی خواہش پر مواخذہ نہیں ہوتا اور نہ یہ گناہ ہے کیونکہ حضور ﷺ اپنے رب ﷻ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ

کرتا ہے اور اسے کرتا نہیں تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے! تو معلوم ہوا کہ صرف نفس کی خواہش پر گناہ نہیں ہے لیکن فقہاء محققین اور متکلمین کے مذہب کے نزدیک جب قصد پر نفس کا مصمم ارادہ ہو جائے تو وہ گناہ ہے اور جس پر اس کا نفس پختہ نہ ہو تو وہ معاف ہے اور یہی مذہب حق ہے۔

لہذا انشاء اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ اسی قبیل سے ہوگا اور فرمان الہی کہ

مَا أْبْرَأُ نَفْسِي. اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۱۳ یوسف ۵۳)

یعنی میں اپنے نفس کی اس ارادے سے برأت نہیں کرتا یا ممکن ہے کہ یہ انہوں نے بطریق تواضع فرمایا ہو جس میں اس بات کا اقرار ہے کہ میں نفس کی مخالفت کرتا ہوں کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے پاک و منزہ تھا اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ارادہ کیا ہی نہیں اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی لَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَلَوْ لَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ لَهَمَّ بِهَا ”زلیخا نے ان کی طرف قصد کیا اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کے کی دلیل نہ دیکھتے تو ضرور اس کی طرف قصد فرماتے۔“ کیونکہ اللہ نے زلیخا کے لئے فرمایا کہ

وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ط اور بے شک میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تو

انہوں نے اپنے آپ کو بچایا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۱۲ یوسف ۳۲)

نیز فرمایا:

كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ہم نے یوں ہی کیا کہ اس سے بُرائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۱۲ یوسف ۲۳)

اور فرمایا:

وَعَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ط اور دروازے سب بند کر دیے اور بولی آؤ تمہیں سے کہتی ہوں کہا اللہ کی پناہ وہ عزیز تو میرا رب قال مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ. ط یعنی پرورش کرنے والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۱۲ یوسف ۲۳)

اور ربی کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے اللہ علیہ السلام مراد ہے اور ایک قول یہ کہ بادشاہ مراد ہے اور ایک قول یہ کہ ہم بہا اس نے ارادہ کیا یعنی زلیخا کو تنبیہ کرنے کا قصد کیا ہے اور اس نصیحت کی اور ایک قول یہ ہے کہ ہم بہا کے یہ معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو اس سے باز رہنے میں غمزدہ



کر دیا اور ایک قول یہ کہ یوسف علیہ السلام نے اس کی جانب (غم سے) دیکھا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے دھکا دے کر دور کر دیا اور بعض نے کہا کہ یہ تمام قصہ آپ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ عورتیں ہمیشہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف مائل بشہوت ہوتی ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو منصب نبوت عطا فرما کر اس کی ہیبت ڈال دی پھر ہیبت نبوت نے ہر دیکھنے والے کو ان کے حسن و جمال سے غافل کر دیا۔

اب رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مقتول کا قصہ جسے انہوں نے مکا مارا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ آپ علیہ السلام کا دشمن تھا۔ سو ایک قول تو یہ ہے کہ فرعونی دین پر قائم ایک قبیلہ تھا۔ پوری سورت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تمام واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہوں نے عصا سے پیٹا تھا اور جان سے مار ڈالنے کا قصد نہ تھا۔ اس بنا پر تو اس میں کوئی گناہ ہی نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ

هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ط

یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۲۰ القصص ۱۵)

اور فرمایا:

ظَلَمْتُ نَفْسِي فَأَغْفِرْ لِي.

میں نے اپنی جان پر زیادتی کی۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۲۰ القصص ۱۶)

اس کی تفسیر میں ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ اس وجہ سے کہا کہ کسی نبی علیہ السلام کو سزاوار نہیں کہ وہ کسی کو بلا حکم قتل کر دے اور نقاشی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ارادہ قتل سے انہوں نے قصداً قتل نہیں کیا۔ انہوں نے مکا اس لئے مارا کہ اس کے ظلم کو مکے سے دور کر دیں اور کہا کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے اور یہی اقتضاء تلاوت ہے۔ اسی قصد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَفَتَّاكَ فُتُونًا O

(پ ۱۶ طہ ۴۰) اور تجھے خوب جانچ لیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ابتلا کے بعد دوبارہ ابتلا میں ڈالا اور ایک قول یہ ہے۔ اس قصہ میں وہ مراد ہے جو فرعون کے ساتھ پیش آیا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈالنا وغیرہ مراد ہے اور ایک قول یہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو خوب خالص کر دیا۔ اسے ابن جبیر اور مجاہد رضی اللہ عنہما نے کہا اور یہ اس محاورہ عرب پر مبنی ہے کہ فَتَنَتِ الْفِضَّةُ فِي النَّارِ إِذَا خَلَصَتْهَا یعنی چاندی کو آگ میں ڈال کر صاف کر لیا جبکہ وہ خوب صاف ہو جائے دراصل فتنہ کے معنی ہی آزمائش اور شئی پوشیدہ کے

اظہار کے ہیں۔ سوائے اس جگہ کے جہاں عرف شریعت میں اختیار میں کسی ناپسند و مکروہ معنی میں بولا گیا ہو۔

اسی طرح صحیح حدیث میں یہ ہے کہ ملک الموت عليه السلام ان کے پاس جب آئے تو طمانچہ مارا اور ان کی آنکھ گدھی پر چلی گئی۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے حضرت موسیٰ عليه السلام کی تعدی یا کوئی فعل غیر واجب ثابت ہوتا ہو۔ کیونکہ یہ ایک ظاہر اور کھلی بات ہے جو عقلاً بھی جائز ہے کیونکہ موسیٰ عليه السلام نے اپنی ان سے مدافعت کی ہے جو ان کی جان لینے آئے تھے اور یقیناً وہ آدمی کی صورت میں آئے تھے۔ اس وقت علم کی کوئی ایسی صورت ہی نہ تھی کہ وہ جان لیتے کہ وہ ملک الموت عليه السلام ہے انہوں نے اپنی پوری پوری مدافعت اس طرح پر کی ہو کہ اس سے اس صورت کی آنکھ پھوٹ گئی ہو جس صورت میں وہ ان کے لئے خدا کی طرف سے ظاہر ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب دوبارہ وہ آئے اور اللہ عز وجل نے انہیں علم دیا کہ یہ اس کا قاصد ہے تب انہوں نے سر جھکا دیا۔

اس حدیث کے علماء متقدمین و متاخرین نے کئی جواب دیئے ہیں جس میں میرے نزدیک یہ جواب سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ جواب ہمارے شیخ امام ابو عبد اللہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور متقدمین میں سے ابن عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ نے طمانچہ مارنے اور آنکھ باہر آ جانے کی یہ تاویل کی ہے وہ اس پر حجت میں غالب آگئے اور انہوں نے اس کی دلیل کی آنکھ پھوڑ دی۔ اس قسم کا کلام اس باب میں لغت اور محاورہ عرب میں منقول ہے۔

اب رہا حضرت سلیمان عليه السلام کا قصہ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے آزمائش میں ڈالا اور یہ ان کی آزمائش تھی اور وہ روایتیں جنہیں مفسرین نے ان کے گناہ میں بیان کیا کہ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے کہ

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ. (پا ص ۳۳) بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس کے معنی یہ ہیں ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا اور ان کا امتحان یہ تھا جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان عليه السلام نے کہا تھا کہ میں آج کی رات سو عورتوں یا ننانوے عورتوں پر گشت کروں گا اور ان سب سے ایک ایک سوار پیدا ہوگا جو اللہ عز وجل کی راہ میں جہاد کرے گا۔

اس پر ان کے ایک مصاحب نے عرض کیا کہ آپ انشاء اللہ عز وجل بھی فرمائیے۔ تو انہوں نے یہ نہ کہا جس پر صرف ایک ہی عورت حاملہ ہوئی اور وہ بھی نصف بچہ پیدا ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر

وہ انشاء اللہ ﷺ کہہ دیتے تو یقیناً وہ سب پیدا ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کرتے۔

اصحاب معانی نے کہا کہ حدیث میں جو لفظ شق وارد ہے اس سے وہ دھڑ مراد ہے جو کرسی پر ڈال کر ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا تا کہ معلوم ہو جائے یہ ان کی عقوبت و محنت کا ثمرہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ وہ مر گیا تھا اور اسے مردہ کرسی پر ڈال کر پیش کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس پر حرص و تمنا کی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے غلبہ حرص و تمنا میں انشاء اللہ ﷺ نہ کہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی عقوبت یہ تھی کہ ان کا ملک مسلوب ہوا اور ان کا گناہ یہ کہ انہوں نے دل میں یہ چاہا کہ ان کے سرال کا حق ان کے دشمنوں پر ثابت ہو جائے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کے گناہ پر مواخذہ کیا گیا تھا۔

اور یہ بات صحیح نہیں جسے بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ شیطان ان کی صورت بنا کر ان کے ملک پر مسلط ہو گیا تھا اور ان کی امت پر ظلم و ستم کا حکم کرنے لگا تھا کیونکہ ایسے امور پر شیاطین کو قدرت نہیں دی جاتی اور نیز انبیاء کرام علیہم السلام ایسے امور سے معصوم رکھے جاتے ہیں۔

اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قصہ مذکورہ میں انشاء اللہ ﷺ کیوں نہ کہا تو اس کے کئی جواب ہیں۔ ایک وہ کہ جو حدیث صحیح میں مروی ہے کہ وہ کہنا بھول گئے تھے تا کہ اللہ کی مراد پوری ہو جاتی اور دوسرا یہ کہ انہوں نے اپنے مصاحب کی آواز سنی ہی نہیں کیونکہ کسی اور طرف مشغول ہو گئے تھے۔

اور ارشاد کہ

وَهَبْ لِي مَلِكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْهُ ۗ  
بَعْدِي. (پ ۲۳ ص ۳۵) لائق نہ ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو یہ سوال دنیا طلبی اور اسی سے رغبت کی بنا پر نہ تھا لیکن ان کا اس سے مقصد وہ تھا جسے مفسرین نے بیان کیا کہ اس پر کوئی غلبہ نہ پاسکے جیسا کہ اس ملک پر وہ شیطان مسلط کر دیا گیا تھا جس نے زمانہ امتحان میں آپ سے (ملک) چھین لیا تھا۔ اس قول کی بنا پر جو اس کا قائل ہو اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ انہوں نے درخواست کی تھی کہ اللہ ﷺ کی جانب سے کوئی ایسی فضیلت اور خصوصیت عطا ہو جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بعض خصوصیتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں اور یہ خصوصیت ان کی نبوت کی دلیل اور حجت سے ہو۔

مثلاً آپ کے والد ماجد کے ہاتھ پر لوہے کا نرم ہو جانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے

مردوں کا زندہ کرنا اور حضور ﷺ کو شفاعت عظمیٰ سے مخصوص فرمانا وغیرہ فضائل و خصائص ہیں۔

اب رہا حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ! تو اس کا عذر تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس میں تاویل اور ظاہر لفظ کے ساتھ تمسک کیا تھا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ

أَهْلَكَ. (پ ۱۲ حود ۴) وہ تمہارا اہل ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو وہ مقتضائے لفظ کے طالب اور اس سے شے کے علم کے خواہاں ہوئے جو ان سے مخفی تھا نہ یہ کہ انہوں نے وعدہ الہی میں شک کیا تھا۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے ان پر ظاہر فرما دیا کہ یہ تمہاری اس اہل میں سے نہیں ہے جس کی نجات کا وعدہ فرمایا تھا کیونکہ وہ کافر ہے اور اس کے اعمال غیر صالح ہیں اور یقیناً اللہ ﷻ نے ان کو آگاہ فرما دیا تھا کہ وہ ظالموں کو ڈبونے والا ہے اور مخاطبت سے آپ کو روک دیا کہ وہ اس تاویل سے تمسک نہ کریں اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جو انہوں نے اپنے رب ﷻ سے اپنی قوم کے لئے اس اقدام کے بارے میں سوال کیا جس کی انہیں اجازت نہ تھی

اور نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ اپنے بیٹے کے کفر سے لاعلم تھے اور آیت کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں اور یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی معصیت پر مقتضی نہیں ہیں۔ بجز اس کے جو ہم نے ان کی تاویل اور اقدام سوال بلا اذن کی صورت میں بیان کیا اور یہ ممنوع نہ تھا۔

اب رہی وہ صحیح حدیث جس میں ہے کہ کسی نبی کے چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹی کی آبادی ہی کو جلا دیا تھا۔ اس پر ان کی طرف اللہ ﷻ نے وحی فرمائی کہ ایک چیونٹی نے کاٹا تھا مگر تم نے اس کے بدلے میں پوری ایسی جماعت کو جلا دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی۔

سو اس حدیث میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے معصیت ثابت ہو بلکہ انہوں نے وہ کام کیا جو ان کی مصلحت و صواب کا اقتضاء تھا کہ ایسی ایذا رساں جنس ہی کو مار دیا جائے جو اس سے باز رکھے جسے اللہ ﷻ نے مباح کیا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ نبی ﷺ کے نیچے پڑاؤ کئے تھے پس جب چیونٹی نے اسے کاٹا تو انہوں نے دوبارہ کاٹنے کے خوف سے اسے مسل دیا حالانکہ اللہ ﷻ کی ایسی کوئی وحی نہیں ہے جس میں یہ معصیت ہو بلکہ صبر و برداشت اور موانعات کو چھوڑنا مستحب ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ. (پ ۱۳ النحل ۲۶) اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر (ترجمہ کنز الایمان)

۱۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۴۹، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۵۹، سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۲۱۸، سنن ابن ماجہ کتاب العید جلد ۲

لہذا ان کا فعل ظاہر بات ہے اسی وجہ سے ہے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق ایذا پہنچاتی ہے۔ (زیادہ سے زیادہ) انہوں نے یہ کیا کہ اپنی جان کا بدلہ لیا اور اس مضرت کو دور کیا جو بقیہ چیونٹیوں سے جو وہاں موجود تھیں خطرہ تھا تو اس بارے میں کہیں بھی ایسا کوئی حکم نہیں جس سے پہلے منع کیا گیا اور اب اس کے کرنے سے معصیت اور نافرمانی ٹھہرے اور نہ اس بارے میں اللہ ﷻ نے کوئی وحی صراحت سے نازل فرمائی اور نہ ان سے توبہ و استغفار مروی ہے (واللہ اعلم) اب اگر یہ کہا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کا کیا معنی نہیں کہ فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو یا وہ گناہ کے قریب نہ گیا بجز حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے۔ "یا جو بھی کچھ آپ نے فرمایا ہو!۔ تو اس کا وہی جواب ہے جیسا کہ پہلے گزرا کہ انبیاء علیہم السلام سے جو گناہ واقع ہوئے ہیں وہ سہو اور مشغولیت کی بنا پر صادر ہوئے۔"

## چودھویں فصل

دفع اشکال از عصیان انبیاء کرام علیہم السلام

اب اگر تم یہ کہو کہ جبکہ تم انبیاء علیہم السلام ان ذنوب و معاصی کی نفی کر دی جن میں مختلف مفسرین اور محققین کی متعدد تاویلوں میں بیان کیا ہے تو اب اللہ ﷻ کے فرمان وَعَصَى اِدْمَ رَبَّهُ فَغَوَى. اور وہ امور جو بار بار قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں انبیاء کرام علیہم السلام سے ذنوب توبہ استغفار گریہ و زاری وغیرہ میں منقول ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ وہ ان کا اعتراف کرتے رہے اور ڈرتے رہے کیا کوئی بے گناہ بھی ڈرتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے؟

تو ان کا جواب تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ اللہ ﷻ ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ رفیع اور بلند معرفت الہی اور سنت بندگان خدا پر فائز اور اللہ ﷻ کی عظمت و ہیبت اور اس کی مضبوط گرفت و طاقت کا عرفان وہ ان کو اس امر میں خوف و خشیت الہی اور اندیشہ گرفت باری تعالیٰ برا بھینختہ کرتا رہتا تھا حالانکہ وہ امور ایسے ہوتے تھے کہ غیر انبیاء سے مواخذہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

انبیاء کرام کا تو حال یہ تھا کہ وہ ان امور میں بھی خوفزدہ رہتے تھے جن میں نہ کوئی ممانعت تھی اور نہ انہیں ان کا حکم دیا گیا تھا لیکن پھر بھی ان پر وہ ماخوذ معاتب ہوئے اور انہیں مواخذے سے خوفزدہ کیا گیا حالانکہ یہ انبیاء کرام ان امور کے یا تو بوجہ تاویل یا سہو یا برسبیل زیادتی طلب مباح امور

دنیاوی کے مرتکب ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی خائف و لرزاں رہتے تھے اور یہ گناہ بھی ان کے مرتبہ عالیہ کی نسبت سے ہے اور ان کے کمال طاعت کے لحاظ سے وہ معاصی ہیں نہ یہ کہ وہ دوسروں کے گناہ کی طرح گناہ اور معاصی ہیں۔

اس لئے کہ گناہ و ناست اور رذالت سے ماخوذ ہے اور اسی سے یہ کہ ذَنْبٌ كُلِّ شَيْءٍ یعنی ہر شی کی ذنب یعنی آخر اور لوگوں کے اذنا ب ان کی رذالت ہے گویا کہ یہ لوگوں کے ادنیٰ افعال اور ان کے برے احوال ہیں تاکہ انبیاء علیہم السلام ان کی تطہیر کریں اور انہیں ستھرا بنائیں اور خود انبیاء علیہم السلام کی باطنی اور ظاہری حالت عمل صالح، کلمہ طیب، ذکر ظاہر و خفی اور خشیت الہی سے آراستہ و پیراستہ ہوتی ہے۔ ان کی خشیت الہی باطن و ظاہر میں بڑھتی رہتی ہے اور ان کے سوا دوسرے لوگ کبار، قبائح اور خواہش سے آلودہ رہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں اور گناہ بہ نسبت دوسرے کے نیکیاں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ مقولہ ہے کہ

حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقْرَبِينَ۔ یعنی نیکیوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔

یعنی اپنی علو مرتبت کے لحاظ سے وہ گناہوں کی مثل ہیں۔ اسی طرح عصیان و ترک مخالفت کا حال ہے۔ لہذا باعتبار الفاظ وہ کسی طرح کا سہو یا تاویل ہو ان کے حق میں مخالفت اور ترک ہے اور اللہ ﷻ کا ارشاد ”فَغَوَى“ سو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے بے خبر ہو گئے کہ یہ وہی درخت ہے جس کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور غیبی کے معنی جہل کے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دائمی رہائش کی طلب میں انہوں نے خطا کی۔ جب انہوں نے کھالیا تو ان کی آرزو میں رائیگاں گئیں۔

اور یہی صورت حال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے بیشک اس قول میں ان سے مواخذہ کیا گیا جو انہوں نے قید خانہ میں اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ

أَذْكُرُنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَانْسَاهُ الشَّيْطَانُ اپنے رب (بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان

ذَكَرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ۔ نے اسے بھلا دیا کہ اپنے رب (بادشاہ) کے سامنے

یوسف کا ذکر کرے تو یوسف کئی برس جیل خانہ میں

(پ ۱۲ یوسف ۴۲) رہا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ایک قول یہ کہ یوسف علیہ السلام کو ذکر الہی سے بھلا دیا گیا اور ایک قول یہ کہ ان کے ساتھی کو بھلا

دیا گیا کہ وہ اپنے بادشاہ کے سامنے ان کا تذکرہ کرے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر حضرت یوسف علیہ السلام یہ بات نہ کہتے تو وہ اتنے عرصہ قید خانے

میں نہ رہتے۔

(تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۵۴۱)

ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کہا تو ان سے کہا گیا کہ تم نے میرے سوا دوسرے کو وکیل بنایا تو اب ضرور تمہاری مدت قید کو دراز کروں گا۔

اس وقت انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب بلاؤں کے اثر و دام نے میرے قلب کو بھلا

(تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۵۴۱)

دیا۔

اور بعض علماء نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام سے ایک ذرہ بھر لغزش پر بھی گرفت ہو جاتی تھی کیونکہ خدا کی بارگاہ میں ان کی بڑی منزلت ہوتی ہے اور دوسرے لوگوں سے باوجود ان سے کئی گنا زیادہ بے ادبی ہونے کے درگزر کیا جاتا ہے کیونکہ ان کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی

اور اس پہلے گروہ نے جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ

جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ان کے سہو و نسیان پر بھی مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے اور

یہ کہ ان کی حالت بہت بلند و بالا ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا حال دوسروں سے برا ہے؟

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے کہ ہم نے یہ تو ثابت نہیں کیا کہ ان پر

مواخذہ دوسروں کے برابر ہوتا ہے۔ بلکہ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسی باتوں کا ان پر مواخذہ

کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے ان کے درجات اور زیادہ بڑھیں اور اس لئے انہیں آزمائش میں مبتلا

کیا جاتا ہے تاکہ ان کے مرتبے اور بلند ہوں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۝

پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی

رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی

(پ ۱۶ ط ۱۲۲) راہ دکھائی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ ط

تو ہم نے اسے معاف فرمایا۔

(پ ۲۳ ص ۲۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تَبَّتْ إِلَيْكَ میں تیری طرف رجوع لایا تب اللہ

تعالیٰ نے فرمایا:

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ ۖ

میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا۔

(پ ۹ الاعراف ۱۴۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش اور رجوع کے تذکرے کے بعد اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ (الی) حُسْنِ مَآبٍ. تو ہم نے ہو اس کے بس میں کر دی۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۲۳ ص ۳۶)

اور بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں ظاہر میں تو لغزشیں ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان کی کرامتیں اور قرب ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا نیز یہ کہ ان کے سوا دوسرے انسانوں کو یا ان لوگوں کو جو ان کے درجے میں نہیں ہیں (اولیاء و متقین) ہوشیار کیا جاتا ہے کہ ایسی باتوں پر بھی ان سے مواخذہ ہوتا ہے چاہے کہ وہ بھی ڈرتے رہیں اور حساب و کتاب پر اعتقاد رکھیں تاکہ اللہ ﷻ کی نعمتوں پر ہمیشہ شکر بجالاتے رہیں اور سختیوں پر جبکہ ایسے بلند و بالا منصب والوں پر جو کہ معصوم ہیں شدائد واقع ہوتی ہیں تو وہ بھی صبر کرنا سیکھیں اور جب کہ انبیاء کا یہ حال ہے تو ان کے سوا دوسروں کا کیا حال ہوگا؟

اسی صالح مری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ تو ابن کے لئے بڑی گنجائش ہے۔ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ ﷻ نے صاحب حوت (حضرت یونس علیہ السلام) کا قصہ ان کی تنقیصی شان کے لئے نہیں بیان فرمایا مگر اس لئے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا صبر و تحمل اور زیادہ ہو۔

نیز اس گروہ (اعتراض کرنے والے) سے یہ بھی کہا جائے کہ تم اور تمہارے موافقین یہ کہتے ہیں کہ کبار کے اجتناب سے صغائر معاف کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کبار سے معصوم ہیں لہذا اب جو تم صغائر کے صدور کو انبیاء علیہم السلام کے لئے جائز رکھتے ہو تو وہ تو تمہارے قول کے بموجب معاف ہو جاتے ہیں لیکن پھر ان سے مواخذہ ہونے کے تمہارے نزدیک کیا معنی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ڈرنے اور ان کا اس سے توبہ کرنے کا کیا مطلب ہے۔ حالانکہ وہ تو مغفور ہی ہیں۔ لہذا اب جو وہ اس کا جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔ یعنی یہ کہ ان پر مواخذہ سہو اور تاویل افعال پر ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کثرت سے توبہ و استغفار کرنا دائمی خضوع اور اظہار بندگی کے لئے ہے نہ کہ تقصیر کے اعتراف کی وجہ سے اور یہ اللہ ﷻ کی نعمت پر شکر بجالانا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اگرچہ میں گزشتہ و آئندہ کے مواخذے سے محفوظ ہوں لیکن کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور فرمایا کہ میں تم سے زیادہ خشیت الہی رکھتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ کو جانتا ہوں۔



حارث بن اسد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا خوف عظمت و جلال کے خوف اور اللہ ﷻ کی بندگی کی وجہ سے ہے ورنہ وہ تو مومن و محفوظ ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ انہوں نے اس لئے کیا تا کہ لوگ ان کی پیروی کریں اور ان کی امت کے لئے وہ امر مسنون بن جائے۔  
جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جتنا میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔  
نیز توبہ و استغفار میں ایک دوسرے لطیف معنی بھی ہیں جس کی طرف بعض علماء نے اشارہ کیا ہے کہ وہ اس محبت الہی ﷻ کی خواہش ہے۔ جسے اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ. (پ البقرہ ۲۲۲) کو اور پسند رکھتا ہے بہتر توبہ کرنے والوں کو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

لہذا انبیاء و رسل علیہم السلام کا استغفار و توبہ اور انابت و رجوع میں ہمیشہ مشغول رہنا محبت الہی ﷻ کی خواہشمندگی کے لئے ہے اور اس میں استغفار کے معنی توبہ و رجوع کے ہیں۔ یقیناً اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ سے گزشتہ و آئندہ کی لغزشوں کی معافی کے مترادف کے بعد فرمایا:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ. یقیناً اللہ ﷻ نے نبی اور مہاجرین و انصار کی توبہ قبول فرمائی۔

اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ط إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ (پ النصر ۳) کرنے والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

## پندرہویں فصل

حقوق نبوت و رسالت ﷺ پر تنبیہات

اے پڑھنے والے ہماری اس بحث سے تم کو یقیناً اچھی طرح حق ظاہر ہو گیا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ اس امر سے کلیتہً معصوم ہیں کہ آپ ﷺ ذات و صفات باری تعالیٰ سے بے خبر ہوں یا آپ ﷺ کسی ایسی حالت پر ہوں جو کسی نہج سے علم کے منافی ہو۔ ان باتوں سے نبوت کے بعد آپ ﷺ کا پاک ہونا تو بدلیل عقل و اجماع اور نبوت سے پہلے بدلیل نقل و سمع ثابت ہے اور نہ امور شرعیہ میں سے جن کو آپ

نے مقرر فرمایا اور بواسطہ وحی جسے آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ کی طرف سے پہنچایا آپ کا کسی ایسی حالت پر ہونا جائز ہے جو علم کے منافی ہے۔ یہ بدلائل قطعیہ عقلیہ اور شرعیہ ثابت ہیں۔

اور آپ ﷺ کذب و خلاف گوئی سے بھی بوقت اعطاء نبوت و رسالت قصد و بلا قصد ہر طرح معصوم ہیں اور بالاتفاق آپ ﷺ سے اس امر کا صادر ہونا شرعاً، اجماعاً، عقلاً اور برہاناً ہر طرح محال ہے اور آپ ﷺ کا قبل نبوت اس سے منزہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہے اور کبائر سے پاک ہونا بطور اجماع اور صفائے منزہ ہونا بطور تحقیق ثابت ہے اور ان امور میں جنہیں آپ ﷺ نے امت کے لئے مشروع فرمایا ان پر دائمی سہو و غفلت اور استمرار غلط و نسیان سے معصوم ہیں اور آپ ﷺ ہر حالت خوشی و غضب اور مسرت و مزاح میں ایسی باتوں سے پاک ہیں۔

اب تم کو واجب و لازم ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو پوری قوت سے لازم پکڑو اور ان پر کامل مضبوطی سے عمل پیرا ہو۔ جیسا کہ کوئی بخیل کسی شے کو پکڑتا ہے اور چاہیے کہ ان قصوں کی بڑی قدر کرو اور ان کے فوائد عظیمہ سے علم حاصل کرو اور جو ان کی لاعلمی سے خطرات و نقصانات ہیں ان سے بے خبر نہ رہو کیونکہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے حقوق واجبہ یا وہ جو جائز ہے یا وہ جو آپ ﷺ پر محال ہے ان سے غافل و جاہل ہے وہ آپ ﷺ کے احکام کی معرفت کر ہی نہیں سکتا اور وہ شخص خلاف واقع امور کے اعتقاد سے محفوظ رہ ہی نہیں سکتا اور نہ وہ آپ ﷺ کو ان امور سے معصوم جان سکتا ہے جن کا کہ آپ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ پس وہ ہلاک ہو جاتا ہے حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ کس طرف سے ہلاکت واقع ہوئی اور جہنم کے نچلے تارکے گڑھے میں جا پڑتا ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کے حق میں باطل کا گمان کرنا اور اس شے کا گمان کرنا اور اس شے کا اعتقاد رکھنا جو آپ ﷺ پر ناجائز ہو ایسا اعتقاد رکھنے والا اِدَارَ الْبُؤَارِ (ہلاکت کے گڑھے) کا مستحق ہو جاتا ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان دو شخصوں پر احتیاط فرمائی جو مسجد میں معتکف تھے اور انہوں نے آپ کو ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیکھا تھا آپ نے ان سے فرمایا: یہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہے۔

اس کے بعد ان دونوں سے فرمایا: بیشک شیطان بنی آدم کے جسم میں دوران خون کے ساتھ دوڑتا ہے اور میں نے اندیشہ کیا کہ کہیں تم قذف کے مرتکب نہ بن جاؤ اگر ایسا تمہارے دل میں واقع ہو گیا تو تم دونوں ہلاک ہو جاؤ گے۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتکاف جلد ۳ صفحہ ۲۳ صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۲ صفحہ ۱۷۱)

اے قاری! اللہ ﷻ تمہیں عزت بخشے کہ ان فصلوں میں جو بحثیں ہم نے کی ہیں ان سے ایک

تو فائدہ یہی ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی جاہل اپنی لاعلمی کے سبب اس بات کو نہ جانے اور انہیں سن کر کہنے لگے کہ ان امور میں گفتگو کرنا فضول اور بے فائدہ ہے اور خاموش رہنا زیادہ مناسب ہے۔

حالانکہ اب تمہیں واضح ہو گیا ہوگا کہ ہم نے کن کن فوائد کے لئے ان کا ذکر کیا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اصول فقہ میں ان باتوں کی بڑی ضرورت پڑتی ہے اور ان پر بکثرت ایسے مسائل موقوف ہوتے ہیں جنہیں فقہ میں شمار نہیں کیا جاتا اور یہ کہ ان کے سبب سے مسائل میں شور و شغب اور اختلاف فقہاء رحمہم اللہ سے رو خلاصی ہوتی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ حکم حقیقتاً اقوال و افعال نبی کریم ﷺ ہی کا نام ہے۔ یہ ایک عظیم باب اور اصول فقہ کی بڑی اصل ہے جو اسی پر مبنی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان امور میں جن کی آپ ﷺ خبریں دیں یا تبلیغ فرمائیں صادق جانیں اور مانیں اور یہ کہ ان امور میں سہو و نسیان کی نسبت آپ ﷺ پر جائز نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ عمداً افعال میں مخالفت کے صدور سے معصوم ہیں اور اختلاف علماء کے لحاظ سے وقوع صغائر مختلف فیہ ہے۔ اسی طرح امتثال فعل میں اختلاف ہے۔ ان کی تفصیل کتب اصول میں مذکور ہیں ہم اس سے کلام کو طویل کرنا نہیں چاہتے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ان فصلوں کی حکام اسلام اور مفتیان شرع کو اس شخص کے لئے ضرورت پڑتی ہے جو ان امور میں سے کسی امر کو نبی کریم ﷺ کی جانب نسبت کرے اور ان میں سے کسی کے ساتھ آپ ﷺ متصف کرے۔ لہذا جو یہ نہیں جانتا کہ آپ پر کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے اور کس میں اجماع واقع ہے؟ اور کس میں اختلاف ہے؟ وہ کیونکر اطمینان قلب کے ساتھ اس میں فتویٰ دے سکتا ہو اور اسے یہ کہاں سے معلوم ہوگا کہ اس نے جو کہا اس میں نقص ہے یا مدح؟

لہذا ایسا نادان شخص یا تو اس پر جرأت کرے گا کہ کسی مسلمان کی ناحق گردن مارے یا نبی کریم ﷺ کے حقوق و حرمت کی پائمالی کرے گا اور ارباب اصول اور ائمہ محققین نے جس طرح عصمت و حقوق انبیاء علیہم السلام میں اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح عصمت ملائکہ میں بھی اختلاف واقع ہوئے۔

## سولہویں فصل

عصمت ملائکہ

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کل ملائکہ مومن اور صاحب منزلت ہیں اور کئی ائمہ مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ دُشمل ملائکہ کا حکم عصمت کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے حکم کے

مساوی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ان کی عصمت کے بارے میں بیان کیا ہے اور یہ رسل ملائکہ انبیاء اور ان کی طرف تبلیغ احکام میں ویسے ہی ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے ساتھ ہیں لیکن غیر رسل ملائکہ میں علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ تمام ملائکہ معاصی سے معصوم ہیں۔ ان کی دلیل اللہ ﷻ کا یہ ارشاد ہے:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝  
(پ۲۸ التحريم)

جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہ ہی کرتے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ۝ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ۝  
(پ۲۳ الصّٰفّٰت ۱۶۶-۱۶۵)

اور ہم میں ہر ایک کا مقام معلوم ہے اور بیشک ہم پر پھیلائے حکم کے منتظر ہیں اور بیشک ہم اس کی تسبیح کرنے والے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۝ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝  
(پ۱ الانبياء ۱۹)

اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکین رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ.  
(پ۹ الانفال ۲۰۶)

بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

كِرَامٍ بَرَرَةٍ.  
(پ۳۰ عبس ۱۶)

جو کہ کرم والے نکوئی والے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ. (پ۲۱ الواقعة ۷۹)

اسے نہ چھوئیں مگر با وضو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اسی قسم کے دیگر دلائل سمع سے استدلال کیا ہے۔

اور ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ تمام خصوصیتیں رسل و مقررین ملائکہ کے لئے ہیں اور انہوں نے وہ دلائل بیان کئے ہیں جنہیں اہل سیر و اخبار اور مفسرین نے بیان کیا ہے عنقریب بعد کو انشاء اللہ ﷻ بیان کریں گے اور انشاء اللہ ﷻ اس میں اور بھی وجوہات ظاہر کریں گے۔

مذہب صحیح و صواب یہی ہے کہ تمام ملائکہ معصوم ہیں اور ان کا مرتبہ عالی ان تمام برائیوں سے پاک ہے جس سے کہ ان کے رتبہ عالیہ اور منزلت رفیعہ میں فرق آئے اور اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ فقہیہ کو ان کی عصمت میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ان کی عصمت میں بحث کرنا بھی وہی فوائد رکھتا ہے جو عصمت انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں مذکور ہوئے ہیں بجز ان کے افعال و اقوال میں گفتگو کرنے کے کیونکہ وہ یہاں ساقط ہے۔

چنانچہ اس گروہ کے دلائل جو تمام ملائکہ کے لئے عصمت کے قائل نہیں ہیں ان میں سے ایک دلیل ہاروت و ماروت کا قصہ ہے جسے اس بارے میں اہل اخبار نے ذکر کیا اور مفسرین نے ان سے نقل کیا اور دوسری وہ روایت ہے جو حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان دونوں کی روایت میں ہے کہ دونوں فرشتوں کا امتحان لیا گیا۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ ﷻ عزت بخشے کہ ان روایتوں میں کوئی روایت بھی صحیح ہو یا کمزور رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں ہے اور نہ یہ ایسی چیز ہے جسے قیاس سے معلوم کیا جاسکے اور وہ جو قرآن میں مذکور ہے تو اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور بعض علماء کے اقوال کی تکمیل کی ہے اور اکثر علماء سلف نے انکار کیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب بیان کریں گے اور یہ تمام خبریں کتب یہود اور ان کے اختراعات سے ماخوذ نہیں۔

جس طرح اللہ ﷻ نے یہودیوں کے اختراعات کو جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بیان کیے ہیں اور بالخصوص یہودیوں کی تکفیر کو ابتدائے آیات میں بیان فرمایا ہے۔ یہ قصہ بڑی بڑی شاعتوں اور برائیوں پر مشتمل ہے۔ اب ہم اس قصہ میں ان اشکالات کو بیان کرتے ہیں جس سے انشاء اللہ ﷻ تمام پردے اٹھ جائیں گے۔

چنانچہ پہلے تو ہاروت و ماروت میں ہی اختلاف ہے۔ آیا یہ فرشتے ہیں یا انسان اور آیت میں مَلَکَیْنِ سے مراد وہ فرشتے ہیں یا نہیں اور کیا قرأت میں مَلَکَیْنِ ہے یا مَلَکَیْنِ (بمعنی دو بادشاہ) اور کیا آیہ کریمہ وَمَا أَنْزَلْ أَوْرُومًا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ (پ البقرہ ۱۰۲) میں ماء نافیہ ہے یا موجبہ؟ چنانچہ اکثر مفسرین کے نزدیک تو یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے انسانوں کا دو فرشتوں کے ذریعہ امتحان لیا کہ وہ جادو سکھائیں اور انہیں بتائیں اور کہیں کہ یہ عمل کفر ہے لہذا جو اسے سیکھے گا کافر ہو جائے گا اور جو اس سے باز رہے گا مومن ہوگا اور اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرُ. کہ ہم نری آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ البقرہ ۱۰۲)

اور ان دونوں کا لوگوں کو تعلیم دینا ڈرانا ہے یعنی جو بھی اسے طلب کرنے اور سیکھنے ان کے پاس آتا تھا۔ اس سے وہ دونوں کہتے ایسا نہ کرو کیونکہ اس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوتی ہے۔ تو اس قسم کے خیال میں نہ پڑو کیونکہ یہ جادو ہے ایسا کر کے کافر نہ بنو۔

اس تقدیر پر تو ان دونوں فرشتوں کا عمل تو طاعت الہی اور مامور بہ کو عمل میں لاتا ہے اور یہ معصیت کہاں ہے؟ حالانکہ وہ دوسروں کے لئے فتنہ اور امتحان ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے از خالد بن ابی عمران رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ان کے سامنے ہاروت و ماروت کا تذکرہ ہوا کہ وہ جادو سکھاتے تھے تو انہوں نے کہا کہ ہم ان دونوں کو اس سے منزہ جانتے ہیں۔

اس پر کسی نے پڑھا کہ وَمَا أَنْزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ. (پ البقرہ ۱۰۲) تو خالد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جادو ان پر نہیں اتار گیا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ خالد رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں جو بڑی جلالت علمی رکھتے ہیں۔ یہ بھی ان دونوں کو تعلیم سحر سے مبرا خیال فرماتے ہیں حالانکہ ان کے سوا دیگر علماء ان دونوں کو تعلیم سحر کا مازون گردانتے ہیں مگر بایں شرط کہ وہ دونوں یہ بھی بیان کر دیں کہ یہ کفر اور تمہاری آزمائش اور امتحان کے لئے ہے۔ اب یہ علماء کیونکر ان دونوں کو کبیرہ معاصی سے منزہ ہونا ثابت نہ کریں اور ان کفریات سے معصوم بتائیں جسے مورخین نے بیان کیا ہے اور فقیر خالد رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ قول لَمْ يُنَزَّلْ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ما نافیہ ہے۔ یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

تقدیر کلام یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سحر سے متلوٹ بکفر نہیں ہے جسے ان کے ملک میں شیاطین اور اس کے پیروکار یہود نے گھڑا تھا اور نہ فرشتوں پر کوئی شے اتاری گئی۔

مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں فرشتے جبریل و میکائیل علیہما السلام تھے۔ جن پر یہود نے اس کے لانے کا ادعا (دعویٰ) کیا تھا جیسا کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے دعویٰ کیا تھا جس کا اللہ عزوجل نے اس آیہ کریمہ میں تکذیب فرمادی۔

وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ (پ البقرہ ۱۰۲) ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ہاروت و ماروت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دو مرد تھے جو جادو سکھاتے تھے اور حسن

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہاروت وماروت بائبل کے دو پہلوان تھے اور انہوں نے وَمَا أَنْزَلَ عَلٰی الْمَلَائِكَةِ (لام کے زیر کے ساتھ) پڑھا۔ اس تقدیر پر لفظ مَا ایجابی یعنی موصولہ ہوگا اور اسی طرح عبدالرحمن بن انبری رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت میں لام کے زیر کے ساتھ ہے لیکن انہوں نے یہ کہا کہ یہاں دو بادشاہ سے مراد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ اس تقدیر لفظ مَا نافیہ ہوگا جیسا کہ گزرا اور ایک قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے دو بادشاہ تھے جنہیں اللہ ﷻ نے مسخ کر دیا۔ اسے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور لام کے زیر کے ساتھ قرأت شاذہ ہے۔

لہذا اس آیت کو ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تقدیر پر محمول کرنا اچھا ہے کیونکہ وہ ملائکہ کی تزیہہ کرتے اور ان سے ہر برائی کو دور کرتے ہیں اور ان کے دامن عصمت کو خوب ستھرا بناتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ ﷻ نے ان کی تعریف و توصیف میں مطہران اور کراماً بَرَدْرۃً (پ ۲۱ عس ۱۶) اور لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ (پ ۲۸ التحریم ۶) فرمایا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ابلیس کے قصہ میں مذکور ہے کہ وہ ملائکہ میں سے تھا اور ان کا سردار تھا اور یہ کہ وہ جنت کا خازن تھا اور وہ باتیں جو اس سلسلہ میں منقول ہیں کہ اس کو ملائکہ میں سے نکال دیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا: فَسَجَدُواْ اِلَّا اِبْلِيسَ ط (پ البقرہ ۳۴) ”تمام ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔“ تو یہ بھی اسی قبیل سے ہے جس پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ اکثر اس کی نفی کرتے ہیں کہ ابلیس جنات کا باپ تھا۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام انسانوں کے باپ ہیں یہی حسن قنادہ اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے۔

اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابلیس ان جنات میں سے ہے جسے فرشتوں نے زمین کی طرف بھگا دیا جبکہ انہوں نے فساد مچایا۔

اور آیت میں استثنا غیر جنس ہے جو کلام عرب میں شائع و ذائع ہے اور اللہ ﷻ نے فرمایا: مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتِّبَاعَ الظَّنِّ۔ انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی

(پ النساء ۱۵۷) پیروی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور وہ جو خبروں میں آیا ہے کہ ملائکہ کی ایک جماعت نے اللہ ﷻ کی نافرمانی کی تب وہ جلا دیئے گئے کیونکہ انہیں حکم تھا کہ وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو انہوں نے انکار کیا پس وہ جلا دیئے گئے۔ اسی طرح دوسرے یہاں تک کہ ان فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا ذکر خدا نے فرمایا ہے مگر ابلیس نے۔

تو یہ خبریں ان میں سے ہیں جن کی کوئی اصلیت و اقیقت نہیں بلکہ صحیح روایتیں اس کو مردود کر رہی ہیں۔ ہم ان (فضولیات کی طرف) مشغول نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

## دوسرا باب

انبیاء علیہم السلام کی امور دنیویہ میں خصوصیت اور ان پر عوارض بشریہ کا اطلاق

### عوارض بشریہ

ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء و مرسلین بشر علیہم السلام میں سے ہیں اور یہ کہ ان کا جسم اور ظاہری حالت خالص بشری ہوتی ہے اور ان کے جسم و ظاہری حالت پر آفتیں، تغیرات، مصیبتیں اور بیماریاں پہنچنا جائز ہے اور یہ کہ انہیں ذائقہ موت بھی چکھنا ہوتا ہے۔ جس طرح دیگر انسانوں پر یہ تمام باتیں جائز ہیں باوجود اس کے یہ سب باتیں ان میں نقصان کا باعث نہیں۔

اس لئے کہ کسی چیز کا ناقص کہنا اس نسبت کے اعتبار سے ہوتا ہے جو اس سے اتم اور اس نوع میں زیادہ کامل ہو اور یقیناً اللہ ﷻ نے اس دنیا کے رہنے والوں کے لئے قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيهَا تَمُوتُونَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُونَ (پہلے الاعراف ۲۵) کے بموجب ”فرمایا وہ اس میں زندہ رہیں گے اور اسی میں ان کی موت واقع ہوگی اور اسی سے نکالے جائیں گے“ اور اللہ ﷻ نے ہر انسان کو تغیر پذیر بنایا چنانچہ رسول اللہ ﷺ بیمار بھی ہوئے، گرمی سردی بھی لگی، بھوک و پیاس بھی معلوم ہوئی، غصہ و رنج بھی لاحق ہوا، تھکان و تکلیف بھی پہنچی، ضعف و کبرسنی بھی آئی، آپ ﷺ گھوڑے سے بھی گرے جس سے آپ ﷺ کا ایک پہلو زخمی ہوا۔ کفار نے مجروح کیا، سامنے کے چار دندان مبارک بھی شہید ہوئے، زہر بھی پلایا گیا، جادو بھی کیا گیا، علاج بھی کیا، سچھنے بھی لگوائے (جائز طریقہ پر) جھاڑ پھونک، تعویذ، وغیرہ بھی ہوا پھر آپ ﷺ پر آخری وقت بھی آیا اور اپنی ظاہری مدت حیات پوری فرما کر رفیق اعلیٰ سے ملے اور اس آزمائش و بلیات کی دنیا سے رستگاری پائی۔

یہ سب وہ بشری کیفیات اور علامتیں ہیں جن سے خلاصی نہیں ہو سکتی اور آپ کے سوا دیگر

۱۔ صحیح بخاری کتاب الاذان جلد ۱ صفحہ ۱۱۶، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۰۸

۲۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۰۸، صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۲ صفحہ ۱۷۳

۳۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۱۳، صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۲ صفحہ ۱۷۳

۴۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۳ صفحہ ۲۶۷، سنن نسائی کتاب الاستعاذہ جلد ۸ صفحہ ۲۷۱



انبیاء علیہم السلام کو اس سے بڑھ کر تکلیفیں پہنچیں چنانچہ انہیں قتل بھی کیا گیا، آگ میں بھی ڈالا گیا اور آرے سے بھی چیرا گیا اور کسی کو اللہ ﷻ نے اس سے بعض اوقات محفوظ بھی رکھا اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ ﷻ نے غلبہ کفار سے بچایا جیسے کہ ہمارے نبی ﷺ کو غلبہ کفار کے وقت ان سے بچایا۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے ہی ہمارے نبی ﷺ پر احد کے دن ابن قمرہ کا ہاتھ روکا اور اہل طائف کی دعوت و تبلیغ کے وقت دشمنوں کی آنکھوں سے محبوب کیا اور یقیناً اللہ ﷻ ہی نے بوقت ہجرت غار ثور کی طرف دیکھنے سے قریش کی آنکھوں کو پکڑ لیا تھا اور اسی نے غورث کی تلوار کے وار سے اور ابو جہل کے پتھر سے اور سراقہ کے گھوڑے سے روکا اور اگر آپ ابن اعصم کے جادو سے نہ بچے تو بلاشبہ اللہ ﷻ نے اس سے بڑے وقت یعنی یہودیہ کے زہر سے بچایا۔ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام بتلائے آلام کئے گئے اور بچایا بھی گیا۔

یہ اسی کی حکمت تامہ کی وجہ سے ہے تاکہ ایسے مواقع پر ان کی بزرگی اور شرافت ظاہر اور اس کا حکم واقع ہو جائے اور ان میں اس کی بات پوری ہو جائے اور یہ کہ ان امتحانات سے ان کی بشریت متحقق اور ثابت ہو جائے اور کمزور دلوں کے شبہات جو ان کے بارے میں ہوں جاتے رہیں تاکہ ان کے ہاتھوں پر جو عجائبات ظاہر ہوتے ہیں ان سے گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی وجہ سے نصاریٰ گمراہ ہوئے اور یہ کہ ان کے مشقت اٹھانے سے ان کی امت کے لئے تسلی ہو اور ان کے رب ﷻ کے حضور ان کا اجر بہت ہو خدا کا احسان ان پر پورا ہو۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ مذکورہ خواص و تغیرات صرف ان کے اجسام بشریہ کے ساتھ ہی خاص تھے جن سے مشاکلت جنس کے سبب مقاومت بشر اور مخالفت بنی آدم مقصود ہے۔ مگر ان کی باطنی حالت! تو وہ اکثر ان سے منزہ و معصوم اور ملاء اعلیٰ اور ملائکہ کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں کیونکہ وہ ملائکہ سے خبریں اور وحی لیتے ہیں منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

میری آنکھیں تو سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں مجھے میرا رب سلانا، کھلاتا اور پلاتا ہے اور فرمایا: میں خود نہیں بھولتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ میری سنت پر عمل کیا جائے۔

گویا آپ ﷺ نے یہ خبر دی کہ آپ کا دل اور آپ ﷺ کا باطن اور آپ ﷺ کی روح، آپ ﷺ کے جسم اور ظاہری حالت کے خلاف ہے اور جو آفتیں بھی آپ ﷺ کو پہنچتی ہیں وہ آپ ﷺ کے ظاہری جسم پر ہوتی ہیں۔ مثلاً ضعف، بھوک، بیداری اور نیند وغیرہ جبکہ وہ آپ ﷺ کے باطن پر قطعاً اثر

انداز نہیں ہوتا۔ بخلاف آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے کہ وہ حکم باطن میں آپ ﷺ سے جدا ہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی دوسرا سوتا ہے تو نیند اس کے جسم اور دل پر بھی غالب ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ اپنی نیند میں حاضر القلب رہتے جس طرح اپنی بیداری میں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی نیند میں حدیث سے محفوظ و معصوم تھے کیونکہ آپ ﷺ کا دل بیدار رہتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اسی طرح اگر دوسرے لوگوں کو بھوک لگتی ہے تو ان کا جسم کمزور اور ان کی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں جس کے باعث ان کی ساری خوبیاں جاتی رہتی ہیں حالانکہ حضور ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ آپ ﷺ کی ایسی حالت نہ ہوتی آپ ﷺ کی حالت دوسروں کے برعکس ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: میں تمہاری مثل نہیں ہوں میں سوتا ہوں تو میرا رب ﷻ مجھے کھلاتا پلاتا ہے اسی طرح میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی تمام حالتیں ایسی ہی ہیں خواہ وہ مرض ہو یا جادو یا غصہ وغیرہ وہ آپ ﷺ کی باطنی حالت پر اثر انداز ہوتی ہی نہ تھیں اور نہ کوئی خلل واقع ہوتا تھا اور نہ اس سے غیر مناسب صورت میں آپ ﷺ کی زبان اور اعضاء میں نقصان آتا تھا جس طرح دوسرے لوگوں کی وہ حالت ہو جاتی ہے جسے ہم بعد میں بیان کرتے ہیں۔

## پہلی فصل

### آپ ﷺ پر جادو کا اثر

اب اگر تم یہ کہو کہ صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ پر جادو کیا گیا۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ ﷺ نے کچھ نہ کیا ہوتا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ کسی بی بی کے پاس ہو آئے ہیں حالانکہ آپ ﷺ تشریف نہ لے گئے ہوئے تھے (آخر حدیث تک) جب مسحور کی یہ حالت ہے کہ اس پر امر مشتبہ ہو جاتا ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کا اس میں کیا حال ہے۔ ایسی کیفیت آپ ﷺ پر کیسے طاری ہو سکتی ہے حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں؟

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تمہیں محفوظ رکھے کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے۔ بلاشبہ اس میں ملاحظہ نے طعن کیا ہے اور اپنی حماقت و تلبیس سے اس کو اپنے جیسے دوسرے لوگوں

پر شریعت میں شک ڈالنے کا وسیلہ ٹھہرایا ہے حالانکہ بلاشبہ اللہ ﷻ نے اپنی شریعت اور اپنے نبی ﷺ کو اس سے پاک و منزہ رکھا ہے کہ کوئی آپ ﷺ کی ذات و صفات میں کسی قسم کا شک و شبہ ڈالے درحقیقت جادو بھی دیگر امراض کی مانند ایک مرض ہے یہ بھی اسی طرح آپ ﷺ پر ممکن ہے جس طرح دیگر امراض و عوارض۔ جن سے آپ ﷺ کی نبوت میں کوئی انکار و قدح لازم نہیں آتا۔

اب رہی وہ بات جو حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ یہ کام کر لیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہوتا۔ تو اس سے آپ ﷺ پر کسی امر میں کوئی قدح لازم نہیں آتا نہ آپ ﷺ کی تبلیغ میں نہ آپ ﷺ کی شریعت میں اور نہ آپ ﷺ کی صداقت میں۔ کیونکہ یہ امر دلائل اور اجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ اس سے معصوم ہیں بلکہ یہ باتیں تو آپ ﷺ کے ان دنیاوی امور سے متعلق ہیں جن کا صدور آپ ﷺ پر جائز ہے جس کے لئے آپ ﷺ پر بھی اسی طرح عوارض پیش آتے ہیں جس طرح دوسرے انسانوں کو لہذا یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ آپ ﷺ پر دنیاوی امور میں ایسا خیال ہوتا ہو جن کی حقیقت نہ ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ پر وہ روشن ہو جاتا ہو جیسا کچھ بھی ہو۔

نیز اس فصل کی دوسری حدیث نے ان لفظوں میں تفسیر کی ہے کہ آپ کو ایسا خیال ہو جاتا کہ آپ اپنی کسی بی بی کے پاس ہو کر آئے ہیں حالانکہ آپ تشریف نہ لے جاتے۔ چنانچہ سفیان نے کہا: یہ جادو کا سب سے زیادہ شدید اثر تھا اور کسی روایت میں آپ ﷺ سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس سحر کی حالت میں بھی کوئی ایسی خلاف بات کی ہو یا کہی ہو جسے آپ ﷺ نے پہلے فرمایا ہو یا کیا ہو یہ تو صرف خدشات و تخیلات ہی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ روایت کے الفاظ کہ آپ ﷺ کو خیال ہو جاتا یہ کام کیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہوتا۔ تو اس سے مراد تخیل ہے۔ یعنی صرف تخیل ہی تخیل ہوتا تھا اس کی صحت پر اعتماد تام نہ ہوتا تھا پس آپ ﷺ کے تمام اعتقادات درستی پر ہی قائم رہتے تھے آپ ﷺ کے ارشادات صحت پر۔

یہ وہ موقف ہے جسے ہمارے ائمہ نے اس حدیث کے جواب میں اختیار فرمایا۔ اس کے ساتھ جو ہم نے ان کے کلام کے معنی کی وضاحت کی ہے اور ان کے اشارات کی تشریح و توضیح کی ہے وہ زیادہ ہے اور ان کی ہر وجہ ظاہر و روشن ہے لیکن مجھے جو اس حدیث کی تاویل میں ظاہر ہوا ہے وہ بہت روشن اور گمراہوں کے مطاعن سے بہت بعید ہے اور وہ نفس حدیث ہی سے مستفاد ہے وہ یہ کہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے انہوں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں ان دونوں نے کہا کہ

یہود بنی رزیق نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر کے کنویں میں دبا دیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا رسول اللہ ﷺ اپنی بصارت کا انکار فرمادیں تب اللہ ﷻ نے یہودیوں کے کرتوتوں کی رہنمائی فرمائی اس پر آپ ﷺ نے کنویں سے اس کو نکلوایا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۱۴)

اسی طرح واقدی، عبدالرحمن بن کعب اور عمر بن حکم رحمہم اللہ سے مروی ہے اور عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال روکے گئے۔ اس دوران میں جب آپ سوتے تو دو فرشتے آتے ایک سرہانے اور دوسرا پانکتی بیٹھ جاتا۔ (الحديث) عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال تک روکے گئے یہاں تک کہ آپ نے ضعف بصر کا شکوہ کیا اور محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ بیویوں سے اور کھانے پینے سے روکے گئے تو آپ ﷺ پر دو فرشتے اترے اور پورا قصہ بیان کیا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۳۸)

لہذا اب تمہیں ان تمام روایتوں کے مضمون سے پتہ چل گیا ہوگا کہ جادو نے آپ کے قلب، اعتقاد اور عقل پر تسلط نہ کیا تھا اور یہ اثر بھی صرف آپ کی بینائی اور آپ کو بیویوں سے روکنے اور کھانے پینے اور ضعف بدن اور مرض میں تھا۔ (کہ آپ اس کے سبب سے بیمار ہو گئے تھے) اور ہو سکتا ہے کہ اس قول کے یعنی یہ کہ ”آپ خیال کرتے تھے کہ آپ اپنی بیوی کے پاس ہو آئے ہیں حالانکہ آپ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔“ یہ معنی ہوں کہ آپ پر وہ چیز ظاہر ہوتی ہو جو اس کے سرور اور مقدمات قدرت علی النساء وغیرہ میں ہو۔ پس جب آپ ﷺ ان کے قریب جانے کا ارادہ فرماتے ہوں تو وہ چیز درپیش آ جاتی ہو جو سحر کا اثر ہے۔ تب آپ ﷺ ان کے قریب جانے کی طاقت جسمانی نہ پاتے ہوں۔ جیسا کہ ایسے دوسروں کو جو اس میں ماخوذ ہوں لاحق ہوتا ہے۔

شاید کہ اسی معنی کی طرف سفیان رضی اللہ عنہ کا اشارہ ہے کہ یہ سحر کا سب سے زیادہ شدید اثر تھا اور دوسری روایت میں جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ آپ کو ایسا خیال ہو جاتا کہ آپ نے یہ کام کیا ہے حالانکہ آپ نے اسے کیا نہ ہوتا۔ یہ از باب اختلال بصر ہوگا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ نے اپنی کسی بیوی کو دیکھا ہے یا کسی کو کوئی کام کرتے دیکھا ہے۔ حالانکہ آپ کا یہ خیال محض ضعف بصر کے سبب تھا اور نہ اس سبب سے کہ (معاذ اللہ) آپ کو فرق ہی نہ رہا اور جبکہ یہ باتیں سحر کے اثر کی وجہ میں رونما ہوئیں تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے آپ پر کوئی شک و شبہ وارد ہو سکے اور کسی ملحد کے لئے جائے اعتراض بن سکے۔ (واللہ اعلم)

## دوسری فصل

دنیاوی امور میں آپ ﷺ کی حالت

یہ حالت تو آپ ﷺ کے جسم اقدس کی تھی اب رہی دنیاوی امور میں آپ کے احوال! تو اب ہم ان کا بھی اسلوب سابق کی مانند موازنہ کرتے ہیں یعنی (1) عقد و (2) قول اور (3) فعل کے ساتھ۔

(1) سوان میں سے عقیدے کی تو یہ صورت ہے کہ ممکن ہے کہ کسی امر دنیاوی میں مِنْ وَجْهٍ آپ ایسا اعتقاد رکھتے ہوں جس کے برعکس ظاہر ہو جائے یا کسی امر دنیاوی میں شک و گمان ہو۔ بخلاف امور شرعیہ کے (کہ ان میں یہ مجال ہے) جیسا کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو اہل مدینہ کھجور کے درختوں کی تابیر (زودادہ کا باہم ملاپ) کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم یہ کیا کرتے ہو۔ عرض کیا: ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ فرمایا: کاش تم اگر ایسا نہ کرتے تو تمہارے لئے بہتر تھا۔ اس پر انہوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ (اس سال) پھل کم لگے۔

اس کا پھر آپ ﷺ سے ذکر کیا۔

فرمایا: میں تو ایک بشر ہی ہوں جب تم کو کوئی دینی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب تم کو اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو میں ایک بشر ہی ہوں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ فرمایا: ”تم اپنی دنیاوی باتوں کو زیادہ جانتے ہو۔“ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے تو گمان سے کہا تھا لہذا میرے گمان کی پیروی نہ کرو اور قصہ خرص رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تو ایک بشر ہی ہوں پس جو بات اللہ ﷻ کی جانب سے کہوں وہ تو حق ہے اور جو بات اپنی طرف سے کہوں تو میں تو ایسا بشر ہی ہوں جس سے خطا صواب بھی صادر ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۶۸)

یہ باتیں وہ ہیں جنہیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی یہ ان باتوں میں سے ہے جسے آپ ﷺ

صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۵

صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۶

صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۶

انگوروں اور کھجوروں کے جانچنے کے بارے میں

نے دنیاوی امور میں دنیاوی امور کے پیش نظر اپنی طرف سے یا اپنے گمان سے فرمایا ہے نہ یہ کہ شرعی امور میں مشروع و مسنون کرنے کے لئے اپنی طرف سے یا اپنے اجتہاد سے فرمایا ہو۔ (جس کی پیروی فرض ہو) جیسا کہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ حکایت کرتے ہیں کہ جب حضور نے بدر کے دن کنوئیں سے دور پڑاؤ ڈالا تو حباب بن الممذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیا یہ وہ منزل ہے جہاں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اترنے کا حکم فرمایا۔ جس سے آگے ہم بڑھ نہیں سکتے یا یہ آپ ﷺ کی رائے اور لڑائی اور حیلہ کی بنا پر ہے۔ فرمایا: نہیں بلکہ یہ اپنی رائے لڑائی اور حیلہ ہے۔

عرض کیا: تب تو یہ مقام پڑاؤ کے لئے مناسب نہیں یہاں تک کہ ہم قوم کے پانی کے قریب پہنچیں اور وہاں پڑاؤ کریں اور اپنے کنوئیں کے سوا باقی کنوئیں کو بند کر دیں تاکہ ہم تو پانی پیئیں اور وہ لوگ نہ پی سکیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے درست مشورہ دیا اور جو انہوں نے کہا تھا آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ سے فرمایا ہے کہ **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ** اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔

(پ۴ ال عمران ۱۵۹) (ترجمہ کنز الایمان)

(اسی طرح) اپنے بعض دشمنان دین سے تہائی مدینہ کی کھجور پر مصالحت کا ارادہ فرمایا اور انصار سے مشورہ لیا۔ جب انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا۔ اسی قسم کے دنیاوی امور تھے جس میں علم دین کو کچھ دخل نہ تھا نہ اس کے اعتقاد میں اور نہ اس کی تعلیم میں۔

لہذا جو کچھ ہم نے بیان کیا امور دنیاوی میں ان کا اطلاق آپ پر جائز ہے کیونکہ نہ اس میں کوئی نقصان ہے نہ کمی۔ یہ سب ان امور عادیہ میں سے ہیں جس نے اس کا تجربہ کیا اور اپنی صلاحیتیں اور کوششیں اس پر صرف کیں وہی جان سکتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کا قلب اطہر تو معرفت الہی اور علوم شرعیہ سے معمور اور اپنی امت کے مصالح دینی و دنیوی سے آپ کا دل مشغول تھا پھر بھی ایسی باتیں شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہیں اور وہ بھی صرف انہیں معاملات دنیاوی میں خصوصیت کے ساتھ ہے جس میں دنیا کی حفاظت اور اس کے فوائد میں مویشگافیاں ہیں۔

اکثر امور میں ایسی صورت نہیں ہے جس سے آپ کی ناواقفیت اور غفلت پائی جائے۔ بلاشبہ یہ تو اترنے کے ساتھ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے دقیق معاملات و مصالح دنیاوی اور دنیا داروں کے

فروق پر حکومت کرنے کی معرفت میں وہ باتیں فرمائی ہیں جو ایک بشر میں ایسا ہونا معجزہ ہے جسے ہم نے اسی کتاب کے باب المعجزات میں پہلے بیان کر دیا ہے۔

## تیسری فصل

### بشری احکام و معتقدات

• اب رہے وہ بشری احکام اور ان کے فیصلہ جات جو آپ ﷺ کے دست اقدس سے جاری ہوئے اور حق کو باطل سے اور کھرے کو کھوٹے سے جدا کرنے کی معرفت میں آپ کے اعتقاد کا وہی طریقہ تھا جسے خود آپ نے ہی فرمایا کہ میں تو ایک بشر ہی ہوں تم میرے پاس جھگڑا لاتے ہو ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی دلیل کو بیان کرنے میں دوسرے سے تیز ہو۔ پس میں اسی کے مطابق جیسا کہ سنوں فیصلہ کر دوں اور جس کے لئے اس کے بھائی کا حق دلا دوں تو (خبردار) اس میں سے اس کو کچھ لینا نہ چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں میں اس کو آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں گا۔

حدیث: سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بروایت زہری رحمۃ اللہ علیہ از عمرو بن عبد اللہ یہ ہے کہ شاید کہ کوئی تم میں سے دوسرے سے زیادہ بلیغ ہو پس میں گمان کر لوں کہ وہ سچا ہے اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب الاقضية جلد ۲ صفحہ ۱۲ صحیح بخاری کتاب الخلیل جلد ۹ صفحہ ۲۲ صحیح مسلم کتاب الاقضية جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۶)

حضور اکرم ﷺ ظاہری حال پر احکام جاری فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ ظن غالب اور گواہ کی شہادت اور قسم کھانے والے کی قسم کے بموجب حکم فرماتے اور مشابہت حق کی رعایت کرتے۔ چڑے کے برتنوں کی بندش کی معرفت سے حکم لگایا کرتے تھے۔ ساتھ ہی اس میں حکمت الہیہ کا بھی یہی اقتضاء ہوتا تھا کیونکہ اللہ ﷻ اگر چاہتا تو اپنے بندوں کے بھیدوں اور حضور کی امت کے دلوں کے خفیہ امور پر آپ کو اطلاع بخش دیتا اور محض آپ ﷺ اپنے علم و یقین سے حکم لگا دیا کرتے۔ اعتراف یا ثبوت یا قسم وغیرہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی لیکن جبکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی امت کو آپ ﷺ کے اتباع و اقتداء کا آپ ﷺ کے افعال و احوال اور قصایا و سیرت میں حکم فرمایا ہے اور اگر یہ بات آپ کے علم پر مخصوص ہوتی اور اللہ ﷻ آپ ﷺ کے علم کو اثر انداز فرماتا تو آپ ﷺ کی امت کے لئے اسی طرح کے قضایہ جات اور فیصلہ مقدمات میں کوئی صورت اقتداء کی ممکن ہی نہ تھی اور نہ یہ ممکن تھا آپ کی شریعت میں کسی کے لئے فیصلہ مقدمات میں ثبوت قطعی قائم ہو سکے۔

اس لئے کہ ہمیں یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ پر فیصلہ مقدمات میں اللہ ﷻ کی حکمت کیسے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ ان غیوبات میں سے جس قدر چاہتا ہے اطلاع بخشتا ہے اور ان غیوبات کی تعلیم ہر امتی کو نہیں دی گئی (مگر بواسطہ نبی خاصان خدا پر یہ غیوب منکشف ہو جاتے ہیں۔ مترجم) اس لئے اللہ ﷻ نے احکام کو ان کے ظواہر پر جاری کر لیا جس میں آپ اور آپ کی امت برابر ہے تاکہ آپ کی امت تعین مقدمات اور آپ کے احکام کے نفاذ میں آپ کی پوری پیروی کر سکے اور جو کچھ بھی فیصلہ مقدمات کریں وہ سنت کے مطابق اپنے علم و یقین کے ساتھ کریں اس لئے کہ بیان فعل قول سے زیادہ وقع اور احتمال لفظ اور تاویل متاؤل سے زیادہ بلند ہے کیونکہ ظاہر پر آپ ﷺ کا حکم کرنا بیان سے زیادہ روشن اور وجوہ احکام میں زیادہ واضح اور اکثر تخائف و تنازع کے احتساب میں زیادہ مفید ہے۔

اور ایک یہ بھی بات تھی کہ آپ ﷺ کی امت کے حکام اسی کے مطابق پیروی کریں اور جو آپ سے منقول ہو اس پر اعتماد کریں تاکہ آپ کی شریعت کا قانون مرتب اور منضبط ہو۔ اسی بنا پر آپ سے وہ علوم غیبیہ مخفی رکھے گئے جو عالم الغیب (اللہ ﷻ) کے ساتھ خاص ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِهِ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ اللّٰهُ ﷻ اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا اِرْتَضٰی مِنْ رَسُوْلٍ. (پ۲۹ الجن ۲۷-۲۶) سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

پس اس رسول کو غیب میں سے جتنا چاہتا ہے بتاتا ہے اور جتنا چاہتا ہے مخفی رکھتا ہے۔ لہذا اس سے آپ کی نبوت میں کوئی نقصان نہیں آتا اور نہ آپ کی عصمت میں سے کوئی حصہ کم ہوتا ہے۔

## چوتھی فصل

### حضور ﷺ کے دنیاوی اقوال

لیکن آپ ﷺ کے وہ دنیاوی اقوال جو آپ ﷺ نے اپنے اور دوسروں کے احوال میں ارشاد فرمائے جسے آپ زمانہ آئندہ میں کریں گے یا گزشتہ میں کر چکے ہیں۔ سوائے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان میں کسی قسم کی خلاف گوئی ہر حال میں آپ سے محال ہے خواہ وہ قصداً ہو یا سہواً صحت میں ہو یا مرض میں خوشی میں ہو یا غصہ میں بہر طور آپ ﷺ اس سے معصوم ہیں۔

یہ صورت تو ان اقوال میں ہے جو بطریق خبر مخض ہیں جن میں صدق و کذب کے دونوں پہلوؤں کا دخل ہے لیکن وہ اشادات جن میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ بظاہر اپنے باطن کے خلاف ہے تو آپ ﷺ سے امور دنیاوی میں اس کا صدور جائز ہے۔ خصوصاً جبکہ کوئی خاص مصلحت مقصود ہو۔ مثلاً



آپ ﷺ غزوات میں تو رہ فرماتے (اور اپنے مخفی ارادہ کو پوشیدہ رکھتے) تاکہ دشمن مطلع ہو کر بچاؤ کی تیاری نہ کرے اور جیسا کہ آپ ﷺ کی خوش طبعی کی نسبت مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کی خوشی اور مسلمانوں کے دلوں کی رضا جوئی کے لئے تاکہ ان کی محبت اور باہمی مسرت میں مزید استحکام پیدا ہو۔

جیسے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میں ضرورتاً کو اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا اور اس عورت کے بارے میں جس نے آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے بارے میں پوچھا تھا ارشاد ہے کہ کیا وہ وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ حالانکہ حقیقتاً یہ سب باتیں سچی ہیں کیونکہ ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہے اور ہر انسان کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے اور یقیناً حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں خوش طبع تو ضرور ہوں مگر سچ فرمایا کرتا ہوں۔ یہ تمام باتیں خبر ہی کی اقسام میں سے ہیں۔

لیکن وہ باتیں جو خبر کی اقسام میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ امور دنیاوی میں امر و نہی کی صورت رکھتی ہیں تو اس میں بھی خلاف گوئی آپ ﷺ سے صحیح نہیں اور آپ پر یہ جائز ہی نہیں کہ آپ کسی کو کوئی ایسا حکم دیں یا اس سے روکیں جس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہو۔

بلاشبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نبی ﷺ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ آنکھوں کی خیانت کرے تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ دل کی خیانت کریں۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت زیدؓ کے قصہ میں اللہ ﷻ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ

وَإِذْ تَقُولُ الَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ  
عَلَيْهِ أَمْسِكْ زَوْجَكَ.

اور اے محبوب جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس رہنے دو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ اس لفظ کی ظاہر کیفیت سے حضور ﷺ کی تنزیہ و پاکی میں ہرگز شک نہ کرنا کہ حضرت زیدؓ کو تو روکنے کا حکم فرمایا اور دل سے آپ اس کی طلاق کے خواہاں تھے جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے لیکن زیادہ صحیح وہ بات ہے جسے مفسرین نے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ ﷻ اپنے نبی کی حالت کو زیادہ جانتا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا عنقریب آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

۱ سنن ترمذی کتاب البر جلد ۳ صفحہ ۲۳۱ سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۷

۲ ابن ابی دنیا کمانی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۳۳

۳ سنن ترمذی کتاب البر جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۷۹ جلد ۹ صفحہ ۱۷

۴ سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۵۹ سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۲۱

چنانچہ جب حضرت زیدؓ نے آپ سے اپنی بیوی کا شکوہ کیا تو ان سے فرمایا: اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۳۷) اور آپ ﷺ نے اپنے دل میں اسے مخفی رکھا جس کی اطلاع اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دی تھی کہ بہت جلد آپ ﷺ اس سے نکاح فرمائیں گے جسے اللہ ﷻ ظاہر فرمائے گا کہ زیدؓ ان کو طلاق دیں گے اور آپ ﷺ انہیں اپنے حبلہ عقد میں لائیں گے۔

اس کے مثل عمر بن فائد رحمۃ اللہ علیہ نے زہریؒ سے روایت کی۔ کہا کہ نبی کریم ﷺ پر حضرت جبریل الطبیؑ نازل ہوئے اور بتایا کہ اللہ ﷻ نے نب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کے حبلہ عقد میں لائے گا۔ پس یہی وہ چیز ہے جسے آپ نے اپنے دل میں مخفی رکھا۔ مفسرین کے اس قول کی تصحیح اللہ ﷻ کا یہ فرمان کر رہا ہے جو اس کے بعد وارد ہے کہ

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا. (پ ۲۲ الاحزاب ۳۷) اور اللہ کا حکم ہو کر رہنا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی آپ کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ ﷺ ان سے نکاح فرمائیں اور یہ بات بھی واضح کرتی ہے کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے اور کسی معاملہ کو ظاہر نہیں فرمایا بجز تزویج حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے۔ تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اسی چیز کو حضور ﷺ نے مخفی رکھا جس کی اطلاع (پہلے ہی) اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دی تھی اور اسی قصہ میں اللہ ﷻ کا یہ ارشاد کہ

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ. (پ ۲۲ الاحزاب ۳۸) اس کے لئے مقرر فرمائی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پس یہ دلالت کر رہی ہے کہ اس معاملہ میں آپ ﷺ پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ ﷻ ایسا نہیں کہ اپنے نبی کو اس میں جو آپ ﷺ کے لئے حلال تھا گنہگار کر دے۔ جس کو آپ ﷺ سے پہلے رسول بھی کرتے چلے آئے ہوں۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ط  
اللہ کا دستور چلا آ رہا ہے ان میں جو پہلے گزرے۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۳۸) چلے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی یہ نبیوں کی ایسی سنت ہے جسے اللہ ﷻ نے ان کے لئے حلال فرمایا تھا اور اگر وہ بات ہوتی جو قادمہ ﷺ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان سے محبت ہو گئی تھی اور آپ ﷺ کو وہ بھلی معلوم ہوئی تھیں اور یہ کہ آپ ﷺ اس کے خواہاں تھے کہ حضرت زیدؓ ان کو طلاق دے دیں تو یقیناً یہ

تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۵ الاحزاب ۳۷

تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۷ الاحزاب ۳۷

بات بڑے عیب کی تھی اور یہ ایسی بات ہے جو آپ ﷺ کے شایان شان نہ تھی کہ آپ ﷺ اس طرف نگاہ مبارک اٹھائیں جس کی ممانعت فرمادی گئی تھی یعنی دنیاوی زندگی کی خوبصورتی کی طرف نظر فرمائیں اور یقیناً یہ بات حسد کی بنا پر ہوتی جو کہ بری ہے جسے متقی لوگ بھی کبھی اسے پسند نہیں کرتے۔ چہ جائے کہ سید الانبیاء ﷺ اختیار کریں۔

اور قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی طرف ایسے قول کی نسبت بھی بہت بڑی جرأت اور آپ ﷺ کے حقوق اور آپ ﷺ کی فضیلت کی قلت معرفت کی وجہ سے ہے اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ انہیں دیکھتے ہی حیرت میں پڑ گئے حالانکہ وہ آپ ﷺ کے چچا کی بیٹی ہیں اور ان کی ولادت سے ہی برابر آپ دیکھتے رہے ہیں اور نہ یہ سبب بھی صحیح ہے کہ عورتیں آپ ﷺ سے پردہ کرتی ہوں۔ حالانکہ آپ ﷺ ہی نے حضرت زیدؓ سے ان کا نکاح کرایا اور اب اللہ ﷻ نے زیدؓ سے طلاق دلوائی اور وہی آپ ﷺ کے حبلہ عقد میں لایا۔

اس قصہ میں یہ خاص حکمت الہی ہے کہ اس طرح پر متنبی حرمت کا ازالہ اور زمانہ جاہلیت کی رسموں کا ابطال ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ. محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں (پ۲ الاحزاب ۴۰) ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

لَكِنِّي لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ. کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کی بیویوں میں۔

(پ۲ الاحزاب ۳۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اسی طرح ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے اور ابو الیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یوں کہا جائے کہ پھر نبی کریم ﷺ کا اس میں کیا فائدہ تھا کہ آپ ﷺ نے زیدؓ سے یہ فرمایا کہ نہیں روکے رکھو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے اپنے نبی کو بتا دیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی بیوی بننے والی ہے۔ پس نبی کریم ﷺ نے ان کو طلاق دینے سے باز رکھا اس لئے کہ ان دونوں کے مابین کوئی الفت نہ تھی اور اپنے دل میں اس اعلام الہی کو پوشیدہ رکھا۔ جس وقت حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی تو آپ ﷺ کو لوگوں کی اس چہ میگوئیوں سے حیا آئی کہ (دیکھو) اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔

اس پر اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کرنے کا حکم فرمایا تاکہ آپ ﷺ کی امت کے لئے اس قسم کے نکاح مباح بن جائیں۔ جیسا کہ اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَكِنِّي لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ . تاکہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک کی بیویوں سے نکاح کرنے میں حرج نہ ہو۔ (پ۲ الاحزاب ۳۷)

اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا حضرت زیدؓ کو روکے رکھنے کا حکم فرمانا اس لئے تھا کہ شہوت کو روکیں اور نفس کو اس کی خواہش سے محفوظ رکھیں۔ یہ بات بھی اس وقت درست ہو سکتی تھی جبکہ ہم آپ ﷺ پر یہ جائز رکھیں کہ آپ ﷺ نے اس کو اچانک دیکھ کر پسند فرمایا۔ اس قدر کہنے کا کوئی انکار نہیں اس لئے کہ انسان طبعاً حسن کو پسند کرتا ہے اور اچانک نظر پڑ جانا بھی معاف ہے۔ پھر اپنے دل کو اس سے دور کیا اور حضرت زیدؓ کو ان کے روکنے کا حکم دیا۔

البتہ انکار ان زیادتیوں کا ہے جو اس قصہ میں ہیں اور سب سے بہتر اور معتمد وہ روایت ہے جسے ہم نے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے بیان کیا اور سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا ہے یہی قول ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اسی کو قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر ابو بکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اعتماد ہے اور کہا کہ محققین مفسرین کے نزدیک یہی معنی درست ہیں۔

ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس میں نفاق کے استعمال اور مافی الضمیر کے خلاف اظہار فرمانے سے منزہ ہیں اور یقیناً اللہ ﷻ نے اس سے آپ ﷺ کو منزہ رکھا کیونکہ اس کا ارشاد ہے: مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ . (پ۲ الاحزاب ۳۸) نبی پر کوئی حرج نہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان) اور یہ بھی ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے نبی کریم ﷺ کی طرف ایسا گمان کیا یقیناً اس نے غلطی اور خطا کی اور کہا کہ حدیث میں لفظ خَشْيَةٌ کے معنی یہاں خوف کے نہیں ہیں بلکہ حياء کے ہیں۔ اس کے معنی حیا کرنے کے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کو ان کی ان چہ میگوئیوں سے حیا آئی کہ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اور آپ کا یہ شرم کرنا منافقین اور یہود کی شرارتوں کی بنا پر تھا کہ وہ مسلمانوں پر آوازے کتے تھے کہ دیکھو اپنی بہوؤں سے نکاح کرنے کی ممانعت کرنے کے بعد خود بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا جیسا کچھ بھی شور مچایا۔

اس پر اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان کی بکو اس کی طرف توجہ فرمانے سے آپ ﷺ کو منزہ کر دیا کیونکہ یہ آپ ﷺ کے لئے اللہ ﷻ ہی کا حلال کردہ ہے جیسا کہ اس وقت آپ ﷺ پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جبکہ آپ ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کی خوشی کو ملحوظ رکھا تھا۔ سورہ تحریم میں اللہ

ﷺ کا ارشاد ہے:

لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ.

اے غیب بتانے والے نبی تم اپنے اوپر کیوں  
حرام کئے لیتے ہو وہ چیز اللہ نے تمہارے لئے

(۲۸ التحريم) حلال کی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اسی طرح پر اللہ ﷺ کا یہاں یہ بیان فرمانا ہے کہ

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ط

(۲۲ الاحزاب ۳۷) سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت حسن ﷺ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (بالفرض) اگر رسول

اللہ ﷺ کسی چیز کو چھپاتے تو یقیناً اس آیت کو چھپاتے کیونکہ اس میں اللہ ﷺ کی اس بارے میں  
ناپسندیدگی کا اظہار ہے جسے آپ ﷺ نے مخفی رکھا تھا۔ (واللہ اعلم) (تفسیر ترمذی جلد ۶ صفحہ ۶۱۷ الاحزاب ۳۷)

## پانچویں فصل

بیان حدیث قرطاس (وصیت)

اب اگر تم یہ کہو کہ جبکہ تم نے نبی کریم ﷺ کو اقوال اور تمام احوال میں معصوم ہونا ثابت کر دیا  
اور یہ بھی کہ آپ ﷺ سے خلاف گوئی اور اضطراب کا صدور خواہ عمداً ہو یا سہواً خواہ صحت میں ہو یا بیماری  
میں خواہ جھگڑے میں ہو یا خوش طبعی میں خواہ مسرت و انبساط میں ہو یا غصہ میں کسی حال میں جائز نہیں  
ہے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہیں جو آپ ﷺ کی وصیت کے بارے میں ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالاسناد روایت کیا گیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ  
ﷺ کی رحلت کے وقت کچھ لوگ آپ کے کاشانہ اقدس میں موجود تھے۔ ان سے آپ نے فرمایا:

لاؤ میں تمہارے لئے ایک وثیقہ لکھ دوں تاکہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اس پر کچھ  
لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ کیفیت شدت الم کی ہے (آخر حدیث تک) دوسری روایت میں ہے  
کہ ”لاؤ میں ایک وثیقہ لکھ دوں تاکہ میرے بعد ہرگز گمراہی میں نہ پڑو پھر وہ باہم جھگڑا کرنے لگے اور  
کہنے لگے (دیکھتے نہیں) کہ حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہے کیا یہ شدت الم ہے؟ آپ ﷺ کی حالت کو سمجھو اس  
پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مجھے میری حالت پر چھوڑ دو میں جس حالت میں بھی ہوں بہتر ہوں اور بعض سندوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ شدت مرض میں مبتلا تھے اور ایک روایت میں **هَجْرًا** دوسری میں **أَهَجْرًا** اور **أَهَجْرًا** مروی ہے اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ پر درد کی شدت ہے کیوں کتابت کی حضور ﷺ کو تکلیف دیتے ہو حالانکہ ہمارے پاس اللہ ﷺ کی کتاب کفایت کرنے والی موجود ہے اور شور بڑھ گیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس سے کھڑے ہو جاؤ اور ایک روایت میں کہ گھروالے مختلف ہو کر جھگڑنے لگے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ (کاتب کو قریب کرو) تاکہ رسول اللہ ﷺ وثیقہ تحریر کرادیں اور کسی نے وہ کہا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ہمارے ائمہ نے اس حدیث کے سلسلہ میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ امراض سے معصوم نہ تھے اور عوارضات مرض میں شدت الم بھی ہے اسی طرح پر وہ چیز جو آپ ﷺ کے جسم اقدس پر پہنچے آپ ﷺ اس سے بھی معصوم نہ تھے البتہ آپ ﷺ اس سے ضرور معصوم تھے کہ اثنائے مرض میں آپ ﷺ کے سلام میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو آپ ﷺ کے معجزے میں خلل انداز ہو یا آپ ﷺ کی شریعت میں فساد کی مقتضی ہو۔ جیسے ہذیان یا اختلال کلام وغیرہ (آپ ان سے ضرور معصوم تھے)

علیٰ ہذا القیاس یہ بھی صحیح نہیں جو ظاہر روایت میں جس نے **هَجْرًا** نقل کیا ہے کیونکہ اس کے معنی ہذیان کے ہیں جیسے مقولہ ہے **هَجْرًا هَجْرًا إِذَا هَذَمَنِي** اور یہ کہ **أَهَجْرًا هَجْرًا إِذَا فَحَشَ** اور **أَهَجْرًا هَجْرًا** کا متعدی صیغہ ہے۔ البتہ سب سے زیادہ صحیح اور بہتر **أَهَجْرًا** بطریق استفہام انکاری ہے مطلب یہ کہ یہ اس شخص پر انکار ہے جس نے کہا نہیں لکھتے۔ اسی طرح ہماری اس روایت کے مطابق صحیح بخاری میں تمام روایتوں سے پہلے زہری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث اور محمد بن سلام رحمۃ اللہ علیہ از ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مذکور ہے۔ اسی طرح اسے اصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں مرتب کیا اور دوسروں نے بھی اسی طریق پر نقل کیا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے سفیان رحمۃ اللہ علیہ اور دوسروں کی حدیث میں روایت کیا اور اسی روایت پر اس شخص کی روایت کو بھی محمول کیا جائے جس نے ہمزہ استفہام کو حذف کر کے صرف **هَجْرًا** کو **أَهَجْرًا** کی جگہ نقل کیا ہے یا یہ کہ قائل کے اس قول کو یعنی **هَجْرًا** یا **أَهَجْرًا** کو اس پر محمول کیا جائے کہ شدت مرض اور تکلیف رسول اللہ ﷺ کو اور اس مقام کے سبب جس میں کہ آپ ﷺ پر اختلاف کیا گیا تھا اور جس کے باعث آپ ﷺ نے قصد کتابت فرمائی تھی قائل مذکورہ پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ لفظوں کو بھی ضبط و محفوظ نہ رکھ سکا اور شدت الم کی جگہ وہ لفظ **هَجْرًا** بمعنی ہذیان کہہ گیا۔ اس وجہ میں نہیں کہ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر

ہذیان کا حمل کرنا جائز ہے۔ جس طرح کہ کمال محبت و شفقت میں انہوں نے حضور ﷺ کی حفاظت کی۔ حالانکہ اللہ ﷻ نے فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْصِيْكَ مِنَ النَّاسِ ط (پالمائدہ ۶۷) اس کے مثل اور بھی صورتیں ہیں۔

لیکن وہ روایت جس میں اھجرًا ہے وہ روایت ابواسحاق مستملى رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح بخاری میں ہے۔ اس حدیث کو ابن جبیر ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بروایت قُتَيْبَةُ ﷺ بیان کیا ہے ممکن ہے یہ ان لوگوں کی طرف راجع ہو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اختلاف کیا اور یہ باہم ایک دوسرے کو خطاب ہو مطلب یہ کہ ابھی سے تم رسول اللہ ﷺ کے رو برو ایسی بات لے آئے ہو جو بری اور چھوڑنے کے قابل ہے اور ہجر ہاء کے پیش کے ساتھ بمعنی کلام میں برائی کے ہیں۔

اس حدیث کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ تم سامان کتابت لاؤ تو پھر انہوں نے کیوں اختلاف کیا؟

چنانچہ علماء نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کے احکام کی کئی نوعیتیں ہوتی تھیں بعض واجب، بعض مستحب اور مباح اور یہ بات قرآن سے سمجھی جاتی تھی۔ شاید کہ یہاں بھی حضور ﷺ کے اس حکم کو کسی قرینہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہو کہ آپ ﷺ کا یہ عزم مصمم نہیں ہے (یعنی حکم وجوبی نہیں) بلکہ آپ ﷺ کا یہ حکم ان لوگوں کے لئے اختیاری ہے (یعنی مستحب یا مباح ہو) اور ممکن ہے بعض نے اسے سمجھا ہی نہ ہو۔ اس پر کسی نے کہا: آپ ﷺ سے دریافت کر لو۔ پس جب لوگوں کا اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ اس سے رک گئے کیونکہ یہ عزم مصمم نہ تھا۔

اور اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں نے دیکھا کہ سیدنا عمر ﷺ کی رائے صائب ہے۔ اس کے بعد علماء فرماتے ہیں ممکن ہے کہ سیدنا عمر ﷺ کا منع کرنا حضور ﷺ کی محبت و شفقت کی بناء پر ہو کہ ایسی شدت مرض کی حالت میں وثیقہ لکھوانے کی زحمت دینا آپ ﷺ کو اس سے مزید مشقت و تکلیف ہوگی۔ جیسا کہ انہوں نے کہا کہ (دیکھتے نہیں) نبی کریم ﷺ پر کیسا شدت الم ہے اور بعضوں کا ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ حضرت عمر ﷺ اس سے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں حضور ﷺ ایسا حکم تحریر نہ فرمادیں جس سے امت عاجز رہے اور مخالفت کے ذریعہ حرج میں پڑ جائے اور یہ خیال کیا ہو کہ امت کے لئے یہی بہتر ہے کہ ان کے لئے اجتہاد غور و فکر اور اس صواب کی جستجو جس کے صواب و خطا میں بھی اجر ہے وسعت باقی رہے اور یقیناً یہ سیدنا عمر ﷺ کو معلوم تھا کہ شریعت اور ملت کی اساس مقرر ہو چکی ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ. آج تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔

(پ المائدہ ۳)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہ حضور ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ میں تم کو کتاب الہی اور اپنی عمرت کے لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔<sup>۱</sup> اب حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ يَعْنِي ”ہمیں کتاب الہی کافی ہے۔“ سو یہ اس کا جواب ہے جس نے آپ ﷺ سے نزاع کیا نہ یہ کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم و ارشاد کی مخالفت ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ سیدنا عمرؓ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ طعنہ زنی نہ کرنے لگیں کہ یہ وثیقہ تنہائی میں گھڑ لیا گیا ہے اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگیں جیسا کہ روافض نے وصیت وغیرہ کا من گھڑت دعویٰ کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم نبی کریم ﷺ کی طرف سے ان کے لئے بطریق مشورہ و اختیار تھا آیا وہ سب اتفاق کرتے ہیں یا اس سے اختلاف۔ پس جب ان سے اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ نے یہ ترک فرمایا۔ ایک اور جماعت اس حدیث کے معنی میں یہ کہتی ہے کہ دراصل نبی کریم ﷺ تو ان کی استدعا کو قبول فرمانے والے تھے چونکہ وہ آپ سے ایسے وثیقے کے خواہشمند تھے نہ یہ کہ شروع ہی میں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا بلکہ آپ ﷺ سے بعض صحابہ نے ایسی استدعا کی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی خواہش قبول فرمائی لیکن دیگر اصحاب نے اس استدعا کو ان وجوہات کی بنا پر ناپسند کیا جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے اور اس جماعت نے اس قصہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کیا جو انہوں نے سیدنا علی مرتضیٰؓ سے کہا تھا کہ تم ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو بس اگر امر ہمارے لئے ہے تو ہم جان لیں گے مگر حضرت علی نے اسے ناپسند رکھا ان کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں کروں گا (آخر حدیث تک)<sup>۲</sup> اور اس جماعت نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی استدلال کیا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں اسی میں بہتر ہوں۔ مطلب یہ کہ میں امر کو پہچاننے کی بہ نسبت اس حال میں زیادہ خوش ہوں کہ میں اس امر سے باز رہوں اور تمہارے پاس صرف کتاب الہی ہے اور تم اپنی اس استدعا سے مجھے باز رکھو اور ذکر کیا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کے بعد امر خلافت کی تعیین اور اس کی کتابت کے خواہاں تھے۔

۱۔ طبرانی کفای مسائل الصغاء للسیوطی ص ۲۲۵

۲۔ صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ و باب وصال النبی ﷺ جلد ۶ صفحہ ۱۱



## چھٹی فصل

### کلمات بددعا کی توجیحات

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کی بھی توجیح بتادی جائے جو

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے خدا محمد تو ایک بشر ہی ہے جو اسی طرح غصہ کرتا ہے یقیناً میں نے تجھ سے وعدہ لے لیا ہے اے خدا تو ہرگز مجھ سے خلاف نہ کرنا۔ لہذا میں جس مسلمان کو بھی تکلیف دوں یا برا کہوں یا کوڑے ماروں تو تو اس کے لئے کفارہ اور قریت بنا دینا جس سے وہ بروز قیامت تیرا قرب حاصل کر سکے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس کو بھی میں بددعا دوں اور ایک روایت میں ہے اور وہ اس کا سزاوار نہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ جس مسلمان کو بھی میں برا کہوں یا اسے راندہ درگاہ کہوں یا اسے کوڑے ماروں تو اے خدا ﷻ یہ اس کے لئے پاکی بخشش اور رحمت کا سبب بنا دے۔

حالانکہ یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے نبی کریم ﷺ غیر مستحق پر لعنت کریں یا غیر سزاوار کو برا کہیں یا غیر لائق پر کوڑے ماریں یا اسی قسم کی اور کوئی بات غصہ کی حالت میں کریں کیونکہ آپ ﷺ تو ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔

تو اب تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں شرح صدر مرحمت فرمائے کہ حضور ﷺ کا اول یہ ارشاد کہ اے خدا ﷻ وہ اس کا اہل نہ تھا مطلب یہ کہ اے خدا تیرے نزدیک اس کی باطنی حالت ایسی نہ تھی کیونکہ آپ کا حکم تو ظاہر پر ہے جیسا کہ فرمایا اور ایسا فرمانا اس حکمت سے بھی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے (یعنی یہ کہ اس توابع و انصار میں بھی آپ کی امت آپ کی پیروی کرے) لہذا حضور ﷺ نے اسے کوڑے مار کر یا ادب سکھانے کے لئے برا کہہ کر یا لعنت کر کے جس کی بھی آپ ﷺ کے نزدیک اس کی ظاہری حالت مستحق تھی حکم بتا دیا پھر اپنی امت پر شفقت و مہربانی اور مسلمانوں کے لئے اپنی اس صفت رحمت سے جس سے اللہ ﷻ نے آپ کو متصف کیا ان کے لئے خاص طور پر دعا مانگی اور آپ اس سے ڈرے کہ اللہ ﷻ آپ کی بددعا قبول نہ کر لے اور دعا کی کہ اے خدا ﷻ اس بددعا اور اس فعل کو اس کے لئے رحمت بنا دے۔

یہی مطلب آپ ﷺ کے اس ارشاد کا ہے کہ وہ اس کے لائق نہ ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ

(معاذ اللہ) آپ کو غیض و غضب نے برا بیچتہ کر دیا تھا کہ آپ ﷺ غیر مستحق مسلمان کے ساتھ ایسا فعل کریں۔ یہی معنی و مطلب صحیح ہے اور آپ کے اس ارشاد کا کہ ”میں انسان کی طرح ہی غصہ کرتا ہوں۔“ یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ آپ کو (معاذ اللہ) غیض و غضب غیر واجبی عمل پر برا بیچتہ کر دیتا ہے بلکہ جائز ہے کہ یہ مراد ہو کہ غضب نے آپ ﷺ کو لعنت یا برا کہنے سے بطور سزا برا بیچتہ کر دیا ہو یا یہ کہ اس سزا میں کوئی احتمال نکلتا ہو اور اس کا معاف کرنا جائز تھا یا یہ کہ اس میں آپ ﷺ مختار ہوں کہ چاہے سزا دیں یا معاف فرمادیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ امت کی تحذیر و ترہیب کے قائم مقام ہو اور حدود الہی سے تجاوز نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی یہ دعا اور دیگر کئی مواقع پر آپ ﷺ کی بددعا بغیر قصد و ارادہ کے ہو بلکہ اہل عرب کی عادت و محاورہ کی بنا پر فرمایا ہو اور اس سے قبولیت مراد نہ ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد تیرا ہاتھ خاک آلود ہو اور اللہ ﷻ تیرا پیٹ نہ بھرے اور عقری حلقی (کو بچے کئی سر منڈی) (عرف عام کی) دیگر بددعائیں۔

اور آپ ﷺ کی صفت مبارکہ دوسری حدیثوں میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ بدگو (فحش کلام) نہ تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہ تو گالی دیتے تھے اور نہ بدگوئی (فحش کلامی) کرتے اور نہ لعنت کیا کرتے تھے۔ (زیادہ سے زیادہ) عتاب کے وقت ہم میں سے کسی کے لئے یوں فرما دیا کرتے کہ ”اسے کیا ہو اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔“ (صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۱)

لہذا (مذکورہ) حدیث کو اسی مفہوم پر محمول کرنا چاہئے۔ مگر پھر بھی آپ ﷺ امت پر شفقت کے لئے ایسی دعاؤں کے قبول ہو جانے سے خوفزدہ ہو گئے اس لئے آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ سے عہد (وعدہ) کیا کہ اس قسم کے مقولوں اور محاورات کو بھی مسلمان کے لئے پاکی رحمت اور قربت کا ذریعہ بنا دے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۹ صفحہ ۹، صحیح مسلم کتاب الحدود جلد ۳ صفحہ ۱۳۳)

اور کبھی آپ ﷺ کا یہ فرمانا اس کے لئے جس پر آپ ﷺ نے ایسی بددعا کی ہے اس پر شفقت و محبت کے لئے ہوتا تا کہ وہ نبی کی لعنت سے ڈر کر اور خوفزدہ ہو کر اپنے کو اس کا حقیقتاً مستحق نہ سمجھ لے اور اسے وہ مقبول دعاؤں میں سمجھ کر اسے ناامید بی کا شکار نہ بنا دے۔

اور کبھی آپ ﷺ کا اپنے رب ﷻ سے اس شخص کے لئے جس کو آپ کوڑے ماریں یا اسے برا کہیں سوال کرنا بجا اور صحیح ہوتا تھا تا کہ یہ بددعا اس کے لئے کفارہ بن جائے یا جو اسے صدمہ پہنچا ہے

۱ صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۸ صفحہ ۳۱ صحیح مسلم کتاب الخیض جلد ۱ صفحہ ۲۵۰

۲ صحیح مسلم کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۳۳

۳ صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۱۹ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۸۶۸

وہ اس کے جرم کو مٹا دے اور ممکن ہے کہ دنیا میں اس کا سزا پانا آخرت میں اس کی مغفرت اور معافی کا سبب بن جائے جیسا کہ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ جو شخص ایسے جرم کا مرتکب ہوگا اسے دنیا میں سزا دی جائے گی پس وہی سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے کیا معنی ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے جبکہ ان کا جھگڑا ایک انصاری کے ساتھ حرہ کی نالی پر ہوا تھا کہ اے زبیر رضی اللہ عنہ تم اتنا پانی پلا دو کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر فرمایا: اے زبیر رضی اللہ عنہ پانی پلا لے پھر رو کے رکھ یہاں تک کہ دیوار تک پانی پہنچ جائے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پاک ہیں کہ جو کسی مسلمان کے دل میں اس واقعہ سے کوئی شک و تردد واقع ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق اعتدال صلح جوئی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پہلے تلقین فرمائی کہ وہ اپنی حاجت تک ہی اکتفا کریں۔ پھر جب دوسرا شخص اس پر راضی نہ ہوا تو از روئے انصاف انہیں ان کا پورا حق دلا دیا۔

اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہ باب ہی مقرر کیا کہ جب امام صلح کا اشارہ کرے اور دوسرا انکار کرے تو اس پر پورا حکم نافذ کیا جائے اور اس حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا حق دلا دیا۔

بلاشبہ مسلمانوں نے اس قسم کے مقدمات میں اس حدیث کو اصل وضابطہ قرار دیا ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر حال میں کی جائے گی خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کیا ہو یا خوشی کی حالت میں۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ دونوں حالتوں میں معصوم تھے (لہذا آپ کی پیروی ہر حال میں کی جائے گی) اور یہ بات بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ غصہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اپنے لئے نہ تھا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔

اسی طرح عکاشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی پیروی کی جائے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم مجھ سے اپنا بدلہ لے لو اور یہ عدا نہیں فرمایا تھا کہ (معاذ اللہ) غصہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بیچھڑا کر دیا ہو بلکہ خود حدیث میں آیا ہے کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھ پر چھڑی

صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۵۲ صحیح مسلم کتاب الاقضية جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۳

ابو نعیم فی الحلیۃ کما فی منال الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۳۶

ماری تھی یہ میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ نے قصد اماری تھی یا اونٹ کو مارنا چاہتے تھے۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

اے عکاشہ ﷺ میں تجھے خدا کی پناہ دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ کا رسول ﷺ تجھ پر قصداً چھڑی

مارے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں مذکور ہے جو ایک اعرابی کا واقعہ ہے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ اے اعرابی تو اپنا بدلہ لے لے۔ اس پر اعرابی نے عرض کیا کہ میں نے آپ ﷺ کو معاف کیا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے اس وقت کوڑا مارا تھا جبکہ وہ اونٹ کی لگام سے چمٹا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ پھر دوسری مرتبہ سمجھایا اور اسے باز رکھا اور فرمایا: کیا تجھے کچھ ضرورت ہے اور اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ کوڑا مارا تھا۔ حالانکہ یہ بات بھی آپ ﷺ کی اس وقت ہے جبکہ پہلے دو مرتبہ اسے سمجھایا۔ اب وہ آپ کے سمجھانے اور منع کرنے پر بھی نہ مانے تو یہ عمل درست ہے اور یہ ادب سکھانے کا مقام ہے لیکن حضور ﷺ اتنے شفیق و مہربان تھے کہ اپنے اس حق کے لئے بھی اس سے معافی چاہی۔ بالآخر آپ ﷺ نے معاف کرا ہی لیا۔

اب رہی وہ حدیث جو سواد بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایسی حالت میں آیا کہ وہ خوشبو سے لت پت تھا تب آپ ﷺ نے فرمایا: درس ہے درس (جو ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے) اسے کھرچ دے کھرچ اور اپنے دست اقدس کی چھڑی میرے پیٹ پر ماری جس سے درد محسوس ہوا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم قصاص چاہتا ہوں۔

تب آپ ﷺ نے میرے لئے اپنا بطن اقدس کھول دیا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے ایک مکروہ بات میں آمادہ دیکھا تو اسے مارا تھا اور شاید کہ آپ ﷺ کا اپنی چھڑی سے مارنا اس کی تنبیہ کے لئے ہو مگر جب اسے درد محسوس ہوا تو آپ ﷺ نے اس کا بدلہ دینے کا قصد فرمایا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

## ساتویں فصل

### آپ ﷺ کے دنیاوی افعال

اب رہے آپ ﷺ کے دنیاوی افعال! تو ان کا حکم بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ دنیاوی افعال میں بھی معاصی اور مکروہات سے معصوم ہیں جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا اور یہ کہ ان میں سے کسی

۱۔ الحدیث بغوی فی معجم الصحابہ الخرجہ ابن سعد و عبد الرزاق فی جامعہ کما فی الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۳۶

فعل میں سہو و غلط بطریق مذکور خود جائز ہے اور یہ تمام باتیں آپ ﷺ کی نبوت کے لئے نقصان رساں نہیں ہیں بلکہ ان کا وقوع بھی نادرات میں سے ہے کیونکہ آپ ﷺ کے عام افعال درستی و صواب پر ہی ہوتے تھے بلکہ اکثر یا سب کے سب عبادت و قرب الہی کے قائم مقام ہوتے تھے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ دنیاوی افعال کو صرف اتنا ہی اختیار فرماتے تھے جتنے سے ضرورت پوری ہو سکے اور جس سے جسمانی حیات قائم رہ سکے اور اس میں یہ مصلحت و حکمت ہے کہ آپ ﷺ کی ذات شریف تو وہ ہے جو اپنے رب ﷻ کی عبادت کرتی اور اس کی شریعت کو قائم کرتی اور اپنی امت کے سیاسی امور کو بجالاتی اور وہ افعال جو آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کی امت کے درمیان دائر ہیں بایں طور انجام دیتے کہ آپ ﷺ ان سے حسن سلوک کرتے یا بھلائی میں فراخی کرتے یا قول حسن فرماتے یا ان کی سنتے یا کسی سرکش کی تالیف کرتے یا کسی معاند و دشمن کو مغلوب فرماتے یا کسی حاسد کی مدارات کرتے تھے۔ یہ سب افعال اور امور آپ ﷺ کے اعمال صالحہ اور معمولات مقدسہ کے ساتھ حق ہیں۔ اور کبھی آپ ﷺ کے دنیاوی افعال مختلف حالتوں میں مخالف بھی ہوتے تھے اور دنیاوی افعال کے مشابہ امور کے لئے فراہمی سامان بھی کرتے تھے چنانچہ جب آپ ﷺ کسی کے پاس جاتے تو عام طور پر ”دراز گوش“ (حمار) پر سواری فرماتے اور سفر کی حالت میں اونٹ پر سوار ہوئے اور معرکہ جہاد میں ثابت کی خاطر خچر پر سوار ہوتے اور گھوڑے کی سواری کرتے اور گھوڑے کو ناگہانی وقت اور فریادی کی نمداد و اعانت کے لئے تیار رکھتے تھے۔

علیٰ ہذا القیاس باعتبار مصالح ذاتی اور مصالح امت کی خاطر آپ ﷺ اپنے لباس اور احوال میں بھی تبدیلی فرماتے تھے۔ اسی طرح اپنی امت کی مساعدت اور سیادت کے لئے وہی دنیاوی امور میں افعال اختیار کرتے تھے جس کا اقتضاء ہوتا تھا اور اس کے خلاف کو ناپسند فرماتے تھے۔ اگرچہ آپ ﷺ کی رائے میں اس کے سوا میں بھلائی نظر آتی ہو جیسا کہ بعض باتیں سبب بعض افعال کو چھوڑ دیا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ اس کے کرنے کو نہ کرنے سے بہتر خیال فرمایا کرتے تھے اور بعض اوقات امور دیدیہ میں بھی آپ ﷺ ایسا کر گزرتے تھے جن کے کرنے یا نہ کرنے میں آپ ﷺ مختار ہوتے تھے۔

مثلاً مدینہ طیبہ سے احد کی طرف نکلنا حالانکہ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ جہاد کے وقت مدینہ میں قلعہ بند ہوتے تھے یا جیسے کہ منافقین کی حالت کا علم و یقین کے باوجود دوسرے اشخاص کی تالیف اور

ان کے مسلمان اعزاء (عزیزوں) کی رعایت کی خاطر آپ ﷺ نے ان کے قتل کو ترک فرمادیا۔

اور یہ بھی ہے کہ آپ سے ناپسند رکھتے تھے کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرانے کو اختیار نہ فرمایا اور یہ ترک قریش کے دلوں کی رعایت اور بایں خدشہ کہ کہیں اس کے تغیر و تبدل سے ان کے دل متنفر نہ ہو جائیں اور ان کی عداوت سابقہ جو وہ اسلام اور مسلمانوں سے رکھتے تھے پھر عود نہ کر آئے اسے برقرار رکھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ صحیح حدیث میں ہے کہ اگر مجھے تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو ضرور خانہ کعبہ کو قواعد ابراہیم علیہ السلام پر پورا کر دیتا۔

(اسی طرح) آپ کوئی کام کرتے پھر اسے ترک فرمادیتے کیونکہ اس کے غیر میں بھلائی ہوتی تھی جسے کہ روز بدر ان کنوؤں کے قریب پڑاؤ کرنا جو دشمنان قریش کے نزدیک تھے یا جیسے کہ (جہود الوداع میں) آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ اپنے معاملہ میں پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی جواب ہوئی ہے تو میں ہدی (قربانی کے جانور) کو نہ لاتا اور یہ کہ آپ ﷺ کفار و دشمن کی تالیف قلوب کے لئے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور نادان کی ایذا پر صبر فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ وہ لوگ بہت شریر ہیں جن کے شرکی وجہ سے لوگ ان سے کنارہ کشی کریں اور آپ ایسوں کو عمدہ عمدہ اشیاء مرحمت فرماتے تاکہ وہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی شریعت کو اور آپ ﷺ کے رب ﷻ کے دین کو پسند کرنے لگیں اور آپ ﷺ اپنے کا شانہ اقدس میں ایسے بھی کام کرتے جسے خادم و ملازم انجام دیتے ہیں اور آپ ﷺ ایسی ہیئت اختیار فرماتے جس کے اطراف و جوانب سے کوئی شے ظاہر نہ ہوتی اور آپ ﷺ کی مجلس میں حاضرین کی یہ ہیئت ہوتی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ اپنے ہم نشینوں سے اس طرح کلام فرماتے گویا وہ پہلے سے واقف ہے اور آپ ﷺ بھی اسی طرح تعجب کا اظہار فرماتے جس طرح وہ متعجب ہوتے اور اسی طرح ہنسی کا اظہار فرماتے جس میں وہ لوگ ہنستے تھے اور آپ ﷺ کی اس کشادہ روئی اور عدل گستری نے لوگوں کو گرویدہ بنا لیا تھا اور غصہ کے سبب آپ ﷺ میں خفت اور سبکی نہ پیدا ہوئی تھی اور نہ آپ ﷺ اپنے ہم نشینوں سے دل میں کوئی کدورت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے کہ نبی کو زیبا نہیں کہ اس کی آنکھ خائن ہو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی

صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۶۸

صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۸۸۸

اللہ عنہا سے اس شخص کے بارے میں فرمایا جب وہ داخل ہونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ”یہ خاندان کا بڑا بیٹا ہے۔“ پس جب وہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے نرم گفتگو فرمائی اور اس کے ساتھ مہربانی کا بھی اظہار فرمایا پھر جب وہ چلا گیا تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا۔

آپ نے فرمایا: وہ شخص لوگوں میں بدتر ہے جو لوگ اس کے شرکی وجہ سے بچنے لگیں اور یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ آپ سے باطن کے خلاف ظاہر ہو اور اس کے پیچھے ایسی باتیں فرمائیں۔  
تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل اس کے تالیف قلب کے لئے تھا تا کہ وہ خوش ہو جائے اور اس کا ایمان قائم رہے اور اس کے ساتھی اس سبب سے اسلام میں داخل ہو جائیں اور اس کو اس جیسا دیکھیں تو وہ اسلام کی طرف کھینچ آئیں اور آپ ﷺ کی اس قسم کی باتیں اس لئے ہوتی ہیں تا کہ وہ اس دنیاوی مدارات کے سبب دینی سیاست کی طرف راغب ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کر لیں) اور کبھی آپ ﷺ اللہ ﷻ کا مال دے کر تالیف قلوب کیا کرتے تھے تو نرم گفتگو کیسے اثر نہ کرے گی۔

چنانچہ صفوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ ﷺ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ دشمن تھے اس وقت آپ ﷺ مجھے مال بہت دینے لگے اور آپ ﷺ برابر عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ اب آپ ﷺ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ پیارے ہیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”خاندان کا بڑا بیٹا“ ہے درحقیقت یہ غیبت کی ضد ہے بلکہ جو اس کے حال سے لاعلم ہے اسے خبردار کرنا ہے تا کہ وہ اس کے حال سے ڈرے اور اس سے محترز رہے اور اس پر کامل اعتماد نہ کیا جائے۔  
بالخصوص جبکہ وہ قوم کا سردار اور مطاع ہو اور اس قسم کا اظہار جبکہ کسی ضرورت کی وجہ سے ہو اور نقصان کو دور کرنا متصور ہو تو وہ غیبت نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات واجب ہوتا ہے جیسا کہ محدثین کی عادت ہے کہ راویوں پر جرح و قدح کرتے ہیں یا جیسے شہادت میں تنقیح و صفائی کرتے ہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس مشکل کے کیا معنی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت فرمایا جبکہ آپ کو انہوں نے باخبر کیا کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالکوں نے اس کی فروختگی سے انکار کر دیا بجز اس شرط کے کہ ان کے لئے ولاء باقی رہے۔ تب آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم ان سے خرید لو اور ان کی شرط ولاء کو مان لو۔ پھر آپ ﷺ جب خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا: اس قوم کا کیا حال ہو گا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب الہی میں نہیں ہے لہذا ہر وہ شرط جو کتاب الہی میں نہ ہو باطل ہے حالانکہ آپ ﷺ نے ان کی

شرط کو مان لینے کا حکم فرمایا اور اسی شرط پر انہوں نے فروخت کیا تھا۔ اگر یہ شرط منظور نہ ہوتی تو واللہ اعلم وہ اس کو حضرت صدیقہ کے ہاتھ نہ فروخت کرتے جس طرح کہ انہوں نے اس شرط سے پہلے نہیں فروخت کیا یہاں تک کہ وہ شرط اس کے بعد آپ ﷺ نے اس شرط کو باطل قرار دے دیا۔ حالانکہ آپ نے ملاوٹ اور دھوکہ حرام قرار دیا ہے۔ تو اس کے جواب میں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ نبی کریم ﷺ اس سے منزہ ہیں جو نادان لوگوں کے دلوں میں دوسو سے پیدا ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کی عصمت و تنزیہ کے پیش نظر ایک جماعت نے اس اضافہ کا انکار کیا کہ آپ نے فرمایا ہو کہ ولاء کی شرط مان لو۔“ اس لئے کہ اکثر سندوں میں اس کا تذکرہ نہیں ہے لیکن اس اضافہ کو برقرار مان لینے کے باوجود بھی کوئی اعتراض وارد نہیں کیونکہ لَہُمْ کے معنی عَلَيْهِمْ کے بھی آتے ہیں (مطلب یہ کہ ان کے خلاف پر شرط مان لو) کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

أُولَئِكَ لَہُمُ اللَّعْنَةُ. (پ۱۳ الرعد ۲۵) ان کا حصہ لعنت ہی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

لہذا اس تقدیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے پر خلاف شرط ولاء کو اپنے لئے مان لو اور آپ ﷺ کا قیام فرما کر نصیحت کرنا اس لیے ہوگا کہ انہوں نے پہلے اپنے لئے ولاء کی شرط کی تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ”ان کے ولاء کی شرط یہ حکم کے معنی میں نہ تھا بلکہ نسویہ (برابری) اور اعلام (خبر) کے معنی میں تھا کہ ان کی یہ شرط نبی کریم ﷺ کے بیان فرمانے کے بعد نفع نہ دے گی کیونکہ یہ شرط آپ بتا چکے ہیں کہ ولاء صرف غلام کے آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔ گویا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تم شرط مانو یا نہ مانو بہر صورت یہ شرط نفع بخش نہ ہوگی اور اسی طرف داؤدی رحمہ اللہ وغیرہ گئے ہیں۔ دراصل نبی کریم ﷺ کا ان کو جھڑکنا اور ملامت کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو اس کا پہلے سے علم تھا۔

اور تیسری وجہ یہ کہ حضور ﷺ کا فرمان کہ ان کے ولاء کی شرط لو۔“ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اس کا حکم ظاہر کر دو اور ان کو آپ ﷺ کی سنت واضح کر دو کہ ولاء تو صرف غلام کے آزاد کرنے والے کے لئے ہے۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ اس کا حکم بیان کرنے اور اس کی مخالفت پر تنبیہ کرنے کے لئے جو ان سے سرزد ہوا کھڑے ہوئے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ فعل جو آپ ﷺ نے اپنے بھائی (بنیامین) کے کجاوے میں پیالہ رکھوا کر ان کو اس کے سرقہ کے الزام میں پکڑا اور وہ ماجرا اس سلسلہ میں ان کے بھائیوں پر گزرا اور آپ ﷺ کا یہ کہنا کہ تم ضرور چور ہو حالانکہ وہ چور نہ تھے۔



تو اس۔ کہ جواب میں تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ آئیے کریمہ دلالت کر رہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فعل اللہ ﷻ کے حکم سے تھا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ  
 كَذٰلِكَ كٰذٰنًا لِّيُؤَسِّفَ ط مَا كَانَ لِيَاخُذَ ط ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی بادشاہی قانون  
 اٰخَاةٌ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ط میں اسے نہیں پہنچتا تھا کہ اپنے بھائی کو لے لے  
 (پا یوسف ۷۶) مگر یہ کہ خدا چاہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

جب واقعہ اللہ ﷻ کی جانب سے ہے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور جو کچھ بھی اس میں واقع ہے۔

نیز ایک یہ بھی سبب تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی (بنیامین) کو مطلع کر دیا تھا کہ میں تیرا بھائی ہوں تم فکر نہ کرنا لہذا جو بھی ماجرا اس کے بعد گزرا وہ اس کی موافقت اور خواہش پر ہوا اور اس یقین پر کہ اس کے پیچھے بھلائی ہے اور اس طرح پر ان کی برائی اور مضرت دور کرنے کے لئے تھا لیکن یہ قول کہ

اٰیْتَهَا الْعِیْرُ اِنْ كُمْ لَسَارِقُوْنَ O اے قافلہ والو بے شک تم چور ہو۔

(پا یوسف ۷۰) (ترجمہ کنز الایمان)

تو یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے قول نہیں ہے جس کا جواب دینا لازمی ہے جس سے شبہ کا ازالہ ہو اور یہ سزاوار ہے کہ اس قول کے کہنے والے پر خواہ وہ کوئی ہو عمدہ تاویل کی جائے یعنی یہ کہ اس کہنے والے نے گمان کیا ہو گا ظاہر حال میں تم چور ہو اور بلاشبہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ بات اس بنا پر کہی کہ پہلے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا اور ان کو فروخت کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

لہذا ہمیں یہ لازم نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف وہ باتیں منسوب کریں جو ان سے مروی نہیں ”کہ انہوں نے ایسا کہا ہے“ حتیٰ کہ ان سے وہ باتیں دور کی جائیں اور ان کے سوا دوسروں کی لغزشوں کا عذر بیان کرنا لازم نہیں (کیونکہ غیر نبی معصوم نہیں)

## آٹھویں فصل

حکمتِ ابتلاء انبیاء و رسل علیہم السلام

اب اگر کوئی کہے اس میں کیا حکمت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر امراض

آتے اور ان پر اس کی شدت ہوتی تھی اور اس کی کیا وجہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ ﷻ نے بلاء و امتحان میں مبتلا کیا تھا جیسے حضرت ایوب، حضرت یعقوب، حضرت دانیال، حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہم السلام وغیرہ پر گزرے حالانکہ یہ حضرات اللہ ﷻ کی مخلوق میں اس کے مختار، محبوب اور برگزیدہ تھے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ میں اور تم کو توفیق خیر دے کہ اللہ ﷻ کے تمام افعال یعنی برانصاف اور اس کے تمام کلمات ایسے صادق جس میں قطعاً تبدیلی ممکن نہیں وہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے جیسا کہ ان سے فرمایا:

لِنُنظَرَ كَيْفَ تَعْلَمُونَ ۝ (پاؤں ۱۳)

کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نیز فرمایا:

وَلِنَبْلُوهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

کہ انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر

(پاؤں ۱۵) نہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذُ مِنْكُمْ

اور اس لئے کہ اللہ پہچان کر ادے ایمان والوں

کی۔ (پاؤں ۱۳۱) (ترجمہ کنزالایمان)

نیز ارشاد ہے:

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا

وَيَعْلَمِ الصَّابِرِينَ ۝

اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔

(پاؤں ۱۳۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلِنَبْلُوَنَكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ

اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ دیکھ

وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوا أَخْبَارَكُمْ ۝

لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو

(پاؤں ۳۱) اور تمہاری خبریں آزمائیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پس اللہ ﷻ کا طرح طرح کے امتحانوں میں مبتلا کرنا ان کے مرتبہ کی زیادتی اور ان کے

درجات کی رفعت و بلندی کے لئے ہے اور یہ کہ ان کے صبر و رضا، شکر و فرمانبرداری، توکل و سپردگی، دعا

و گریہ و زاری کے حالات و اسباب کو ظاہر کرنا ہے تاکہ آزمائش میں مبتلا ہونے والوں پر رحمت اور

مصائب و آلام میں پڑنے والوں پر شفقت دیکھ کر ان کی بصیرتیں اور زیادہ ہو جائیں جو ان کے علاوہ دوسروں کے لئے یادگار اور ان کے سوا کے لئے نصیحت بن جائے تاکہ وہ بلا و مصائب میں ان کی پیروی کریں اور ان قصوں کو یاد کر کے جو ان پر گزرے ہیں خود کو تسلی دیں اور صبر میں ان کی اقتداء کریں اور یہ کہ ان کی لغزشوں اور غفلتوں کو جو ان سے صادر ہوئے مٹا دیئے جائیں تاکہ پاک و صاف ہو کر بارگاہ الہی میں ان کی حاضری ہو اور انہیں پورا پورا اجر و ثواب ملے۔

حدیث: حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کے والد سے بااِسناد مروی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم وہ کون سے حضرات ہیں جن پر سخت مصیبتیں اور بلائیں اتریں۔ فرمایا: انبیاء علیہم السلام پھر جو ان کی مثل ہیں پھر جو ان کی مثل ہیں کسی آدمی کا مبتلائے آلام و مصائب ہونا اس کے دین کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ بندگان خاص سے بلائیں نہیں ٹلتیں یہاں تک کہ وہ ایسا کر دیتی ہے کہ زمین پر جب چلتا ہے تو اس پر کوئی خطا کا بار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَكَأَيُّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ لَمَعَهُ رَبِّيُونَ كَثِيرٌ ج  
اور بہت سے نبی ایسے ہیں جن کے ساتھ ہو کر  
(پ ۱۱۶ عمران ۱۳۶) بکثرت اللہ والے لڑے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمان کی جان و اولاد اور اس کے مال میں ہمیشہ آزمائشیں ہوتی رہیں گی یہاں تک کہ وہ اللہ ﷻ سے جب ملاقات کرے گا تو اس پر ایک غلطی کا بھی بار نہ ہوگا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ ﷻ اپنے کسی خاص بندے پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے دنیا میں سختیاں ڈالنے میں جلدی کرتا ہے اور جب اللہ ﷻ کسی جان پر شر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو گناہوں کی حالت میں ہی چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ بروز قیامت اس کی پوری سزا دے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب اللہ ﷻ کسی بندے کو محبوب بناتا ہے تو اسے مبتلائے آلام کرتا ہے تاکہ گریہ و زاری کرے اور سمرقندی رحمہ اللہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ ﷻ کی بارگاہ میں زیادہ عزت والا ہے اس پر اتنی ہی شدید بلائیں ہوتی ہیں تاکہ اس کی فضیلت ظاہر ہو جائے اور پورے ثواب کا مستحق بن جائے۔ جیسا کہ حضرت لقمان رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے میرے فرزند! سونے اور چاندی کو تو آگ پاک و صاف بناتی ہے اور مسلمان کو بلائیں ستھرا کرتی ہیں۔

۱۔ سنن ترمذی کتاب الرحمہ جلد ۲ صفحہ ۲۸ سنن ابن ماجہ کتاب النعم جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۲ تحفۃ الاشراف جلد ۳ صفحہ ۳۱۸ مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۳۳

۲۔ مسند الفردوس جلد ۱ صفحہ ۲۵۱

منقول ہے کہ حضرت یعقوب عليه السلام کو حضرت یوسف عليه السلام کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کرنے کا سبب یہ تھا کہ آپ عليه السلام نے ان سے وفور محبت میں نماز کی حالت میں ان کی طرف نظر ڈالی تھی حالانکہ حضرت یوسف عليه السلام کو خواب تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ بلکہ وہ اور ان کے فرزند حضرت یوسف عليه السلام ایک بھنی ہوئی بکری کے کھانے میں مشغول تھے اور دونوں ہنس رہے تھے اور ان کے ایک ہمسایہ یتیم بچے نے اس کی مہک سونگھ کر اس کی خواہش کی اور رونے لگا۔ اس بچے کے رونے کے سبب اس کی بوڑھی ماں بھی رونے لگی حالانکہ ان کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی اور حضرت یعقوب عليه السلام اور ان کے فرزند اس سے لاعلم تھے۔ تو حضرت یعقوب عليه السلام کو حضرت یوسف عليه السلام کے افسوس میں رونے کے ساتھ عتاب فرمایا گیا اور انہیں اتنا روٹا پڑا کہ ان کے دونوں حدتے بیٹھ گئے اور غم میں آنکھیں سفید ہو گئیں۔ پھر جب آپ کو اس کا پتہ چلا تو مدت عمر تک آپ اپنے مکان کی چھت پر منادی کے ذریعہ نداء کراتے رہے کہ جس کے پاس روزینہ نہ ہو وہ آل یعقوب عليه السلام سے آکر لے لے اور حضرت یوسف عليه السلام پر جن سختیوں کے ذریعہ عتاب فرمایا اسے اللہ عزوجل نے بیان فرما دیا۔

حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت ایوب عليه السلام کو مبتلائے آلام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ عليه السلام اپنی بستی والوں کے ساتھ ان کے بادشاہ کے پاس اس کے مظالم کی شکایت لے کر گئے بستی والوں نے بادشاہ کو سخت دست کہا مگر حضرت ایوب عليه السلام نے اپنی زراعت کے خوف سے نرمی کا برتاؤ کیا اس پر اللہ عزوجل نے ان کو بلا و مشقت میں مبتلا فرمایا۔

اور انہیں فوائد کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض اور درد کی شدت ہوئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی پر درد کی ایسی حالت نہ دیکھی اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے مرض میں دیکھا تو آپ پر شدید بخار تھا۔ میں نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو بہت سخت و شدید بخار ہے۔ فرمایا: ہاں تم میں سے دو مردوں کے برابر مجھے بخار کی شدت ہے۔ عرض کیا گیا: یہ اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو نا اجر ملے۔ فرمایا: ہاں اس لئے یہ ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۰۰، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹-۱۰۰۱)

اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھا تو کہا: خدا کی قسم میں آپ پر اپنے ہاتھ کو آپ کے بخار کی شدت کی وجہ سے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں ہمارے لئے دونی مشقت ہوتی ہے کچھ نبی تو ایسے ہوئے ہیں سجن کو حمل (چھڑی) کے ذریعہ مبتلا کیا گیا یہاں تک اس نے ان کو ہلاک کر دیا اور

صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۰۰ صحیح مسلم کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹-۱۹۹

سنن ابن ماجہ کتاب العن جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۵، مستدرک کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۴۰

کچھ نبی ایسے ہوئے جنہیں فقر میں مبتلا کیا گیا۔ یہ حضرات بلاؤں پر اتنے خوش ہوتے تھے جتنا کوئی فراخی پر خوش ہوتا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجر عظیم، بلا و عظیم کے ساتھ مربوط ہے۔ چنانچہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کو محبوب بناتا ہے تو بتلائے آلام کرتا ہے پس جو اس پر راضی رہا تو اس کے لئے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہے اور جو اس سے ناخوش ہوا تو اس کے لئے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِبِهِ. (پہ انشاء ۱۲۲) جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی مسلمان کو دنیا میں مصیبتوں کے ساتھ جزادی جائے گی اور وہ اس کے لئے کفارہ گناہ بن جائے گا۔ یہ روایت حضرت عائشہ ابی اور مجاہد رضی اللہ عنہم کی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس پر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے مصیبت میں ڈالتا ہے اور کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ جو بھی کوئی مصیبت کسی مسلمان کو پہنچتی ہے اسے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے کفارہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے اگر کاشا بھی چھے اور کہا کہ

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو بھی کوئی تکلیف مسلمان کو پہنچے خواہ وہ مصیبت و تکلیف ہو یا حزن و الم و غم حتیٰ کہ اگر کاشا بھی چھے تو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جس مسلمان کو بھی کوئی مصیبت پہنچتی تو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گناہوں کو اس کے ذریعہ جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔<sup>۱</sup>

## دوسری حکمت

اور دوسری حکمت جس کو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے امراض جسمانی اور متواتر درد و الم اور جانکنی میں شدت کو پسند کیا ہے یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ان کے قوائے نفسانی کمزور ہو جائیں۔ جانکنی کے وقت ان کی روح کے اخراج میں آسانی ہو جائے اور مرض کے مقدم ہونے اور جسم کے کمزور ہو

۱ سنن ترمذی کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۷

۲ سند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۶، ۶۶، متدرک کتاب التفسیر جلد ۲ صفحہ ۳۰۸، حاکم معارف الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۵۵۳

۳ صحیح بخاری کتاب مرض جلد ۷ صفحہ ۱۰۰

۴ صحیح بخاری کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹، صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۹۹

۵ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۹۹، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹

۶ صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۱۰۰

جانے کے سبب وقت نزع اور شدت سکرات میں خفت ہو جائے۔ بخلاف اس جان کے جس پر اچانک موت آ جائے اور وہ موت کی گرفت میں آ جائے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ میت کی حالتیں شدت میں مختلف ہوتی ہیں اور ان پر طرح طرح کی سختیاں یا نرمیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مومن کی مثال کھیتی کے تنا کی طرح ہے جسے ہوا ادھر ادھر جھکتی رہتی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کی حیثیت اس نرم تنے کی سی ہے جسے ہوا جھکتی رہتی ہے ہوا ساکن ہو جاتی ہے تو وہ تنا اعتدال پر رہتا ہے یہی کیفیت مسلمان کی ہے جسے بلاء جھکتی رہتی ہے اور کافر کی مثال درخت صنوبر کی ہے جو سیدھا کھڑا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ ﷻ اس کی گردن توڑ دیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آفت رسیدہ مصیبت زدہ بیماری کا مارا تقدیراتِ الہیہ پر راضی اس پر اطاعت گزار اور رضائے الہی کی خاطر گردن خمیدہ رہتا ہے۔ ان بلاؤں پر اس کا ناراض نہ ہونا کھیتی کے نرم تنا کی طرح ہے جو باد صرصر کے آگے فرمانبردار رہتا ہے اور جدھر وہ چلتی ہے ادھر ہی جھک جاتا ہے پس جب اللہ ﷻ مومن سے مصائب و آلام کے بادِ تند کو دور فرمادیتا ہے تو پھر وہ اعتدال پر آ جاتا ہے جس طرح سکون ہوا کے وقت کھیتی کا نرم تنا معتدل ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ بندہ مومن بلاؤں کے دور ہونے کے بعد اپنے رب ﷻ کے شکر اور اس کے انعام کی معرفت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی رحمت و ثواب کا منتظر رہتا ہے تو جب بندے کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر اس کو نہ مرض الموت ستاتا ہے اور نہ اس پر ان بلیات کا پہنچنا گراں خاطر ہوتا ہے اور نہ سکرات موت اور نہ نزع روح اس پر دشوار ہوتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی سے مصائب و آلام کے جھیلنے کا عادی بن چکا ہوتا ہے اور اس پر اجر و ثواب کو وہ پہلے سے جان رہا ہوتا ہے جسے ان تمام شدا ند و تکالیف کے بدلے میں اللہ ﷻ نے اس کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہوتا ہے۔ اس کا دل بالکل مطمئن ہوتا ہے۔

بخلاف کافر کے!

کہ اس کے اکثر احوال میں چھوٹ ہے اور اس کا جسم درخت صنوبر کی طرح صحیح و سالم رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ ﷻ اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو دفعتاً اس کی گردن توڑ دیتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی (اچانک موت کا حملہ ہو جاتا ہے) اور اسے بلا کسی نرمی و سہولت کے موت کا نچہ دبا لیتا ہے جس کے سبب اس کی موت سخت اور حسرت ناک ہوتی ہے۔ اس کی روح کھینچنے کی حالت کو اس

۱۔ صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب النافعین جلد ۲ صفحہ ۲۱۶۳

۲۔ صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب النافعین جلد ۲ صفحہ ۲۱۶۳

کی جان کی قوت اور اس کے جسم کی صحت پر تکلیف کی شدت و عذاب کو قیاس کرنا چاہئے اور آخرت کا عذاب تو درخت صنوبر کے اکھاڑنے سے کہیں زیادہ شدید و سخت ہوگا۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَاخَذْنَاَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ O تو ہم نے انہیں اچانک ان کی غفلت میں پکڑ لیا۔ (پ الاعراف ۹۵) (ترجمہ کنز الایمان)

یہی عادت الہیہ ہے اس کے دشمنوں کے درمیان جیسا کہ فرماتا ہے:

فَكَلَّا آخَذْنَا بَذُنْبِهِ ج فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ج وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ. (پ العنكبوت ۴۰) کو چنگھاڑنے آ لیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

چنانچہ اللہ ﷻ نے ان پر اس حالت میں موت کو مسلط فرمایا جبکہ وہ اپنی سرکشی اور غفلت میں مدہوش تھے اور بغیر اتنا موقعہ دیئے کہ وہ مرنے کی تیاری کریں اچانک ہلاک کر دیئے گئے۔ اسی لئے سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ بزرگان دین اچانک موت کو برا سمجھتے تھے اور اسی سلسلہ میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ وہ افسوسناک موت یعنی اچانک موت کو برا جانتے تھے۔

## تیسری حکمت

تیسری حکمت یہ ہے کہ امراض پیام موت ہیں۔ مرض میں جس قدر شدت ہوگی موت کا خوف اسی قدر زیادہ ہوگا اور وہ موت کے لئے مستعد و تیار رہے گا (اور استغفار وغیرہ کا موقعہ ملے گا) کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اپنے رب ﷻ سے ملاقات کرے گا اور یہ امراض اس کی خبر گیری کر رہے ہیں اور اس دنیا کے گھر سے جس کی خرابیاں بکثرت ہیں بے پرواہ ہو کر اس کا دل آخرت کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے پس وہ ہر اس شے سے جو اللہ ﷻ کی جانب سے غافل کرے اس کے برے نتائج سے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور بندوں کی طرف ان کے حقوق کو ادا کرتا ہے اور جب اپنے محتاجوں کی طرف نظر کرتا ہے تو اپنے پسماندگان میں ان کی وصیت کرتا ہے یا ان کی نگہداشت کا حکم دیتا ہے۔

چنانچہ ہمارے نبی کریم ﷺ باوجود یکہ گزشتہ و آئندہ سب سے مغفور ہیں وہ اپنے مرض میں ان لوگوں سے دستگیری کے طالب ہوئے جن کا آپ ﷺ پر کوئی مال یا آپ ﷺ کے بدن اقدس پر کوئی حق تھا اور آپ ﷺ نے مال و جان سے بدلہ دینا چاہا اور ایسے حقدار کو آپ ﷺ نے اپنے پر قصاص (بدلہ) کی اجازت دی۔ جیسا کہ حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حدیث وفات میں وارد ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے بعد جن و انس کو کتاب اللہ ﷻ اور اپنی عمرت کو لازم پکڑنے اور انصار کے ساتھ

زری برتنے کی وصیت فرمائی اور ان کو تحریر و شیعہ کے لئے بلایا تاکہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت گم گشتہ راہ نہ ہو اور یہ دعوت کتابت یا تو نصِ خلافت کے لئے تھی یا کوئی اور مقصد ہو اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر اس سے باز رہنے کو آپ ﷺ نے افضل و بہتر خیال فرمایا۔

یہی کیفیت اللہ ﷻ کے مومن بندوں اور اس کے متقی ولیوں کی سیرت میں ہے اور ان تمام کیفیات سے اس کی کافر مخلوق محروم ہے کیونکہ انہیں مہلت دی جاتی ہے تاکہ ان کے گناہ اور بڑھیس اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے جس کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ  
وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ  
تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ۝  
وہ راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ انہیں آلے  
گی جب وہ دنیا کے جھگڑے میں پھنسے ہوں  
گے تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ  
کر جائیں۔ (پا ۲۳ یسین ۵۰-۴۹)

اور اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اچانک مر گیا تھا پاکی ہے اللہ ﷻ کو (سبحان اللہ) گویا کہ آپ ﷺ کو کوئی غصہ کی بات معلوم ہوئی (فرمایا) محروم وہ ہے جو آپ وصیت کرنے سے محروم رہا اور فرمایا: اچانک موت مسلمانوں کے لئے تو راحت ہے مگر کافر و فاجر کے لئے افسوسناک گرفت ہے اور یہ اس لئے کہ مومن کو جو موت آتی ہے تو وہ اکثر اس کے لئے مستعد و تیار ہوتا ہے کیونکہ اکثر وہ حکم الہی کی ادائیگی میں سرگرم عمل رہتا ہے تو اس کے لئے کیوں رحمت نہ ہو۔ ایسے شخص پر اس کا آنا ہر طرح آسان ہوتا ہے چاہے جس طرح وہ مرے۔ کیونکہ وہ دنیا کی اذیتوں سے راحت عقبی کی طرف جاتا ہے۔ جیسے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان خود بھی راحت پانے والا ہے اور دوسروں کو بھی راحت پہنچانے والا ہے۔ (مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۲۲)

اور کافر اس وقت مرتا ہے جبکہ وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ نہ تو خود اس نے اس کی تیاری کی اور نہ ڈرانے اور گھبرادینے والے مقدمات و حالات پہنچے بلکہ اچانک موت نے گھیر لیا تو وہ مہوت ہو کر رہ گیا۔ پس اس کے رد کرنے کی طاقت نہیں پاتا اور نہ وہ موت کا منتظر ہی تھا۔ تو اب موت اس پر اشد ترین شے معلوم ہوگی اور دنیا کی جدائیگی سے دردناک صدمہ ہوگا اور یہ اسے نہایت شاق گزرے گا۔

اسی معنی کی طرف حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو اللہ ﷻ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ ﷻ بھی اس کی لقا کو محبوب رکھتا ہے اور جو لقاء الہی کو ناپسند رکھتا ہے اللہ ﷻ بھی اس سے لقا کو ناپسند رکھتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۱۹۰ صحیح مسلم کتاب الذکر جلد ۴ صفحہ ۲۰۶۵)



## قسم چہارم

وجوہات تنقیص و توہین اور اس کے احکام شرعیہ

موہن و شاتم کا حکم قتل

یہ چوتھی قسم ان احکام کے وجوہات کے بیان میں ہے جو نبی کریم ﷺ کی تنقیص و توہین کرے یا حضور ﷺ کو معاذ اللہ گالی دے۔ چنانچہ قاضی ابوالفضل بتوفیق الہی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہ بات کتاب و سنت اور اجماع امت سے گزر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کیا حقوق واجب ہیں اور یہ بھی متعین کیا جا چکا ہے آپ ﷺ کا احسان اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور اکرام کیا کیا ہیں۔ ان اعتبارات کے لحاظ سے اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں حضور ﷺ کو اذیت و تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص بھی حضور ﷺ کی تنقیص شان کرے یا آپ ﷺ پر سب و شتم کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (پہلا الاحزاب ۵۷)

اور ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (پہلا التوبہ ۶۱)

اور فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبْدًا إِنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا

(پہلا الاحزاب ۵۳) بات ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ تعزیر اور ذومعنی (دو معنی والے) الفاظ کے استعمال کو آپ ﷺ کے لئے حرام قرار

دیتے ہوئے فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا  
انظُرْنَا وَاسْمَعُوا. اے ایمان والو! رعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ  
حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی بغور سنو۔

(پ البقرہ ۱۰۴)

(ترجمہ کنز الایمان)

یہ تحریم اس لئے ہے کہ یہودی کہتے تھے رَاعِنَا يَا مُحَمَّدُ یعنی اپنے کان سے ہماری بات  
سنیے اور ہماری رعایت کیجئے۔ اس سے وہ رعونت بمعنی نادانی یا بیوقوفی مراد لیتے تھے تو اس پر اللہ ﷻ نے  
ان کی مشابہت اختیار کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا اور ہمیشہ کے لئے اس ذریعہ کی ممانعت فرما کر  
قطع کر دیا تاکہ کفار و منافقین کو آپ ﷺ پر سب و شتم اور استہزاء کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ اس لئے ممانعت فرمائی کہ اس کے لفظوں میں مشارکت تھی اس  
لئے کہ یہودیوں کے یہاں اس کے معنی اِسْمَعُ لَا سَمِعْتُ ہے یعنی سنیے اور آپ کی نہ سنی جائے۔  
ایک قول یہ ہے کہ قلت ادب اور نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی  
ممانعت فرمائی گئی کیونکہ لغت انصار میں اس کے معنی یہ تھے کہ آپ ہماری رعایت کیجئے اور ہم آپ کی  
رعایت کریں گے تو ان کو اس سے منع کر دیا گیا کیونکہ ضمناً یہ بات پائی جاتی تھی کہ آپ ﷺ کی رعایت  
کے ساتھ ہی وہ رعایت کریں گے حالانکہ آپ ﷺ کی رعایت ہر حال میں واجب ہے۔

اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کنیت پر نام رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ چنانچہ  
فرمایا: میرے نام کے ساتھ تو نام رکھو لیکن میری کنیت کے ساتھ اپنی کنیت نہ رکھو۔ تاکہ آپ ﷺ کی  
ذات شریفہ اذیت سے محفوظ و مصون رہے کیونکہ آپ ﷺ نے ایک شخص کی ندا کا جواب دیا کہ وہ پکار  
رہا تھا: يَا اَبَا الْقَاسِمِ. تب اس شخص نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں آپ ﷺ کو آواز نہیں دے رہا تھا میں تو فلاں کو پکار رہا تھا۔ تو  
اس وقت آپ ﷺ نے اپنی کنیت پر کنیت مقرر کرنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ کو اس کے سوا کسی اور کے  
پکارنے سے جو آپ ﷺ کو نہ پکارنا ہو ایذا نہ پہنچے اور منافقین اور استہزاء کرنے والوں کو آپ ﷺ کی ایذا  
رسانی اور منقصدت کا موقع نہ ملے کہ وہ آپ ﷺ کو آواز دیں اور جب آپ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوں  
تو وہ آپ ﷺ کی تکلیف دہی اور استخفاف کی غرض سے کہہ دیں کہ ہم تو آپ ﷺ کے سوا کسی اور کو پکار  
رہے تھے۔ جس طرح سعدوں اور مسخروں کی عادت ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے اپنی ہر طرح اذیت  
سے حفاظت فرمائی۔

صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۲ صفحہ ۶۶، صحیح مسلم کتاب الادب جلد ۳ صفحہ ۱۶۸۲-۱۶۸۳-۱۶۸۴

علماء محققین نے اس ممانعت کو آپ ﷺ کی مدت حیات ظاہری تک محمول کیا ہے اور آپ ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ ممانعت کی علت اذیت ہے وہ مرفوع ہو چکی اور اس حدیث میں لوگوں کے بکثرت مذاہب ہیں اس کے ذکر کا یہ مقام نہیں جو قول ہم نے بیان کیا ہے وہ جمہور کا مذہب صواب ہے انشاء اللہ ﷻ۔ چونکہ اس کی ممانعت آپ کی تعظیم و توقیر کے لئے برسبیل احتیاط ہے نہ کہ حرام قرار دینے کے لئے اور اسی بنا پر آپ ﷺ نے اپنے نام پر نام رکھنے کی ممانعت نہیں فرمائی کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے نام سے پکارنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ اللہ ﷻ کا فرمان ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ  
بَعْضِكُمْ  
رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا جو جیسا  
تم میں ایک دوسرے کو پکارتے رہے۔

(۱۸ النور ۶۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اسی لئے تمام مسلمان آپ کو یَا رَسُولَ اللَّهِ اور یَا نَبِیَ اللَّهِ سے پکارتے ہیں اور کبھی آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی کنیت ”ابوالقاسم“ سے بھی کچھ لوگ بعض حالتوں میں پکارتے ہیں۔  
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے وہ روایت نقل کی جو آپ ﷺ کے نام پر نام رکھنے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے اور آپ ﷺ کو اس سے بھی منزه رکھا کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی توقیر نہیں ہے۔  
چنانچہ فرمایا: اپنی اولاد کا نام محمد رکھ کر انہیں برا بھلا بھی کہتے ہو اور مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو خط لکھا کہ نام نبی پر کسی کا نام نہ رکھیں اسے ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا نام محمد تھا اور دوسرا شخص اس کو گالی دے رہا تھا اور اس سے کہہ رہا تھا: اے محمد تیرے ساتھ اللہ ﷻ ایسا کرے اور بتائے۔ اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے محمد بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: میں ایسا نہ دیکھوں کہ تیرے سبب سے (نام محمد کو) گالی دی جائے۔ خدا کی قسم میں محمد کہہ کر کبھی تجھ کو نہ پکاروں گا جب تک میں زندہ ہوں اور ان کا نام عبدالرحمن رکھ دیا اور ارادہ کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں میں سے کسی نام پر نام نہ رکھا جائے اس میں ان کی عزت و تکریم ہے۔ چنانچہ ایسے ناموں کو بدل دیا اور فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام نہ رکھے جائیں۔ پھر آپ ﷺ اس کی ممانعت کرنے سے باز رہے۔

حالانکہ مذہب صواب یہی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد یہ سب نام جائز ہیں اس دلیل سے کہ صحابہ کرام کا اس پر اتفاق رہا ہے اور صحابہ کی ایک جماعت نے اپنی اولاد کا نام محمد یا اپنی کنیت ابوالقاسم

رکھی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اور بلاشبہ حضور ﷺ نے اسم امام مہدی اور ان کی کنیت کی خبر دی ہے اور یہ کہ آپ ﷺ ہی نے محمد بن طلحہ، محمد بن عمرو بن حزم، محمد بن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہم وغیرہ نام مقرر فرمائے تھے اور فرمایا تمہارا کیا نقصان ہے کہ تمہارے گھر میں ایک محمد دو محمد اور تین محمد ہوں۔ ہم پہلے اس بحث کو دو بابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

## پہلا باب

وہ الفاظ جن سے تنقیص و توہین ہوتی ہے

معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ میں اور تم کو تو فتنی خیر دے کہ تمام وہ باتیں جس سے نبی کریم ﷺ کے لئے بطور سب (گالی) بولی جائے یا جس سے آپ ﷺ کی عیب جوئی ہوتی ہو یا آپ ﷺ کی ذات شریفہ یا آپ ﷺ کے دین یا آپ ﷺ کے اسوہ یا آپ ﷺ کے خصال میں سے کسی ایک خصلت میں نقصان لاحق ہوتا ہو یا بطریق سب (گالی) آپ ﷺ پر تعریض یا اس کے مشابہ لفظ بولے یا برسبیل سب و شتم استخفاف یا تحقیر و تصغیر شان کرے یا آپ ﷺ کی نکتہ چینی یا عیب جوئی کرے وہ سب گالی میں شمار ہو گا اور اس کا حکم گالی دینے والے کی طرح حکم قتل ہوگا۔

جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے اور ہم ان اقسام میں سے جو اس مقصد پر ہیں کسی کو مستثنیٰ قرار نہ دیں گے اور نہ اس میں کسی طرح شک و شبہ کریں گے خواہ وہ صراحتاً ہو یا اشارتاً۔ یہی حکم اس شخص کا ہے جو آپ ﷺ پر لعنت کرے یا آپ ﷺ پر بددعا کرے یا آپ ﷺ کے نقصان کا خواہشمند ہو یا آپ ﷺ کی طرف ایسی چیز بطریق مذمت منسوب کرے جو آپ ﷺ کے منصب عالی کے لائق نہ ہو یا آپ ﷺ کی جہت عزیز کی طرف کوئی بیہودہ یا فحش یا بری یا جھوٹ بات کی اضافت کرے یا آپ ﷺ کو کسی ایسی مصیبت یا مشقت کے ساتھ عار دلانے جو آپ ﷺ پر گزری ہو یا ان بعض عوارض بشریہ جن کا صدور آپ ﷺ کی طرف سے جائز یا معہود ہے اس کے سبب سے حقیر جانے۔ (یہ سب آپ کی اہانت و تنقیص میں شمار ہوں گی) ان تمام باتوں پر صحابہ کرام ﷺ سے لے کر آج تک کے علماء و ائمہ فتویٰ کا اجماع رہا ہے (کہ جو کوئی گالی دے یا تنقیص شان کرے اسے قتل کر دیا جائے)۔

۱ سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۵۰ سنن ترمذی کتاب الادب جلد ۴ صفحہ ۲۱۵

۲ سنن ترمذی کتاب المغن جلد ۳ صفحہ ۳۳۳ سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۴ صفحہ ۷۷

ابوبکر بن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے وہ قتل کر دیا جائے۔

اور جو علماء اس کے قائل ہیں ان میں امام مالک بن انس، لیث، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ ہیں اور یہی مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا اقتضاء یہی ہے۔ ان علماء کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور (امام اعظم) ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری و اہل کوفہ اور اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی فرمایا ہے لیکن یہ سب فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے اور اسی کے مثل ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔

اور طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت کی مثل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب سے نقل کیا کہ یہ حکم اس کے لئے ہے جو حضور ﷺ کی تنقیص کرے یا آپ ﷺ سے بیزار ہو یا آپ ﷺ کی تکذیب کرے اور سخون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو آپ کو گالی دے وہ مثل زندق مرتد ہے۔

اسی بنا پر اس کی توبہ قبول کرنے اور اس کی تکفیر کرنے میں اختلاف واقع ہوا کہ آیا اس کا قتل کرنا حد کی بنا پر ہوگا یا کفر کی وجہ سے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ ﷻ دوسرے باب میں اسے بیان کریں گے اور ہمیں ہمعصر علماء اور سلف امت کے مابین ایسے کے مباح الدم ہونے میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔ بلاشبہ بکثرت علماء نے اس کے قتل و کفر پر اجماع نقل کیا ہے اور بعض ظاہریوں نے یعنی ابو محمد علی بن احمد فارسی رحمۃ اللہ علیہ نے استخفاف کرنے والے کی تکفیر میں اختلاف کا اشارہ کیا ہے۔ حالانکہ مشہور روای ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔

محمد بن سخون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ شاتم نبی ﷺ اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الہی کی وعید جاری ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے۔ وَمَنْ شَكَّ فِي كُفْرِهِ وَعَذَابِهِ كَفَرَ یعنی جو اس کے کفر اور مستحق عذاب الہی ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے اور فقیرہ ابراہیم بن حسین بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے ایسوں کے قتل کرنے کے حکم میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مالک ابن نویرہ کو قتل کرنے سے حجت پکڑی ہے کیونکہ مالک ابن نویرہ نے نبی کریم ﷺ کے لئے صاحبکم (تمہارے ساتھی) سے تعریض کی تھی۔

ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو نہیں جانتا جس نے اس کے قتل

کے وجوب میں اختلاف کیا ہو۔ جبکہ وہ مسلمان کہلاتا ہو اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ”کتاب ابن سخون“ اور ”مبسوط“ اور ”غنیۃ“ میں کہا ہے اور اسے مطرف رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ”کتاب ابن حبیب“ میں نقل کیا ہے کہ جو مسلمان نبی کریم ﷺ پر سب و شتم کرے وہ قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ”عحییہ“ میں کہا کہ جو بھی آپ ﷺ کو برا کہے یا گالی دے یا عیب جوئی کرے یا تنقیص شان کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا حکم امت مسلم کے نزدیک قتل زندیق کی مثل ہے کیونکہ بلاشبہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی توفیر اور آپ ﷺ کو بھلائی سے یاد کرنے کو فرض قرار دیا ہے اور ”مبسوط“ میں عثمان بن کنانہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ جس مسلمان نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے یا زندہ سولی پر چڑھا دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور امام (حاکم وقت) کو اختیار ہے کہ چاہے وہ زندہ سولی پر چڑھا دے یا اسے قتل کر دے۔

اور ابی مصعب اور اولیس رحمہما اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو برا کہا یا گالی دی یا عیب جوئی یا تنقیص شان کر دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ ہمیں اصحاب مالک رحمہم اللہ نے خبر دی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے نبی کریم ﷺ کو یا آپ ﷺ کے سوا دیگر انبیاء علیہم السلام کو گالی دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور اصبح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہر حال میں ایسوں کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ چھپا کر کہے یا اعلانیہ کہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اس لئے کہ اس کی توبہ مشہور نہیں ہو سکتی۔

اور عبد اللہ بن عبد الحکم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو بھی نبی کریم ﷺ کو گالی دے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے مثل اشہب رحمۃ اللہ علیہ سے وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی ہے۔

اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ جو یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ کی چادر ایسی ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زرہ دریدہ (گندی) ہے اور اس کی مراد اس سے عیب جوئی ہو تو وہ قتل کر دیا جائے۔

بعض مالکی علماء فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ جس نے کسی نبی کے لئے ویل کی یا کسی

مکروہ شے کی بددعا کی وہ بلا توبہ قبول کئے قتل کر دیا جائے۔

اور ابو الحسن قالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی شخص کے قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے نبی کریم ﷺ کے حق میں حمال (بوجھ اٹھانے والا) ابوطالب کا یتیم کہا تھا۔

اور ابو محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے قتل کرنے کا فتویٰ دیا جو ایسی قوم سے سنے کہ وہ قوم نبی کریم ﷺ کی صفت بیان کر رہی ہو اور اتفاقاً ان میں ایک ایسا مرد گزرے جو بد صورت اور بدریش ہو پھر وہ قوم سے کہے اگر تم حضور ﷺ کی صفت جاننا چاہتے ہو تو دیکھو آپ ﷺ (معاذ اللہ) اس بد صورت اور بدریش گزرنے والے شخص کی طرح تھے۔

ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے کیونکہ اس نے یقیناً جھوٹ بکا اللہ ﷻ کی اس پر لعنت اور ایسی بات کسی سلیم الایمان کے دل سے نہیں نکلتی۔

اور احمد بن ابی سلیمان صاحب سخون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو کہے نبی کریم ﷺ سیاہ فام تھے اسے قتل کر دیا جائے۔ اور انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا کہ جس سے کہا گیا کہ نہیں اور قسم ہے رسول اللہ ﷺ کے حق کی تو اس نے کہا خدا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور کوئی بری بات ذکر کی تو اس سے کہا گیا اے اللہ ﷻ کے دشمن تو کیا بکتا ہے تو اس پر اس نے پہلے سے زیادہ سخت بات کہی پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بچھو مراد لیا تھا۔ اس پر ابن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جواب دیا جس نے ان سے ایسی بات دریافت کی تھی کہ میں گواہی دیتا ہوں اور میں تیرا شریک ہوں مطلب یہ ہے کہ (تو اسے قتل کر دے گا) اس کے قتل و ثواب میں تیرا شریک ہوں۔

حبیب ابن ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ صریح میں دعویٰ تاویل ناقابل قبول ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی توہین و تحقیر ہے اور یہ شخص آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا ادا کرنے والا نہیں ہے لہذا اس کے خون کا مباح ہونا واجب ٹھہرا۔

اور ابو عبد اللہ بن عتاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس عشر لینے والے پر قتل کا فتویٰ دیا جس نے کسی شخص سے کہا تھا۔ مجھے عشر ادا کر دو اور اس کا شکوہ نبی کریم ﷺ سے کرو اور اس نے کہا کہ اگر میں نے مانگا ہے یا نادانی کی ہے تو (معاذ اللہ) حضور ﷺ نے نادانی کی اور انہوں نے مانگا۔

اور فقہائے اندلس نے ابن حاتم طلیطلی کے قتل کرنے اور صولی دینے کا متفقہ فتویٰ دیا کیونکہ اس کے اوپر گواہی گزری کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے حق کا استخفاف کیا ہے کیونکہ اس نے مناظرہ کے دوران حضور ﷺ کو یتیم اور حیدر کا ختن لے کر خطاب کیا تھا اور دعویٰ کیا کہ آپ کا زہد اختیار ہی نہ تھا اور

۱۔ حیدرہ (حضرت علی علیہ السلام) کا خسر

اگر آپ قدرت رکھتے تو طیبات کھاتے اور اس قسم کے اور خرافات بکے تھے۔ (معاذ اللہ)  
اور قیروان کے فقہاء اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب نے ابراہیم فزاری کو قتل کرنے کا فتویٰ  
دیا حالانکہ وہ ایک شاعر اور اکثر علوم کا ماہر تھا۔

اور قاضی ابوالعباس، بن طالب کی مجلس مناظرہ میں حاضر ہوا کرتا تھا پس اس پر بہت سی ایسی  
بے ہودہ باتیں ثابت ہوئیں جس میں اللہ ﷻ انبیاء کرام علیہم السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں  
استخفاف و استہزاء تھا۔ اس پر قاضی یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فقہاء نے اسے عدالت میں طلب کیا اور  
اسے قتل کرنے اور سولی دینے کا حکم دیا چنانچہ اس کے پیٹ میں چھری ماری گئی اور الٹا کر کے سولی دی  
گئی پھر اتارا گیا اور آگ میں جلایا گیا۔

اور بعض مؤرخین نقل کرتے ہیں کہ جب اس کی سولی کا تختہ اٹھایا گیا اور وہ لوگوں کے ہاتھوں  
علیحدہ ہوا تو تختے نے چکر کاٹا اور اسے قبلہ سے پھیر دیا تو یہ تمام کے لئے عبرتناک نشانی تھی اور لوگوں  
نے تکبیر بلند کی پھر ایک کتا آیا اور اس کے خون کو چاٹا۔

اس پر یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا اور آپ ﷺ کی ایک حدیث  
ذکر کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کتا کسی مسلمان کا خون نہیں پیتا ہے۔

قاضی ابو عبد اللہ بن مرابط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کو ہزیمت  
ہوئی تو اس سے توبہ کرائی جائے ورنہ وہ قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے آپ ﷺ کی تنقیص کی۔

اس لئے کہ یہ مسلمان پر جائز نہیں خاص کر آپ ﷺ کے حق میں یہ کہے۔ کیونکہ آپ کو اپنے  
معاملہ کا انجام معلوم اور اپنی عصمت پر یقین تھا۔

حبیب بن ربیع قروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا  
مذہب یہ ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کے حق میں ایسی بات کہے جس میں تنقیص شان ہو اسے بلا توبہ لئے  
قتل کر دیا جائے۔

ابن عتاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت دونوں اس شخص کے قتل کو واجب ٹھہراتے  
ہیں۔ جو نبی کریم ﷺ کی ایذا یا منقصت کا ارادہ کرے خواہ وہ تعریضاً ہو یا تصریحاً اگرچہ کم ہی کیوں نہ  
ہو۔

ثابت ہوا کہ ہر اس بات سے جن کو علماء نے گالی یا منقصت میں شمار کیا ہے۔ اس کے قائل  
کو قتل کرنا واجب ہے۔ اس میں متقدمین و متاخرین علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اختلاف ہے بھی تو



اس میں جس کا ہم نے اشارہ کیا (یعنی بلا توبہ لئے قتل کیا جائے یا توبہ قبول نہ کی جائے وغیرہ) اور اسے ہم بعد میں بھی بیان کریں گے۔

علیٰ ہذا القیاس میں کہتا ہوں کہ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو آپ ﷺ پر کوئی عیب لگائے یا آپ ﷺ کے بکری چرانے یا سہو و نسیان یا سحر یا وہ زخم جو آپ ﷺ کو کبھی کبھی لگے یا جو بعض لشکروں کو ہزیمت ہوئی یا جو آپ ﷺ کے دشمن سے اذیت پہنچی یا اہل زمانہ سے جو تکلیف پہنچی یا جو بیویوں کی طرف آپ ﷺ کا میلان تھا وغیرہ سے آپ ﷺ کو عار دلوائے۔ پس ان تمام باتوں کا حکم جو آپ ﷺ کی اس کے ذریعہ تنقیص شان کا ارادہ کرے قتل کر دینا ہے۔ اس بارے میں علماء کے مذاہب کچھ تو گزر چکے اور آگے بھی آرہے ہیں جو اسی پر دلالت کریں گے۔

## پہلی فصل

### دلائل وجوبِ قتل

اب وہ دلائل بیان کئے جاتے ہیں جس کی بنا پر اس شخص کا قتل واجب ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے یا عیب لگائے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ ﷻ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کو ایذا پہنچائے (اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ) اللہ ﷻ نے آپ کی ایذا رسانی کو اپنی ایذا رسانی کے ساتھ ملایا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو آپ کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔ بلاشبہ لعنت کا وہی مستوجب ہوتا ہے جو کافر ہو اور کافر کا حکم قتل ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ (پ۲ الاحزاب ۵۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور مومن کے قاتل کے لئے بھی ایسا ہی فرمایا ہے لہذا دنیا میں اس کی لعنت قتل ہے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مَلْعُونِينَ ۖ اَيْنَمَا تُقْفُوا اُخِذُوا وَقْتِلُوا

پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کئے جائیں۔ (پ۲ الاحزاب ۶۱) (ترجمہ کنز الایمان)

اور لڑنے والوں کے بارے میں اور ان کی سزا کے بیان میں اللہ ﷻ فرماتا ہے:

ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا

یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے۔

(پ۱ المائدہ ۳۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور کبھی قتل کے معنی لعنت کے آتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

قِيلَ الْخَرَاصُونَ. (پ۱۲ لڈرنت ۱۰) مارے جائیں گے دل سے تراشنے والے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

قَتَلَهُمُ اللَّهُ ۗ أَنَّى يُؤْفَكُونَ. اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے کیے جاتے ہیں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۲ التوبہ ۳۰)

مطلب یہ کہ اللہ ﷻ ان پر لعنت کرے اور اس لئے ان دونوں کی ایذا اور مومنین کی ایذا کے مابین فرق ہے کہ مومنین کے ایذا کی سزا قتل سے کم مارنا اور پیٹنا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ اور اس کے نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے والے کی سزا اس سے سخت ہے اور وہ قتل ہے۔

اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيهَا شَجَرًا بَيْنَهُمْ. تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔

(پ۱۲ النساء ۶۵) (ترجمہ کنز الایمان)

پس اللہ ﷻ نے ایمان کے نام کو سلب کر لیا جس کے سینہ میں آپ ﷺ کے فیصلہ پر تنگی پائی جائے اور اسے وہ تسلیم نہ کرے اور جس نے آپ ﷺ کی تنقیص کی بلاشبہ اس نے اس حکم کو توڑا اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالِكُمْ. اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور چلا کر بات نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں۔

(پ۱۲ الحجرات ۲) (ترجمہ کنز الایمان)

حالانکہ عمل کو صرف کفر ہی ضائع کرتا ہے اور کافر قتل کیا جاتا ہے اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَإِذَا جَاءُوكَ حَيُّوكَ بِمَا لَمْ يُحْيِكَ بِهِ اللَّهُ. اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو ان لفظوں سے تمہیں مجرا کرتے ہیں جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے۔

(پ۱۲ المجادلہ ۸) (ترجمہ کنز الایمان)

پھر فرمایا:

حَسَبُهُمْ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

انہیں جہنم بس (کانی) ہے اس میں وہ دھنسیں گے  
تو کیا ہی برا انجام۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(پ۲۸ الجادلہ ۸)

اور فرمایا:

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ

اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں  
دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ کان

اذن“ ۝ (پ۲۹ التوبہ ۶۱)

میں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پھر فرمایا:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ

وہ لوگ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے  
لئے دردناک عذاب ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(پ۲۹ التوبہ ۶۱)

اور فرمایا:

وَلَسِنُ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ

اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں کہ ہم تو  
یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی  
آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ  
بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کہ۔

(پ۳۱ التوبہ ۶۶-۶۵)

(ترجمہ کنزالایمان)

مفسرین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے جو تم نے کہا ہے وہ تم نے کفر کیا ہے۔ اب  
رہا جماع کا حال! تو ہم نے پہلے اسے بیان کر دیا ہے لیکن حدیثوں کا حال یہ ہے کہ  
حدیث: سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بالا سند مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس  
نے کسی نبی کو گالی دی تو اسے قتل کر دو اور جس نے کسی میرے صحابی کو گالی دی تو اسے مارو۔  
اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی  
نسبت آپ نے فرمایا: وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا ہے اور اس کی طرف اس شخص کو بھیجا  
جس نے دھوکہ دے کر بغیر دعوت اسلام قتل کر دیا بخلاف اس کے سوا دوسرے مشرکین کے۔ (کہ انہیں  
بغیر دعوت اسلام قتل کا حکم نہ فرمایا) اس کی علت یہ بتائی کہ وہ آپ کو ایذا دیتا تھا تو یہ خصوصیت کے ساتھ اس پر

دلالت کر رہی ہے کہ اس کا قتل شرک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اذیت رسانی کی بنا پر تھا۔

یہی حال ابورافع کے قتل کا ہے۔ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتا تھا اور دشمنوں کو آپ کے خلاف ابھارتا تھا۔ اسی طرح آپ نے فتح مکہ کے روز ابن حطل اور اس کی ان دونوں باندیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو آپ کو گانے میں گالیاں دیا کرتی تھیں۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۶۲، صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۵، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۰)

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دیا کرتا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون وہ شخص ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے۔ تب خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں بھیجا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۵۹)

اسی طرح آپ ﷺ نے اس گروہ کفار کو قتل کرنے کا حکم فرمایا جو آپ ﷺ کو ایذا دیتا اور گالی دیتا تھا جیسے نفر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ اور فتح مکہ سے پہلے اور بعد ایک گروہ کفار کے قتل کرنے کا وعدہ صحابہ سے لیا۔ چنانچہ وہ سب قتل کر دیئے گئے بجز اس کے جو اس پر گرفت سے پہلے اسلام میں سبقت کر گیا اور بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ عقبہ بن ابی معیط نے پکارا: اے گروہ قریش! کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے درمیان گھر کر قتل ہو رہا ہوں۔ (مجمع الرواہ جلد ۶ صفحہ ۸۹) اس پر نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اپنے اس کفر و افتراء کی وجہ سے جو اللہ ﷻ کے رسول ﷺ پر باندھتا تھا۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے۔ اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اس سے لڑے اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کو گالی دیتی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے تو اس کی طرف سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نکلے اور اسے قتل کر دیا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

اور مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اس کی طرف بھیجا تا کہ یہ دونوں اس کو قتل کر دیں۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۸۲، عبدالرزاق فی جامع جلد ۱ صفحہ ۲۶)

اور ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں نے اپنے باپ کو آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہتے سنا تو میں نے اسے قتل کر دیا تو یہ بات نبی کریم ﷺ پر گراں گزری۔

مہاجر بن ابی امیہؓ کو جو سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی جانب سے یمن کے والی تھے خبر پہنچی کہ اس جگہ مرتدین میں سے ایک عورت ہے جو گانے میں نبی کریم ﷺ کو گالی دیتی ہے۔ تو انہوں نے اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور اس کے اگلے دانت اکھیڑ ڈالے۔ جب اس کی خبر سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو پہنچی تو ان سے فرمایا:

کاش اگر تم ایسا نہ کرتے تو یقیناً میں تم کو اس عورت کے قتل کرنے کا حکم دیتا۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی حد دیگر حدود کے مشابہ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنی ہظمہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی بد گوئی کرتی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میری جانب سے اس کا بدلہ لے؟ تب اس کی ہی قوم کے ایک مرد نے کہا: میں حاضر ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! تو آپ ﷺ نے انہیں بھیجا تو انہوں نے اسے قتل کر ڈالا اور آپ ﷺ کو خبر دی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: دو بکریاں سینگ نہیں مارتیں (محادۃ عرب میں یہ ایک مثل ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک نابینا کی ام ولد (باندی) تھی جو حضور ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اس پر وہ اسے ڈانٹتا جھڑکتا تھا مگر وہ باز نہ آتی تھی۔ چنانچہ ایک رات جب وہ حضور کو گالیاں دینے لگی تو اس نابینا نے اسے قتل کر دیا اور آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس کے خون کو ضائع کر دیا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الحدود جلد ۲ صفحہ ۵۲۸، سنن نسائی کتاب التحریم الدم جلد ۷ صفحہ ۱۰۷)

ابی برزہ اسلمی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ ایک دن میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے ایک مسلمان مرد پر غصہ فرمایا۔ قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ نے اس حدیث میں بیان کیا کہ اس نے سیدنا ابو بکرؓ کو گالی دی تھی اور اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ میں (یعنی ابو برزہ) سیدنا ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک شخص پر ناراض ہو رہے تھے اور اس نے ان کو جواب دیا۔ تب میں نے عرض کیا: اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماروں۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ کیونکہ یہ بات سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے لئے جائز نہیں۔ قاضی ابو محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر کسی نے مخالفت نہیں کی۔

۱ سنن ابوداؤد کتاب الحدود جلد ۲ صفحہ ۵۳۰، سنن نسائی کتاب التحریم الدم جلد ۷ صفحہ ۱۰۷

اسی حدیث سے ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کو ناراض کرے خواہ وہ کسی قسم کا ہو یا آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائے یا آپ ﷺ کو گالی دے اسے قتل کر دینا چاہئے۔

اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کوفہ کے والی کو ایک خط میں تحریر فرمایا۔ چونکہ والی کوفہ نے آپ سے اس شخص کے بارے مشورہ طلب کیا تھا جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی تو اس کے جواب میں لکھا کہ لوگوں میں سے کسی کو گالی دینے کے سبب کسی مرد مسلم کا قتل حلال نہیں ہے۔ بجز اس شخص کے جو رسول اللہ ﷺ کو گالی دے۔ تو جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اس کا خون حلال ہے۔

ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص کے بارے استفسار کیا جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تھی اور ذکر کیا کہ فقہائے عراق رحمہم اللہ نے تو کوڑے مارنے کا فتویٰ دیا ہے۔ اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے غضبناک ہو کر فرمایا:

اے امیر المومنین کسی نبی کو گالی دینے کے بعد وہ امت میں باقی نہیں رہتا اسے قتل کر دینا چاہئے اور جو اصحاب نبی ﷺ کو گالی دے اس پر کوڑے مارنے چاہئیں۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قسم کی روایتیں بکثرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں ان کے اصحاب سے منقول ہیں اور مؤلفین اخبار وغیرہ نے بیان کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ عراق کے وہ کون سے فقہاء ہیں جنہوں نے ایسا فتویٰ دیا ہے حالانکہ ہم نے عراقیوں کا مذہب بھی بیان کر دیا ہے کہ وہ بھی قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسا کوئی فقیہ ہو جو مشہور نہ ہو یا یہ کہ اس کے فتوے پر اعتماد نہ کیا جاتا ہو یا اس کا میلان اپنی خواہشات کی طرف ہو یا یہ کہ اس نے سب (گالی) پر محمول نہ کیا ہو اور اس میں اختلاف ہو۔ آیا اس میں گالی ہے یا نہیں! یا یہ کہ قائل نے اپنی گالی سے رجوع و توبہ کر لی ہو۔ پس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اسے بالکل ذکر نہ کیا ہو ورنہ اجماع تو یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اسے قتل کر دیا جائے۔ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا۔

اور یہ بات بھی ہے کہ باعتبار نظر و فکر بھی یہ دلالت کر رہی ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو گالی دی یا آپ ﷺ کی تنقیص شان کی تو اس کے دل کے مرض کی علامت ظاہر ہو چکی اور اس کا سر باطن اور کفر آشکارا ہو چکا۔ اسی بنا پر اکثر علماء نے ردّ کا حکم نہیں دیا۔ یہ امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ سے شامیوں کی روایت ہے اور ایک قول ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ اور علماء کوفہ رحمہم اللہ کا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دلیل اس کے کفر کی ہے لہذا حد اسے قتل کر دیا جائے۔ اگرچہ اس کے

کفر کا بغیر اس کے حکم نہیں کیا جاتا کہ وہ اپنے قول کا پابند ہو یا حضور ﷺ کے لئے اپنے قول کا منکر ہو اور نہ اس سے باز آتا ہو لہذا ایسا شخص کافر ہی ہے خواہ اس کا قول صریح کفر ہو جیسے تکذیب وغیرہ یا کلمات استہزاء زم ہوں اور وہ اس کا معترف ہو اور اس سے توبہ نہ کرتا ہو۔ تو یہ دلیل اسی بات کی ہے کہ وہ ان کلمات کو حلال جانتا ہے اور ان کلمات کا حلال جاننا کفر ہے اور قائل کافر ہے بلا اختلاف۔ اللہ ﷻ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ط وَلَقَدْ قَالُوا  
كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ .  
وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کیا اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی۔

(پا التوبہ ۷۴) (ترجمہ کنز الایمان)

مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ ”جو کچھ کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر حق ہے تو ہم گدھے سے بدتر ہیں۔“ ایک قول یہ ہے ان میں سے کسی نے یہ کہا کہ ہماری مثال اور حضور ﷺ کی مثال نہیں ہے مگر یہ کہ بقول قائل (معاذ اللہ) ایک فریبہ کتا جو تجھ کو کھاتا ہے اور یہ کہ انہوں نے کہا کہ  
لَسِنٌ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَا الْأَعْرُ  
ہم مدینہ پھر کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے وہ اس میں سے نکال دے گا اسے جو نہایت

(پا المنفقون ۸) ذلت والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہا گیا ہے کہ جس نے یہ کہا تھا اگرچہ اس نے اسے چھپایا تھا مگر اس کا حکم زندیق کا ہے کہ قتل کیا جاتا اور یہ اس لئے کہ اس نے اپنا دین بدل ڈالا ہے بلاشبہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنا دین (اسلام) بدل ڈالے تو اس کی گردن مار دو اور اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ کی حرمت کا حکم اپنی امت کی حرمت سے بہت زیادہ ہے حالانکہ آپ ﷺ کی امت کی حرمت کو گالی دینے والے پر حد جاری ہوتی ہے تو لا محالہ وہ شخص جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے اس کی سزا قتل ہی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی عظمت و منزلت بہت بلند اور آپ ﷺ کا مرتبہ امت کے مرتبہ (بلکہ ساری مخلوق کے مرتبہ سے) کہیں زیادہ ہے۔

## دوسری فصل

بعض یہود و منافقین کے قتل نہ کرنے کی حکمت

اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم ﷺ نے اس یہودی کو قتل کیوں نہیں کرایا جس نے آپ کو الائمہ علیکم کہا تھا حالانکہ یہ آپ ﷺ پر بددعا ہے اور نہ اس کو قتل کرایا جس نے کہا تھا کہ یہی وہ تقسیم ہے جس کا

اللہ ﷺ نے ارادہ کیا ہے؟ کیونکہ اس سے حضور ﷺ کو ایذا دینا چاہتا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے بہت زیادہ حضرت موسیٰ الطیئریؑ ایذا دیئے گئے ہیں مگر انہوں نے صبر فرمایا۔ اور نہ ان منافقین کو قتل کرایا جو بسا اوقات حضور ﷺ کو ایذا میں پہنچاتے رہتے تھے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷺ ہمیں تم کو توفیق خیر دے کہ نبی کریم ﷺ ابتدائے اسلام میں ایسے لوگوں کو تالیف قلوب کرتے اور ان کو اپنی طرف مائل کرتے اور ایمان کو جاگزیں کرتے اور اس کی خوبی ظاہر کرتے اور ان کے دلوں میں اسے رچاتے اور ان کی خاطر مدارت کرتے تھے اور آپ ﷺ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو تمہارے پاس آسان کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ کہ نفرت دلانے کے لئے اور فرماتے کہ آسانی اختیار کرو مشقت میں نہ پڑو اطمینان حاصل کرو نفرت نہ کرو اور فرماتے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ حضور ﷺ تو اپنے ہی ہمنشین کو قتل کرتے تھے۔

آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کفار و منافقین کی مدارت کرتے ان سے حسن اخلاق اور حسن سلوک کا برتاؤ کرتے اور ان کی اذیتوں کو برداشت کرتے اور ان کے جو روستم پر صبر فرماتے تھے جو کہ آج ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ان پر صبر کریں مگر آپ ﷺ ان پر داد و دہش اور نرمی کا سلوک فرماتے تھے۔ اسی بناء پر اللہ ﷺ نے آپ کو حکم فرمایا کہ

وَلَا تُزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ط إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ. (پ المائدہ ۱۳) ان سے درگزر کرو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

ادْفَعِ بِلْتِي هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ. (پ تم السجدہ ۳۴) برائی کو بھلائی سے ٹال جھمی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا گہرا دوست۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ حالت ابتدائے اسلام میں تالیف قلوب کے لئے لوگوں کو ضرورت کے لحاظ سے تھی تا کہ وہ کلمہ طیبہ پر جم جائیں جب اسلام مستحکم ہو گیا اور اللہ ﷺ نے تمام دینوں پر اسلام کو غالب کر دیا تب آپ ﷺ نے حسب بقدرت انہیں قتل کرایا اور اللہ ﷺ کا حکم مشہور فرمایا جیسا کہ آپ نے ابن نطل کے ساتھ کیا اور وہ عہد لیا جو فتح مکہ کے روز ان کے قتل کے لئے تھا اور یہود وغیرہ میں جن پر آپ ﷺ قادر ہوئے ان کو دھوکہ اور بزور قتل کرایا اور ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کی محبت میں داخل اور مظہرین اسلام کی



جماعت میں شامل نہ تھے اور وہ آپ ﷺ کو ایذا میں پہنچاتے تھے انہیں قتل کرایا جیسے کہ ابن اشرف ابو رافع تضر اور عقبہ وغیرہ اور اسی طرح ان کے سوا اور لوگوں کے خون کو ضائع فرمایا جیسے کہ کعب بن زہیر اور زبن زبیری وغیرہ جو کہ آپ کو ایذا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ فرمانبردار ہو کر جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے۔

اور منافقین کی حالت چونکہ مخفی تھی اور آپ ظاہر پر ہی حکم لگایا کرتے تھے اور ان (بیہودہ) کلمات کو انہیں سے جو انہیں کے ہم مشرب تھے پوشیدہ طور پر کہتے تھے اور جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھاتے اور جو انہوں نے کہا اس کے منکر ہو جاتے تھے۔

وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ . بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پا التوبہ ۷۴)

علاوہ بریں آپ ﷺ آرزو رکھتے تھے کہ وہ اسلام کی طرف رجوع کر لیں اور توبہ کر جائیں اسی لئے آپ ﷺ نے ان کی اہانتوں اور ان کے جو رستم پر صبر فرمایا جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے بکثرت لوگوں نے اسلام کو دل سے قبول کر لیا اور دل سے وہ مخلص ہو گئے اور ان کا ظاہر و باطن یکساں بن گیا۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے ان میں سے بہت سے لوگوں سے نفع پہنچایا اور بکثرت لوگ دین کے حامی و مددگار اور معین ناصر ہو گئے۔ جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے۔

یہی جواب ہمارے بعض ائمہ رحمہم اللہ اس سوال میں دیتے ہیں اور کہا کہ ممکن ہے کہ جب یہ معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا ہو تو آپ ﷺ پر ان کے اقوال کا (شرعی) ثبوت نہ ملا ہو اور جس نے یہ بات آپ ﷺ تک پہنچائی ہو وہ مرتبہ شہادت (شرعی) اس باب میں کامل نہ ہو مثلاً بچہ ہو یا غلام یا عورت ہو۔ کیونکہ خون بہانا دو عادل (گواہان) کی شہادت سے مباح ہوتا ہے اور اسی پر یہود کا وہ کلمہ محمول کرنا چاہئے جو اس نے السَّامُ عَلَيْكُمْ کہا تھا ممکن ہے کہ وہ اس کلمہ کو منہ موڑ کر کہتے ہوں اور اسے صاف نہ کہتے ہوں۔ کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ صرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی اس پر مطلع ہوئیں۔ اگر وہ صاف طور پر اسے کہتے تو صرف ایک فرد ہی کو معلوم نہ ہوتا۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہود کے کردار، صدق کی کمی اور ان کی خیانت پر ہوشیار فرمایا کہ وہ سلام کرنے میں سچے نہیں ہیں وہ اپنی زبانوں کو نرم کر کے دین میں طعنہ زنی کے طور پر کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: یہود جب تم کو سلام کرتے ہیں تو السَّامُ عَلَيْكُمْ کہتے ہیں تو تم بھی عَلَيْكُمْ

کہہ دیا کہ۔

ہمارے بعض بغداد کے علماء نے فرمایا: حضور ﷺ کو منافقین کے بارے میں جو علم تھا محض اپنے علم کی بنا پر انہیں قتل نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے نفاق پر کوئی ثبوت شرعی قائم نہ ہوتی تھی۔ اس وجہ میں ان کو چھوڑ دیا گیا۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ ان کا نفاق سرِ باطنی تھا اور ان کی ظاہری حالت اسلام و ایمان پر تھی اور عہد و پڑوس کے سبب اہل ذمہ میں داخل تھے اور ان کا اسلامی دور بہت قریب تھا اور انہیں (پوری طرح) کھرے اور کھوٹے میں امتیاز حاصل نہ تھا۔

باوجود مذکورہ حالت اور متہم بالنفاق ہونے کے عرب میں جماعت مومنین اور صحابہ سید المرسلین اور دین کے مددگاروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اب اگر ان کی ظاہری حالت کے بموجب نبی کریم ﷺ باطن کے نفاق اور ان باتوں کی بنا پر جو ان سے ظاہر ہوتی تھیں اور اس علم کی وجہ سے جو وہ دلوں میں چھپاتے تھے قتل کر دیتے تو ضرور نفرت کرنے والا وہی کچھ کہتا اور یقیناً نے دین شک میں پڑ جاتے اور معاندین باتیں بناتے اور آپ کی صحبت اور دخول اسلام میں بکثرت ڈرنے لگتے۔ یقیناً گمان کرنے والا گمان کرتا اور دشمن ظالم خیال کرتا کہ آپ کا قتل کرنا دشمنی اور بدلا لینے کے لئے تھا۔

اور جو مفہوم و معنی میں نے بیان کئے ہیں وہی امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ باتیں نہ بنائیں کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کو قتل کرتے ہیں اور فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جن کے قتل کرنے سے اللہ ﷻ نے مجھے منع فرمایا اور یہ حکم ان ظاہری احکام کے برخلاف ہے جو ان پر جاری ہیں مثلاً زنا کے حدود اور قصاص قتل وغیرہ کیونکہ وہ تو ظاہر ہیں اور ان کے علم میں ہے کہ یہ سب کے لئے برابر ہے۔

محمد بن موزار رحمہ اللہ نے کہا اگر منافقین کا نفاق ظاہر و ثابت ہو جاتا تو نبی کریم ﷺ ضرور قتل کر دیتے۔ اسے قاضی ابوالحسن بن قصار رحمہ اللہ نے نقل کیا اور قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ. (پ۲ الاحزاب ۶۵) اگر باز نہ آئیں منافق (ترجمہ کنز الایمان)

باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ ﷺ کو ان پر برا بیچتے کریں گے پھر ان کو اقامت نصیب نہ ہوگی مگر تھوڑے دن ملعون ہو کر جہاں کہیں وہ پائے جائیں گے پکڑ کر قتل کر دیے جائیں گے۔ یہ خدا کی سنت ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ اپنا نفاق ظاہر کر دیں گے اور محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے کہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَأُغْلظْ عَلَيْهِمْ ط (پ۱ التوبہ ۷۳)

اے نبی کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔

(ترجمہ کنز الایمان)

ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا اس قول میں یعنی ”یہی وہ تقسیم ہے جس سے اللہ ﷻ کی رضامندی مراد ہے؟ اور اس کا یہ قول ہے کہ انصاف فرمائیے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے پرطن و تہمت کا مفہوم نہ لیا ہو بلکہ اسے دنیا داروں کی مصلحت کی طرح رائے اور امور دنیاوی میں ایک غلطی خیالی فرمائی ہو اور اس سے آپ ﷺ نے گالی دینا مراد نہ لی ہو یعنی یہ ان اذیتوں میں سے ہو جس کو آپ ﷺ معاف کرتے اور ان پر صبر فرماتے رہے ہیں۔

لہذا اسی بنا پر آپ ﷺ نے اسے سزا دی اور اسی طرح اس یہودی کے بارے میں کہا جاتا ہے جبکہ انہوں نے السَّامُ عَلَيْكُمْ (آپ پر موت ہو) کہا کیونکہ اس میں بھی صریح گالی اور بددعا نہیں ہے (چونکہ وہ منہ میں پھیر کر بولتے تھے) مگر وہی جو کہ ضروری ہے یعنی وہ موت جو کہ عام انسانوں کے لئے لازمی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ مراد ہو کہ تمہارا دین غم زدہ ہو کیونکہ السَّامُ اور السَّائِمَةُ کے معنی ملال کے ہیں اور اس پر بددعا ہو جس نے دین کو چھوڑا ظاہر ہے یہ صریح گالی نہیں ہے اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے باب میں یہ ترجمہ باندھا کہ یہ اس امر کا باب ہے کہ یہودی وغیرہ نے حضور ﷺ کو اشارۃً گالی دی ہے۔

ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اشارۃً گالی نہیں ہے بلکہ یہ اشارۃً اذیت ہے۔ قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ کے حق میں گالی اور اذیت برابر ہے۔ قاضی ابو محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں بعض وہ جوابات دیتے ہوئے جو گزر چکے۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کیا یہ یہودی ذمی یا معاہد میں سے تھا یا حربی اور محتمل امور میں مقتضائے دلالت کو چھوڑا نہیں جاتا۔ لہذا ان تمام باتوں میں سب سے بہتر اور اظہر وہ وجہ ہے جس سے تالیف قلب اور دین میں مدارات مراد لی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا یہ ترجمہ باب باندھا کہ ”باب اس بیان کا کہ خوارج کو تالیف کے لئے اور اس لئے کہ لوگ آپ ﷺ سے نفرت نہ کریں قتل نہ کرنا۔“ حالانکہ یہی مطلب ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بیان کر چکے ہیں۔

اور بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے یہودی کے جادو اور زہر پر صبر فرمایا اور یہ فعل تو گالی سے بڑھ کر ہے۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی نصرت فرمائی اور آپ ﷺ کو اذن دیا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیں جنہوں نے اس کی مدد کی اور ان کو ان کے قلعوں سے نکال دیں اور اللہ ﷻ نے ان کے دلوں میں

رعب ڈال دیا اور اللہ ﷻ نے انہیں سے جسے چاہا جلا وطنی مقدر کر دی اور ان کے شہروں سے انہیں نکلا دیا ان کے گھروں کو انہیں کے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے برباد کرایا اور انہیں علی الاعلان برا بھلا کہا گیا چنانچہ کہا کہ اے بندروں اور خنزیر کے بھائیو اور ان کا فیصلہ مسلمانوں کی تلواروں سے کرایا۔ ان کو ان کے پڑوسیوں سے نکال دیا اور مسلمانوں کو ان کی اراضیات مکانات اور اموال کا مالک بنا دیا تاکہ اللہ ﷻ کا بول بالا اور کفار کا بول نیچا ہو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حدیث صحیح میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی اپنی جان کا بدلہ نہیں لیا بجز اس کے کہ جہاں حرمت الہی پامال ہوتی ہو۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۵۱، صحیح مسلم کتاب لفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۱۳) تو اللہ ﷻ کے لئے بدلہ لیا۔

تو (جواب میں) معلوم ہونا چاہیے یہ حدیث اس کی مقتضی نہیں کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ ﷺ کو گالی دی یا اذیت پہنچائی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ کیونکہ یہ بھی تو ان حرمت الہیہ میں سے ہے جس کا بدلہ لینا چاہئے اور بلاشبہ آپ ﷺ نے اپنی جان و مال اور قول و افعال کا بدلہ نہیں لیا جن کا تعلق سوء ادب یا معاملات سے ہے جس سے فاعل کا مقصد اذیت و گالی نہیں تھا جو اہل عرب کی سابقہ سرشت کی بنا پر تھی کہ وہ ظلم و جفا اور نادانی کے خوگر تھے۔ یا وہ کہ انسان جس کا عادی ہوتا ہے۔

جیسے کہ اس بدوی کا قصہ جس نے آپ ﷺ کی چادر مبارک اتنے زور سے کھینچی کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک پر نشان پڑ گیا۔ یا جیسے کہ آپ ﷺ کے حضور میں کوئی جہیر الصوت اونچی آواز سے بولے یا جیسے کہ اس بدوی نے آپ ﷺ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا جسے آپ ﷺ نے خرید لیا تھا۔ جس پر ابن خزیمہ نے گواہی دی تھی اور آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیسے گواہی دیتے ہو (کیونکہ اس وقت موجود نہ تھے) اس پر ابن خزیمہ نے عرض کیا چونکہ آپ ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ ہیں اس لئے آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں جبکہ ہم نے آپ ﷺ کے فرمان پر توحید الہی پر ایمان لے آئے تو یہ تو ایک معاملہ ہے اس میں آپ ﷺ کیسے صادق نہ ہوں گے یا جیسے کہ آپ ﷺ کی دونوں بیویوں کے اتفاق کرنے پر اور بھی اسی قسم کی باتیں ہیں جن سے آپ نے درگزر فرمانا بہتر سمجھا۔

۱ صحیح بخاری کتاب التمس جلد ۴ صفحہ ۷۵ صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۳۱

۲ جامع ترمذی کتاب الزحد جلد ۲ صفحہ ۲۳ کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۲۰۵ ابن حبان جلد ۱ صفحہ ۲۸۶

۳ صحیح بخاری کتاب الاجارہ جل ۴ صفحہ ۶۹-۶۸ کتاب الاطعمہ جلد ۷ صفحہ ۷۰ صحیح مسلم کتاب الاطعمہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۱

ہمارے بعض علماء (ماکی) فرماتے ہیں کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا حرام ہے اور افعال اباحتہ میں بھی یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کا یہ حال ہے کہ ان کو فعل مباح سے ایذا دینا وہ بات ہے کہ انسان سے ایسا فعل جائز ہے اگرچہ دوسرے اس سے ایذا محسوس کریں۔ انہوں نے اللہ ﷻ کے اس فرمان کی عمومیت سے استدلال کیا کہ

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.  
جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(۲۲ الاحزاب ۵۷)

اور حضور ﷺ کے اس فرمان سے جو حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے استدلال کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا ایک ٹکڑا ہے جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ خبردار میں اسے حرام قرار نہیں دیتا جسے اللہ ﷻ نے حلال فرمایا لیکن اللہ ﷻ کے رسول ﷺ کی بیٹی اور اللہ ﷻ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک شخص پر جمع نہ ہوگی یا وہ اس قسم کی ایذا ہو جو کافر سے پہنچے اور آپ ﷺ اس کے بعد اس کے اسلام لانے کی تمنا کریں جیسے اس یہودی کو معاف فرما دینا جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا اور اس بدوی سے درگزر کرنا جس نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا یا اس یہودی سے چشم پوشی کرنا جس نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے قتل کر دیا اسی قبیل سے وہ اذیتیں ہیں جو آپ ﷺ کو اہل کتاب اور منافقین وغیرہ سے پہنچی تھیں اور ان سے آپ نے درگزر کیا بایں امید کہ اس میں ان کی اور دوسروں کی تالیف ہو۔ جیسا کہ ہم نے بتوفیق الہی پہلے بیان کیا۔

## تیسری فصل

### بلا قصد اہانت و تحقیر کا حکم

قاضی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ جو قصداً حضور ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی تحقیر کرے یا آپ ﷺ پر عیب لگائے خواہ وہ کسی وجہ سے ہو ممکنات میں سے ہو یا محالات میں سے اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک کھلی وجہ ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک وجہ دوسری بھی نکلتی ہے جو بیان وضاحت میں اسی کے ساتھ شامل ہے وہ یہ کہ کہنے والے نے آپ ﷺ کے بارے میں بغیر قصد و ارادہ کے گالی دی یا تحقیر کی اور وہ اس کا معتقد بھی نہیں ہے۔ لیکن اس نے آپ

ﷺ کے بارے میں وہ بات کہی جو کلمہ کفر ہے یعنی (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر لعنت کی یا گالی دی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی یا وہ بات منسوب کی جو کہ آپ ﷺ پر جائز نہ تھی یا اس چیز کی نفی کی جو آپ ﷺ کے لئے واجب و ضروری تھی۔

یہ تمام باتیں وہ ہیں جن سے نبی کریم ﷺ کے حق و مرتبہ کی تنقیص لازم آتی ہے مثلاً اس نے گناہ کبیرہ یا تبلیغ رسالت یا لوگوں کے درمیان کسی حکم میں مدہانت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی یا آپ ﷺ کی مرتبت شرافت نسبی و وفور علم یا آپ ﷺ کے زہد و درع سے غصہ بصر یعنی چشم پوشی اور پہلو تہی کی یا اس چیز کی تکذیب کی جو آپ ﷺ کی مشہور خبروں میں سے ہے یا متواتر جزوں کے رد کرنے کا قصد کیا یا آپ ﷺ کے لئے بیوقوفی کی بات کہی یا ایسا قبیح کلمہ بولا جو گالی کی قسم میں ہوا اگرچہ آپ ﷺ کے حال میں دلیل کے ساتھ ہوا اور اس سے آپ ﷺ کی برائی یا گالی دینے کا قصد و ارادہ نہ ہو ان میں کسی ایک بات کا قائل سے صادر ہونا خواہ وہ جہالت کی وجہ سے ہو یا جبر و سکر (نشہ) نے اس پر اسے برا بیچتہ کیا ہو خواہ بے پردہ ہی زبان پر قابو نہ رکھنے یا کمی حافظہ یا طلاق لسانی کی وجہ سے ہو، تو اس دوسری وجہ کا حکم بھی پہلی وجہ کے حکم کے موافق ہے۔ کہ اسے بھی بلا توقف قتل کر دیا جائے۔

اس لئے کہ کفر میں کسی کے لئے جہالت عذر نہیں بن سکتی اور نہ زبان کی لغزش اور نہ کسی اور عذر کا دعویٰ جس کو ہم نے بیان کیا قابل سماعت ہے جبکہ اس کی عقل و فطرت صحیح و سالم ہو بجز اس صورت کہ جس پر جبر و اکراہ ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور یہی فتویٰ علماء اندلس نے ابن حاتم پر دیا جس نے نبی کریم ﷺ کے زہد کی نفی کی تھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

محمد ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ قیدی جو دشمن کی حراست میں ہو پھر وہاں وہ حضور ﷺ کو برا بھلا کہے قتل کر دیا جائے۔ مگر اس صورت میں قتل نہ کیا جائے جبکہ اس کا نصرانی ہونا یا مجبور ہونا معلوم ہو جائے۔ ابو محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان امثال میں لغزش زبان کے دعویٰ کو عذر نہ قرار دیا جائے۔

اور ابو الحسن قابلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے قتل کا فتویٰ دیا جس نے نشہ کی حالت میں آپ ﷺ کو گالی دی تھی کیونکہ اس پر یہ گمان ہے کہ وہ اس کا معتقد تھا اور بحالت ہوش یہی کہے گا اور یہ بھی بات ہے کہ نشہ حد کو ساقط نہیں کرتا مثلاً حد قذف، قتل اور باقی تمام حدود شرعیہ اس لئے کہ نشہ کو اس نے خود اپنے پر طاری کیا ہے چونکہ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جو شراب پیتا ہے اس کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ باتیں کرتا ہے جو منکر و ممنوع ہیں۔ لہذا وہ اسی حکم میں ہے جو قصداً کرے کیونکہ یہ نشہ اس کا خود اختیاری

ہے اسی بنا پر تو ہم طلاق، عتاق، قصاص اور حد و دوا کو لازم کرتے ہیں۔

اس (مسلمہ) قاعدے پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو معارضہ میں نہ پیش کیا جائے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہا تھا کیا تم میرے باپ کے غلام نہیں ہو۔

(صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۴ صفحہ ۶۲، کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۷۰)

راوی کا کہنا ہے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ وہ نشہ میں ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ شراب حرام نہیں ہوئی تھی اور اس کے پینے میں گناہ نہ تھا۔ اس وقت تک اس حالت میں جو بات صادر ہوتی تھی وہ معاف تھی۔ جیسا کہ نیند یا غیر مختل دوا کے پینے کے بعد ظاہر ہو۔

## چوتھی فصل

### ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کا حکم

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں کی قصداً تکذیب کرے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی نفی کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے۔ چاہے اس کے بعد وہ کسی دوسرے دین و ملت میں جائے یا نہ جائے بہر حال وہ بالاجماع کافر اور واجب القتل ہے۔

اس کے بعد غور کیا جائے گا پس اگر وہ اس پر اصرار کرتا ہے تو اس کا حکم مرتد کے حکم کے مشابہ ہوگا اور اس کی توبہ قبول کرنے میں قوی اختلاف ہے اور دوسرے قول کی بنا پر اس کی توبہ اس پر حکم قتل کو ساقط نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے۔ اگر اس نے کوئی تنقیص کی بات ذکر کی مثلاً جھوٹ وغیرہ اگرچہ اس نے اسے پوشیدہ کہا ہو تو اس کا حکم زندیق جیسا ہے کہ ہمارے نزدیک توبہ اس کے حکم قتل کو ساقط نہیں کرتی۔ جیسا کہ عنقریب ہم اسے بیان کریں گے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری ظاہر کی یا آپ کی تکذیب کی تو وہ مرتد حلال الدم ہے۔ بجز اس کے کہ وہ رجوع کرے۔

ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) اس مسلمان کے بارے میں کہتے ہیں جس نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی یا رسول نہیں یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل نہیں ہوا اور یہ کہ قرآن تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اقوال ہیں اسے قتل کر دیا جائے۔ ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس مسلمان نے

رسول اللہ ﷺ سے کفر و انکار کیا تو وہ بمنزلہ مرتد کے ہے۔ اسی طرح جس نے اعلانیہ آپ ﷺ کی تکذیب کی وہ بھی مرتد کے حکم میں ہے اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اسی طرح انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جو خود ساختہ نبی بنے اور گمان کرے کہ اس کی طرف وحی (نبوت) آتی ہے (تو وہ مرتد اور قابل قبول توبہ ہے) اور یہ سخون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خواہ وہ (خود ساختہ نبی) اس کی اعلانیہ دعوت دے یا پوشیدہ طور پر۔ بقول اصبح رحمۃ اللہ علیہ وہ مرتد ہے کیونکہ اس نے کتاب الہی سے کفر و انکار کیا اور اللہ ﷻ پر افتراء باندھا ہے۔ اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے اس یہودی کے بارے میں کہا جس نے نبوت کا (جھوٹا) دعویٰ کیا یا اس نے گمان کیا کہ وہ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے یا یہ کہ تمہارے نبی کے بعد نبی ﷺ ہے تو اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ اسے اعلانیہ کہتا ہے تو اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا کہ لانیسی بعدی (میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہے) جھٹلانے والا ہے اور اپنے دعوائے نبوت و رسالت میں اللہ ﷻ پر افتراء باندھتا ہے۔

محمد بن سخون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جو کچھ بھی اللہ ﷻ کی جانب سے لائے ہیں اس میں جس نے ایک حرف کا بھی شک کیا وہ کافر و منکر ہے اور کہا کہ جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اس کا حکم امت کے نزدیک قتل ہے۔

سخون رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب احمد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ (معاذ اللہ) سیاہ فام تھے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ آپ ﷺ سیاہ فام نہ تھے اسی طرح ابو عثمان حدّ اور حمہ اللہ نے کہا اور فرمایا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ آپ ﷺ داڑھی آنے سے پہلے وفات پا گئے یا یہ کہ آپ ﷺ مقام تہرت میں تھے نہ کہ مکہ مکرمہ میں تو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ یہ نفی ہے۔

حبیب ابن ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی کسی صفت یا آپ ﷺ کے کسی مقام کو تبدیل یا اس میں تغیر کرنا کفر ہے اور اس کے ظاہر کرنے والا کافر ہے اور اس میں توبہ طلب کرنا ہے اور اس کا چھپانے والا زندیق ہے بغیر توبہ قبول کئے قتل کر دیا جائے۔

## پانچویں فصل

مشتبہ اور محتمل اقوال کا حکم

چوتھی وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل اپنے کلام میں ایسی مجمل بات کہے یا گفتگو میں ایسا مشتبہ لفظ



بولے جو نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر محمول ہو سکتا ہو اور لفظ کی مراد میں اشتباہ واقع ہو کہ آیا وہ برائی سے خالی ہے یا نہیں تو یہی مقام محل نظر و فکر اور تعبیرات متخیر ہیں جس میں مجتہدین کا اختلاف اور مقلدین کے بچانے میں وقوف ہے تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

چنانچہ ان میں سے بعض علماء پر تو نبی کریم ﷺ کی عظمت و حرمت غالب ہے اور انہوں نے آپ ﷺ کی عظمت و حرمت کے میلان کی حمایت کی ہے اور ایسے کے قتل کرنے کی جرأت کی ہے اور بعض علماء وہ ہیں جنہوں نے مشتبه اور محتمل اقوال میں حرمت دم (قتل سے بچنے) کو بڑا جانا اور حد کو دور کیا ہے۔

ہمارے ائمہ (مالکی) نے اس شخص کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس نے اپنے قرض خواہ سے کہا کہ حضور ﷺ پر درود پڑھ اس پر قرض خواہ مذکور نے کہا کہ خدا اس پر درود نہ بھیجے جس نے آپ پر درود بھیجا اس پر سخون رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ کیا وہ ایسا ہی ہے جس نے حضور پر یا ان فرشتوں پر جو آپ پر درود بھیجتے ہیں گالی دی ہے۔ کہا نہیں! جبکہ اس نے غصہ کی حالت میں کہا ہو کیونکہ وہ دل سے گالی نہیں دے رہا ہے اور ابواسحاق برقی اور اصبح بن الفرخ رحمہم اللہ نے کہا اسے قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ اس نے تو لوگوں کو گالی دی ہے۔ یہ قول سخون رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے اس لئے کہ انہوں نے غصہ کی حالت میں بھی حضور ﷺ پر (صریح) گالی کو عذر قرار نہیں دیا لیکن اس صورت میں جبکہ ان کے نزدیک کلام مشتبه اور محتمل ہو اور اس کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا نہ ہو جو حضور ﷺ پر یا فرشتوں پر گالی دینا دلالت کرتا ہو اور نہ پہلے سے کوئی ایسی بات ہو جس پر یہ کلام مشتبه محمول ہوتا ہو بلکہ قرینہ دلالت کرتا ہو کہ اس سے مراد لوگ ہیں نہ کہ وہ حضرات! کیونکہ اس سے دوسرے شخص نے کہا کہ صَلَّ عَلٰی النَّبِيِّ (حضور پر درود بھیج) تو اس کا جواب اور اس کی گالی اس شخص پر محمول ہوگی جو اس کے کہنے پر اس وقت درود بھیجے کیونکہ اس دوسرے نے ہی اس کو غصے میں اس کا حکم دیا۔ سخون رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی مطلب ہے اور اسی کے موافق ان دونوں عالموں کا کہنا ہے۔

اور قاضی حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا اس مثال میں مذہب یہ ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے اور ابوالحسن قابلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں توقف کیا جس نے کہا کہ ”ہر کمانے والا دیوٹ ہے اگرچہ وہ نبی و رسول ہی کیوں نہ ہو۔“ اس پر انہوں نے خوب سختی سے باندھنے اور اس پر شدت و سختی کرنے کا حکم فرمایا یہاں تک کہ وہ اپنا مفہوم الفاظ بتا دے کہ ان لفظوں سے اس کی کیا مراد

ہے کیا وہ موجودہ زمانہ کے کرنے والے مراد لے رہا ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ موجودہ زمانہ میں کوئی نبی و رسول نہیں تو اس صورت میں اس کا حکم آسان ہے اور کہا اگر اس کے لفظوں کی مراد عام ہے یعنی گزشتہ و آئندہ کے ہر کمانے والا اس کی مراد ہے تو چونکہ گزشتہ زمانہ میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام بھی کمانے والے تھے (تو اس کا وہی حکم ہے) کہتے ہیں اور جب تک کسی مسلمان پر صاف طور پر بات واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے قتل میں جلدی نہ کرنی چاہئے اور جہاں کہیں تاویلات وارد ہوتے ہوں تو ضروری ہے کہ اس میں غور و فکر کیا جائے۔ یہی مطلب ان کے کلام کا ہے۔

ابو محمد بن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے کہا کہ اہل عرب پر اللہ ﷻ کی لعنت یا بنی اسرائیل پر اللہ ﷻ کی لعنت یا بنی آدم پر اللہ ﷻ کی لعنت۔ تو انہوں نے بیان کیا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام مراد نہ ہوں گے بلکہ ان میں سے ظالم لوگ ہی مراد ہوں گے۔ ایسے شخص پر سلطان کی رائے کے مطابق تادیب کرنی چاہئے۔

اسی طرح اس شخص کے بارے میں انہوں نے فتویٰ دیا جس نے کہا کہ اس پر اللہ ﷻ کی لعنت جس نے شراب حرام کی اور کہے کہ میں نہیں جانتا کس نے حرام کی (اور ایسا ہی فتویٰ اسی شخص کے بارے میں دیا) جس نے حدیث ”لَا بَيْعُ حَاضِرٍ لِبَآئِدٍ“ پر لعنت کی یا اس پر لعنت کی جو اسے لایا ہے تو اگر وہ جاہل ہے اور سنن (احادیث) کی معرفت نہیں رکھتا ہے تو اسے معذور جان کر دردناک تادیب کا مستحق قرار دیا جائے گا جبہ اس کی یہ ہے کہ بظاہر اس نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دینا نہیں چاہا بلکہ اس نے اس شخص پر لعنت کی ہے جس نے لوگوں میں اس کی حرمت بیان کی ہے جیسا کہ خونِ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ پہلے گزر چکا۔

یہ معاملہ بھی ویسا ہی ہے جو عام طور پر بے وقوف لوگوں میں رائج ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کی بد خوئی کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی باتوں سے ان کے آباؤ اجداد میں بہت سے نبی بھی شامل ہو جاتے ہیں بلکہ بعض گنتیاں اور شمولیتیں تو سیدنا آدم ﷺ تک جا کر ختم ہوتی ہیں اس بنا پر وہ زجر و توبیخ کا سزاوار بنتا ہے اور اس کی جہالت کی باتوں کو ظاہر کیا جائے اور اس میں خوب سختی سے سزا دی جائے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کی گالی کا قصد کیا ہے جو اس کے آباؤ اجداد میں داخل ہیں تو وہ قتل کر دیا جائے۔

بعض اوقات اس قسم کے مسائل میں کلام کرنا اور حکم دینا بھی دشوار ہوتا ہے۔ (مثلاً) اگر کسی شخص نے کہا کہ اللہ ﷻ بنی ہاشم پر لعنت کرے اور کہے کہ میں نے تو ان کے ظالم لوگ مراد لئے ہیں یا

حضور ﷺ کی اولاد میں سے کسی شخص کے بارے میں کہے کہ اس کے آباؤ اجداد یا اس کی نسل یا اس کی اولاد میں ہی بری باتیں چلی آ رہی ہیں اور اسے معلوم بھی ہو کہ وہ حضور ﷺ کی اولاد میں سے ہے اور ان دونوں مسئلوں میں کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے اس کے آباؤ اجداد کے بعض افراد کی تخصیص کا مقتضی ہو جس کی بنا پر اس کی گالی سے جس کو وہ دے رہا ہے حضور ﷺ مستثنیٰ کئے جاسکیں۔

اور ابو موسیٰ بن مناس رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے دیکھا۔ انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی سے کہا تھا کہ تجھ پر حضرت آدم علیہ السلام کی لعنت ہو۔ اگر اس سے یہ بات ثابت ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

قاضی (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الہی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ہمارے مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے اپنے مخالف گواہ سے کہا کہ تو نے مجھ پر اتہام رکھا ہے۔ اس پر دوسرے نے کہا: نبیوں پر بھی تہمت لگائی گئی ہے۔ تیری کیا حیثیت ہے۔ تو اس صورت میں ہمارے مشائخ میں سے شیخ ابو اسحاق بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے قتل کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ اس کا ظاہر لفظ شنیع ہے اور قاضی ابو محمد بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے قتل سے توقف رکھتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک اس لفظ میں یہ احتمال ہے کہ اس نے یہ خبر دی ہو کہ کفار نے ان پر تہمت رکھی اور اس مسئلہ میں قاضی قرطبہ ابو عبد اللہ بن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کا فتویٰ دیا اور قاضی ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سخت و طویل قید کا حکم دیا پھر اس کے بعد اس سے قسم لی کہ جو کچھ اس کے برخلاف کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی گواہی میں ضعف واقع ہوا ہے جو اس کے برخلاف گواہی دیتے ہیں۔ اس کے بعد اسے چھوڑا۔

(قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں اپنے شیخ قاضی ابو عبد اللہ بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے قضا کے دوران موجود تھا کہ ایک شخص لایا گیا کہ اس نے کسی ”محمد“ نامی شخص سے بے ہودہ بات کہی پھر ایک کتے کی طرف متوجہ ہو کر اپنے پاؤں سے مارا اور کہا:

اے محمد کھڑا ہو۔ پھر اس نے اس کا انکار کیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا۔ اس پر ایک جماعت نے اس کے خلاف گواہی دی تو انہوں نے اسے قید کرنے کا حکم دیا اور تفتیش حال کا حکم دیا کہ کیا وہ کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہا ہے جس کی دینی حالت میں شک و شبہ ہو جب اسے ایسا نہ پایا جس سے اس کی دینی اور اعتقادی حالت میں شبہ ہو سکے تو کوڑے مار کر چھوڑ دیا۔

## چھٹی فصل

### امثال سے گالی دینے کا حکم

پانچویں وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل نے نہ تو تنقیص کا قصد کیا اور نہ عیب لگانے یا گالی دینے کا ارادہ کیا لیکن اس سے حضور ﷺ کی کسی صفت کا پتہ لگتا ہو یا آپ ﷺ کی کسی ایسی حالت کا جن کی نسبت دنیا میں آپ ﷺ پر جائز تھی بطریق ضرب المثل اور اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے دلیل بنا کر بطور استشہاء بیان کرے یا اس سے تشبیہ دینے کے لئے ذکر کرے یا اس ظلم و نقصان کو بیان کرے جو آپ ﷺ کو پہنچے ہیں جس میں اطاعت نہیں ہے اور نہ بطریق تحقیق ہے بلکہ اس کا یہ مقصد ہو کہ اس طرح اپنی یا دوسرے کی بلندی ظاہر ہو یا تمثیل میں اپنی فوقیت مقصود ہو اور نبی کریم ﷺ کی عظمت و توقیر مقصود نہ ہو یا آپ ﷺ کے کسی قول سے تمسخر و ہنسی مقصود ہو۔

مثلاً کوئی قائل یہ کہے کہ مجھ میں برائی کہی جاتی ہے تو یہ بات تو نبی کے لئے بھی کہی گئی ہے یا یہ کہے اگر میں جھٹلایا گیا ہوں تو انبیاء علیہم السلام بھی جھٹلائے گئے ہیں یا یہ کہے اگر میں نے گناہ کیا ہے تو ان کی طرف بھی تو گناہ کی نسبت کی گئی ہے یا یہ کہے میں لوگوں کی زبانوں سے کیا بچوں گا حالانکہ انبیاء و رسل علیہم السلام بھی نہ محفوظ رہے یا یہ کہے میں نے صبر کیا جس طرح اولوالعزم نے صبر کیا یا یہ کہے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کیا یا یہ کہے اللہ ﷻ کے نبی نے بھی اپنے دشمنوں پر صبر کیا اور میرے صبر سے زیادہ برداشت کیا۔ جیسا کہ متنبی کا قول ہے۔

أَنَا فِي أُمَّةٍ تَدَارَكُهَا اللَّهُ غَرِيبٌ كَصَالِحٍ فِي ثَمُودٍ

میں اس امت میں مسافر ہوں جس کا تدارک اللہ ﷻ نے کیا ہے جیسے قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام تھے۔

اسی طرح کے وہ اشعار جو حد سے متجاوز ہو کر کلام میں بے پرواہی اور سستی کرتے ہیں۔ جیسے معری کا شعر ہے۔

كُنْتُ مُوسَى وَأَفْتَهُ بِنْتُ شَعِيبٍ غَيْرَ أَنْ لَيْسَ فِيكُمْ مِنْ فُقِيرٍ

تم اس موسیٰ کی طرح ہو جن کے پاس حضرت شعیب کی صاحبزادی آئی تھی مگر یہ کہ تم دونوں میں کوئی فقیر نہیں ہے۔ (معاذ اللہ) اس شعر کا دوسرا مصرعہ سخت ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی عیب و تحقیر میں داخل ہے اور اس میں غیر نبی کو حال کے نبی پر فوقیت ہے۔ اسی طرح شاعر کا یہ شعر ہے کہ

لَوْلَا انْقِطَاعُ الْوَحْيِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ قُلْنَا مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِيهِ بَدِيلٌ

اگر حضور کے بعد وحی منقطع نہ ہوئی تو ہم کہتے کہ محمد اپنے والد کے بدل ہیں۔

هُوَ مِثْلُهُ فِي الْفَضْلِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَأْتِهِ بِرِسَالَةِ جِبْرِيلَ

وہ فضیلت میں ان کی مثل ہیں بجز اس کے کہ رسالت کے ساتھ جبریل عليه السلام ان کے پاس

نہیں آئے۔

اس فصل کے دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ سخت ہے کیونکہ اس نے نبی ﷺ پر غیر نبی کو فضیلت دی

ہے اور اس کے دوم مصرعہ میں دو وجہوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اس فضیلت نے ممدوح کو ناقص کر دیا

اور دوسری یہ کہ اس سے اس کو مستغنی کر دیا اور یہ تو بہت ہی سخت ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر ہے۔

وَإِذَا مَا رُفِعَتْ رَأْيَاتُهُ صَفَقَتْ بَيْنَ جَنَاحِي جِبْرِيلَ

اور جب اس کے جھنڈے اونچے ہوتے ہیں تو وہ جبریل عليه السلام کے دونوں پروں میں حرکت

کرتے ہیں اور ایک ہم عصر کا یہ شعر ہے کہ۔

فَرُّ مِنَ الْخُلْدِ وَاسْتَجَارِ بِنَا فَصَبَّرَ اللَّهُ قَلْبَ رِضْوَانَ

وہ جنت سے بھاگ کر ہماری پناہ میں آیا تو اللہ ﷻ جنت کے دل کو صبر دے۔

اسی طرح شعراء اندلس میں سے حسان مصیصی کا یہ شعر محمد بن عباد المعروف بہ معتمد اور اس

کے وزیر ابو بکر بن زیدوں کے لئے ہے۔

كَانَ أَبَا بَكْرٍ أَبُو بَكْرِ الرَّضَا وَحَسَانُ حَسَانٌ وَأَنْتَ مُحَمَّدٌ

ابو بکر تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح ہیں اور حسان مثل حسان کے ہیں اور تم محمد کی طرح۔

(معاذ اللہ)

اسی طرح کے اور بھی اشعار ہیں باوجودیکہ اسی قسم کے شواہد کا ذکر کرتا ہماری طبیعت پر سخت

گراں تھے لیکن ہم نے صرف اس لئے ان کا ذکر کرنا مناسب جانا کہ لوگ ایسے ہزلیات سے بچیں

کیونکہ اکثر لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں اور اس خطرناک باب میں داخل ہونے کو آسان جانتے

ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس میں کتنا گناہ ہے اور اس امر میں کلام کرتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے اور

اسے آسان سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ ﷻ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے بالخصوص شعراء (کہ وہ تو بہت زیادہ

گوہوتے ہیں) اور ان میں سب سے زیادہ صاف کہنے والا چرب زبان ابن ہانی اندلسی اور ابن سلیمان

معری ہے بلکہ ان دونوں کا اکثر کلام تو حد استحفاف، نقص اور صریح کفر سے متجاوز ہے بلکہ ہم نے اس کا

جواب بھی دیا ہے مگر اس وقت چونکہ ہمارا مقصد اس فعل میں صرف ان مثالوں کو لانا تھا جن سے انبیاء علیہم السلام کے حق میں گالی بنتی تھی نہ یہ کہ ہم اس کا احصار کرتے جن سے کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی منقصدت کی نسبت ہوتی ہے۔ (معاذ اللہ) باستثنا معری کے آخری شعر کے اور اس کے قائل نے تحقیر اور تصغیر نبی کا ارادہ کیا ہے کہ اس نے نہ تو نبوت کی توقیر کی اور نہ عظمت رسالت کو ملحوظ رکھا اور نہ حرمت برگزیدگی کی قدر کی اور نہ منزلت کہ امت کا اکرام کیا۔ یہاں تک کہ اس نے جس کو چاہا اس کو کرامت میں شامل کر دیا یا اس مصیبت اور منقصدت میں جس کے انتفا کا اس نے کسی کے لئے ارادہ کیا مجلس کا دل خوش کرنے کے لئے یا کسی مثل کے بیان کرنے کے لئے یا تحسین کلام کے لئے کسی وصف میں غلو کیا اور اپنے کلام میں کسی معظم و مقدس ہستی سے تشبیہ دے دی۔ جس کی قدر و منزلت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری امت پر اللہ ﷻ نے فرض کی ہے اور اس کے حضور میں بلند آواز سے بولنے اور پکارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

گو ایسے (یادہ گو شاعر وغیرہ) لوگوں سے قتل تو مندفع (دفع کیا گیا ہے) ہے مگر ان کی تادیب اور قید کرنا ضروری ہے اور شاعت لفظ اور کلام میں قباحت وغیرہ کے اقتضاء کے موافق اور جیسی اس کی عادت اور قرینہ یا ندامت ہو اس کے مطابق اس کی سزا واجب ہے اور متقدمین ہمیشہ اس قسم کی مثالوں کی برائی بیان کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہارون رشید نے ابو تو اس کے اس شعر پر اعتراض کیا۔

فَانْ يُّكُّ بَاقِي سِحْرِ فِرْعَوْنَ فِيكُمْ  
فَانْ عَصَا مُوسَى بَكْفٍ خَصِيْبٍ

چنانچہ ہارون رشید نے ابن اللخفاء سے کہا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ساتھ استہزاء کرتا ہے اور اسی رات اپنے لشکر سے نکال دینے کا حکم دیا اور قبسی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں اس پر اس کے سوا اور بھی مواخذے ہوئے ہیں اور اس میں اس کی تکفیر کی گئی یا جو محمد امین کے بارے میں کہا تھا اسے قریب بکفر کہا چونکہ اس نے اس کو حضور ﷺ کے ساتھ تشبیہ دی تھی۔ چنانچہ اس نے کہا۔

تَنَازَعُ الْأَحْمَدَ إِنْ الشُّبَّةَ فَاسْتَبَهَا  
خَلَقًا وَخُلُقًا كَمَا قَدْ الشِّرَاكَانَ

(ترجمہ) دونوں احمدوں نے صورت و اخلاق کی مشابہت میں جھگڑا کیا اور باہم مشابہ بن گئے جس طرح دو تسمے (ایک ہی چیز سے) کائے جاتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اور علماء نے اس پر بھی برا کہا ہے کہ

كَيْفَ لَا يُذْنِبُكَ مِنْ أَهْلِ مَنْ رَسُولِ اللَّهِ مِنْ نَفَرِهِ

(ترجمہ) وہ شخص جس کا رسول اللہ ﷺ قراہتی ہے تیری خواہش کو کیسے قریب نہ کرے گا۔

اس لئے کہ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ کا حق اور آپ کی عظمت و علوم مرتبت کا وجود یہ ہے کہ کسی

شے کو آپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے یہ نہیں کہ آپ کو کسی شے سے منسوب کیا جائے۔ لہذا اس اس قسم کے سائل کا حکم وہی ہے جسے ہم حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کے فتوؤں سے پہلے مفصل بیان کر چکے ہیں۔

”کتاب نوادر“ میں ابن مرہم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس شخص کے بارے میں ہے جس نے کسی شخص کو فقیری کی عار دلائی اس پر اس نے کہا کہ تو مجھے فقیری کی عار دیتا ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے بکریاں چرائی ہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بلاشبہ اس نے نبی کریم ﷺ کا ذکر بے موقع کیا میرے خیال میں اسے سزا دینی چاہئے اور فرمایا: کسی گنہگار کو زیبا نہیں ہے جب اسے کوئی تشبیہ کرے تو کہے ہم سے پہلے نبیوں سے بھی خطائیں ہوئی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شخص سے کہا: میرے لئے کسی ایسے کاتب کو تلاش کرو جس کا باپ عربی ہو۔ اس پر کاتب نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کے والد تو کافر تھے۔ اس پر کہا: تو نے یہ بہت بری مثال دی۔ چنانچہ اسے معزول کر دیا اور کہا: کبھی میری کتابت نہ کرنا۔

اور سخون رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب کے وقت حضور ﷺ پر درود بھیجنے کو مکروہ کہا مگر بطریق ثواب اور طلب اجر اور آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم کے لئے جس طرح کہ اللہ ﷻ نے ہمیں حکم فرمایا۔

قالی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی بد صورت سے کہا کہ تو نکیر کی طرح ہے (مکرتکیر دفرشتے ہیں) یا کسی بد خلق سے کہا تو تو مالک غضبان (داروغہ جہنم) کی طرح ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے۔ نکیر تو وہ ہے جو قبر میں آتے ہیں کیا اس سے مراد اس کا ڈرانا ہے کہ جب وہ آیا تو اس کا چہرہ دیکھ کر ڈر گیا یا اس کی بد صورتی دیکھ کر مکروہ جانا پس اگر یہ بات ہے تو بہت سخت ہے کیونکہ قائم مقام تحقیر و توہین کے ہے اس کی سزا سخت ہے۔

اور اس میں صراحت کے ساتھ فرشتہ کو گالی دینا نہیں ہے۔ گالی تو صرف مخاطب پر پڑتی ہے اور بیوقوفوں کی حماقت کی سزا کوڑے اور قید ہے لیکن داروغہ جہنم مالک علیہم السلام کا ذکر کرنا تو اس نے ظلم کیا کہ بوقت انکار دوسرے کی بد خلقی پر ان کا ذکر کیا مگر اس بد خلق سے کہو وہ اس کی بد خلقی سے ڈرے اگر کہنے والے نے بطریق ذم اس کے فعل و لزوم ظلم کو اس مالک فرشتے سے جو اپنے رب ﷻ کا فرمانبردار ہے اس کے فعل سے تشبیہ دی اور کہے کہ وہ اللہ ﷻ کے لئے مالک کا سا غضب کرتا ہے تو پھر یہ بات ہلکی ہو جائے گی اور اس کو ایسے شخص پر گرفت نہ کی جائے گی اور اگر بد خلق پر اس کی بد خلقی کی مالک ﷻ کی صفت کے ساتھ تشبیہ دے اور اس کی صفت کو بطریق دلیل لائے تو یہ بات سخت ہوگی

تو اسے سخت سزا دی جائے گی حالانکہ اس میں فرشتہ کی مذمت نہیں ہے اور اگر مذمت کی نیت سے کہا تو یقیناً قتل کیا جائے گا۔

ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس جوان کی بات کو برا جانا جو بھلائی کے ساتھ مشہور تھا جس نے ایک شخص سے کہا تھا کہ تو چپ رہ کیونکہ تو ان پڑھ ہے۔ اس پر جوان نے کہا تھا کیا نبی کریم ﷺ اُمی نہ تھے اور لوگوں نے اسے کافر کہا اور وہ جوان اپنے قول پر غمزہ ہو گیا اور ان کے سامنے ندامت کا اظہار کیا اور تب ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس پر کفر کا اطلاق تو خطا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کا اُمی ہونا تو آپ ﷺ کا معجزہ ہے اور اس شخص کا اُن پڑھ (اُمی) ہونا اس کی جہالت اور نقصان ہے اور یہ اسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ حضور ﷺ کی صفت (اُمی ہونے سے) اس نے استدلال کیا۔

لیکن جبکہ وہ معترف ہو کر استغفار و توبہ کرے اور خدا کی پناہ تلاش کرے تو اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کا قول حد قتل تک نہیں پہنچتا اور اسے سزا بھی نہ دینی چاہئے اس لئے کہ اپنے فعل پر اس کا شرمندہ ہونا سزا سے باز رکھتا ہے اور یہ مسئلہ اسی مسئلہ کے قائم مقام ہے جس میں اندلس کے ایک قاضی نے شیخ قاضی ابو محمد بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا تھا جس نے کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کی تھی تو اس نے اس سے کہا کہ تو برا عیب بیان کرتا ہے حالانکہ میں ایک بشر ہوں اور تمام بشر کو عیب لاحق ہے یہاں تک کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو بھی۔

تو انہوں نے اس پر طویل قید اور سزا دینے کا فتویٰ دیا کیونکہ اس نے گالی دینے کا قصد نہیں کیا حالانکہ اندلس کے بعض فقہاء نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا تھا۔

## ساتویں فصل

### بطور حکایت نقل کفر کا حکم

چھٹی وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل اسے کسی دوسرے سے حکایت کرے اور اس سے دوسرے نقل کریں تو اس میں صورت حکایت اور قرینہ کلام پر غور کیا جائے گا۔ ان اختلاف کی وجہ سے ان کا حکم بھی چار قسموں پر مختلف ہوگا۔ اول وجوب دوم مستحب سوم مکروہ چہارہ حرام۔

اگر کسی نے قائل کے کلام کو بطور شہادت اور قائل کے جتانے اور اس کے قول کے انکار و اطلاع کے لئے کہ اس پر نفرت و جرح کی اور اس کو نقل کیا تو اس مقصد کے لئے قائل سزاوار تحسین و تعریف ہے۔



اسی طرح اگر کسی نے کسی کتاب یا مجلس میں اس کے قائل پر رد یا اعتراض کرنے اور اس پر اس امر کا فتویٰ دینے کی غرض سے بیان کیا جس کا وہ مستحق ہے تو یہ بھی لائق تحسین ہے۔  
اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واجب اور دوسرا حسب حالات۔ حاکمی (حکایت کرنے والا) اور محکمی  
عنه (جو روایت کی گئی) مستحب ہے۔

پس اگر قائل ان لوگوں میں سے ہو جو اس امر کے متعمد ہیں کہ اس سے لوگ تحصیل علم کرتے ہیں یا روایت حدیث لیتے ہیں اور اس کے حکم یا شہادت پر حکم دیا جاتا ہے یا وہ حقوق العباد میں فتوے دیتا ہے تو اب سامع پر واجب ہے کہ اس سے جو سنے اس کی اشاعت کرے اور لوگوں کو اس قول شنیع سے نفرت دلائے اور اس پر اس کے مقولہ کی گواہی دے۔

اسی طرح ان ائمہ مسلمین پر بھی واجب ہے جس کسی کو بھی اس مقولہ کی اطلاع پہنچے تو مقولے کی قباحت اور اس کے کفر و فساد کو ظاہر کرے تاکہ مسلمانوں سے اس کا ضرور نقصان دور ہو اور سید المرسلین ﷺ کا حق قائم ہو۔

اسی طرح ان لوگوں پر بھی لازم ہے جو عام لوگوں میں وعظ کرتے ہیں اور بچوں کی اتالیقی (استادی) کرتے ہیں۔ کیونکہ جس کی یہ عادت بن گئی ہے (کہ وہ رسول اللہ ﷺ یا کسی امر و نہی کی تحقیر و تنقیص کرے) تو اس سے لوگ کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اپنی یہ خباثت نہ بٹھائے۔ اس لئے ان سب لوگوں پر واجب و لازم ہے کہ حق نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی شریعت کے حق کی حفاظت کریں اور اگر قائل اس قبیل کا نہیں ہے تو بھی نبی کریم ﷺ کے حق اور آپ کی حمایت کے لئے کھڑا ہونا واجب ہے۔  
اس لئے کہ ہر مسلمان پر نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہری اور حیات باطنی میں حمایت و نصرت آپ ﷺ کی اذیت میں واجب و ضروری ہے لیکن جب اس کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو جائے اور اس کی وجہ سے حق ظاہر اور قضیہ منکشف اور حقیقت واضح ہو جائے تو اس وقت دوسروں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اب اس معاملہ میں تکثیر شہادت اور اس سے لوگوں کے ڈرانے اور خبردار کرنے میں استجاب رہ جاتا ہے۔

اور تمام سلف کا اس پر اجماع ہے کہ جو متہم فی الحدیث ہو اس کا حال ظاہر کرنا لازم ہے تو پھر ایسے شخص کے عیوب کو (جس نے کفر یا تحقیر و تنقیص وغیرہ کی ہو) کیونکہ نہ بیان کیا جائے۔

ابو محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ایسے گواہ کے بارے میں دریافت کیا جس نے اللہ ﷻ کے حقوق میں یا وہ گوئی سنی تھی کیا اسے جائز ہے کہ وہ اس کی شہادت نہ دے۔ فرمایا: اگر یہ امید ہو کہ اس کی

شہادت سے حکم نافذ ہو جائے گا تو وہ ضرور شہادت دے۔  
 اسی طرح اگر اسے یہ علم ہو کہ اس کی شہادت پر قاضی اور حاکم قتل کا حکم نہیں دے گا یا اس کی  
 توبہ قبول کر لے گا یا تعزیر لگائے گا تو بھی اسے شہادت دینی ضروری ہے اور اس پر ادائے شہادت لازم  
 ہے۔

اب رہی اباحت! تو وہ یہ ہے کہ وہ اس مقولہ کو ان دونوں مقصدوں کے علاوہ کسی اور غرض  
 سے حکایت کرے تو یہ میرے خیال میں یہ اس بات سے متعلق نہیں ہے جب تک کہ کوئی غرض شرعی نہ  
 ہو۔

اور یہ کسی شخص کو جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عزت و آبرو میں کلام کرے یا خود اپنے  
 سے یا کسی دوسرے سے آپ ﷺ کا ذکر برائی کے ساتھ کرے لیکن وہ اغراض جو پہلے بیان کئے جا چکے  
 ہیں تو انہیں وجوب و استحباب دونوں جاری ہیں بلاشبہ اللہ ﷻ نے ان مفتریوں کے مقولے کی نقل و  
 حکایت فرمائی ہے جنہوں نے اللہ ﷻ پر اور اس کے رسول ﷺ پر افترا باندھا تھا اور ان پر وعیدیں اور  
 ان کی تردیدیں نازل کی ہیں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں ہم پر اس کی تلاوت فرمائی ہے۔  
 اسی طرح ان وجوہ سابقہ پر ان کی مثالیں نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں اور  
 کفار ملحدین کے مقولوں کو اپنی کتاب اور مجلسوں میں نقل و حکایت کرنے پر تمام علماء و ائمہ سلف و خلف کا  
 اجماع ہے تاکہ انہیں بیان کر کے ان کے شبہات کو توڑیں۔

اگرچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حارث بن اسد پر بعض امور میں انکار فرمانا  
 وارد ہے کیونکہ خود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقوال کا رد کیا ہے جن کو فرقہ جہمیہ جو خلق قرآن کا  
 قائل ہے نے کہا ہے اور ان کفار و فجار کے اقوال کی حکایت کر کے رد کیا جو انہوں نے پھیلا رکھا ہے۔  
 اب رہی یہ بات کہ کوئی شخص ان وجوہ کو کسی اور نہج پر حکایت کرے۔ مثلاً آپ ﷺ پر گالی یا  
 آپ ﷺ کی منقصد کو ایسے طریقہ پر حکایت کرے جس طرح قصہ کہانی، عوام کی بات چیت، ان کی  
 رعب و یابس باتیں، ان کی ہنسی مذاق، دل لگی اور نا سمجھوں کی سفیہانہ حرکتوں کو بیان کیا جاتا ہے وغیرہ تو  
 یہ سب باتیں ممنوع ہیں اور بعض تو ممانعت و عقوبت میں بہت سخت ہیں۔

چنانچہ ایسے مقولہ کی حکایت کرنے والے کچھ تو ایسے ہیں جو بلا قصد اور بغیر جانے پہچانے کہ  
 اس حکایت میں کتنی برائی ہے نقل کر دیتے ہیں یا یہ کہ اس کی عادت ایسی نہیں ہے یا یہ کہ وہ کلام ہی اتنا  
 شنیع نہیں ہے اور حکایت کرنے والے کی حالت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اسے اچھا جانتا اور پسند کرتا

ہے تو ایسے شخص کو ان باتوں پر زجر و توبیح کرنی چاہئے اور دوبارہ بیان کرنے سے باز رکھنا چاہئے۔ اگر وہ اس زجر و توبیح سے سیدھا ہو جائے تو یہی کافی ہے اور اگر اس کے الفاظ برائی میں حد درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں تو اس کی سزا بھی سخت ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ایک شخص قرآن کو مخلوق کہتا ہے تو امام صاحب نے فرمایا: یہ کافر ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس پر اس نے کہا: میں نے تو دوسرے کی حکایت نقل کی ہے۔ تو امام صاحب نے فرمایا: میں نے تو تجھ سے سنا ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا اس کی زجر و تغلیظ کے لئے تھا کیونکہ انہوں نے اسے قتل نہیں کرایا۔

اور اگر یہ حکایت کرنے والا اس کا متہم سمجھا جاوے کہ اس نے یہ مقولہ خود گھڑا ہے اور دوسرے کی طرف منسوب کر رہا ہے یا یہ کہ اس کی ایسی عادت ہے یا یہ کہ وہ اسے اچھا جانتا ہے اور اس پر اس کی خوبی ظاہر ہو گئی ہے یا وہ ان باتوں کا شیدائی ہے اور حضور ﷺ کا استخفاف اور ایسی باتوں کو یاد کرنے اور اس کی جستجو و تلاش میں رہنے یا آپ ﷺ کی ججو کے اشعار کی جستجو میں منہمک اور شیفتہ ہے تو اس کا حکم قصداً گالی دینے والے کی طرح ہے۔ اس کے قول کی پکڑ کی جائے گی اور محض دوسرے کی طرف اس کا منسوب کرنا اسے فائدہ نہ پہنچائے گا اور اسے فوراً قتل کر کے جلد از جلد جہنم رسید کیا جائے۔

ابو عبیدہ قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص ایسے شعروں کو یاد کرے جس میں نبی کریم ﷺ کی ججو ہو تو وہ کافر ہے۔

اور بعض مولفین نے ”اجتماع“ کے تذکرہ میں بیان کیا ہے کہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ وہ روایت جس میں نبی کریم ﷺ کی ججو یا منقصدت ہو اس کی کتاب، اس کا پڑھنا اور جہاں کہیں پائے جائیں بغیر مٹائے چھوڑنا حرام ہے۔

اللہ ﷻ ہمارے سلف صالحین پر رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے اپنے دین کی کیسی محافظت کی ہے کہ انہوں نے مغازی اور سیر کی ان روایتوں کو بھی پائیہ اعتبار سے گرا دیا جو اس قبیل میں آتی تھیں اور ان کی روایت کے سلسلہ ہی کو چھوڑ دیا مگر بہت ہی کم ایسی ہیں جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور وجہ اول پر ان کا ذکر کرنا بھی اتنا برا نہیں ہے تاکہ لوگ دیکھیں اللہ ﷻ ایسوں پر کیسا عذاب فرماتا ہے اور اس کی پکڑ کا معائنہ کریں کہ کس طرح وہ اپنے گناہوں میں ماخوذ ہوئے۔

اور یہ ابو عبیدہ قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ تو اتنے محتاط ہیں کہ جہاں کہیں عرب کے ان شعروں کو جس میں ہجو ہے بطور حجت لائے بھی ہیں تو انہوں نے اپنے دین کی حفاظت اور کسی کی مذمت میں مشارکت کی صیانت کی خاطر کہ خود اس کی روایت اور نشر میں شریک نہ ہو جائیں جس کی ہجو کی گئی ہے اس کا نام تک کتابت (لکھنے) میں ظاہر نہیں کیا اور اسی وزن پر ایک فرض نام لے کر منسوب کر دیا تو پھر یہ باتیں سید البشر ﷺ کے لئے کس طرح گوارہ کی جاسکتی ہیں۔

## آٹھویں فصل

### امور مختلفہ کے ذکر کرنے کا حکم

ساتویں وجہ (نہم) یہ ہے کہ ان باتوں کا ذکر کرے جو نبی کریم ﷺ پر جائز ہیں یا جن کے جواز میں اختلاف ہے یا ان کا تعلق امور بشریہ سے ہے یا جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا ممکن ہے یا ان امور کا ذکر کرے جن میں آپ ﷺ کی آزمائش کی گئی یا اللہ ﷻ کی ذات پر آپ ﷺ نے ان سختیوں پر صبر فرمایا جو آپ ﷺ کے دشمنوں کی طرف سے پہنچی اور جو ان سے اذیتیں پائیں اور آپ ﷺ کے ابتدائی حالات و عادات اور جو بھی زمانہ کی تکلیفیں پہنچیں اور جو زندگی کے شداوند آپ ﷺ پر گزرے ان کو بیان کرے یہ تمام باتیں بر طریق روایت اور بطور مذاکرہ علمیہ یا ان باتوں کی معرفت جن سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کی صحت ثابت ہو بیان کرے تو اس صورت میں یہ قسم سابقہ چھ اقسام سے خارج ہوگی اس لئے کہ اس میں نہ عیب ہے نہ منقصت نہ اہانت ہے نہ استخفاف نہ ظاہر الفاظ میں تحقیر ہے اور نہ بولنے والے کا مقصد اہانت ہے۔

لیکن یہ لازمی ہے کہ ایسی گفتگو اہل علم اور سمجھدار طالب علم سے ہو جو اس کے مقصد کو سمجھ سکے اور اس کے فائدوں کی تحقیق کر سکے اور نادان لوگوں کو اس سے بچایا جائے جن سے فتنہ کا خوف ہو۔ چنانچہ بعض علماء سلف نے عورتوں کے لئے سورۃ یوسف کی تعلیم کو مکروہ بتایا ہے۔ اس لئے کہ اس میں بہت سے ایسے قصے ہیں جو ان کی کمزور عقل و سمجھ اور ناقص ادراک سے باہر ہیں۔

بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ابتدائے حال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں اور فرمایا ہر نبی نے ضرور بکریاں چرائی ہیں اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہمیں اس کی خبر دی ہے اور اس طرح پر جس کے لئے یہی بیان کرے کوئی منقصت نہیں ہے بخلاف اس شخص کے جس کا ارادہ ہی منقصت و تحقیر ہو بلکہ اس قسم کے تذکرے کرنا تمام اہل عرب

کی عادت تھی۔

ہاں! اس محنت میں بھی انبیاء علیہم السلام کے لئے ایک درس حکمت ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ ان کو بتدریج منزلت کی طرف لے جاتا ہے اور اس طریقہ سے ان کو اپنی امت پر سیاست (حکومت) کرنے کی عادت ڈلواتا ہے۔ حالانکہ ازل سے ہی ان کی کرامت و بزرگی علم الہی میں مقدر ہو چکی تھی۔

اسی طرح اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے یتیم اور عیال دار ہونے کو بطریق احسان ذکر فرمایا اور آپ ﷺ کی بزرگی کی تعریف کی ہے۔ اب اگر کوئی ذاکر ان کو آپ ﷺ کے ابتدائی حالات اور آپ ﷺ کی تعریف میں بیان کرے اور اس پر اظہار تعجب بیان کرے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر کیسے انعام و اکرام فرمائے اور کس طرح احسان کئے ہیں تو اس میں کوئی منقصت نہیں ہے بلکہ اس میں تو آپ ﷺ کی نبوت کی دلالت اور آپ ﷺ کی دعوت کی صحت ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے اس کے بعد آپ ﷺ کو صنادید عرب اور ان کے جو بڑے بڑے بزرگ اور سردار تھے سب پر بتدریج غالب فرمایا اور اس غلبہ و تسلط کو اتنا بڑھایا کہ انہیں مغلوب کر کے رکھ دیا اور ان کے خزانوں کی کنجیوں پر آپ ﷺ کا قبضہ کرایا اور ان کے سوا دیگر ممالک کو بھی عطا فرمایا اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔

اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو مدد فرمائی اور آپ ﷺ کو مسلمانوں کے لئے مددگار بنایا اور ان کے دلوں میں محبت و الفت ڈالی اور ان کی مدد نشان والے فرشتوں کے ذریعہ کی اور اگر آپ ﷺ پہلے سے بادشاہ کے فرزند اور صاحب لشکر ہوتے تو بہت سے جاہل یہ گمان کرتے کہ آپ ﷺ کے غلبہ کا سبب اور آپ ﷺ کی برتری کی وجہ یہی ہے اسی بنا پر تو بادشاہ روم ہرقل نے ابوسفیان ﷺ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں دریافت کیا۔ کیا ان کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے پھر اس نے کہا کہ اگر ان کے آباؤ اجداد میں بادشاہت ہوتی تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ شخص اپنے باپ کے ملک کا خواہاں ہے۔

اور آپ ﷺ کا یتیم ہونا بھی ایک صفت ہے اور کتب سابقہ اور امم ماضیہ میں یہ آپ ﷺ کی نشانی ہے۔ اسی طرح ”کتاب ارمیاء“ میں آپ ﷺ کا تذکرہ ہے اور اسی صفت کے ساتھ ابن ذی یزن نے حضرت عبدالمطلب سے اور بحیرہ راہب نے جناب ابوطالب سے حضور کی تعریف کی ہے۔

اسی طرح جب آپ ﷺ کی یہ صفت بیان کی جائے کہ آپ ﷺ اُمی ہیں۔ جس طرح کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی مدحت میں تعریف فرمائی ہے تو اس میں آپ ﷺ کی فضیلت ثابت ہے اور یہ آپ ﷺ کے معجزہ کی بنیاد ہے۔

اس لئے کہ آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جو کہ کل کا کل بطریق معارف و علوم

حاوی و شامل ہے۔ مع ان فضائل و شمائل کے جن کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے لئے بیان فرمایا جیسا کہ ہم قسم اول (حصہ اول) میں پہلے بیان کر چکے ہیں اور ایک ایسا شخص جو نہ پڑھا ہو نہ لکھا ہو اور نہ کسی مدرسہ میں تحصیل علم کیا ہو جس سے اس کا وجود قائم ہو تو یقیناً یہ محل تعجب مقام عبرت اور انسانی معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کے اُقسیٰ ہونے میں کوئی منقصت و تحقیر نہیں ہے اس لئے کہ پڑھنے لکھنے کا مقصد تو معرفت پہچان ہے اور قرأت و کتاب تو معرفت کا وسیلہ اور ذریعہ موصلہ ہے نہ کہ وہ فی نفسہ مقصود بالذات۔

لہذا جب (بغیر وسیلہ ذریعہ کے) نتیجہ اور پھل حاصل ہو گیا تو مقصود و مطلوب کے لئے اب واسطہ اور ذریعہ کی کیا حاجت ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ کے سوا دوسرے کے لئے اُمی (بے پڑھا لکھا ہونا) نقص و عیب ہے اس لئے کہ یہ جہالت کا سبب اور بے سمجھی کی نشانی ہے۔ پس پاکی ہے اس ذات کو جس نے دوسروں سے آپ ﷺ کو ممتاز فرما کر شرافت و عظمت عطا فرمائی۔ جو بات کہ دوسروں کے لئے عیب و نقص تھی اور جس میں دوسروں کی ہلاکت تھی اس میں آپ ﷺ کو فضیلت و حیات بخشی۔

غور کا مقام ہے کہ آپ ﷺ کے سینہ اطہر کو شق کر کے زوائد کا اخراج کرنا گویا آپ ﷺ کو مکمل حیات پوری نفسانی قوت اور کمال درجہ ثبات قلب عطا فرمانا ثابت ہو حالانکہ دوسروں کے لئے یہ باتیں ہلاکت کا نتیجہ بنتی ہیں اور ان کو فنا کر ڈالتی ہیں اسی اصول و ضابطہ سے آپ ﷺ کے متعلق تمام اخبار و سیر جو مروی ہیں جن میں دنیاوی غذا کا کم کھانا کم پہننا کم سوار ہونا، تواضع و انکسار کا ظاہر کرنا، گھر والوں کی خدمت کرنا، زہد کو پسند کرنا، دنیا سے بے تعلق ہونا، دنیاوی امور کو سرعتِ فنا اور تبدیل احوال کے لحاظ سے خواہ وہ حقیر ہوں یا عظیم برابر سمجھنا سو یہ سب باتیں آپ ﷺ کے فضائل و خصائل اور شرافت میں داخل ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اب جو شخص بھی ان کو اچھے محل پر بیان کرے اور اس کا مقصود و مطلوب بھی نیک ہو تو یہ اچھی بات ہوگی اور اگر کسی نے ان کو بے محل ذکر کیا اور معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصد برا ہے تو وہ ان فضلوں میں شامل ہوگا جن کو ہم پہلے بیان کر چکے (اور انہیں وجہ کے مطابق اس پر حکم شرع نافذ ہوگا)۔

یہی حکم ان روایتوں کے متعلق ہے جو نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کتب احادیث میں مروی ہیں اور بظاہر مشکل نظر آتی ہیں جن میں کسی ایسی بات کا ذکر جو انبیاء کرام علیہم السلام کے شایان شان نہیں ہے یا تو وہ محتاج تاویل ہوں یا ان میں احتمالات وارد ہوں تو ان میں سے بھی صرف صحیح حدیثوں کو بیان کیا جائے اور سوائے مشہور و ثابت حدیثوں کے کوئی ضعیف وغیرہ نہ روایت کی جائے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان حدیثوں کو جو وہ ہم تشبیہ (مذہب کا موسم ڈالتی) ہوں اور جس کے معنی میں اشکال ہو ان کے بیان کرنے کو ناپسند و مکروہ جانتے تھے اور فرمایا لوگوں کو ایسی حدیثیں بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ (جس سے وہ فتنہ میں پڑیں)

کسی نے ان سے عرض کیا کہ (آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد) ابن عجلان رحمۃ اللہ علیہ تو ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے۔

فرمایا وہ فقیہہ تھے۔ کاش کہ لوگ اس قسم کی حدیث کے ترک کرنے میں ان کی موافقت کرتے اور اس میں ان کی مساعدت و نصرت کرتے۔

کیونکہ اکثر حدیثیں ایسی ہیں جن سے عمل کا تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ سلف کی ایک جماعت بلکہ تمام ہی سے منقول ہے کہ وہ حضرات ان حدیثوں کو جو عمل سے متعلق نہیں ہیں بیان کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ باتیں ان اہل عرب سے فرمائی ہیں جو اسلوب کلام کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے محل استعمال کو جانتے تھے کہاں حقیقت ہے اور کہاں مجاز اور کہاں استعارہ و بلاغت ہے اور کہاں ایجاز و اختصار۔ درحقیقت یہ ان کے لئے کوئی حیرت انگیز اور مشکل بات نہیں تھی۔ اس کے بعد جب ان پر عجمیوں کا غلبہ ہوا اور ان پڑھ لوگ داخل ہوئے تو ان کی یہ حالت ہو گئی کہ عرب کے مقاصد سے ہی نا بلند (ناواقف) ہو گئے وہ صرف صاف و صریح کو سمجھتے اور ان اشارات کو جو بغرض ایجاز و جی پنہاں تھے اور جن میں تبلیغ و تلویح مضمون تھی انہیں نہ سمجھ سکے چنانچہ وہ ان کے محل و تاویل میں ہر سو مختلف و متفرق ہو گئے۔ لہذا کچھ تو وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لے آئے اور کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے انکار کی راہ اختیار کی۔

اب یہی (راہ صواب) ہے کہ وہ حدیثیں جو صحت کو نہیں پہنچتی ہیں ان کو اللہ ﷻ اور انبیاء علیہم السلام کے حقوق میں لازم ہے کہ نہ بیان کیا جائے اور نہ ان میں گفتگو کی جائے اور نہ کلام کے معانی میں جستجو کی جائے بہترین راہ یہی ہے کہ ان کو بالکل ترک کر دیا جائے اور ان میں انہماک کو چھوڑ دیا جائے بجز اس طریقہ کے کہ بتا دیا جائے کہ یہ ضعیف الاعتماد ہے اور اس کی سند وہی ہے۔

مشائخ رحمہم اللہ نے اپنی کتاب 'مشکل' میں ابو بکر بن نورک رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کرتے ہوئے ضعیف اور موضوع حدیثوں پر کلام کرنے میں انکار کیا ہے فرمایا کہ یہ بے اصل ہیں یا ان اہل کتاب سے منقول ہیں جو حق و باطل میں آمیزش کرنے کے عادی ہیں۔ ان کا ترک کر دینا اور ان سے بحث نہ

کرنا ہی کافی جانتے تھے تاکہ ان کے ضعف پر تنبیہ ہو جائے اس لئے کہ بحث و کلام کا مقصد تو یہ ہے کہ ان سے مشکلات و شبہات کا ازالہ کیا جائے اور سرے سے ہی شبہ کی جڑ کو اکھاڑ دینا اور ان کو ترک کر دینا شبہ کے دفع کرنے میں زیادہ موثر اور طمانیت قلوب کے لئے بہت نافع ہے۔

## نویں فصل

### خطباء و واعظین کو تنبیہات

کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو ان متکلمین پر واجب ہیں جو نبی کریم ﷺ پر جائز و ناجائز سے بحث کرتے ہیں اور ان واعظین پر بھی لازم ہیں جو آپ ﷺ کے حالات کو جن کو ہم نے اس سے پہلے فصلوں میں بیان کیا ہے بر سبیل مذاکرہ و تعلیم بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک تو یہ ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کریں اور آپ ﷺ کے حالات طیبہ کو بیان کریں تو آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کو لازم جانیں اور اپنی زبان کی نگہداشت کریں اسے مطلق العنان نہ کریں اور آپ ﷺ کے ذکر خیر کے وقت ادب و تواضع کا اظہار کریں۔ پس جب آپ ﷺ کے مصائب شدائد کا ذکر کریں تو ان پر رقت اور خوف و خشیت طاری ہو اور آپ ﷺ کے دشمنوں پر نفرت و حقارت کا اظہار ہو اور آپ ﷺ کے حامی و جان نثاروں سے محبت و مودت کا اظہار ہو اور یہ کہ اگر اسے اس پر قدرت ہوتی تو وہ بھی آپ ﷺ کی حمایت و نصرت کرتا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی جان فداء کرتا۔

اور جب ابواب عصمت کو بیان کریں اور آپ ﷺ کے اعمال و اقوال میں کلام کریں تو حتی الامکان اچھے سے اچھے الفاظ اور مودب عبارت کو تلاش کریں اور غیر مودب الفاظ سے احتراز کریں اور ان تعبیرات کو چھوڑ دیں جس میں قباحت ہے مثلاً لفظ جہل، کذب اور معصیت وغیرہ۔

اور جب اقوال میں کلام کریں تو کہے یہ کہ کیا آپ ﷺ پر خلف فی القول اور خلاف واقع خبر دینا خواہ سہو یا غلطی سے ہی ہو جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح دیگر تعبیرات میں احتیاط اختیار کریں اور لفظ کذب سے بالکل ہی اجتناب کریں۔

اور علم پر گفتگو ہو تو کہیں کیا آپ ﷺ پر یہ جائز ہے کہ اتنا ہی علم رکھتے تھے جتنا آپ ﷺ کو سکھا دیا اور یا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو وحی الہی سے پہلے بعض چیزوں کا علم نہ تھا وغیرہ اور ہرگز جہل اور قبیح الفاظ زبان پر نہ لائے کیونکہ یہ نہایت بری بات ہے۔



اور جب افعال میں کلام کریں تو کہیں کہ کیا بعض اداء امر و نواہی میں آپ ﷺ سے مخالفت کا صدور یا صفائی میں آپ ﷺ کا وقوع جائز ہے یا نہیں؟ یہی طریقہ ادب میں سب سے بہتر ہے اور آپ ﷺ کے حق میں اس کے کہنے سے زیادہ مناسب ہے کہ کہیں کیا یہ جائز ہے یا گناہ کیا، یہ نافرمانی کی یا فلاں فلاں گناہ کے فعل کئے وغیرہ (یہ سب ادب و توقیر کے خلاف ہے اس سے بچنا ضروری ہے)۔

سو یہ ایسی باتیں ہیں جو آپ ﷺ کی عزت و توقیر میں داخل ہیں چونکہ آپ ﷺ کی امت پر آپ ﷺ کی عزت و تعظیم فرض ہے بلاشبہ بہت سے عالموں کو دیکھا ہے جو ان باتوں کی حفاظت نہیں کرتے تو انہیں برا جانا گیا اور لوگوں نے ان تعبیرات کو پسند نہیں کیا اور میں نے بعض غیر منصف مزاج لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کے قول کو خطا کی جانب منسوب کیا ہے اور انہوں نے اس پر طعن و تشنیع کی ہے جس کو کہ اس کا قول قبول نہیں کرتا اور وہ ایسے قائل کی تکفیر تک کر گزرتے ہیں۔ نیز جبکہ اس قسم کی باتیں عام لوگوں میں باہمی آداب و معاشرت اور خطاب میں رائج ہیں تو ان کا استعمال و لحاظ نبی کریم ﷺ کے لئے ضرور واجب ہے اور اس کا التزام زیادہ مؤکد ہے کیونکہ عبارت کی عمدگی اور برائی شے کو بھلا اور برا بنا دیتی ہے تحریر کی عمدگی و پاکیزگی شے کو گھٹا بڑھا دیتی ہے اسی لئے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا. یقیناً بعض بیانات جادو اثر ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۷ صفحہ ۱۸)

اب رہی وہ باتیں جن سے آپ ﷺ کی نفی اور تزیہہ کی جاتی ہے تو ان کو صاف الفاظ اور صریح عبارت سے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہیں کہ آپ ﷺ پر بالکل کذب کا اطلاق جائز نہیں ہے اور کسی نوعیت سے کبار کا ارتکاب نہیں ہو سکتا ہے اور نہ کسی حال میں حکم میں ظلم ممکن ہے۔ لیکن بایں ہمہ جبکہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت عجز و تعظیم و توقیر اور عزت و تکریم واجب ہے تو پھر جب بوقت ذکر ان کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی جائے تو کتنا ادب چاہئے۔

بلاشبہ سلف صالحین پر محض آپ ﷺ کے ذکر کے وقت شدید کیفیت و حالت طاری ہوتی تھی جیسا کہ ہم نے قسم ثانی میں پہلے بیان کیا اور بعض سلف کا تو اس وقت جبکہ قرآن کی ایسی آیت تلاوت کی جائے جس میں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کے اقوال اور اس کی آیات سے کفر اور آپ ﷺ پر کذب و افتراء نقل فرمایا ہے تو یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ اپنے رب ﷻ کی جلالت شان اور عظمت کبریائی سے اپنی آوازوں کو پست کر دیتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں ان لوگوں کی مشابہت نہ ہو جائے جنہوں نے کفر کیا ہے۔

## دوسرا باب

حضور ﷺ پر سب و شتم، تنقیص و اہانت کرنے والے کی عقوبت و وراثت کا حکم

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے حق میں جو گالی اور اذیت ہے اور ہم نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا اجماع بھی بیان کر دیا ہے کہ اس کے فاعل اور قائل کی سزا قتل کیا جائے یا اسے سولی دی جائے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور ہم نے اس کو دلائل کے ساتھ ثابت بھی کر دیا ہے۔

اس کے بعد اب تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا مشہور مذہب اور سلف و جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اسے از روئے حد قتل کیا جائے نہ کہ کفر کی بنا پر اگرچہ اس سے توبہ بھی صادر ہو جائے۔ لہذا ان تمام کے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہ ہوگی اور نہ اس کی توبہ نفع دینگی اور نہ اس کا رجوع مفید ہوگا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس کا حکم زندیق کا حکم رکھتا ہے اور اس کا فر کی طرح ہے جو کفر اپنے دل میں چھپائے برابر ہے کہ اس کی توبہ گرفتار کرنے کے بعد اور اس کے قول پر شہادت گزر جانے کے بعد ہو یا وہ پہلے ہی دل سے توبہ کرتا ہو آئے۔ اس لئے کہ یہ حد واجب ہے۔ اس پر توبہ غالب نہیں آسکتی جس طرح تمام دیگر حدود ہیں۔

شیخ ابوالحسن قلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وہ گالی کا اقرار کر لے اور اس سے رجوع کرے اور توبہ بھی ظاہر ہو جائے تو بھی گالی کی وجہ میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ قتل اس کی حد ہے اور ابو محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے مثل فرماتے ہیں لیکن اس کے اور اللہ ﷻ کے درمیان اس کی توبہ نفع دے جائے گی۔

اور ابن سخون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس موحد نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی پھر اس نے توبہ بھی کر لی تو اس سے اس کی توبہ قتل کو دور نہیں کر سکتی اسی طرح اس زندیق کے بارے میں علماء مختلف ہیں جبکہ وہ توبہ کرتا ہو آئے چنانچہ قاضی ابوالحسن بن قصار رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں۔ فرماتے ہیں ہمارے بعض مشائخ کا ایک قول تو یہ ہے کہ اقرار کے باوجود قتل کر دوں گا اس لئے کہ گویا وہ اس پر قادر تھا کہ اسے وہ اپنے دل میں چھپائے۔ لیکن جب اس نے اعتراف کر لیا تو ہم نے گمان کیا وہ اپنے ظاہری حال سے ڈر گیا اس لئے اس نے اظہار کی جلدی کی اور ہمارے بعض مشائخ کا دوسرا قول یہ ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کر لوں گا اس لئے کہ اس کی صحت پر اس کے آنے سے استدلال کرتا ہوں۔ گویا کہ ہم اس کے باطن پر واقف ہو گئے۔ بخلاف اس شخص کے جسے ثبوت اور

شہادت نے مفید کر دیا ہو۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول اصبح رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے کا مسئلہ بہت سخت ہے گزشتہ قاعدہ اصول کی بنا پر اس میں خلاف متصور ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ وہ حق ہے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ متعلق ہے اور آپ ﷺ کی امت کا حق بھی آپ ہی کے ساتھ مربوط ہے۔ اس کو توبہ ساقط نہیں کر سکتی جس طرح کہ باقی لوگوں کے حقوق ہیں۔

اور وہ زندیق جو بعد گرفتاری توبہ کر لے سو امام مالک، لیث، اسحاق اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مقبول ہے اور اس میں امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا اختلاف ہے اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسلمان سے توبہ قتل کو زائل نہیں کرتی جس نے حضور ﷺ کو گالی دی ہے اس لئے کہ اس دین سے اس نے کسی دوسرے دین کی طرف انتقال نہیں کیا۔ یقیناً اس نے ایسا ہی کام کیا جس کی حد ہمارے نزدیک قتل ہے اس میں کسی کے لئے معافی نہیں ہے جیسے زندیق کیونکہ اس کا ظاہر حال کسی دوسرے ظاہر حال کی طرف منتقل نہیں ہوا۔

اور قاضی ابو محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ اس کی توبہ ساقط الاعتبار ہونے کے لئے یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ فرق اس کے اور اس شخص کے درمیان جس نے اللہ ﷻ کو گالی دی مشہور قول کی بنا پر توبہ کا قبول کرنا ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ از جنس بشر ہیں اور بشریت ایک ایسی جنس ہے جسے نقص لاحق ہوتا ہے بجز اس ذات عالیہ کے جسے اللہ ﷻ اپنی نبوت سے سرفراز فرمائے اور باری تعالیٰ ہر عیب و نقص سے کلیۃً منزہ ہے اور وہ ذات اس جنس سے ہی نہیں ہے جس کو اپنے جنس کے سبب نقص لاحق ہو اور نبی کریم ﷺ کو گالی دینا اس ردت کی مثل نہیں ہے جس میں توبہ مقبول ہے کیونکہ ارتداد اس معنی میں ہے جسکے ساتھ مرتد منفرد ہے اور اس میں کوئی دوسرا آدمی شریک نہیں تو اس میں توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔

لیکن جس نے نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دی تو اس میں ایک آدمی (یعنی حضور) کا حق بھی متعلق ہو گیا۔ تو وہ گویا ایسا مرتد ہو گیا جس نے اپنی ردت کے وقت کسی کو قتل کر ڈالا یا کسی کو تہمت لگائی۔ لہذا اس کی توبہ اسے حد قتل اور تہمت کو ساقط نہیں کر سکتی۔ نیز جب مرتد کی توبہ مقبول کی لی جائے تو اس کے زنا چوری وغیرہ کے گناہ کو (توبہ) ساقط نہیں کرتی اور یہ کہ نبی کریم ﷺ کے گالی دینے والے کو اس کے کفر کی بنا پر قتل نہیں کیا جاتا لیکن اس معنی کو ہے کہ وہ آپ ﷺ کی حرمت کی عظمت اور اس سے نقص کو دور کرنے کی وجہ سے ہے اس لئے اس کو توبہ ساقط نہیں کرتی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واللہ اعلم قائل کی یہ مراد ہو کہ اس کا گالی دینا کلمہ کفر کی بنا پر نہ تھا بلکہ تحقیر و تنقیص کے لئے تھا یا یہ کہ اس کا توبہ کرنا اور رجوع کا اظہار کرنا اس کے ظاہر کلمہ کفر کو اٹھا دے اللہ ﷻ ہی دلوں کے اسرار کو خوب جانتا ہے۔ اب (توبہ کے بعد) گالی دینے کا گناہ اور اس کا حکم باقی رہے گا۔

ابو عمران قالبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اس لئے کہ گالی دینا آدمیوں کے ان حقوق میں سے ہے جو مرتد ہونے سے ساقط نہیں ہوتا اور ہمارے مذکورہ مشائخ کا کلام اس پر مبنی ہے کہ اسے حد کی بنا پر قتل کیا جائے نہ کہ کفر کی بنا پر یہ بحث محتاج تفصیل ہے۔

اب رہی ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اس میں ان کے موافقین سے منقول ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور کہا کہ علماء نے صراحت سے بیان فرمایا کہ وہ ردّت ہے چنانچہ علماء نے کہا کہ اس سے توبہ لی جائے پس اگر وہ توبہ کرے تو چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اس وجہ میں وہ مطلقاً مرتد کے حکم میں ہے اور پہلی وجہ جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے وہ زیادہ مشہور و ظاہر ہے ہم اب اس میں مفصل کلام بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اس کی ردّت کو نہیں خیال کرتا وہ تو واجب کرتا ہے کہ اسے حدّاً قتل کر دیا جائے اور ہم اس کی دونوں حالتوں کے قائل ہیں۔ پس اگر وہ اس کا انکار کرے جس کی کہ اس پر گواہی گزری ہے یا وہ توبہ اور ندامت کا اظہار کرے تو ہم ہر صورت حدّاً سے قتل کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے خلاف کلمہ کفر ثابت ہو چکا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے اس حق کی تحقیر کی جس کو اللہ ﷻ نے آپ میں اعظم قرار دیا ہے اور ہم نے اس کی میراث اور دیگر امور میں زندیق کا حکم جاری کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے خلاف یہ ظاہر ہے کہ اس نے انکار کیا یا توبہ کی ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس پر تم کفر کو ثابت کرتے ہو اور کلمہ کفر پر گواہی لیتے ہو لیکن قبولیت توبہ اور اس کے لوازمات میں کوئی حکم جاری نہیں کرتے؟

تو جواب میں ہم کہیں گے کہ ہم اس کے لئے حکم کفر کو ثابت کر کے قتل کرنا اس کے توحید و نبوت کے اقرار کو جس کا وہ اقراری ہے اس سے جدا اور قطع نہیں کرتے خواہ اپنے خلاف گواہی کا انکار کرے یا اس بات کا مدعی ہو کہ یہ بات اس سے ازراہ غلطی اور معصیت صادر ہوئی ہے اور وہ اس سے منحرف اور اس پر نادم ہے اور یہ کہ بعض اشخاص پر بعض احکام کفر کو ثابت کرنا اس امر کو مانع نہیں کہ اس

کی دیگر خصوصیات کو بھی وہ ثابت نہیں کر رہی ہیں۔ جیسے تارک نماز کا قتل کرنا۔ لیکن جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کا معتقد ہے کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو گالی دینا حلال ہے تو اب اس کے کفر میں اس بنا پر قطعاً شک و شبہ نہیں ہے۔

علیٰ ہذا القیاس فی نفسہ حضور ﷺ کو گالی دینا بھی کفر ہے جس طرح آپ کی تکذیب و تکفیر وغیرہ کفر ہے۔ لہذا اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اگرچہ اس سے وہ غائب ہو۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہیں اور اس کے بعد توبہ بھی اس کے قول اور سابقہ کفر کی بنا پر حد اقل کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ مختار ہے جو دلوں کے اسرار کا جاننے والا اور اس کی توبہ و ندامت کی صحت کا خبردار ہے۔

یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس سے توبہ نہ ظاہر ہوئی ہو اور اپنے خلاف گواہی کا معترف ہو اور اس پر قائم بھی ہو تو وہ شخص اپنے قول اور اللہ ﷻ اور اس کے نبی کریم ﷺ کی ہتک حرمت کے حلال جاننے کی بنا پر کافر ہے تو اسے بلا خوف کا فرمان کر قتل کیا جائے گا۔

پس ان تفصیلات کے ساتھ علماء کے کلام کو اخذ کرو اور ان کے اجزائے اختلاف کو وراثت وغیرہ میں اسی طریق پر جاری کرو تو انشاء اللہ ﷻ تمہیں صحیح مقصد حاصل ہو جائے گا۔

## پہلی فصل

### مدت و کیفیت توبہ

جب ہم نے یہ کہا کہ اس سے توبہ لی جائے کہ صحیح ثابت ہو تو اس میں وہی اختلاف ہے جو مرتد کی توبہ میں اختلاف ہے اس لئے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور علماء سلف نے توبہ لینے کے وجوب مدت اور کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔

چنانچہ جمہور اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ مرتد سے توبہ لی جائے اور ابن قسار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ طلب توبہ میں تصویب قول سیدنا عمرؓ کا اجماع ہے اور ان میں سے کسی صحابی کا انکار میں قول نہیں ہے۔ یہی قول سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ مرتضیٰ اور سیدنا ابن مسعودؓ کا ہے اور یہی قول عطاء بن ابی رباحؓ، نخعیؓ، ثوریؓ، امام مالکؓ اور ان کے اصحابؓ اوزاعیؓ، امام احمدؓ، اسحاقؓ اور مجتہدین رحمہم اللہ کا ہے اور طاؤسؓ، عبید بن عمیرؓ اور حسن بصریؓ رحمہم اللہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مرتد سے توبہ نہ لی جائے۔ اسے عبدالعزیز بن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور اس قول کو معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا اور سخون

نے معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا انکار کیا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔

اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ عند اللہ اس کی توبہ اسے نفع دے گی۔ لیکن توبہ قتل سے باز نہیں رکھ سکتی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ۔ ”جو اپنے دین کو بدلے اسے قتل کر دو“۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۴ صفحہ ۴۹)

اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر وہ اسلام میں پیدا ہوا تو اس سے توبہ نہ طلب کی جائے اور نو مسلم سے توبہ لی جائے۔

جمہور علماء کے نزدیک مرتد مرد و عورت حکم میں برابر ہیں اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ مرتدہ عورت قتل نہ کی جائے اور اسے باندی بنا لیا جائے۔ اسے عطا اور قتادہ رحمہما اللہ نے فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ردت میں عورت قتل نہ کی جائے۔ یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آزاد غلام مرد و عورت اس میں سب برابر ہیں۔

اب رہی مدت توبہ! تو مذہب جمہور اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت کے موجب تین دن تک توبہ نہ لی جائے ان ایام میں اسے قید میں رکھا جائے۔ اس میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اختلاف مروی ہے اور ایک قول کے بموجب یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور یہی قول امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستحق قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ انتظار خیر ہی لاتا ہے۔ لیکن اس پر لوگوں کی جماعت قائل نہیں ہے۔

شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین دن تک تاخیر ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرتد کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار فرمایا کہ تین دن تک قید میں رکھا جائے اور ہر روز اس پر عرض اسلام کیا جائے پس اگر وہ توبہ کر لے تو فیہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ابوالحسن بن قصار رحمۃ اللہ علیہ تین دن تک تاخیر کرنے میں دو روایتیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کیا یہ واجب ہے یا مستحب اور توبہ لئے جانے کو مستحسن قرار دیا اور تین دن تک تاخیر کرنا یہ مجتہدین کے نزدیک ہے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت سے توبہ طلب کی مگر اس نے

توبہ نہ کی تو آپ نے اسے قتل کر دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسی جگہ قتل کر دیا جائے۔ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستحسن کہا۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ دعوت اسلام دی جائے پھر اگر وہ انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ دو مہینے تک توبہ طلب کی جائے اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمیشہ توبہ طلب کی جائے اور اسی کو ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا کہ جب تک توبہ کی امید ہو۔

ابن قسار رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ اس سے تین دن میں تین مرتبہ توبہ طلب کی جائے یا تین جمعہ تک ہر روز باہر جمعہ کو ایک مرتبہ اور کتاب امام محمد رحمہ اللہ میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مرتد کو تین مرتبہ دعوت اسلام دی جائے پھر اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن مار دی جائے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دنوں میں اسے جھڑکا جائے کہ وہ توبہ کر لے یا نہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ لینے کے لئے بھوکا پیاسا رکھنا یا درد و الم پہنچانا میں نہیں جانتا اور اسے کھانا بھی وہ دیا جائے جو اسے ضرر و نقصان نہ پہنچائے۔ اصبح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ لینے کے دنوں میں قتل سے ڈرایا جائے اور اس پر اسلام پیش کیا جائے۔

ابوالحسن طاشی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ اسے ان تین دنوں میں نصیحت کی جائے اور جنت یا دلدائی جائے اور جہنم سے ڈرایا جائے۔

اصبح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس قید خانہ میں اسے رکھا جائے خواہ لوگوں کے ساتھ رکھا جائے یا تنہا جبکہ اسے مضبوط باندھا گیا ہو تو برابر ہے اور اس کا مال موقوف رکھا جائے جبکہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں پر تلف کر دے گا۔ اسی سے اس کو کھلایا پلایا جائے۔ اسی طرح ہر بار اس سے توبہ کرائی جائے جب جب بھی وہ رجوع کرے اور مرتد ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس مبہان سے جو کہ چار یا پانچ مرتبہ مرتد ہوا تھا ہر بار توبہ کرائی۔

ابن وہب رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بھی رجوع کرے ہمیشہ اس سے توبہ کرائی جائے۔ یہی قول امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا ہے اسے ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوتھی مرتبہ قتل کر دیا جائے اور مجتہدین فرماتے ہیں کہ اگر

توبہ کرے تو خوب مارا پٹیا جائے۔ اور قید خانہ سے اسے رہا نہ کیا جائے جب تک کہ دل سے اس پر توبہ کا اظہار نہ ہو اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے مرتد پر پہلی ہی مرتبہ میں سزا دی ہو۔ جب کہ وہ توبہ کر لے یہی مذہب امام مالک امام شافعی اور احناف رحمہم اللہ کا ہے۔

## دوسری فصل

### نامکمل یا عدم شہادت پر حکم

یہ حکم تو اس کے لئے تھا جس پر یہ باتیں ثابت ہو چکی ہوں خواہ ثبوت اقراری ہو یا ایسی شہادت کے ذریعہ ہو جس میں شبہ نہ رہا ہو۔ اب رہی یہ صورت کہ اس پر شہادت مکمل نہ گزری ہو کہ مثلاً ایک شخص کی شہادت ہو یا غیر معتبر لوگوں کی شہادت ہو یا یہ کہ اس کے قول سے ثابت تو ہوتا ہو لیکن اس میں احتمال ہو اور صریح نہ ہو علیٰ ہذا القیاس اگر اس نے توبہ کر لی اور اس قول کے موافق اس کی توبہ قبول کر لی گئی تو اب اس سے قتل موقوف ہو جائے گا اور اب امام کی رائے (حکم) اس پر نافذ ہوگی جیسی بھی اس کی مشہور حالت اور قوی وضعیف شہادت اور کثرت وقوع سماعت اور دین میں اس کی مہتمم صورت حال ہو گی۔ آیا وہ بیوقوف و نادان ہے یا نقال و مسخرہ۔

چنانچہ جس کا معاملہ قوی و زبردست ہوگا اسے سخت سزا دی جائے گی قید خانے میں زنجیروں سے جکڑا جائے گا اور خوب سنگین سزا دی جائے گی یہاں تک کہ اس کی طاقت جواب دے جائے بجز اس کے کہ وہ ضرورت کے لئے کھڑا ہو سکے اور یہ کہ نماز میں قیام سے نہ روک دے۔ یہی حکم ہر اس شخص کے لئے ہے جس پر وجوب قتل تو ہو لیکن کسی اور احتمال سے اجراء قتل موقوف ہو گیا ہو یعنی اجراء قتل میں تاخیر ضروری بتائی ہو اور اس کے معاملہ میں اشکال مانع ہو جائے۔ ایسے کی سزا میں سختی کی حالت اس کے احوال میں اختلاف کے بنا پر ہوتی ہے۔

ولید رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ سے روایت کیا بلاشبہ یہ روایت ہے چنانچہ جب وہ توبہ کرے تو سزا دی جائے۔

کتاب عتبیہ اور موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں بروایت اشہب رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت ہے کہ جب مرتد توبہ کر لے تو اس پر سزا نہیں ہے اسے سحون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اور ابو عبد اللہ بن عتاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے حضور ﷺ کو گالی دی تھی اور اس کے خلاف ایسے دو گواہوں نے گواہی دی تھی جن میں سے صرف ایک گواہ عادل تھا



(تب اس کے بارے فتویٰ دیا) کہ اسے دردناک رنجیدہ سزا دی جائے طویل قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ اس سے توبہ کا ظہور ہو اور قابلِ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل فرماتے ہوئے کہا کہ جس شخص کا آخری معاملہ قتل ہو پھر کوئی ایسا امر مانع حائل ہو جائے جو قتل میں اشکال پیدا کر دے تو اسے قید سے چھوڑنا نہ چاہئے بلکہ عرصہ دراز تک قید میں رکھنا چاہئے۔ اگرچہ اس کی مدت قید کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے اور یہ کہ دوران قید طوق و زنجیر وغیرہ سے جکڑ کر قابل برداشت حد تک مشقت کرائی جائے اور ایک اور مقام پر اس قسم کے مسئلہ میں فرمایا کہ جن کے ساتھ قضیہ مشتبہ ہو جائے تو اسے زنجیروں سے جکڑا جائے اور قید خانے میں تنگی کی جائے یہاں تک اسے قضیہ واضح ہو جائے کہ وہ کس سزا کا مستوجب ہے۔

اسی طرح اور ایک معاملہ میں فرمایا کہ جب تک صاف صاف قضیہ واضح نہ ہو جائے ہرگز خون نہ بہایا جائے کوڑوں اور قید وغیرہ کی تعزیر احمق اور بیوقوفوں کی سزا ہے۔ ایسوں کو خوب سخت سزا دی جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اس کے خلاف جن دو گواہوں نے شہادت دی ہے اس سے ان کی عداوت ثابت ہو جائے یا ایسی جرح کی جائے جس سے شہادت ساقط ہو جائے اور ان گواہوں کے سوا کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا قضیہ خفیف ہے اور اس سے حکم قتل و نکال ساقط ہے گویا وہ بمنزلہ اس کے ہے کہ اس پر کوئی گواہ ہے ہی نہیں۔ البتہ اگر یہ ان لوگوں میں سے ہے جن سے ایسی باتیں صادر ہوتی رہتی ہیں اور فی الحال جو گواہ گزرے ہیں وہ عداوت یا جرح کی بنا پر ساقط ہو گئے ہیں مگر وہ گواہ ہوں اہل شہادت تو اس صورت میں ان شہادتوں کی بنا پر حکم قتل تو نافذ نہ ہوگا مگر گواہوں کی صداقت کا گمان بھی نہیں جائے گا۔ لہذا قاضی اور حاکم کے لئے ایسے کی سزا اور تعزیر میں اجتہاد کا مقام باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی نیکی کی توفیق بخشنے والا ہے۔

## تیسری فصل

### ذمی سے گالی کے صدور کا حکم

گزشتہ فصلوں میں حکم تو مسلمانوں کے لئے تھا اب رہے ذمی (غیر مسلم) تو جب وہ صراحت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دیں یا تعریض کریں یا مرتبہ عالی کا استخفاف کریں یا اس خاص وجہ کے علاوہ جس کی بنا پر وہ کافر ہے کسی اور صفت کے ساتھ تو صیغہ کریں تو اس صورت میں بھی اس کے قتل میں ہمارے نزدیک اختلاف نہیں ہے۔ بشرطیہ کہ وہ اسلام نہ لایا ہو اس لئے کہ ہم نے اس خصوص میں اس کا عہد و ذمہ نہیں لیا ہے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ثوری رحمہما اللہ اور ان کے

شاگردوں کے سوا عام علماء کا یہی قول ہے۔ علماء احناف فرماتے ہیں کہ ایسے ذمیوں کو قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ وہ جس کفر و شرک پر قائم ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ لیکن تادیب و تعزیر ضرور کی جائے۔

بعض ہمارے مالکی مشائخ رحمہم اللہ نے اس کے قتل پر اس آیتہ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ. (پہا التوبہ ۱۲) دین پر منہ آئیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

نیز اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابن اشرف کو اور اس کے مثل دیگر (بدگوئیوں) کو قتل فرمایا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اس امر پر نہ تو ان سے معاہدہ کیا ہے اور نہ اس امر کے ساتھ ان کو ذمہ دیا ہے اور یہ بات ہمارے لئے جائز بھی نہیں کہ ہم ان سے ایسا معاہدہ کریں۔ لہذا جب وہ اس کے مرتکب ہوئے جس پر ہمارا ان سے نہ تو معاہدہ ہے نہ ذمہ۔ تو اب وہ بمنزلہ معاہدہ شکن اور کفار حربی بن گئے۔ چنانچہ اب ان کو ان کے کفر کی بنا پر قتل کیا جائے گا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کو ذمہ دینا ان سے حدود اسلامی کو ساقط نہیں کرتا کہ وہ کسی کا مال چرائیں یا وہ کسی کو مار ڈالیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ضرور قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہوگا اور قصاص میں قتل کئے جائیں گے۔ اگرچہ یہ باتیں ان کے دین میں جائز و حلال ہی کیوں نہ ہوں۔ تو یہی حال نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کا ہے۔ لہذا وہ ضرور اس بنا پر قتل کئے جائیں گے۔

اور ہمارے مالکی اصحاب رحمہم اللہ میں بعض ایسی ظاہر روایتیں منقول ہیں جو مقتضی کے خلاف ہیں۔ جبکہ ذمی نے حضور ﷺ کا ذکر اس وجہ پر کیا ہو جس کے ساتھ وہ پہلے سے ہی کافر تھا جیسا کہ ابن قاسم اور ابن سہون رحمہما اللہ کے کلام سے بعد میں واقفیت ہوگی اور ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے علماء مدینہ سے اس بارے میں اختلاف نقل کیا ہے۔

مالکی علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی (ذمی) حضور ﷺ کو گالی دے پھر وہ اسلام لے آئے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ اس کا اسلام قتل کو ساقط کر دے گا۔ کیونکہ اسلام اس کے ما قبل کے گناہ کو ناپید کر دیتا ہے۔ بخلاف مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے کہ جب وہ گالی دے پھر توبہ کرے وجہ یہ ہے کہ کافر کی باطنی حالت کو ہم جانتے ہیں کہ وہ دل میں حضور سے بغض رکھتا ہے اور اس کے قلب میں تنقیص پنہاں ہے۔ لیکن ہم نے اس کو اس کے اظہار سے روک رکھا ہے اور جو وہ اظہار کر رہا ہے وہ صرف مخالفت امر

اور نقصِ عہد ہی ہے۔ جب وہ اپنے پہلے دین سے پھر کر اسلام میں داخل ہو گیا تو ماقبل کا گناہ اس سے ساقط ہو گیا۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ لِلذِّينِ كَفَرُوا اِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا

قَدْ سَلَفَ ط (پ الانفال ۳۸)

(ترجمہ کنز الایمان)

اور مسلمان کا حال اس کے برعکس ہے اس لئے کہ اس کے حق میں ہمارا گمان یہ تھا کہ اس کا باطن بھی اس کے ظاہر حال کے حکم میں ہے اور اب جو اس سے اس کے برخلاف ظاہر ہوا تو ہم اس کے رجوع کے باوجود بھی قبول نہیں کریں گے۔ اور نہ اس کے باطن پر اطمینان کریں گے۔ کیونکہ اس کے دل کا چور ظاہر ہو گیا اور جو احکام اس پر ثابت تھے وہ اس پر باقی رہیں گے اور کسی صورت میں وہ اس سے ساقط نہ ہوں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ گالی دینے والے ذمی کا اسلام لانا بھی حکم قتل کو ساقط نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ حق تو نبی کریم ﷺ کا ہے جو آپ کی حرمت کی توہین و تنقیص اور تازی کی بنا پر واجب ہوا ہے۔ تو اب اسلام کی طرف ذمی کا رجوع کرنا اسے ساقط نہیں کر سکتا جس طرح مسلمانوں کے وہ حقوق جو اس کے اسلام لانے سے اس پر واجب ہیں مثلاً قتل، تہمت وغیرہ (کہ یہ بعد اسلام بھی واجب رہتے ہیں) اور یہ کہ جبکہ ہم اس بارے میں مسلمان کی بھی توبہ قبول نہیں کرتے تو کافر کی توبہ بدرجہ اولی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہے کتاب ابن حبیب اور مبسوط میں اور ابن قاسم، ابن ماجہ، ابن عبد الحکیم اور اصحیح رحمہ اللہ نے ذمیوں کے بارے فرمایا جو ہمارے نبی کریم ﷺ یا کسی اور نبی کو گالی دے تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں اسی طرح انبیاء میں ابن قاسم رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہی مذہب محمد (بن المواز) اور سخون رحمہما اللہ کا ہے۔ چنانچہ سخون اور اصحیح رحمہما اللہ نے فرمایا کہ ایسے ذمی سے نہ توبہ یہ کہا جائے کہ تو اسلام لے آ اور نہ ہی یہ کہا جائے کہ اسلام نہ لائیں اگر (از خود وہ) اسلام لے آئے تو یہ اس کی توبہ ہوگی۔

کتاب محمد رحمۃ اللہ علیہ (بن المواز) میں ہے کہ ہمیں اصحاب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو کوئی بھی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر رسول اللہ ﷺ یا کسی اور نبی کو گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔ مگر ہمارے نزدیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اتنا اور زیادہ ہے کہ ”بشرطیکہ وہ کافر مسلمان نہ ہو جائے“۔ (یعنی اسلام لانے پر قتل نہ کیا جائے گا) ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک راہب نے نبی کریم ﷺ کی شان میں

کچھ یہودہ کہا اس پر سیدنا بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے اسے قتل کیوں نہ کر دیا۔

اور عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کیا جس نے کہا تھا کہ محمد ﷺ ہماری طرف رسول نہیں بھیجے گئے بلکہ وہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ اسی قسم کی اور بھی باتیں کہی تھیں تو ایسا کہنے میں ان پر کوئی مواخذہ نہیں اس لئے کہ اللہ ﷻ نے ان کو ایسا اعتقاد رکھنے میں برقرار رکھا ہے البتہ اگر اس نے آپ ﷺ کو گالی دی اور یہ کہا کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) نہ تو نبی ہیں اور نہ رسول اور نہ آپ ﷺ پر قرآن ہی نازل ہوا ہے بلکہ وہ آپ ﷺ کا اپنا اختراع ہے یا اس قسم کی اور کوئی بات کرے تو اسے ضرور قتل کر دیا جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب کوئی نصرانی یہ کہے کہ ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے کہ تمہارا دین تو گدھے کا دین ہے یا اس قسم کی اور کوئی بکو اس کرے یا یہ کہ جب موذن کو اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا سنے اور اس پر کہے کہ ایسا ہی تم کو بھی اللہ ﷻ رسول بنائے (معاذ اللہ نظر حقارت کہے) تو ایسے کو خوب دردناک سزا دینی چاہئے طویل قید میں رکھنا چاہئے۔

اور اگر کوئی غیر مسلم شخص نبی کریم ﷺ کو ایسی گالی دے جو معروف و مشہور اور جانی پہچانی ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔ مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ اس سے توبہ لی جائے یا اس کی توبہ قبول کی جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے نزدیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اِلَّا اَنْ يُسَلِّمَ (مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے) اس پر محمول ہے کہ وہ برضاء رغبت از خود اسلام قبول کرے۔

سلیمان بن سالم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک یہودی کے بارے میں سوالات کے جواب میں ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو ذمی موذن سے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے سن کر کہے کہ ”تو نے جھوٹ بولا“ تو اسے خوب سخت سزا دی جائے جس سے اسے درد و الم ہو اور اسے طویل قید میں رکھا جائے۔

اور کتاب نوادر میں بروایت سحنون رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو کوئی یہودی یا نصرانی کسی نبی کو اس وجہ کے برخلاف جس پر وہ کفر میں قائم ہے گالی دے تو اس کی گردن مار دی جائے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے۔

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے پر ایسے شخص کو کیوں قتل کیا جس کے دین میں گالی دینا یا آپ ﷺ کی تکذیب کرنا اس کے دین کا

جزو تھا اور ایسی باتیں اس کے دین میں شامل تھیں تو جواب میں کہا جائے گا ہم نے اسے اس لئے قتل کیا کہ ہمارا اس پر کوئی عہد و ذمہ نہیں تھا اور نہ اس کی اجازت تھی کہ چاہئے تو وہ ہم کو قتل کر دے یا ہمارا مال چھین لے۔ لہذا جب وہ ہم میں سے کسی کو قتل کرے گا تو ضرور اسے قتل کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ بات اس کے دین میں جائز و حلال ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے لئے ہمارے سامنے گالی ظاہر کرنے کا حکم ہے کیونکہ یہ بھی موجب قتل ہے۔

سحون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس طرح کسی قول میں ہمارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اہل عرب ہم سے اس شرط پر جزیہ دینا قبول کریں کہ وہ (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ کو گالی دینے میں برقرار رکھے جائیں (اور ہم اسے منظور کر لیں یہ جائز ہی نہیں) اسی طرح ذمیوں میں سے اس شخص کا عہد بھی ٹوٹ جائے گا جو کوئی بھی آپ ﷺ کو گالی دے اور ہمارے لئے وہ حلال الدم بن جائے گا۔ لہذا جس طرح اسلام اس مسلمان کو قتل سے نہیں بچا سکتا جو آپ ﷺ کو گالی دے اسی طرح ”ذمہ“ بھی اس ذمی کو قتل سے نہیں بچا سکتا جو آپ ﷺ کو گالی دے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن سحون رحمۃ اللہ علیہ نے جو اقوال اپنی طرف سے اور اپنے والد کی جانب سے بیان کئے ہیں وہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے برخلاف ہیں جس میں انہوں نے سزا میں تخفیف کا ذکر کیا ہے جبکہ وہ ان باتوں میں سے ہو جن کے سبب وہ پہلے ہی سے کافر تھا۔ لہذا ہمیں غور و خوص کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کے برخلاف ہے جو اس بارے میں اہل مدینہ سے مروی ہے۔

ابومصعب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسا نصرانی لایا گیا جس نے کہا کہ ”اس خدا کی قسم جس نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو (سیدنا) محمد (ﷺ) پر پسند فرمایا ہے۔“ پھر میرے سامنے اس کے بارے میں اختلاف رونما ہوا مگر میں نے اس کو اتنا مارا کہ وہ قتل ہو گیا یعنی ایک شبانہ روز (دن رات) زندہ رہ کر مر گیا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ اسے پاؤں سے گھسیٹ کر کوڑے پر ڈال دیا جائے۔ چنانچہ کتوں نے اس کی تکہ بوٹی کر ڈالی۔

ابومصعب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نصرانی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا تھا کہ (معاذ اللہ) عیسیٰ (علیہ السلام) نے محمد (ﷺ) کو پیدا کیا ہے۔ تو فرمایا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مصری نصرانی کے بارے میں دریافت کیا کہ اس پر یہ گواہی گزری ہے کہ اس نے کہا ہے کہ ”وہ مسکین محمد (ﷺ) تم کو خبر دیتا

ہے کہ وہ جنت میں ہے اس کا کیا حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی فائدہ نہ پہنچا سکا اس لئے کہ کتے اس کی پنڈلیوں کو کھاتے تھے اگر وہ اس کو قتل کر ڈالتے تو لوگ اس سے راحت پاتے۔ “لَغْنَةُ اللَّهِ عَلَي قَاتِلِهَا. نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْخُرَافَاتِ، نَسْتَغْفِرُ مِنْ ذَلِكَ” امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے نزدیک اس کی گردن اڑادی جائے۔ اس کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن پھر میں نے خیال کیا کہ میں اس پر خاموش نہیں رہ سکتا۔

ابن کتابہ رحمۃ اللہ علیہ ”مبسوط“ میں کہتے ہیں کہ جو یہودی یا نصرانی نبی کریم ﷺ کو گالی دے تو میں حاکم کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ یا تو اسے قتل کر کے اس کے جسم کو آگ میں پھینک دے یا اگر وہ چاہے تو زندہ آگ میں جھونک دیا جائے جبکہ وہ گالی میں مبالغہ اور ضد کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مصر سے ایک مکتوب آیا جس میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا مسئلہ دریافت کیا گیا تھا تو ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ میں نے لکھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی گردن اڑادی جائے۔ یہ کہہ کر میں نے عرض کیا: اے ابو عبد اللہ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) کہ آپ یہ بھی لکھوائیں کہ پھر اسے آگ میں جلایا جائے۔

اس پر آپ نے فرمایا: یقیناً وہ اسی کا مستحق ہے اور وہ اسی کا سزاوار ہے۔ تو میں نے اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے آپ کے روبرو لکھا اور آپ نے نہ اس کا انکار کیا اور نہ برا جانا اور وہی فتویٰ بھیج دیا گیا۔ چنانچہ اسے قتل کیا گیا اور جلایا گیا۔

ہمارے اندلس کی جماعت اصحاب سلف میں سے عبید اللہ بن یحییٰ اور ابن لبابہ رحمہما اللہ نے ایک ایسی نصرانی عورت کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے چیخ کر خدا کی ربوبیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیٹے ہونے سے انکار اور حضور ﷺ کی نبوت کی تکذیب کی تھی اور یہ فتویٰ دیا کہ اگر وہ اسلام قبول کرے تو اس سے قتل معاف ہو جائے گا اور علماء متاخرین میں سے بکثرت علماء کا یہی قول ہے جن میں سے قلابی اور ابن کاتب رحمہما اللہ بھی ہیں۔

ابوالقاسم بن جلاب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ جس نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

قاضی ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ وہ ذمی جس نے گالی دی پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کرنے سے حکم قتل معاف ہو جائے گا (اور دوسری روایت یہ ہے جسے)

ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حد قذف وغیرہ حقوق العباد میں سے ہے ذمی کا اسلام حد کو ساقط نہیں کرتا۔ اسلام سے صرف حقوق اللہ ساقط ہوتے ہیں اور حد قذف چونکہ بندوں کا حق ہے خواہ وہ حق نبی کا ہو یا غیر نبی کا۔ لہذا یہ ذمی پر واجب ہی رہتے ہیں۔ جب وہ نبی کریم ﷺ پر تہمت لگائے اس کے بعد وہ اسلام لے آئے تو حد قذف باقی رہتی ہے۔

اب یہ غور طلب امر ہے کہ اب اس پر کیا چیز واجب ہے۔ آیا نبی کریم ﷺ کے حق میں اس پر حد قذف واجب ہے اور وہ حد یہاں پر قتل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حرمت دوسروں سے کہیں برتر ہے یا یہ کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے قتل تو ساقط ہے لیکن اس کو اسی 80 درے لگائے جائیں۔ لہذا اس پر غور کرنا چاہئے۔

(نوٹ) مذہب حنفی کی بنا پر ذمی کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں اس قسم کے مسائل میں حد قذف اور قتل دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

## چوتھی فصل

گستاخ رسول ﷺ کی میراث اور اس کے غسل و نماز جنازہ کا حکم جو شخص نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کی بنا پر قتل کر دیا جائے اس کی میراث اور اس کے غسل و نماز کے بارے میں علماء کے اقوال یہ ہیں کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے جرم میں قتل کر دیا جائے اس کی میراث میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ جماعت مسلمین کا حق ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینا کفر ہے جو زندیق کے کفر کے مشابہ ہے اور اصبح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی میراث اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گی۔ اگر وہ اس کو چھپاتا تھا۔ لیکن اگر وہ اس کو اعلانیہ ظاہر کرتا تھا تو اب اس کی میراث جماعت مسلمین کو ملے گی (یعنی بیت المال میں داخل کی جائے گی) اور ہر حال میں اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

اور ابوالحسن قلابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر وہ اس حال میں قتل کیا جائے کہ اپنے خلاف شہادت کا انکاری تھا تو اس کی میراث میں وہی حکم ہوگا جو اس کے اقرار سے ظاہر ہے۔ یعنی اس کی میراث کے مستحق اس کے ورثاء ہی ہوں گے اور حکم قتل تو وہ اس امر کی حد ہے جو اس پر ثابت ہوا ہے اس کو میراث سے کوئی علاقہ (تعلق) نہیں۔

علی ہذا القیاس: اگر وہ گالی دینے کا اقرار کرے اور توبہ کو ظاہر کرے تو قتل ضرور کیا جائے گا

چونکہ اس کی حد وہی ہے لیکن اس کی میراث اور اس کے سوا دیگر تمام احکام میں اسلام کا حکم ہوگا۔  
اور اگر گالی کا اقرار کرے اور اس پر اصرار بھی کرے اور توبہ سے انکار کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے تو وہ کافر ہوگا اس کی میراث مسلمانوں کے لئے ہے نہ تو اسے غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر نماز پڑھی جائے گی اور نہ کفن دیا جائے گا بلکہ یوں ہی کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں دبا دیا جائے گا۔ جس طرح کفار کو دبا دیا جاتا ہے۔

اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس شخص کے بارے میں تو ظاہر ہے جو اعلان نبی آپ ﷺ کو گالی بکتا ہو اور اس پر اسے اصرار بھی ہو اس میں اصل اختلاف کا امکان بھی نہیں کیونکہ وہ کافر و مرتد ہے جس نے نہ توبہ کی اور نہ اس سے باز رہا۔ یہ قول اصبح رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے۔ علی ہذا القیاس سخون رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں اس زندقہ کے بارے میں ہے کہ جو اپنے قول پر اصرار کرتا ہو اور اسی طرح عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کی ایک جماعت کا قول اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے کفر کا اعلان کرے۔ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کا حکم مرتد کا سا ہے کہ نہ تو اس سے اس کے مسلمان ورثاء ہی مستحق ہوتے ہیں اور نہ وہ لوگ وارث بنتے ہیں جن کے دین میں وہ داخل ہوا تھا۔ نہ اس کی وصیتیں نافذ ہیں اور نہ غلاموں کو آزاد کرنا جائز اور یہی اصبح رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ خواہ اسے اس حالت پر قتل کیا جائے یا اپنی موت پر مر جائے اور ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختلاف علماء صرف اس زندقہ کی میراث میں ہے جو توبہ کو ظاہر کرے پھر اس کی قبول نہ کی جائے لیکن جو مرتد سرکش ہو اس میں قطعاً اختلاف نہیں ہے کہ ورثاء اس کے مال کے وارث ہوں گے ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اللہ ﷻ کو گالی نکالی پھر وہ مر جائے اور اصبح رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ ”کتاب ابن حبیب“ میں اس شخص کے بارے میں قتل کہا جس نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی ہے یا ایسے دین کا اعلان کرے جس سے دین اسلام چھوٹ جائے تو بلاشبہ اس کی میراث جماعت مسلمین (بیت المال) کو ملے گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ربیعہ امام شافعی، ابو ثور اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ نے کہا کہ مرتد کی میراث جماعت مسلمین کو ملے گی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں اختلاف مروی ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، ابن مسعود، ابن مسیب، حسن، شعیب، عبدالعزیز، حکم اور اوزاعی



لیٹ اسحاق اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے مسلمان ورثاء اس کی میراث پائیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم اس مال کا ہے جو مرتد نے رڈٹ سے قبل کمایا ہے لیکن وہ مال جو اس نے ردت کے بعد کمایا تو وہ جماعت مسلمین (بیت المال) کو ملے گا۔ مگر ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تفصیل اپنے باقی جواب میں عمدہ اور ظاہر ہے۔

قرطبہ کے فقہاء عبدالملک فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی ہارون بن حبیب کے مسئلہ میں مختلف ہو گئے کیونکہ وہ تنگدل اور بدخلق تھا اس پر اس کے برخلاف متعدد شہادتیں گزریں۔ ان میں سے ایک یہ ہے اس نے مرض سے صحت پانے کے بعد کہا کہ میں اپنے مرض سے اس قدر تنگ آ گیا تھا کہ اگر میں (سیدنا) ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو بھی قتل کر دیتا تو میں اس تمام بیماری کا مستحق نہ ہوتا۔ اس پر ابراہیم بن حسین بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ چونکہ اس کا یہ قول اس کا مقتضی ہے کہ اس نے اللہ ﷻ پر ظلم و جور کی نسبت کی ہے اس خصوص میں اشارہ بھی تصریح کا حکم رکھتا ہے اور اس کے بھائی عبدالملک بن حبیب اور ابراہیم بن حسین بن عاصم اور سعید بن سلیمان قاضی رحمہم اللہ نے قتل سے باز رکھنے کا فتویٰ دیا۔ مگر قاضی نے یہ مناسب جانا کہ اسے قید سخت میں رکھا جائے اور شدید سزا دی جائے کیونکہ اس کا کلام متحمل اور شکوہ کی طرف پھیرا جاسکتا ہے۔

اب رہی اس کی وجہ ”جس نے اللہ ﷻ کو گالی دی اور اس سے توبہ لینے کا حکم دیا“ تو یہ صرف اس کے کفر و ردت کی وجہ سے ہے چونکہ اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کا حق متعلق نہیں ہے تو یہ اس کفر سے مشابہ ہے جو بغیر گالی کے ہو گیا کہ یہ اظہار ہے کہ اب وہ اسلام کے مخالف کسی دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

(اب رہا وہ قول جس میں اس کے) توبہ نہ لینے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اظہار اسلام کے بعد اس کے منہ سے گالی نکلی تو ہم نے اس کو متہم جانا اور گمان کیا کہ اس کی زبان پر گالی جب ہی آئی کہ وہ دل سے اس کا معتقد تھا۔ کیونکہ ایسی باتوں میں کوئی تسامح نہیں کرتا لہذا اس کا حکم زندیق کی طرح ہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اور جب وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا اور اس سے گالی ظاہر ہوئی تو وہ ارتداد کے معنی میں ہوگا۔ گویا اب یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے اسلام کا قلاوہ اپنی گردن سے اتار دیا ہے۔ بخلاف پہلے شخص کے کہ وہ اسلام کا پابند ہے۔ ایسے شخص کا حکم مرتد کے حکم میں ہے جس سے بزمہب اکثر علماء توبہ لی جائے گی یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور اس کے خلاف کو فضلوں میں بیان کیا ہے۔

## تیسرا باب

اس شخص کے حکم کے بارے جو اللہ ﷻ، اس کے رسولوں، فرشتوں اور کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کی آل و کورا کہتا ہے۔ اس کی تفصیلیں ہیں۔

## پہلی فصل

### شانِ الہی کے خلاف کلمات بولنے کا حکم

اب رہا ایسے شخص کا حکم جو اللہ ﷻ کی نسبت ایسی باتیں منسوب کرے جو اس کے لائق نہیں ہیں جو نہ تو برسبیل سب و شتم ہو اور نہ بطریقِ ردّث اور ارادۂ کفر ہو بلکہ بروجہ تاویل و اجتہاد اور خطا کے ہو اور وہ مقتضی خواہشات نفسانی اور بدعت ہو مثلاً تشبیہ دینا یا کسی عضو سے موصوف کرنا یا کسی صفت کی نفی کرنا وغیرہ۔

تو یہ امر ہے کہ جس کے قائل و معتقد کی تکفیر میں علماء سلف و خلف کا اختلاف ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا بھی اس میں اختلاف مروی ہے اور جب ایسے لوگ جماعت بندی کر کے قوت پکڑ لیں تو ان سے قتال و جہاد کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ان سے توبہ طلب کی جائے گی۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو فیہا ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

البتہ علماء کا اختلاف منفرد (تہا) شخص میں ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا قول اس کی تکفیر سے باز رہنے اور اس کو قتل سے چھوڑنے میں ہے۔ البتہ اس کی سزا میں مبالغہ اور قید میں درازی اس عرصہ تک ہوگی کہ وہ اپنے عقیدے سے رجوع ظاہر کرے اور اپنی توبہ کا اعلان کرے۔ جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صبیح بن شریک تمیمی کے ساتھ کیا تھا اور یہ محمد بن المواز رحمۃ اللہ علیہ کا ”خوارج“ میں اور عبدالملک بن المہاشون رحمہما اللہ کا قول ہے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا قول تمام اہل ہواء (بدعتوں) کے لیے ہے اور اس کے ساتھ موطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تفسیر کی گئی ہے۔ جس کو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جد و عم سے قدریہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو فیہا ورنہ وہ قتل کئے جائیں اور عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے اہل ہواء کے بارے میں یعنی اباضیہ و قدریہ اور ان کی مثل دیگر اہل بدعت جو اہل سنت و جماعت کے مخالف اور کتاب الہی میں تحریف و تاویل کے خوگر ہیں فرمایا کہ

ان سے توبہ طلب کی جائے خواہ وہ اپنے اعتقاد کو ظاہر کریں یا چھپائیں اگر وہ توبہ کر لیں تو فہماور نہ قتل کئے جائیں اور ان کی میراث ان کے وارثوں کے لئے ہے نیز اسی طرح ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب محمد“ میں فرقہ قدریہ وغیرہ کے بارے میں فرمایا ہے۔

اور ان سے توبہ طلب کرنا یہ ہے کہ ان سے کہا جائے کہ جس پر تمہارا اعتقاد ہے اس سے باز آ جاؤ۔ اسی طرح مبسوط میں اباضیہ قدریہ اور تمام اہل بدعت کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور اپنی بری رائے کی وجہ میں قتل ہوئے ہیں اور یہی عمل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا۔ اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ کرے تو فہماور نہ وہ قتل کر دیا جائے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کو کافر کہتے ہیں اور سخون رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس شخص کے بارے میں اسی طرح مروی ہے جس نے کہا تھا کہ ”اللہ ﷻ کا کلام نہیں ہے“۔ (فرمایا کہ) وہ کافر ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف روایتیں مذکور ہیں اور ابو مسہر اور مروان بن محمد طاطری وغیرہ شامیوں کی روایتوں میں تو ان کو مطلقاً کافر کہا ہے اور ان سے جب ایک قدری شخص کو لڑکی دینے کے بارے میں مشورہ لیا گیا تو فرمایا ان سے بیاہ نہ کرو کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ۔

بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ البقرہ ۲۲۱)

اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ اہل ہوا تمام کے تمام کافر ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے ذات باری ﷻ کے لئے کوئی حصہ جسم مانا مثلاً ہاتھ، کان اور آنکھ وغیرہ تو قاتل کا وہی عضو اور حصہ جسم قطع کیا جائے۔ کیونکہ اس نے اللہ ﷻ کو اپنی جان (جسم وغیرہ) سے تشبیہ دی۔

اور آپ نے اس شخص کے لئے جس نے قرآن کو مخلوق کہا تھا کفر کا فتویٰ دیا اور حکم دیا کہ قتل کر دیا جائے اور ابن نافع رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کو کوڑے مارے جائیں اور دردناک مار لگائی جائے اور قید میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے اور بشر بن بکر شیبسی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور توبہ قبول نہ کی جائے۔

قاضی ابو عبد اللہ برنگانی اور قاضی ابو عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جو عراق کے ائمہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ اس کے مختلف جواب ہیں ان میں سے جو شخص جاننے والا (عالم) ہے اور لوگوں میں تبلیغ و دعوت دیتا ہے اسے تو قتل کر دیا جائے علیٰ ہذا الخلاف اعادہ صلوٰۃ میں جو ایسوں کے پیچھے پڑھی گئی

اس میں بھی مختلف اقوال ہیں ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ قدریوں سے توبہ طلب نہ کی جائے اور اکثر سلف کے اقوال ان کی تکفیر میں ہیں اور ان ائمہ میں سے جنہوں نے تکفیر کی ہے لیث اور ابن عیینہ اور ابن لہیہ رحمہم اللہ ہیں اور ان سے یہ حکم اس شخص کے لئے مروی ہے جس نے قرآن کو مخلوق کہا ہے اور اسی کے ابن المبارک، اودی، کعب، حفص بن غیاث، ابواسحاق قزازی، ہشیم اور علی بن عاصم رحمہم اللہ وغیرہ قائل ہوئے ہیں اور یہی قول اکثر محدثین، فقہاء اور متکلمین کا قائلین خلق قرآن اور خوارج و قدریہ گمراہ اہل ہوا اور تاویل کرنے والے بدعتیوں کے بارے میں ہے۔ یہی قول امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہے علی ہذا القیاس ان حضرات نے یہی حکم ان لوگوں کے بارے میں دیا ہے جو ان اصولوں سے توقف اور شک کرے۔

اور وہ حضرات جن سے دوسرے قول کا مفہوم مروی ہے یعنی ان کی تکفیر نہ کی جائے سیدنا علی ابن ابی طالب، سیدنا ابن ابی طالب، سیدنا ابن ابی عمر اور حسن بصری رحمہم اللہ ہیں اور یہی رائے فقہاء و اہل نظر اور متکلمین کی ایک جماعت کی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے اہل جرداً (خوارج وغیرہ) اور قدریوں کے مردوں کا ورثہ ان کے وارثوں کو دلا یا تھا۔ اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر کے ان پر اسلام کے احکام جاری کئے تھے۔

قاضی اسمعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ قدریوں اور تمام اہل بدعت سے توبہ لی جائے اگر وہ توبہ کر لیں تو فہماور نہ قتل کر دئے جائیں۔ اس لئے کہا کہ وہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ جیسا کہ باغیوں کا حکم ہے کہ حاکم و امام اگر مناسب خیال کرے تو ان کو قتل کر سکتا ہے اگر چہ انہوں نے کسی کو قتل نہ کیا ہو۔ حالانکہ باغیوں کا فساد تو صرف اموال اور دنیاوی مطاع و امور میں ہے اگر چہ کبھی دینی امور میں بھی ہوتا ہے مثلاً حج اور جہاد کے راستوں میں لیکن اہل بدعت کا فساد تو دین کے اہم امور میں ہوتا ہے اگر چہ کبھی دنیاوی اور معاملات میں بھی ہو۔ مثلاً وہ مسلمانوں کے درمیان عداوت وغیرہ پھیلائیں۔ لہذا دین کے فساد کو مٹانا دنیا کے فساد کو رفع کرنے سے کہیں زیادہ افضل و اعلیٰ ہے۔

## دوسری فصل

متاویلین کی تکفیر میں تحقیقی قول

ہم ان علماء سلف کے اقوال و مذاہب بیان کر چکے ہیں جنہوں نے ان اصحاب بدعت و ہوا

اور متاؤلین کو کافر کہا ہے جن کی باتیں ان کو قریب بکفر لے جاتی ہیں۔ اگر اس کے قائل کو علم ہو جائے تو وہ ایسی باتیں نہ کہے جو ان کو کفر تک لے جائے۔ ان کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء و متکلمین اس بارے میں مختلف ہیں چنانچہ کچھ علماء نے تو ان کی تکفیر کو درست و صواب کہا ہے جس کے جمہور سلف قائل ہیں۔

اور کچھ علماء ایسے ہیں جنہوں نے تکفیر کا انکار کیا ہے اور انہوں نے ان کو ملت اسلامیہ سے نکالنا مناسب نہ جانا۔ یہ قول اکثر فقہاء و متکلمین کا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فاسق مرتکب کبائر گمراہ تو ہیں لیکن ہم ان کو مسلمانوں کا ورثہ دلاتے ہیں۔ اور ان پر اسلامی احکام جاری رکھتے ہیں۔ بایں وجہ سخون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں ان کو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تمام شاگردوں کا ہے۔ جن میں مغیرہ واہن کنانہ اور اشہب رحمہم اللہ بھی ہیں۔ سخون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتکب کبائر فاسق مسلمان ہیں محض ارتکاب گناہ انہیں اسلام سے خارج نہیں کرتا اور دیگر علماء اس بارے میں متردد و مضطرب ہیں اور وہ ان کی تکفیر و اسلام میں توقف کرتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول مختلف ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد اعادہ صلوٰۃ میں توقف فرماتے ہیں۔

علی ہذا القیاس امام اہل تحقیق والحق قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے فرماتے ہیں یہ مسئلہ مشکل ہے کیونکہ علماء ملت نے کلمہ کفر کی تصریح نہیں کی۔ یہ تو کہہ دیا کہ ایسا کلمہ مَفْضِی الی الکُفْرِ ہے اور خود ان کا قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متردد و مضطرب ہے یہاں تک انہوں نے فرمایا کہ یہ صرف علماء کی رائے ہے کہ متاؤلین کو انہوں نے کافر کہا اور یہ کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا حلال اور نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھائی جائے۔ اسی طرح ان کے ورثہ میں بھی اختلاف ہے جس طرح مرتد کی میراث میں ہے۔

قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم ان کی میراث ان کے مسلمان ورثاء کو دلاتے ہیں اور ان کو ہم مسلمانوں کا وارث نہیں بناتے۔ چنانچہ قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ان کے انجام کے لحاظ سے ترک تکفیر کی طرف تھا۔

اسی طرح اس بارے میں ان کے شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی مضطرب ہے اور ان کا اکثر قول ترک تکفیر ہی کا ہے اور یہ کہ ان کا کفر تو ایک ہی خصلت ہے وہ وجود باری ﷻ کے ساتھ جہالت و لاعلمی ہے۔ حضرت اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ ﷻ

کا جسم ہے یا مسیح (خدا) ہے یا جو اسے راہ میں ملے اس کو وہ کہہ دے کہ یہ خدا ہے۔ تو وہ عارف ربانی نہیں بلکہ وہ کافر ہے۔ اسی طرح ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان جوابات میں جو ابو محمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کو دیئے تھے جبکہ انہوں نے ان سے مسئلہ دریافت کیا تھا تو انہوں نے عذر فرمایا کہ اس میں یعنی تکفیر و عدم تکفیر میں سخت غلطی ہو جاتی ہے کیونکہ ملت اسلامیہ میں کافر کو داخل کرنا اور اس سے کسی مسلمان کو نکالنا دین میں بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ ان دونوں کے سوا علماء محققین متاویلین کی تکفیر میں احتراز و اجتناب کو واجب گردانتے ہیں۔ کیونکہ موحد نمازی کے خون کو مباح الدم قرار دینا خطرناک غلطی ہے اور ہزار کافر کے ترک میں خطا کر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک مسلمان کے خون کو بہایا جائے۔

یقیناً سید عالم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جب وہ یہ کہہ دیں یعنی کلمہ شہادت کا زبان سے اقرار کر لیں تو انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اموال کو مجھ سے محفوظ کر لیا۔ بجز ان کے حقوق کے اب ان کا حساب اللہ عز وجل پر ہے۔

معلوم ہوا کہ اقرار شہادت کے ساتھ ان کا بچاؤ یقینی اور قطعی ہے اور یہ حکم ان سے مندرج نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا خلاف مباح ہو سکتا ہے۔ مگر اسی صورت میں کہ کوئی قطعی دلیل موجود ہو اور شرع و قیاس سے کوئی اس کا قاطع نہ ہو۔

اب رہی یہ بات کہ احادیث میں جو باب تکفیر میں الفاظ مروی ہیں وہ تاویل طلب ہیں۔ اب جو حدیث میں قدریوں کے کفر کی تصریح وارد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ”اسلام میں ان کا کچھ حصہ نہیں“ اور یہ کہ رافضیوں کو مشرک فرمانا اور ان پر لعنت کرنا اعلیٰ ہذا القیاس خوارج وغیرہ اہل ہواء کے بارے میں جو منقول ہیں جو ان سے تکفیر کرنے والے حجت میں استدلال کرتے ہیں اور دیگر حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہی الفاظ حدیث میں کافروں کے سوا دوسروں پر بھی وارد ہیں (یعنی گناہ گار مسلمانوں کے لئے حالانکہ وہ کافر نہیں ہیں) سو یہ الفاظ بغرض زجر و توبیح ہیں اور یہ کفر (صریح) سے کم اور یہ شرک (جلی) سے کم درجہ کا ہے اور اسی طرح ریا کاری اور والدین کی نافرمانی بیوی کا شوہر کی حکم عدولی، جھوٹ اور تہمت کے گناہوں کے بارے میں آیا ہے جب کسی کلام میں دو باتوں کا احتمال ہو تو ان میں سے کسی ایک پر بلا دلیل قطعی یقین نہیں کیا جاسکتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خوارج کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ ”وہ مخلوق میں بدتر ہیں!“ حالانکہ یہ صفت خاص کفار کے لیے ہے اور ارشاد ہے کہ یہ کہ وہ آسمان کے نیچے بہت برے ہیں۔ خوشی ہو اسے جو ان کو قتل کرے یا وہ جو ان کے ہاتھوں مقتول ہو اور فرمایا کہ جب تم ان کو پاؤ تو قتل کر ڈالو جیسے قوم عاد کا قتل ہوا تھا۔ تو ان سے وہ لوگ استدلال

صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۴۳-۷۴۱ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۱۰ کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۶۰

کرتے ہیں جو ان کو کافر کہتے ہیں۔

اور دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان لوگوں کا قتل کرنا صرف ان کے خروج و بغاوت کی وجہ سے تھا کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے نکلتے تھے اور ان سے بغاوت مٹ گئی تھی اور اس کی دلیل اسی حدیث میں ہے کہ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ تو ان کا اس مقام پر قتل کرنا بطور حد و تعزیر تھا نہ کہ کفر کی وجہ سے اور قوم عادی کی تشبیہ کا ذکر کرنا بھی قتل و حلال کے لئے ہے نہ کہ مقتول کے لئے اور جس کسی کو بھی قتل کا حکم دیا جائے یہ ضروری نہیں کہ اس کے کفر کا بھی (علم) دے دیا جائے اور اس کا معارض حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اسی حدیث میں یہ قول ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں اس پر ارشاد ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ نمازی ہو۔ اب اگر وہ حضرات حضور ﷺ کے اس کے ارشاد سے استدلال کریں کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا اور یہ کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوگا۔ اسی طرح حضور کا یہ ارشاد کہ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر۔ پھر وہ اس کی طرف نہ لوٹ سکیں گے۔ یہاں تک کہ تیر اپنے کمان کی طرف لوٹ آئے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ جس طرح تیر لید (گور) اور خون سے نکل جاتا ہے یہ ارشادات دلالت کرتے ہیں کہ ان سے اسلام کا علاقہ ہی جاتا رہے گا اور کچھ بھی اسلام کا حصہ باقی نہ رہے گا۔

لیکن دوسرے حضرات جواب دیتے ہیں کہ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دل سے اس کے معانی نہ سمجھ سکیں گے اور ان کو انشراح صدر حاصل نہ ہوگا اور اس پر عمل نہ کر پائیں گے اور یہ حضرات معارضہ میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں کہ وہ تیر کے بارے میں نزاع کریں گے (کہ آیا اس پر یا خون لگا ہے یا نہیں) گویا ان کے شک کی حالت کا بیان مقصود تھا اور اگر سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کریں جو اس حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ”وہ اس امت میں نکلیں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ ”اس امت سے نکل جائیں گے“ اور سیدنا ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لفظ کی وضاحت کی ہے اور اسی کو ضبط کیا ہے۔ اس پر دوسروں نے یہ جواب دیا کہ امت میں کہنا اس تصریح کا متقاضی نہیں کہ وہ اس امت میں سے نہیں ہیں۔ بخلاف لفظ ”من“ کے جو ”بعضیت“ کے معنی میں آتا ہے۔ حالانکہ وہ امت میں سے ہی ہوں گے باوجود اس کے سیدنا ابو ذر سیدنا علی اور سیدنا ابی امامہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے حدیث میں مروی ہے کہ وہ میری امت سے نکلیں گے اور عنقریب میری امت میں سے نکلیں گے حالانکہ ان حروف کے معانی مشترک ہیں۔ لہذا لفظ

”فی“ سے ان کو امت میں سے نکالنے کا اور لفظ ”میں“ سے امت میں داخل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔ لیکن سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا اس لفظ کے ساتھ تشبیہ فرمانا بہت عمدہ اور خوب ہے اور یہ اس پر حجت قویہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فقہ اور معانی کی تحقیق و تجسس اور الفاظ و روایت کے احتیاط میں وسیع علم رکھتے تھے یہ مذہب اہل سنت و جماعت کے معروف و مشہور ہیں اور ان کے سوا دیگر فرقوں کے اقوال اس بارے میں بکثرت ہیں لیکن وہ سب کے سب مضطرب اور بے ہودہ ہیں۔ البتہ قرب الی الصواب جہم اور محمد بن شیبہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔ وہ یہ کہ کفر باللہ سے نادانی و جہالت کے سوا کوئی شخص کسی اور سبب سے کافر نہیں ہوتا۔

ابو ہذیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر متاویل جس کی تاویل میں اللہ عزوجلہ کا اس کی مخلوق کے ساتھ مشابہت اور اس کو اس کے افعال میں جابر و ظالم (معاذ اللہ) اور اس کی خبر کا جھٹلانا وغیرہ ہو وہ کافر ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کا قدیم ہونا ثابت کرے جسے اللہ عزوجلہ نے نہیں فرمایا وہ کافر ہے۔

بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ جو کوئی (کتاب و سنت سے) اصل و ماخذ کو پہچاننا ہو اور اس پر اپنے قول کو محمول کرتا ہو اور وہ ہو اوصاف الہی میں سے سو وہ کافر ہے اور اگر وہ اس باب (یعنی اوصاف الہی) سے نہ ہو تو وہ فاسق ہے مگر یہ کہ وہ اصل ہی کو نہ پہچانتا ہو تو وہ خطاوار ہے نہ کہ کافر۔

اور عبید اللہ بن حسن عمری رحمۃ اللہ علیہ اصول دین میں مجتہدین کے اقوال کی تصویب و صحت کی طرف گئے ہیں جن میں کہ تاویل ممکن ہے۔ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول میں تمام فرقہ ہائے ملت سے بالکل جدا گانہ طرز اختیار کیا ہے کیونکہ اس کے سوا تمام علماء ملت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اصول دین میں حق ایک ہی میں منحصر ہے اور اس میں خطا کرنے والا گنہگار عاصی اور فاسق ہے اور علماء کا اختلاف صرف تکفیر میں ہی واقع ہوا ہے۔

قاضی ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مثل بروایت داؤد اصہبانی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک قوم نے ان دونوں سے اس بات کو نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے اس بات کو ہر اس شخص کے حق میں کہا ہے جس کی حالت سے اللہ عزوجلہ کو معلوم ہو کہ اس نے طلب حق میں اپنی کوشش کو مقدور بھر پورا کر ڈالا ہو۔ خواہ وہ ہماری ملت میں سے ہو یا کسی دوسرے مذہب کا۔ اسی کے مشابہہ جافظ اور تمامہ رحمہما اللہ نے بھی کہا ہے کہ اکثر عوام عورتیں بیوقوف (نادان) اور یہود و نصاریٰ کے پیروکار وغیرہ پر اللہ عزوجلہ کی حجت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی طبیعتیں ایسی تھی ہی نہیں جو وہ استدلال سے کام لیتے اور کتاب تفرقہ میں امام غزالی رحمہ اللہ بھی تقریباً ایسے ہی مذہب کے قائل ہوئے



ہیں اور ان سب باتوں کے قائل بھی بالاجماع ایسے ہی کافر ہیں جیسے وہ شخص جو یہود اور نصاریٰ اور ہر وہ شخص جو دین اسلام سے جدا ہو گیا۔ جو ان کو کافر نہ جانے یا وہ ان کی تکفیر میں توقف یا شک کرے۔  
قاضی ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ توقف اور اجماع دونوں ان لوگوں کے کفر پر متفق ہیں۔ لہذا جو کوئی بھی اس میں توقف کریگا یا تو وہ نص اور توقف (اجماع) کی تکذیب کرے گا یا اس میں شک کرتا ہے تو اس میں وہی شخص تکذیب یا شک کرے گا جو کہ کافر ہے۔

## تیسری فصل

ان مقولہ جات کا بیان کہ جس میں کفر ہے اور جس

میں توقف یا اختلاف ہے اور کونسا مقولہ کفر نہیں

معلوم ہونا چاہئے کہ اس میں جو تحقیق اور ازالہ شبہات ہے وہ از روئے شرع ہے اس میں عقل کو مجال نہیں۔ اس میں بین فرق ہے کہ ہر وہ مقولہ جس میں ربوبیت یا وحدانیت کی صراحت سے نفی ہو یا کسی غیر اللہ کی پرستش یا اللہ ﷻ کے ساتھ کسی غیر کی عبادت میں شمولیت ہو تو وہ کفر ہوگا۔ جیسے دہریوں کے اقوال اور تمام وہ فرقے جو دو معبودوں کو مانتے ہیں مثلاً دینصاریہ اور مانویہ وغیرہ جیسے صائبین نصاریٰ اور مجوس ہیں اور وہ لوگ جو بتوں یا فرشتوں یا شیطانوں یا سورج یا ستاروں یا آگ وغیرہ یا اللہ ﷻ کے سوا کسی غیر کی عبادت کی وجہ سے مشرک ہیں جیسے مشرکین عرب، ہندو، چینی، سوڈانی وغیرہ ہیں۔ جو کہ کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اسی طرح قرامطہ اور اصحاب حلول اور تناخ جو روانض میں باطنیہ اور طیارہ کے نام سے مشہور ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو اللہ ﷻ کی الوہیت و واحدانیت کا تو قائل ہو لیکن وہ یہ اعتقاد رکھے (معاذ اللہ) کہ وہ حی نہیں ہے یا غیر قدیم ہے اور یہ کہ وہ محدث ہے یا یہ کہ اس کی شکل و صورت ہے یا یہ کہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کے کوئی بچہ یا شریک (ساتھی) یا باپ ہے یا یہ کسی شے سے متولد (پیدا) ہوا ہے یا اس سے کوئی متولد و کائن ہوا ہے یا یہ کہ اس کے ساتھ ازل سے کوئی شے اس کے سوا قدیم ہے یا یہ کہ جہاں میں اس کے سوا کوئی اور صانع اور مدبر ہے۔ یہ تمام باتیں کفر ہیں جس پر اجماع امت مسلمہ ہے مثلاً

۱۔ دینصاریہ ایک مجوسی تھا جو کہ نور کوئی (زندہ) اور ظلمت کو میت (مردہ) کہتا تھا۔ (مترجم)

۲۔ جو مانی ایک حکیم طبع مجوسی تھا وہ نور کو خالق خیر اور ظلمت کو خالق شر کہتا تھا اور نبوت کا مدعی تھا (مترجم)

فلاسفۃ الہیات اور منجموں اور نیچریوں کا قول ہے۔ اسی طرح یہ بھی کفر ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ کوئی اللہ ﷻ کے ساتھ بیٹھا ہے یا اسکی طرف چڑھتا ہے یا اس سے (زبان سے) مکالمہ کرتا ہے یا کسی شخص میں وہ حلول کرتا ہے۔ جیسا کہ بعض متصوفہ باطنیہ نصاریٰ اور قرامطہ کا قول ہے۔

اسی طرح اس کے کفر پر ہم یقین رکھتے ہیں جو کہے کہ عالم قدیم ہے یا عالم ہمیشہ باقی رہے گا یا اس میں شک کرے جیسا کہ بعض فلسفیوں اور دہریوں کا مذہب ہے یا یہ کہے کہ ارواح میں تواج ہے اور کہے کہ ہمیشہ یوں ہی لوگوں میں روہیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی ستھرائی اور خباثت کے لحاظ سے ان کو عذاب ہوتا ہے اور نعمتیں ملتی ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو الوہیت و وحدانیت کا تو معترف ہو مگر نبوت کا عمومیت کے ساتھ یا ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا خصوصیت کے ساتھ یا کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار کرتا ہو جس پر اللہ ﷻ کی نص موجود ہے پھر وہ علم کے باوجود انکار کرے تو وہ بلاشک کافر ہے۔ جیسے کہ براہمہ اور بڑے بڑے یہود و رؤساء نصاریٰ اور روافض کے عجوبہ خیال لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ کریم اللہ وجہ الکریم ہی (معاذ اللہ) مبعوث ہوئی تھے اور ان کی طرف ہی جبریل ﷺ (وحی لے کر) آتے تھے اور جیسے کہ روافض کے فرقہ معطلہ اسماعیلیہ اور عنبریہ وغیرہ ہیں اگرچہ ان فرقوں میں سے کچھ لوگ کفر میں دوسروں کے ساتھ جو ان سے پہلے ہیں شریک ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو کہ وحدانیت عام نبوت اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صحت کو تو مانتا ہو لیکن انبیاء علیہم السلام جو لائے اس میں کذب (جھوٹ) کو جائز مانتا ہو اور اپنے زعم میں اس میں مصلحت کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو (بہر حال) وہ بالا جماع کافر ہے جیسے کہ متفاسفہ بعض باطنیہ روافض غالی متصوفہ اور اصحاب اباحت وغیرہ کیونکہ ان کا زعم ہے کہ ظاہر شریعت اور اکثر وہ خبریں جو انبیاء و رسول علیہم السلام لائے ہیں مثلاً گزشتہ و آئندہ کی غیبی خبریں آخرت و حشر و قیامت جنت و دوزخ وغیرہ کی باتیں وہ ایسی نہیں ہیں جو ان کے ظاہر الفاظ کا تقاضا ہے اور جو کلام سے سمجھی جاتی ہیں اور مصلحت کی خاطر اس سے لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ انبیاء و رسول علیہم السلام کو ممکن نہ تھا کہ اصل حقیقت کا اظہار کرتے کیونکہ ان کے افہام ناقص تھے۔ ان کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت باطل ہو اور اوامر و نواہی معطل ہوں رسولوں کی تکذیب ہو اور جو وہ لائے ہیں اس میں شک و تردید واقع ہو۔ (لیکن مسلم مشائخ طریقت ان ہنوات سے بری اور منزہ ہیں یا یہ کہ ان کی اصطلاحات کے معانی و مفہوم سے وہ نابلد ہیں اور ان سے ان کا اہل ہی معرفت حاصل کر سکتا ہے یا یہ کہ بعض ملحدین نے اپنے اقوال کو مشائخ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہی ہمارا عقیدہ صوفیائے کرام اور مسلم مشائخ طریقت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے۔ واللہ اعلم مترجم۔)

اسی طرح جو شخص ہمارے نبی کریم ﷺ کی طرف آپ کی تبلیغ رسالت اور جو کچھ آپ لائے اس میں بالقصد کذب کی نسبت کرے یا آپ ﷺ کے صدق میں شک کرے یا آپ ﷺ کو گالی دے یا یہ کہے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ نہیں کی یا آپ ﷺ کی تنقیص شان کرے یا انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی اہانت کرے یا انہیں گناہ گار کہے یا انہیں اذیت پہنچائے یا کسی نبی کو قتل کرے یا ان سے جنگ کرے تو وہ بالاجماع کافر ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو بعض قدماء کا مذہب اختیار کرے جن کا اعتقاد تھا کہ حیوانات کی ہر جنس میں نذیر اور نبی ہے۔ خواہ وہ حیوان بندر ہو یا خنزیر یا جو پائے اور کیڑے مکوڑے وغیرہ ہوں۔ ایسوں کا استدلال یہ ہے کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈرسانے والا

(۲۲ فاطر ۲۳) گزر چکا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(اس اعتقاد میں کفر کی) دلیل یہ ہے کہ اگر ان جنسوں میں نبی مانا جائے تو ان جنسوں کے نبیوں کو انکی بری صفات کے ساتھ متصف ماننا پڑے گا۔ اسی طرح پر اس منصب جلیل عظیم اور صاحب شرافت و فضیلت پر عیب لگتا ہے۔ علاوہ بریں اس کے خلاف پراجماع امت مسلمہ ہے اور اس کا قائل کذاب و مفتری ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو ماسبق کے بیان کردہ اصول صحیحہ اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا قائل ہو مگر یہ کہتا ہو آپ ﷺ کالے رنگ کے تھے یا آپ ﷺ ریش مبارک نکلنے سے پہلے وفات پا گئے یا آپ ﷺ وہ نہیں جو مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس میں پیدا ہوئے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ قریشی نہ تھے۔ دلیل کفر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ایسی تعریف کرنا جو آپ ﷺ کی معروف و مشہور اوصاف کے خلاف ہو گویا اس نے آپ ﷺ کی نفی کی اور آپ ﷺ کی تکذیب کی۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی اور شخص کی نبوت کا اقرار کرے۔ (خواہ آپ ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری میں یا) آپ ﷺ کے بعد مانے۔ جیسے کہ یہود میں سے فرقہ عیسویہ ہے جس کا اعتقاد ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت خاص عرب کی طرف تھی یا جیسے خرمیہ کہتے ہیں کہ رسول پے در پے آتے رہیں گے۔ (یا جیسے آج کل کے فرقہ قادیانیہ جو غلام احمد کی نبوت کے قائل ہیں) یا جیسے اکثر

۱۔ اس فرقے کو حکومت پاکستان 1977ء میں کافر قرار دے چکی ہے جبکہ اس قرارداد کے بل کو اہل سنت و جماعت کے قائد مولانا الشاہ احمد نورانی رحمہ اللہ نے قومی اسمبلی میں پیش کیا تھا اور آپ اور دیگر علماء کی جدوجہد سے بالآخر قادیانی کے پیروکار خواہ اسے وہ نبی مانتے ہوں یا مجدد حکومتی سطح پر کافر قرار دیے گئے اور ان کو اقلیتوں میں شامل کیا گیا (ادارہ)

روافض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سیدنا علی مرتضیٰ (معاذ اللہ) رسالت میں شریک ہیں اور آپ کے بعد اسی طرح ہر امام ان کے نزدیک نبوت و رسالت اور حجت میں حضور ﷺ کا قائم مقام نبوت و حجت ہے۔ جیسے روافض میں سے فرقہ بریعیہ اور بیانہ وغیرہ ہیں کہ وہ بریلج اور بیان وغیرہ کی نبوت تک پہنچنا جازمانتا ہے یا جیسے فلاسفہ اور عالی متصوف۔

اسی طرح وہ شخص جو اپنے لئے نبوت کا دعویٰ کرے یا منصب نبوت کو اکتسابی قرار دے اور قلب کی صفائی کے ذریعہ مرتبہ نبوت کے حصول کو جازمانے جس طرح فلاسفہ اور عالی متصوفہ ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو ان میں سے یہ دعویٰ کرے کہ میری طرف وحی آتی ہے اگرچہ وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرے یا یہ کہے کہ آسمان تک چڑھ جاتا ہوں اور جنت میں داخل ہو جاتا ہوں اور جنت کے پھل کھاتا ہوں اور حور و عین سے معانقہ کرتا ہوں۔

تو یہ سب کے سب کافر اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کذاب ہیں۔ اس لئے کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ایسے خاتم النبیین ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت ملنا ہی نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ نے اللہ ﷻ کی جانب خبر دی کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کی طرف رسول کئے گئے ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر معنی پر ہی محمول ہے اور ان کا مفہوم و مراد بغیر تاویل و تخصیص کے یہی ہے۔ چنانچہ ان تمام گروہوں اور فرقوں کے کفر میں اجماع قطعی اور سمعی کی طرح شک و تردید نہیں ہے۔

اسی طرح ہر اس شخص کے کفر پر اجماع ہے جو نص کتاب کو دفع کرتا ہے یا کسی ایسی حدیث کی تخصیص کرتا ہے جسکی نقل پر یقین ہے اور وہ بالا اجماع اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے۔ جیسے کہ خوارج کو حکم رحم کے باطل کہنے کی بنا پر کافر کہا گیا۔

اور اسی بنا پر ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو مسلمان کے دین کے سوا کسی اور دین کے معتقد کو کافر نہیں کہتا یا ان میں توقف کرتا ہے یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے یا ان کے دین و مذہب کو صحیح کہتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کے ساتھ اسلام کو بھی ظاہر کرتا اور اسلام پر اعتقاد رکھتا ہو اور اسلام کے سوا ہر مذہب کو باطل کہتا ہو تب بھی وہ کافر ہے کیونکہ وہ اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو ایسی بات کہے جس سے کل امت کی ضلالت (گمراہی) اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر تک نوبت پہنچے جیسے روافض میں کمیلیہ کا قول ہے۔ اس لئے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد بر بنائے عدم تقدم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم تمام امت کی

تکفیر کرتے ہیں اور یہ گروہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھی کافر گردانتا ہے۔ چونکہ وہ خود کیوں آگے نہ بڑھے اور ان لوگوں سے پیش قدمی کر کے اپنا حق حاصل کیوں نہ کیا۔ لہذا یہ گروہ کئی وجوہات سے کافر ہے اس لئے کہ انہوں نے پوری شریعت کو باطل قرار دیا۔ جب نقل ہی منقطع ہو گئی تو قرآن کا نقل بھی منقطع ہو گیا کیونکہ اس کو نقل کرنے والے ان کے گمان پر کافر تھے اور اسی طرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول کا اشارہ ہے واللہ اعلم کہ انہوں نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرے۔

پھر یہ گروہ ایک اور وجہ سے بھی کافر ہو گیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے جیسا کہ ان کے قول کا اقتضاء ہے۔ ان کا گمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے خلافت کا وعدہ کیا تھا اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ انکار خلافت کریں گے۔ یہ محض ان کا گمان ہی ہے۔ اللہ سبحانہ کی اس گروہ پر لعنت ہو اور اللہ سبحانہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔

اسی طرح ہم ہر اس فعل کی جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو تکفیر کرتے ہیں کہ وہ فعل کافر کے سوا کسی مسلمان سے صادر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ شخص اپنے اس فعل کے ساتھ اسلام کی بھی تصریح کرتا ہو جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور یہود و نصاریٰ کے گرجوں کی طرف ان کے ساتھ دوڑ کر جانا اور ان کی شکل و صورت اختیار کرنا جیسے زنا ربا باندھنا یا بیچ سر سے بالوں کو منڈانا۔ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ان باتوں کا صدور کافر سے ہی ہوتا ہے کیونکہ یہ افعال علامات کفریہ ہیں۔ اگرچہ اس کا کرنے والا اسلام ہی کی صراحت کیوں نہ کرے۔

اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ہر وہ شخص جو قتل مسلم یا شراب کے پینے یا زنا کو جسے اللہ سبحانہ نے حرام قرار دیا ہے حلال جانے اور اسے ان کے حرام ہونے کا علم بھی ہو جیسے قرامطہ کے بعض اصحاب اباحت اور بعض غالی متصوف (تو یہ بھی کافر ہیں)

اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو قواعد شرع اور اس امر کو جو یقینی طور پر بنقل تو اتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور اس پر علی الاتصال اجماع چلا آ رہا ہو اس کی تکذیب کرے جیسے پانچ نمازوں کے وجوب کا انکار تعداد رکعات سجدہ نماز وغیرہ اور کہے کہ ہم پر اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب میں بالجملہ نماز واجب ہی نہیں کی یا یہ کہ ان صفات اور شرائط کے ساتھ پانچ نمازوں فرض ہی نہیں اور نہ میں انہیں جانتا ہوں اس لئے کہ قرآن میں کوئی صریح نص نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو خبر منقول

ہے۔ وہ خبر واحد ہے۔ (تو یہ یقیناً کفر ہے)

اسی طرح اس شخص کی تکفیر پر اجماع ہے جو بعض خارجی کہتے ہیں کہ نماز صرف دو طرفوں میں ہے (یعنی صبح و شام) اور باطنیہ کی تکفیر پر بھی اجماع ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیشک فرائض ان مردوں کے نام ہیں جن کے لئے حکومت کا حکم دیا گیا ہے اور خباثت و محارم ان مردوں کے نام ہیں جن سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض متصوفہ کا یہ قول ہے کہ عبادت اور طویل مجاہدوں سے جب ان کے نفوس صاف ہو جائیں تو ان کو ان سے سقوط تک پہنچا دیتی ہے اور ان کے لئے اس وقت ہر چیز حلال ہو جاتی ہے اور ان سے احکام شریعت کی پابندی مرتفع ہو جاتی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جو شخص مکہ مکرمہ یا بیت المقدس یا مسجد حرام یا مناسک حج کا انکار کرے یا کہے کہ حج قرآن میں فرض ہے اور استقبال قبلہ بھی فرض ہے لیکن ان کا اس معروف ہیئت پر ہونا اور یہ مقامات کہ یہی مکہ ہے یا بیت اللہ اور مسجد حرام ہے میں نہیں جانتا آیا یہی ہے یا اس کے سوا ہیں اور کہے کہ ممکن ہے کہ ناقلین نے جو یہ نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ تفسیر کی ہے غلطی کی ہو اور وہم ہو گیا ہو کہ یہ یوں نہیں ہے۔ سو یہ اور اس قسم کی باتیں وہ ہیں جس کی تکفیر میں اصلاح شک نہیں ہے۔ اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جن پر یہ گمان ہو کہ وہ اس کو جانتا ہے اور وہ ان میں سے ہے جو مسلمانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ عرصہ سے مجالست و مصاحبت ہے تو یہ کفر ہو گا مگر یہ کہ وہ اسلام میں حدیث العہد ہو (کہ ابھی تازہ ہی اسلام لایا ہو)۔

تو ایسوں سے کہا جائے گا کہ تمہارا طریق یہ ہے کہ جن باتوں کو نہیں جانتے ہو انہیں مسلمانوں سے دریافت کر لو تمہیں معلوم ہو جائے گا ان میں کوئی خلاف نہیں ہے اور ایک جماعت دوسری جماعت سے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ تک یہ باتیں نقل ہوتی ہوئی معلوم ہو جائیں گی جیسا کہ تم سے کہا گیا ہے کہ یہ مکہ ہے اور یہاں وہ بیت ہے جسے کعبہ کہا جاتا ہے جس کی طرف متوجہ ہو کر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے نمازیں پڑھی ہیں اور اسی کا حج و طواف کیا ہے اور یہی وہ افعال ہیں جو مناسک حج میں عبادت ہیں اور یہی مقصود ہے اور یہی افعال نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں نے کئے ہیں اور یہی صورت مذکورہ نمازوں کی ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے اور اللہ ﷻ نے اپنی مراد اسی طرح آپ ﷺ پر واضح فرمائی اور اس کے حدود آپ ﷺ پر روشن کئے تو تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا جیسا انہیں معلوم ہوا۔ اس کے بعد کوئی شک و تردد باقی نہ رہے گا۔ بعد علم و بحث اور بعد صحبت مجالست مسلمین پھر بھی وہ شک و تردد دیا انکار کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے اور اپنے کو لا علم کہنے میں معذور

نہ جانا جائے گا اور اس میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی بلکہ اس کا ایسا ظاہر کرنا دراصل اپنی تکذیب کو چھپانا ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہیں رہا کہ وہ اب بھی لاعلم ہو۔

علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمام امت پر ان کے منقولات میں جو اس بارے میں کرتے ہیں وہم اور غلط کو جائز رکھتا ہے۔ حالانکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل ہے اور مقصود الہی کی یہی تفسیر ہے تو اس نے تمام شریعت میں شک کو داخل کر دیا کیونکہ امت ہی شریعت اور قرآن کے قائل ہیں۔ اس طرح پر دین کی رسی یکدم کھل جائے گی۔

لہذا جو شخص یہ کہتا ہے وہ کافر ہے اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جس نے قرآن کا یا اس کے ایک حرف کا انکار کیا یا اس کے کسی حصہ اور جز میں تغیر و تبدل کیا یا اس میں کچھ زیادہ کیا۔ جیسا کہ باقیہ اور اسماعیلیہ کرتے ہیں یا یہ گمان کیا کہ قرآن نبی کریم ﷺ کے لئے حجت نہ تھا یا یہ کہ قرآن میں کوئی دلیل و معجزہ نہیں ہے جیسے کہ ہشام خطی اور معمر ضمیری کا قول ہے کہ وہ اللہ ﷻ پر دلالت نہیں کرتا اور نہ اس میں رسول ﷺ کے لئے حجت ہے اور نہ ثواب و عذاب کی دلیل ہے اور نہ کوئی حکم ہے بلاشبہ ہم ان دونوں کو بایں قول کافر کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم ان دونوں کی اس سبب سے بھی تکفیر کرتے ہیں کہ یہ دونوں اس امر کے بھی منکر ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے تمام معجزات آپ کے لئے حجت ہیں یا آسمان و زمین کی پیدائش میں وجود باری ﷻ پر بھی دلیل ہیں اور یہ کہ یہ اطلاع اور نبی کریم ﷺ سے نقل متواتر کے بھی خلاف ہیں یعنی آپ ان معجزات کے ساتھ احتجاج فرماتے تھے۔ نیز تصریحات قرآنیہ کے بھی خلاف ہیں۔

اسی طرح جو بھی کسی منصوص فی القرآن کا منکر ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ یہ مصاحف مسلمین اور قرآن مجید میں جو کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور اس سے جاہل نہ ہو اور نہ وہ اسلام میں حدیث العہد ہو اور اپنے استدلال میں حجت لاتا ہو کہ یا تو یہ اس کے نزدیک نقل صحیح نہیں اور نہ اسے کسی دوسرے سے اس کا علم ہو یا اس کے ناقلین پر وہم کو جائز رکھتا ہو تو ہم ایسے کی بھی انہیں دونوں طریقوں پر تکفیر کریں گے۔ اس لئے کہ یہ قرآن کو جھٹلانے والا اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہے لیکن وہ اپنے دعویٰ کو چھپانا چاہتا ہے۔

اسی طرح جو شخص جنت و دوزخ، حشر و نشر، حساب و کتاب اور قیامت کا منکر ہو وہ بھی باجماع امت کافر ہے کیونکہ اس پر نص بھی موجود ہے اور امت نے بھی تواتر کے ساتھ اس کی صحت نقل پر اجماع کیا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو ان کا معترف تو ہو لیکن یہ کہے کہ جنت و دوزخ، حشر و نشر، ثواب و

عقاب کے مراد و معنی اس کے ظاہری معنی کے سوا ہیں یعنی کہے کہ اس سے مراد لذات روحانیہ اور معانی باطنیہ ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ فلاسفہ باطنیہ اور بعض متصوفہ کا قول ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ قیامت کے معنی موت، فنا، محض ہیئت افلاک کو ٹوٹنا اور تحلیل عالم ہیں۔ جیسا کہ بعض فلاسفہ کا قول ہے۔

اسی طرح ہم ان عالی رذائف کی تکفیر میں یقین رکھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ائمہ رحمہم اللہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اب رہا وہ شخص جو ان اخبار و سیر اور بلاد معروفہ کا انکار کرے جو تو اتر کے ساتھ معلوم ہیں اور جن کے انکار سے نہ تو شریعت کا بطلان لازم آتا ہے اور نہ کسی قاعدہ اسلام کا انکار جیسے غزوہ تبوک یا غزوہ موتہ وغیرہ کا انکار یا سیدنا ابوبکر سیدنا عمر کے وجود اور سیدنا عثمان کی شہادت یا خلافت علی مرتضیٰ کا انکار کرے جن کا علم ہدایت بطور نقل حاصل ہے اور اس کے انکار میں شریعت کا انکار لازم نہیں آتا لہذا اس کے اس انکار سے اور اس کے حصول علم کے انکار سے اس کی تکفیر کی کوئی راہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اس نے افتراء بہتان باندھا جیسے ہشام اور عباد کا واقعہ جمل اور محاربہ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا انکار کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے مخالفوں سے نہیں لڑے۔ اب اگر اس نے اس لئے ان کا انکار کیا ہے کہ اس نے ان کے ناقلین کو متہم اور تمام مسلمانوں کو وہم میں مبتلا جانا ہے تو ہم اس کی تکفیر کا حکم کریں گے۔ کیونکہ اس طرح وہ شریعت کے ابطال کی جانب مفضی ہوگا۔

اب رہا وہ شخص جو مجرد اجماع صحیح اور اجماع جامع شروط اور عام متفق علیہ کا مخالف ہو وہ کافر ہے ان کا استدلال اللہ ﷻ کے اس ارشاد سے ہے کہ

مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ.  
(پ۵ النساء ۱۱۵) اس پر کھل چکا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ”جس نے بالشت بھر جماعت کی مخالفت کی تو بلاشبہ اس نے اسلام کا قتلہ اپنی گردن سے اتار پھینکا“۔ نیز علماء نے اس شخص کی تکفیر پر بھی اجماع نقل کیا ہے جو اجماع کی مخالفت کرے اور دیگر علماء قطعی تکفیر سے توقف کی طرف اس شخص کے بارے میں گئے ہیں جو ایسے اجماع کا مخالف ہو جو صرف علماء سے ہی اس کی نقل مخصوص ہو۔ (یعنی علماء کے سوا کوئی اور اس کا قائل نہ ہو) اور دوسرے لوگوں کا میلان یہ ہے کہ اس شخص کی تکفیر میں توقف کرنا چاہئے جو ایسے اجماع کا منکر تھا۔ کیونکہ وہ اپنے قول میں اس اجماع سلف کا مخالف تھا جو اس کے خلاف بطور خرق دلیل واقع ہوا تھا۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قول معتبر یہی ہے کہ اللہ ﷻ کی ذات و صفات سے جاہل ہونے کا نام کفر ہے اور اس کی ذات سے باخبر ہونے کا نام ایمان ہے اور کوئی



شخص بھی کسی قول یا رائے کے سبب جس کا کہ وہ قائل ہو کافر نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ وہ ذات باری ﷺ سے جاہل ہو۔ چنانچہ اگر اس نے اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کے ایسے قول و فعل کے ساتھ نافرمانی کی ہے جو منصوص ہے یا یہ کہ اس پر اجماع امت ہو کہ یہ کافر کے سوا صادر ہی نہیں ہوتا یا یہ کہ اس کے خلاف دلیل قائم ہو جائے تو یہ شخص کافر ہو جائے گا۔ یہ کفر اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اس قول کا قائل ہوا ہے یا اس نے یہ فعل کیا ہے بلکہ اس سبب سے کافر ہوا کہ وہ کفر کے ساتھ شامل ہو گیا ہے۔

لہذا اللہ ﷻ کے ساتھ کافر ہونا ان تین باتوں میں سے کسی ایک کے ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اول یہ کہ ذات باری ﷻ سے جاہل و بے خبر ہو دوسرا یہ کہ وہ ایسا قول و فعل کرے جس کی اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دے دی ہو یا یہ کہ اجماع امت ہو کہ یہ کافر کے سوا کسی سے صادر ہی نہ ہوگا۔ جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور زنا رڈال کر اصحاب کناہ کے ساتھ بالالتزام ان کے تہواروں کے موقع پر ان کے کینسوں میں جانا یا یہ کہ وہ قول یا فعل ایسا ہو جس کے ساتھ علم باللہ ممکن نہ ہو۔

قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دونوں قسمیں اگرچہ اللہ ﷻ کے ساتھ بے خبری اور جہالت میں سے تو نہیں ہے لیکن ان دونوں سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا کرنے والا کافر اور خارج ایمان ہے۔

اب رہا وہ شخص جو اللہ ﷻ کی صفات ذاتیہ میں سے کسی ایک صفت کی نفی کرے یا دانستہ انکار کرے جیسے کہ کہے کہ اللہ ﷻ عالم نہیں ہے اور نہ وہ قادر یا مرید یا متکلم وغیرہ ہے یعنی جو اس کی صفات کمالیہ ہیں اور اس کے ساتھ واجب ہیں ان کا انکار کرے تو ہمارے ائمہ نے اس شخص کے کفر پر اجماع منصوص فرمایا ہے کہ جو اللہ ﷻ سے ان اوصاف میں سے کسی وصف کی نفی کرے اور اسے اس وصف سے معرا (خالی) جانے اور اسی پر حقون رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی محمول کیا ہے کہ جو کوئی یہ کہے کہ اللہ ﷻ کے لئے کلام نہیں ہے سو وہ کافر ہے حالانکہ وہ متاویلین (تاویل کرنے والوں) کی تکفیر نہیں کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ میں مذکور ہوا۔

اب رہی یہ بات کہ جو صفات باری ﷻ کی کسی صفت سے جاہل و بے خبر ہو تو اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے تو اس کی تکفیر کی ہے اور یہ ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے اور ایک مرتبہ سیدنا ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ ایسی جہالت اسے اسم ایمان سے خارج نہیں بناتی اور اسی کی جانب اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمایا اور فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص اس کا ایسا معتقد نہیں ہے کہ وہ اس کے درست و صواب ہونے پر یقین

۱۔ سنن ابوداؤد کتاب الایمان جلد ۳ صفحہ ۵۸۸ سنن نسائی کتاب الوصایا باب فضل صدقہ علی المیت

۲۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ صحیح مسلم کتاب التوبہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۱

رکھتا ہو یا یہ کہ وہ اسے دین اور شریعت مانتا ہو۔ حالانکہ کافر وہ ہوتا ہے جو اس کا ایسا معتقد ہو کہ وہ اپنے قول کو حق مانتا ہو۔ ان حضرات نے سوداء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صرف توحید ہی کا مطالبہ فرمایا تھا نہ کہ کسی اور امر کا۔ نیز اس حدیث سے بھی استدلال کیا جس نے یہ کہا کہ ”اگر خدا مجھ پر قادر ہوگا“ اور اسی حدیث کی ایک روایت میں یہ ہے کہ ”شاید کہ میں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھٹ جاؤں“۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”پس اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بخش دیا“۔

علماء فرماتے ہیں کہ صفات باری میں اگر اکثر لوگوں سے بحث کی جائے اور ان سے اس کی حقیقت دریافت کی جائے تو ایسے اشخاص بہت کم ملیں گے جو ان سے واقف ہوں اور دوسرے علماء اس حدیث سے کئی جواب دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ قَدَرَ بمعنی قَدَرَ کے ہے اور اس کا شک کرنا قدرت الہی میں شک کرنا نہ تھا بلکہ نفس بعثت میں تھا جو بغیر شریعت کے معلوم ہی نہیں ہو سکتا اور ممکن ہے ان کے نزدیک اس خصوص میں حکم شرع موجود ہی نہ ہو جس کی بنا پر اس میں شک کرنا کفر قرار پائے اور جس امر میں شرع وارد نہ ہو تو وہ مجبوزات عقول میں سے ہوتا ہے (اس میں شک کرنے سے کفر لاحق نہیں ہوتا) یا یہ کہ قَدَرَ بمعنی ضَمَّ ہے۔ اسی لحاظ سے اس کا یہ فعل جو اس نے اپنی ذات کے ساتھ کیا تھا اپنے نفس کی تحقیر کی غرض سے تھا اور نفس کی نافرمانی پر اسے اپنے پر غصہ آ رہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ نا سمجھی میں کہا تھا اور وہ خود اپنی بات ہی کو نہ سمجھ رہا تھا کیونکہ اس پر خوف اور خشیت الہی طاری تھا جس نے اس کی عقل ختم کر رکھی تھی اور وہ اپنے الفاظ کو بھی ضبط نہ کر سکتا تھا۔ اس بنا پر اس سے کوئی مواخذہ نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ شخص زمانہ فترت میں تھا جبکہ صرف توحید ہی نفع دے سکتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بات کلام کے مجاز میں سے ہے جس کی ظاہری صورت میں تو شک ہوتا ہے اور اس کے معنی میں تحقیق و ثبوت ہوتا ہے اسی کو تجاہل عارفانہ (انجان پن) کہتے ہیں اس کی مثالیں کلام عرب میں بکثرت ہیں۔ جیسے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى ۝ اس امید پر کہ وہ دھیان کرے اور ڈرے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۱۶ ص ۲۴)

اور یہ ارشاد کہ

إِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هَدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ بیشک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔ (پ ۲۲ ص ۲۴)

اب رہا وہ شخص جو وصف کو تو ثابت کرے اور صفت کی نفی کرے چنانچہ کہے کہ میں کہتا ہوں کہ وہ اہم ہے لیکن اسے علم نہیں ہے اسی طرح متکلم تو ہے لیکن اسے کلام نہیں ہے۔ اسی طرح تمام

صفات الہیہ میں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ چنانچہ اس کی نسبت جس کسی نے انجام و مآل پر کہا کہ اس کا کلام کہاں تک پہنچتا ہے تو اس نے اس کی تکفیر کی ہے کیونکہ جب اس نے علم ہی کی نفی کر دی تو وصف عالمیت بھی از خود منٹھی ہو گیا۔ اس لئے کہ عالم وہی ہوتا ہے جسے علم ہو تو گویا ان کے نزدیک تمام متاؤلین اور ان کے فرقے ایسے ہی ہیں خواہ وہ مشبہ ہوں یا قدریہ وغیرہ اور جس کی یہ رائے ہو کہ ان کے قول کے مآل و انجام کے ساتھ مواخذہ نہ کیا جائے اور جو ان کے مذہب کے موجبات ہیں ان پر الزام نہ رکھا جائے تو وہ ان کی تکفیر کو جائز نہیں رکھتے۔ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کو اس پر آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ عالم نہیں ہے اور ہم بھی اس قال و انجام کی نفی و انکار کرتے ہیں جس کو تم ہم پر لازم کرنا چاہتے ہو اس کو ہم بھی اور تم بھی کفر ہی جانتے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کلام ہماری اصل پر اس کی جانب راجع ہی نہیں ہوتا۔ لہذا ان دونوں ماخذوں کی بنا پر اہل تاویل کی تکفیر و عدم تکفیر پر لوگوں کا اختلاف ہوا ہے۔

اب جبکہ اس مسئلہ کو تم سمجھ چکے اور تمہیں اس باب میں وجوہ اختلاف بھی معلوم ہو چکا۔ تو درست و صواب یہی ہے کہ ان کی تکفیر کو ترک کر دیا جائے۔ اور ان کی جانب اس امر کے یقین کرنے سے اعراض کیا جائے کہ وہ درحقیقت خائب و خاسر ہیں اور قصاص وراثت، مناکحت و ذیات (دیتوں) ان پر نماز و معاملات اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے میں مسلمانوں جیسے ہی احکام جاری کئے جائیں لیکن زجر و توبیخ اور ترک مکالمت و مجالست کے ساتھ ان پر سختی ضرور کی جائے تاکہ وہ اپنی بدعت سے رجوع کریں اور صدر اول کے ان اشخاص میں یہی عادت رہی ہے چونکہ ایسے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین کے زمانہ میں ہی پیدا ہو گئے تھے جو ایسے اقوال کے قائل تھے۔ جن کے قدریہ خوارج اور معتزلی وغیرہ قائل ہیں۔ تو ان حضرات نے نہ تو ان کی قبریں ہی جدا کیں اور نہ ان میں سے کسی کی میراث بندی کی۔ البتہ ان حضرات نے ان سے میل جول ترک کر دیا اور ضرب و جلا وطنی اور قتل وغیرہ کے ساتھ جیسی بھی ان کی حالت کا اقتضاء ہوا تادیب و تعزیر دی۔ کیونکہ محققین اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک جو ان کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں یہ لوگ فاسق، گمراہ اور مرتکب معاصی کبیرہ ہیں۔ برخلاف اس شخص کے جس کی رائے اس کے خلاف ہے۔ واللہ الموفق للصواب

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رہے وہ مسائل جو وعدہ و وعید و رویت و مخلوق، خلق افعال و ابقاء اعراض اور تولد وغیرہ دقیق مسائل ہیں تو ان میں تاویل کرنے والوں کی تکفیر میں احتراز کرنا چاہئے۔ یہی زیادہ مناسب و اظہر ہے کیونکہ ان مسائل میں سے کسی مسئلہ میں جاہل رہنا ذات

باری ﷺ سے جاہل ہونا لازم نہیں ہوتا اور نہ ایسے شخص کے کفر پر اجماع امت مسلمہ ہے جو ان میں سے کسی شے سے جاہل ہو۔ بے شک ہم نے اس سے پہلی فصل میں بحث اور اختلاف کو اس بسط و تفصیل سے بیان کر دیا ہے جس کے اعادہ کی پکڑ مہِ تعالیٰ اب حاجت نہیں رہی ہے۔

## چوتھی فصل

جو ذمی ہو کر اللہ ﷺ کو گالی دے اس کا حکم

یہ حکم تو اس مسلمان کا تھا جو اللہ ﷺ کو گالی دے۔ اب رہا ذمیوں کا حکم! تو سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذمی کے بارے میں مروی ہے کہ ایک ذمی حرمت الہی کے درپے ہوا اس دین کے خلاف جو اس کا تھا اعتراض کرنے لگا تب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس پر تلوار لے کر آ نکلتے اور اسے تلاش کیا مگر وہ بھاگ گیا۔

”کتاب ابن حبیبہ“ اور ”مبسوط“ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ”مبسوط“ ”کتاب محمد“ اور ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ جس یہودی یا نصرانی نے اس وجہ کے سوا جس کے ساتھ وہ کافر ہے اللہ ﷺ کو گالی دی تو قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ نہ لی جائے۔ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بجز اس کے کہ وہ مسلمان ہو جائے اور ”مبسوط“ میں ان کا قول ہے کہ وہ خوشی سے مسلمان ہوئے۔ اصحیح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ جس کفر پر وہ قائم ہے وہ اس کا دین ہے اور اسی پر قائم رہتے ہوئے اس نے خدا کے لئے بیوی شریک اور فرزند کا ادعا کیا ہے (اس کے اس دین پر ہونے کے باوجود) اس سے عہد لیا گیا۔ لیکن اس کے اور جھوٹ و گالی جو وہ اب بکتا ہے اس پر ان سے عہد نہیں لیا گیا۔ لہذا وہ عہد شکن ہو گئے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب محمد“ میں کہا کہ جس غیر مسلم نے اللہ ﷺ کو اس وجہ کے سوا جو اس کی (محرّف) کتاب میں مذکور ہے گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے۔ مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ محزومی مسلمہ اور ابن ابی حازم رحمہم اللہ نے ”کتاب مبسوط“ میں کہا کہ اسے قتل نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے توبہ نہ لی جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ اب اگر توبہ کرے تو فیہا ورنہ قتل کر دیا جائے اور مطرف و عبدالملک امام مالک رحمہم اللہ کی مثل فرماتے ہیں۔

ابو محمد ابن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو غیر مسلم اللہ ﷺ کو گالی دے بغیر اس وجہ کفر کے جس پر وہ قائم ہے تو قتل کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ ہم نے ابن حلاب رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے

بیان کر دیا۔ نیز عبد اللہ ابن ابی لبابہ رحمۃ اللہ علیہ اور مشائخ اندلس کا قول نصرانی عورت کے بارے میں اور ان کا یہ فتویٰ کہ اس گالی کی وجہ سے جس پر اللہ ﷻ اور نبی ﷺ سے کافر ہوئی ہے قتل کر دیا جائے اور اس پر ان کا اجماع بھی بیان کر چکے ہیں یہ اس دوسرے قول کی طرح جو اس شخص کی نسبت ہے جس نے ان میں سے نبی کریم ﷺ کو اس نے اس وجہ سے کہ وہ کافر ہے اس خصوص پر اللہ ﷻ اور اس کے نبی ﷺ کو گالی دینے میں فرق نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے ان ذمیوں سے اس بنا پر عہد لیا تھا کہ وہ ہمارے سامنے اپنے کسی کفر کو ظاہر نہیں کریں گے اور یہ کہ ہم ان کے مونہوں سے اس بارے میں کچھ نہ سنیں گے جب وہ ایسی کوئی بات کریں گے تو وہ عہد شکن بن جائیں گے۔

اور علماء کا اس ذمی کے بارے میں جو زندقہ بن جائے اختلاف ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ مطرف بن عبدالحکم اور اصبح رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ ایک کفر سے دوسرے کفر کی طرف منتقل ہو گیا ہے اور عبد الملک بن ماحشون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ وہ ایک ایسا دین ہے کہ جس پر کوئی مسلمان قرار نہیں پاتا اور اس پر جزیہ لیا جاتا ہے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے علم میں نہیں کہ اس کے سوا کسی اور کا قول بھی منقول ہو۔

## پانچویں فصل

### مفتری اور کذاب کا حکم

یہ تو اس شخص کے بارے میں حکم تھا جو صاف طور پر گالی دے اور وہ شے اللہ ﷻ کی طرف نسبت کرے جو اس کی جلالت والوہیت کے شایان شان نہ ہو۔ اب رہا اس کا حکم جو اللہ ﷻ پر پاؤ عاء الوہیت یا رسالت افترا او بہتان اور جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ اللہ ﷻ میرا خالق نہیں یا میرا رب نہیں یا یہ کہے کہ میرا کوئی رب نہیں یا اپنے نشے اور اپنے جنون میں ایسی باتیں کہے جو باگل پن کی ہوں اور وہ عقل میں نہ آتی ہوں تو ایسے مدعی کے کفر میں باوجود اس کی سلامتی عقل کے کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

لیکن قول مشہور کی بنا پر اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اس کی رجعت و انابت اسے فائدہ پہنچائے گی اور اس کو قتل سے بچا دے گی۔ لیکن سزائے عظیم اور عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا تا کہ ایسی بکو اس کرنے میں دوسروں کو تنبیہ و توبیخ ہو اور کوئی اور اس کی جرأت نہ کرے۔ کیونکہ یہ یا تو اعادہ کفر ہے یا اسکی جہالت مگر وہ شخص ایسا بار بار کرے اور اپنے کردار میں اسکی تحقیر و اہانت مشہور ہو جائے تو یہ

اس کی بد باطنی پر دلیل ہو جائے گی اور اس کی توبہ کو جھٹلا دیا جائے گا اور وہ اس زندیق کے مشابہ ہو جائے گا جس کی بد باطنی پر ہمیں اطمینان نہ ہو اور اس کا رجوع بھی قابل قبول نہ ہوگا اور اس خصوص میں اس کے نشہ کا حکم مثل ہوش والے کے ہوگا۔

اب رہا مجنون و پاگل کا حکم تو جو کچھ اس نے اپنی مکمل دیوانگی اور پاگل پنے میں کہا ہے اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔ لیکن جو کچھ ہوشیاری کی حالت میں کہا ہے اگرچہ اسے عقل نہ ہو اور وہ شریعت کا مکلف نہ رہا ہو مگر اس پر اسے تادیب ضرور کی جائے گی تاکہ اسے تنبیہ ہو۔ جیسا کہ بد اطواری میں تنبیہ کی جاتی ہے اور یہ تادیب برابر جاری رکھی جائے گی یہاں تک وہ اس سے باز آجائے۔ جیسا کہ جانوروں کو اس کی ضد و اثر پر زد و کوب کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سیدھا ہو جائے۔

بلاشبہ سیدنا علی ابن ابی طالب ؑ نے اس شخص کے جلانے کا حکم فرمایا جس نے خدا ہونے کا دعویٰ کرنے والے کو قتل کر کے صولی دی۔ اس کے سوا اکثر خلفاء اسلام اور بادشاہوں نے ایسوں کے ساتھ یہی سلوک کیا اور اس پر ان کا اتفاق و اجماع ہے کہ جو ان کے کفر کا مخالف ہو وہ بھی کافر ہے۔  
المعتذر کے زمانہ میں مالکی فقہاء بغداد اور قاضی القضاة ابو عمر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے حلاج کے قتل اور اس کی صولی پر بسبب دعویٰ الوہیت اور حلول کے قول کے اجماع کیا کیونکہ انہوں نے نعرہ ”انا الحق“ لگایا تھا باوجود یہ کہ ظاہر میں پابند شریعت تھے۔ لیکن علماء نے ان کی توبہ قبول نہ کی۔ اسی طرح ابن ابی الغر ا قبر کے بارے میں علماء نے فتویٰ دیا چونکہ وہ بھی حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر تھے اور ان کے بعد الراضی باللہ کے زمانہ میں یہ واقعہ ہوا اس وقت بغداد کے قاضی القضاة ابو الحسن بن ابی عمر مالکی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ابن عبد الحکیم رحمۃ اللہ علیہ کا ”مبسوط“ میں قول ہے کہ جو مدعی نبوت ہوا سے قتل کر دیا جائے اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے کہ جس نے اللہ ﷻ کے اپنا خالق یا رب ہونے کا انکار کیا یا کہا کہ میرا کوئی رب نہیں ہے تو وہ مرتد ہے۔

کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ میں ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اور کتاب عتبہ میں محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو مدعی نبوت ہو اس سے توبہ لی جائے خواہ وہ اسے چھپائے یا ظاہر کرے بہر صورت مرتد کے حکم میں ہے اسے سجون رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا اور اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک ایسے یہودی کے بارے میں کہا جس نے دعوائے نبوت کیا تھا اور کہا تھا کہ میں تمہاری طرف رسول ہوں۔ اگر وہ اس دعویٰ کو ظاہر کرتا ہے تو اس سے توبہ کرے تو فیہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔

اور ابو محمد بن ابو زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے اپنے پیدا کرنے

حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ پر میانت شریعت ظاہرہ کی بنا پر فتویٰ تھا چنانچہ معاصر علماء ان کو عارف باللہ ہی مانتے ہیں۔ مترجم

والے پر لعنت کی تھی اور دعویٰ کیا کہ اس کی زبان پھیل گئی تھی اور یہ کہ میرا ارادہ شیطان پر لعنت کرنے کا تھا۔ فرمایا اسے اپنے کفر کی بنا پر قتل کر دیا جائے اور اس کا عذر قبول نہ کیا جائے۔ یہ حکم اس دوسرے قول کے موافق ہے کہ ایسوں کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نشہ والے کے بارے میں فرمایا جس نے کہا تھا کہ میں خدا ہوں، میں خدا ہوں، کہ اگر وہ توبہ کرے تو سزا دی جائے اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو سزا دی جائے اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو زندیق کا سا برتاؤ کیا جائے اس لئے کہ یہ شریعت کے ساتھ کھیلنے والوں کا کفر ہے۔

## چھٹی فصل

بے اختیار کلمہ کفر نکلے تو کیا حکم ہے؟

رہا وہ شخص جس کی بات اور زبان اسکی قابو میں نہ ہو اور وہ نکمی اور بے ہودہ بات زبان سے نکالتا ہو اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا کلام ضبط نہیں کیا جاتا اور اس کی زبان پر مہملات آتے رہتے ہوں وہ ایسی بات کہے جس سے عظمت الہی اور جلالت کبریائی میں استخفاف ہوتا ہو یا بعض شے کی تمثیل کسی ایسی شے کے ساتھ دے جس کو اللہ ﷻ نے اپنی ملکوت میں بزرگی و عظمت دی ہو یا مخلوق کے کلام سے ایسی بات انتزاع کی ہو جو خالق کے حق کے سوا اور کسی کے لئے زیبا نہیں ہے مگر کفر و استخفاف اس سے مقصود و مراد نہ ہو اور نہ عملاً الحاد کے لئے کہا ہو اب اگر یہ بات اس سے بار بار صادر ہوئی اور وہ مشہور ہوگئی تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے دین کے ساتھ استہزاء اور کھیل کرتا ہے اور اپنے رب ﷻ کی حرمت کا وہ استخفاف کرتا ہے اور وہ اس کی عزت و کبریائی کی عظمت سے جاہل ہے یہ بلاشبہ کفر ہے۔

اسی طرح اگر وہ ایسی باتیں کرتا ہے جس سے اللہ رب العزت کا استخفاف اور تنقیص لازم آتی ہے۔ بلاشبہ ابن حبیب، اصبح بن خلیل رحمہم اللہ نے جو قرطبہ کے فقہاء میں سے ہیں (امیر قرطبہ) عجب کے برادر زاد کے قتل پر فتویٰ دیا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک دن وہ گھر سے نکلا اور بارش نے اسے گھیر لیا تو اس نے کہا:

بَدَا الْخَرَّارُ يَرُشُ جُلُودَهُ

یعنی جوتی گانٹھنے والا اپنی کھالیں نچوڑتا ظاہر ہوا۔

اور قرطبہ کے بعض فقہاء مثلاً ابو زید صاحب ثمانیہ، عبدالاعلیٰ بن وہب اور ربان بن عیسیٰ رحمہم اللہ نے اس کے قتل میں توقف کیا اور اشارہ کیا کہ اس کا یہ کلام بے ہودہ ہے۔ اس میں صرف تاویب کافی

ہے۔ اسی کے مثل اس وقت کے قاضی موسیٰ ابن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا اس پر ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اس کا خون میری گردن پر۔ کیا اس رب کو گالی دی جائے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں پھر اس کی حمایت نہ کی جائے اس وقت ہم کتنے برے بندے ہوں گے گویا ہم اس کی عبادت کرنے والے ہی نہ رہیں گے اور اس کے بعد وہ رونے لگے۔ یہ باتیں جب امیر قرطبہ عبدالرحمن بن حکم کے پاس پہنچی چونکہ عجب اس کی چچی کا لڑکا تھا اور یہ قصور وار تھا۔ جب اسے فقہاء کا اختلاف معلوم ہوا تو اس نے ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی علماء کے فتوے کے بموجب عجب کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ چنانچہ وہ قتل کیا گیا اور ان دونوں فقیہہ کا سامنے سے سولی دی گئی اور قاضی کو اس قصہ میں مدہنت کے الزام میں معزول کر دیا اور باقی فقہاء کو برا بھلا کہا گیا۔

لیکن جس شخص سے ایسی باتیں ایک دفعہ ہوئیں یا کبھی کبھی صادر ہوئیں تو جب تک اس میں تنقیص و اہانت نہ ہو تو اسے صرف تادیب کی جائے اور بقدر مقتضائے کلام اور شناعت جرم اسے سزا دی جائے اور اس سے صورت حال اور وجہ مقال پہلے دریافت کی جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے استفسار کیا گیا جو کسی شخص کو اس کا نام لے کر پکار رہا تھا۔ اس پر اس نے جواب دیا **يَا بَنِيكَ اللَّهُمَّ لَبِيكُ** تو جواب میں فرمایا اگر وہ جاہل ہے یا اس نے بیوقوفی سے کہا ہے تو اسے کچھ نہیں ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی تشریح یہ ہے کہ اس پر قتل واجب نہیں ہے اور جاہل کو جھڑکا جائے اور بیوقوف کو سزا دی جائے اور اگر اس نے اپنے رب کے قائم مقام مان کر کہا ہے تو یقیناً کفر ہے۔ یہ ان کے کلام کا اقتضاء تھا۔

بلاشبہ نادان بیوقوف شعراء نے بڑی بڑی زیادتیاں کی ہیں اور وہ اس میں متہم ہیں اور ذات جبروت کی شان جلالت کو ہلکا سمجھا ہے۔ چونکہ وہ ایسے اشعار لائے ہیں جن سے ہم اپنی کتاب زبان اور قلم کو بیان کرنے سے بچاتے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے مسائل کی تصریح کا قصد کیا ہے جسے بیان کر رہے ہیں تو ہم کوئی شعر نقل نہ کرتے کیونکہ ان کا ذکر ہمیں گراں گزرتا ہے اور جسے ہم نے ان فصولوں میں بیان کیا۔ لیکن وہ اشعار جو اس بارے میں جاہلوں اور غلط گو یوں سے صادر ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ ہیں جسے بعض بدویوں نے کہا ہے:

رَبُّ الْعِبَادِ مَا لَنَا وَمَا لَنَا قَدْ كُنْتَ تَسْقِينَا فَمَا بَدَا لَنَا

أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ لَا أَبَا لَنَا



اے رب العباد ہمیں کیا ہوا اور تجھے کیا ہوا۔ تو تو ہمیں پانی پلاتا تھا اب تجھے کیا ہوا تو ہم پر بارش بھیج تیرا باپ نہ ہو۔

اس کی مثل بکثرت جہاں کا کلام ہے۔ جسے تازیانہ شریعت بھی سیدھا نہ کر سکا اس قسم کی باتیں انہیں سے صادر ہوتی ہیں جو جاہل یا کم علم ہیں۔ ان کی زجر و توبیخ لازمی ہے تاکہ دوبارہ وہ ایسی غلطی نہ کریں۔ ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دلیری کی باتیں ہیں اور اللہ ﷻ ان باتوں سے منزہ ہے اور ہم نے عون بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ واجب ہے کہ ہر ایک تم میں سے اپنے رب ﷻ کی عظمت کا لحاظ رکھے۔ یہ نہ ہو کہ تم ہر شے میں اس کا نام لیتے رہو۔ یہاں تک کہ تم کہنے لگو کہ کتے کو اللہ ﷻ نے رسوا کیا اور اس نے ایسا کیا یا ویسا کیا اور ہم نے اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ ﷻ کا نام بہت کم جگہوں پر لیتے تھے۔ بجز ان مواقع کے کہ جس کے ساتھ قربت و طاعت ہو وہ انسان کو یوں دعا دیتے تھے کہ تجھے جزائے خیر دی جائے۔ وہ بہت کم کہتے تھے کہ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا۔ یہ اسم جلالت کی تعظیم کے لئے تھا کہ صرف تقرب الہی کی جگہ اس کا نام لیا جائے اور ہم سے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا کہ امام ابو بکر الشاسی رحمۃ اللہ علیہ اہل کلام پر نکتہ چینی کرتے تھے کہ وہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں بہت غور و خوض کرتے ہیں اور اس کی صفات کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ یہ اس لئے تھا کہ اللہ ﷻ کی عظمت و ہیبت ملحوظ رہے وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ اللہ ﷻ کے اسم جلالت کو بمنزلہ رومال (مندیل) استعمال کرتے ہیں اس باب میں جو کلام لایا گیا ہے وہ بمنزلہ سباب النبی ﷺ (نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے) کے ہے۔ جن کی ہم نے اس جگہ تفصیل بیان کی واللہ الموفق۔

## ساتویں فصل

انبیاء اور فرشتوں کی تنقیص کرنے والے کا حکم

اب رہا اس شخص کا حکم جو تمام انبیاء علیہم السلام یا فرشتوں کو گالی دے یا ان کا استخفاف کرے یا جو وہ لائے ان کو جھٹلائے یا انکار کرے تو اس کا حکم ویسا ہی ہے جیسا اس کا جو ہمارے نبی ﷺ کا انکار یا استخفاف کرے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ

(پ النساء: ۱۵۰)

وَرُسُلِهِ.

وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے

رسولوں کو جدا کر دیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ  
وَأِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ  
النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ.

(پ البقرہ ۱۳۶)

یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا  
ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو عطا کیا گیا  
موسیٰ و عیسیٰ اور جو عطا کئے گئے اور باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں  
کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

كُلٌّ "أَمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَّيْكَتِهِ وَكُتُبِهِ  
وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ"

سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی

کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ

ہم اس کے کسی رسول میں ایمان لانے میں فرق

نہیں کرتے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

(پ البقرہ ۲۸۵)

کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ابن  
قاسم ابن ماحشون ابن عبد الحکیم اصبح اور سخون رحمہم اللہ کا قول ہے کہ جس نے تمام نبیوں کو یا کسی ایک نبی  
کو گالی دی یا تنقیص کی وہ قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ نہ لی جائے اور جو ذمی ان کو گالی دے اسے بھی  
قتل کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے اور سخون رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا  
کہ جس یہودی یا نصرانی نے بغیر اس وجہ کے جس میں وہ کافر ہے نبیوں کو گالی دی تو اس کی گردن اڑا  
دی جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے۔ اس اصول میں جو اختلاف ہے وہ پہلے گزر چکا ہے۔

قاضی قرطبہ سعید بن سلیمان رحمہ اللہ کا قول ان کے بعض جوابات میں یہ ہے کہ جس نے اللہ  
ﷻ اور اس کے فرشتوں کو گالی دی وہ قتل کر دیا جائے اور سخون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس نے کسی ایک  
فرشتے کو گالی دی اس کا قتل واجب ہے۔

کتاب نوادر میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس نے کہا کہ جبریل علیہ السلام نے  
(معاذ اللہ) وحی میں خطا کی ہے اور یہ کہ دراصل نبی تو (معاذ اللہ) علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم تھے۔ اس

سے توبہ لی جائے اگر وہ توبہ کرے تو فیہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اسی کے مثل سخون رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے یہ مقولہ راؤ فض کے فرقہ غرابیہ کا ہے ان کا غرابیہ اس لئے نام رکھا گیا کہ وہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ سے علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کوئے کی مانند مشابہ تھے جس طرح کوئے کے مشابہ ہوتا ہے (نعوذ باللہ)

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے نبیوں میں سے کسی ایک نبی کو جھٹلایا کسی ایک کی تنقیص کی یا ان سے برأت کا اظہار کیا تو وہ مرتد ہے۔  
ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے دوسرے سے کہا کہ اس کا چہرہ مالک ﷺ کی طرح غضبناک ہے۔ اگر اس سے اس کا قصد مالک ﷺ فرشتے (داروغہ جہنم) کی مذمت ہے تو قتل کر دیا جائے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں اور احکام اس کے لئے ہیں جو ان سب کے بارے میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ یعنی تمام فرشتوں، تمام نبیوں، یا کسی خاص کے بارے میں کہتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی جن کو اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں صاف طور پر بیان کیا ہے۔ یا ہم کو اس کا علم خبر متواتر اور خبر مشہور، متفق علیہ سے جس پر اجماع قطعی ہو چکا ہو حاصل ہوا ہے۔ جیسے حضرت جبریل، میکائیل، مالک، خازن (داروغہ جہنم و جنت) زبانیہ، حملۃ العرش، جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے کہ وہ فرشتے ہیں اور جن نبیوں اور فرشتوں کا ذکر قرآن میں ہے جیسے ملائکہ میں عزرائیل، اسرافیل، رضوان، حفظ، منکر اور نکیر علیہم السلام کہ یہ فرشتے ہیں جن کے خبر کی قبول کرنے پر اتفاق کیا گیا ہے۔

لیکن وہ فرشتے یا نبی جن کی تعیین و تخصیص پر اخبار ثابت نہیں اور نہ اس پر اجماع ہے کہ وہ فرشتے یا نبی ہیں۔ جیسے ہاروت، ماروت، کافرشتوں میں ہونا اور خضر لقمان، ذوالقرنین، مریم، آسیہ، خالد بن سنان جو کہ مذکور ہے کہ یہ نبی تھے جو اہل فارس اور زردشت کہ جس کی نسبت مجوس مورخ نبوت کے مدعی ہیں۔ تو ان لوگوں کو گالی دینے یا ان کا انکار کرنے میں وہ حکم نہیں جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ ان کی ویسی حرمت ثابت نہیں ہے۔ لیکن ان کی تنقیص و ایذاء سائی پر جھڑکنا چاہئے اور ان کی تاویب ان کے مرتبہ عالی کے موافق جن کی شان میں یہ بات کہی گئی ہے، متکلم کو کرنی چاہئے۔

خاص کر ان حضرات کی تنقیص و ایذا پر ضرور تاویب کرنی چاہئے جن کی صدیقیت اور

افضلیت معروف و مشہور ہوا اگرچہ ان کی نبوت ثابت نہ ہو اور رہا ان کی نبوت کا انکار یا کسی اور کے فرشتے ہونے کا انکار کرنا تو اگر منکر و متکلم اس بارے ذی علم ہے تو مضائقہ نہیں ہے چونکہ علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہی کرتا ہے اور اگر عوام الناس میں سے ہو تو اس میں چھان بین کرنے سے باز رکھنا چاہئے۔ پھر اگر دوبارہ کرے تو تادیب کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ اس معاملہ میں ان کو کلام کرنے کا حق نہیں ہے اور سلف رحمہم اللہ نے تو ایسے امور میں بحث و کلام کرنے کو علماء کے لئے مکروہ جانا ہے جن سے کوئی عمل متعلق نہیں ہے بھلا پھر عوام کس گنتی میں۔

## آٹھویں فصل

### تحقیر و استخفاف قرآن کا حکم

خبردار رہنا چاہئے کہ جو کوئی قرآن کریم یا مصحف شریف یا اس کے کسی جز کا استخفاف کرے یا ان دونوں کو گالی دے یا سب کا انکار کرے یا اس کے کسی جز کو یا کسی آیت کا انکار کرے یا اس کی تکذیب کرے یا اس کے کسی ایسے حکم یا خبر کو جھٹلائے جس کی اس میں صراحت کی گئی ہے یا کسی ایسی شے کو ثابت کرے جس کی اس نے نفی کی ہے یا کسی ایسی شے کی نفی کرے جس کو اس نے ثابت کیا ہے اور وہ اس سے باخبر بھی ہو یا وہ ان امور میں سے کسی امر میں شک کرتا ہے تو اہل علم کے نزدیک بالاجماع کافر ہے۔

وَ اِنَّهٗ لِكِتَابٍ عَزِيْزٍ ۝ لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ مِّنۡۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَاَلَ مِنْ خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٍ مِّنۡ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝

بے شک وہ عزت والی کتاب ہے باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے سب

(پ۲۳ تم السجدہ ۳۳-۳۲-۳۱) خوبیوں سرا ہے کا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حدیث: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ”بالاسناد“ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم میں شک یا جھگڑا کرنا کفر ہے اور بروایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ جس مسلمان نے کتاب الہی کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس کی گردن مارنا حلال ہے اور اسی طرح جس نے توریت و انجیل اور ان کتابوں کا انکار کیا جو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نازل ہوئی ہیں یا وہ ان سے انکاری

۱۔ سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۹ کتاب النہ

۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب الحدود جلد ۲ صفحہ ۸۴۹

ہو یا ان کو لعنت کرے یا ان کو گالی دے یا ان کا استخفاف کرے تو وہ کافر ہو گیا۔

اور بلاشبہ مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ قرآن جو روئے زمین میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو مصحف میں مکتوب موجود ہے جو مابین الاقنین ہے جس کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سے آخر سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک ہے یہی اللہ ﷻ کا کلام اور اس کی وحی (جلی) ہے جو ہمارے نبی برحق سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ تمام برحق ہے اور جو کوئی بھی اس میں سے ایک حرف کم کرے یا اس کی جگہ کوئی دوسرا حرف بدلے یا اس میں کوئی ایسا حرف شامل کے جو اجماعی مصحف میں شامل نہیں ہے اور یہ حرف بالا جماع قرآن کا نہ ہو تو قصد اہر ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اسی بنا پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ جو سیدنا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہتان کے ساتھ گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ اس نے قرآن کی مخالفت کی اور جو قرآن کی مخالفت کرے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ اس امر کو جھٹلا رہا ہے جو قرآن میں ہے اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کوئی یہ کہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا تو اسے قتل کر دیا جائے یہی قول عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور محمد بن سخون رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں جس نے کہا تھا کہ ”معوذتین کتاب اللہ ﷻ کا جز نہیں ہے“ کہا کہ اس کی گردن مار دی جائے۔ مگر یہ کہ وہ تو بہ کر لے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو قرآن کی کسی ایک آیت کو جھٹلائے (اس کی بھی گردن مارنے کا حکم فرمایا)۔

اسی طرح اگر کسی گواہ نے کسی شخص پر یہ گواہی دی کہ اس نے کہا ہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا اور دوسرے نے اس کے خلاف گواہی دی کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا (تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے) اس لئے کہ یہ دونوں گواہ اس پر متفق ہوئے ہیں کہ ہر ایک نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی ہے۔

اور ابو عثمان حداد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تمام اہل توحید کا اتفاق ہے کہ تنزیل (قرآن کریم) کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے اور ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کوئی ان کے سامنے قرآن کریم پڑھتا تو وہ اس سے یہ نہ کہتے کہ جس قرأت میں تو نے پڑھا ہے یوں نہیں بلکہ یہ کہتے کہ میں تو ایسا پڑھتا ہوں۔ جب یہ بات ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (فقہ) کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ سن لیا ہے کہ جس نے قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کیا تو وہ کل قرآن کا کافر ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے قرآن کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس نے پورے قرآن سے کفر کیا اور اصبح ابن الفرغ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس کسی نے بعض قرآن کو

جھٹلایا تو گویا اس نے کل قرآن کو جھٹلایا اور جس نے اس کو جھٹلایا بلاشبہ اس نے اس سے کفر کیا اور جس نے قرآن سے کفر کیا تو اس نے اللہ ﷻ سے کفر کیا۔

نیز کسی نے قابسی رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو یہودی سے جھگڑ پڑتا تھا تو اس یہودی نے تورات کی قسم کھائی اس پر اس نے کہا کہ خدا ﷻ تورات پر لعنت کرے اس پر اس کے خلاف گواہی گزری پھر دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ اس نے اس سے اس قضیہ کو دریافت کیا تھا تو اس نے کہا کہ میں نے تو یہود کے تورات کو لعنت کی ہے اس پر ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ایک گواہ سے قتل ثابت نہیں ہوتا اور دوسرے گواہ نے معاملہ کو ایسی صورت میں معلق کر دیا کہ وہ محتمل تاویل بن گیا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ یہود کو ان کی تبدیل و تحریف کے سبب اس تورات کا پابند ہی نہ جانتا ہو جو اللہ ﷻ کی جانب سے ہے وراگردونوں گواہ مجرد تورات کی لعنت کرنے پر متفق ہو جائے تو تاویل کی راہ تنگ ہو جاتی۔

بلاشبہ فقہائے بغداد نے مع مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (مشہور قاری) سے اتفاق کیا تھا کہ ابن شبنوذ قاری سے جو کہ بغداد کے قراء کا امام اور بغداد کا ساکن تھا توبہ لی جائے کیونکہ وہ ان حروف شاذہ کی قرأت جو قرآن سے نہیں ہیں خود بھی کرتا اور دوسروں کو بھی سکھاتا تھا۔ چنانچہ سب نے اس سے عہد لیا کہ وہ اس سے رجوع و توبہ کرے اور ایک محضر نامہ تحریر کرایا جس پر اس نے اپنی گواہی وزیر ابو علی بن مقلہ کے روبرو اس کی مجلس میں ثبت کی۔ یہ واقعہ ۳۲۳ھ کا ہے اور ان علماء میں جنہوں نے فتویٰ دیا ابو بکر بہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی تھے۔

ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو سزا دینے کا فتویٰ دیا جو کسی بچے سے کہے کہ جو کچھ تو نے پڑھا اور جس نے تجھے جو پڑھایا اس پر خدا کی لعنت (پھر بطور تاویل) کہا میری مراد اس سے اس کی بے ادبی تھی۔ قرآن کی بے ادبی کرنا نہ تھا۔ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شخص قرآن پر لعنت کرے یقیناً اسے قتل کر دینا چاہئے۔

## نویں فصل

اہل بیت نبوی آل پاک ازواج مطہرات اور صحابہ کرام ﷺ کو گالی دینے کا حکم حضور سید عالم ﷺ کی اہل بیت اور آپ ﷺ کی آل پاک ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کو گالی دینا اور ان کی تنقیص کرنا حرام ہے اور وہ شخص ملعون ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ سے ”بالاسناد“ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار خبردار میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو ان کو اپنی اغراض کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت

رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ میں محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا۔ جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی جس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی قریب ہے کہ وہ گرفت میں آئے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۸۵)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میرے صحابہ کو گالی نہ دو جس نے ان کو گالی دی تو اس پر اللہ فرشتے اور سب لوگوں کی لعنت ہے اللہ ﷻ اس سے نہ نفل قبول فرمائے گا اور نہ فرض اور ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو بلاشبہ آ خر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو میرے صحابہ کو گالی دیں گے۔ تو تم نہ ان پر نماز پڑھنا اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا اور نہ ان سے شادی بیاہ کرنا اور نہ ان کے ساتھ مجالست کرنا۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرنا۔ نیز آپ نے فرمایا جو میرے صحابہ کو گالی دے تو اسے پیٹو۔<sup>۲</sup> بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں آگاہ فرمایا کہ صحابہ کو گالی دینا اور ان کو ایذا پہنچانا آپ ہی کو گالی دینا اور ایذا پہنچانا ہے اور نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے صحابہ کو ایذا دے کر دکھ نہ پہنچاؤ اور سیدنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا وہ میری لخت جگر ہیں۔ جس سے ان کو ایذا پہنچتی ہے اس سے مجھ کو ایذا پہنچتی ہے۔

ایسے شخص کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس میں اجتہاد (قاضی و حاکم) اور دردناک سزا دینا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی قتل کر دیا جائے اور جو آپ ﷺ کے صحابہ کو گالی دے اسے سزا دی جائے۔ نیز فرمایا جس نے آپ ﷺ کے کسی صحابی کو گالی دی مثلاً سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان ذوالنورین، سیدنا امیر معاویہ یا سیدنا عمرو بن العاصؓ۔ چنانچہ اگر وہ یہ کہے یہ سب ضلال پر تھے (معاذ اللہ) اور کفر کیا تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر اس کے سوا کسی اور طریقہ سے جو لوگوں میں گالی مروج ہے تو اسے رسوا کن سزا دی جائے۔

ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شیعہ میں سے سیدنا عثمانؓ کے بارے میں غلو کرے اور ان پر تبرا کرے تو اسے سخت تادیب کی جائے جو سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بغض میں حد سے تجاوز کر جائے تو اسے خوب سخت سزا دی جائے اور بار بار ضرب شدید لگائی جائے اور قید طویل میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ سوائے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے کسی کو قتل کی سزا نہ دی جائے۔ اور سخون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی ایک اصحاب نبوی کے ساتھ کفر و انکار کرے مثلاً سیدنا علی مرتضیٰ یا سیدنا عثمان ذوالنورین و عزہماؓ تو اس کو دردناک مار لگائی جائے۔

ابو محمد بن ابی زہد رحمہ اللہ بروایت سخون رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں جو شخص سیدنا ابو بکر، عمر، عثمان

اور علیؑ کے بارے میں کہے کہ وہ کفر و ضلال پر تھے تو اسے قتل کر دیا جائے اور جو ان کے سوا کسی اور صحابی کو اسی کے مثل کہے تو اسے رسوا کن سزا دی جائے اور انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ جو سیدنا ابو بکرؓ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں اور جو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ فرمایا جس نے ان پر تہمت لگائی بلاشبہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی اور ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ انہیں سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يَعْظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُوذُوا بِالْمِثْلِهِ أَبَدًا إِنَّكُمْ مَثُورُونَ. (پہا النور۱۷) اگر ایمان رکھتے ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

جو شخص اس فرمان الہی کے بعد پھر وہی کہے تو بلاشبہ وہ کافر ہو گیا۔

ابوالحسن صنقلی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ قاضی ابو بکر بن طیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں اُسے بیان فرمایا جو اس ذات باری سبحانہ کی طرف مشرکین عرب منسوب کرتے تھے تو اللہ ﷻ نے بار بار اپنی تزییہ و تسبیح فرمائی جیسا کہ فرمایا:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ. بولے رحمن نے بیٹا اختیار کیا پاک ہے وہ۔

(پہا الانبیاء۲۶) (ترجمہ کنزالایمان)

(اور یہ متعدد آیات میں مذکور ہے)

اسی طرح اللہ ﷻ نے اسے بھی بیان فرمایا جو منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے منسوب کیا تھا چنانچہ فرمایا:

وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ. اور کیوں نہ ہو جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں الہی پاکی ہے (پہا النور۱۶) تجھے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

چنانچہ اس آیت میں اللہ ﷻ نے ان کی برأت میں بھی اپنی ذات کریم کی ایسی ہی تزییہ کرتے وقت فرمائی تھی اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کے قتل کا حکم فرمایا اس کے معنی یہ ہیں اللہ ﷻ ہی خوب جانتا ہے کہ بلاشبہ اللہ ﷻ نے ان کو گالی دینے کو اتنا ہی بڑا (جرم) گردانا جتنا کہ اللہ ﷻ کو گالی دینا بڑا (جرم) ہے اور یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینا یقیناً نبی کریم ﷺ ہی کو گالی دینا ہے اور آپ ﷺ کو گالی اور ایذا دینے کو اللہ ﷻ نے اپنی گالی اور ایذا دینے والے کے ساتھ ملایا ہے اور اللہ ﷻ کو گالی دینے والے کا حکم



قتل ہے اور یہی حکم قتل نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے کا ہے جیسا کہ گزشتہ میں بیان گزرا۔  
 کوفہ میں ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی تو وہ موسیٰ بن عیسیٰ عباسی (قاضی کوفہ) کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ گالی دیتے وقت کون موجود تھا؟ اس پر ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں موجود تھا تب قاضی کوفہ نے اسے کوڑے (حد قذف) لگوائے اور اس کا سر مونڈھ کر پھینچنے لگانے والے کے سپرد کر دیا۔

سیدنا عمر بن الخطاب ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عبید اللہ بن عمر کو حضرت مقداد بن الاسود ؓ (صحابی) پر گالی دینے کے الزام میں زبان کاٹنے کی نذر مانی۔ اس بارے میں کسی نے ان سے کلام کیا تو جواب دیا چھوڑو کہ میں اس کی زبان قطع کر دوں تاکہ آئندہ پھر وہ کسی صحابی نبی کو گالی نہ دے سکے۔ (مختصر تاریخ دمشق جلد ۷ صفحہ ۱۸۰ تاریخ بغداد جلد ۸ صفحہ ۱۳۳)

ابو ذر ہر وہی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے سامنے ایک بدوی لایا گیا جو انصار کی برائی کر رہا تھا فرمایا اگر وہ صحابی رسول نہ ہوتا تو تم کو میں ہی کافی تھا۔

(معجم کبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۸۳-۳۸۴ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۵)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کسی صحابی کی تنقیص کرے تو اس کا فائدہ میں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے فائدے یعنی مال غنیمت کی تین قسمیں کی ہیں۔ فرمایا:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ. (پ۱۸ الحشر ۸) ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)  
 وَالَّذِينَ تَبَوُّوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ. اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں  
 (پ۱۸ الحشر ۹) گھر بنا لیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ حضرات انصار ہی ہیں۔ پھر فرمایا:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ. (پ۱۸ الحشر ۱۰)

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

لہذا جو ان کی تنقیص کرے تو اس کے لئے مسلمانوں کے مال غنیمت میں کوئی حق نہیں ہے۔

کتاب ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ جو کوئی کسی صحابی کے بارے میں کہے کہ وہ زانیہ کا بیٹا ہے اور اس کی ماں مسلمان ہے تو اس کو حد (قذف) لگائی جائے اور بعض مالکیوں کے نزدیک اس پر دو حدیں ہیں ایک اس صحابی کے سبب دوسرے اس کی ماں کے سبب۔ لیکن میرے نزدیک یوں نہیں ہے بلکہ وہ شخص اس کی مانند ہے جو ایک جماعت پر ایک کلمہ میں تہمت لگائے (کہ اس پر ایک ہی حد ہے)

ہم صحابی کو اس لئے فضیلت دیتے ہیں کہ ایک تو وہ دوسرے مسلمان کے مقابل صاحبِ فضیلت ہیں دوسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں نیز کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی صحابی کی والدہ پر تہمت لگائے کہ وہ کافر ہے تو اس پر تہمت کی حد جاری کی جائے۔ اس لئے کہ یہ ان کی گالی ہے کیونکہ اگر کوئی ان صحابہ میں سے ان کا لڑکا زندہ ہوتا تو وہ اپنے اس حق کا دعویٰ دے ہوتا۔ اب تمام مسلمان اس کے قائم مقام ہیں تو جو کوئی مسلمان مطالبہ کرے گا تو امام و حاکم پر قیام حکم اور سماعت استغاثہ واجب ہے۔ نیز کہا کہ یہ معاملہ اور لوگوں کی مانند نہیں ہے کیونکہ صحابہ کی حرمت نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے اور اگر کسی امام و حاکم نے خود سنا اور وہ خود گواہ ہے تو وہی اس پر حد قائم کرنے کا ولی ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی دوسری زوجہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دی تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اسے قتل کر دیا جائے اس لئے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی حرم مطہرہ کو گالی دے کر آپ ﷺ کو گالی دی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا معاملہ تمام صحابہ کی مانند ہے۔ لہذا اس پر حد قذف میں کوڑے لگائے جائیں نیز انہوں نے کہا کہ پہلے قول پر کہتا ہوں کہ ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کی جس نے نبی کریم ﷺ کے کسی اہل بیت کو گالی دی تھی کہ اسے خوب مار لگائی جائے جس سے اسے تکلیف ہو اور اسکی توبہ ظاہر ہو اس لئے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے حق کا استخفاف کیا ہے اور ابو مطرف شعمی رحمۃ اللہ علیہ فقیہ مالقہ نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے رات کے وقت عورت سے حلف لینے کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی بھی ہو تو دن ہی میں ان سے بھی حلف لیا جاتا اور بعض ان لوگوں نے جو فقیہ کہلاتے ہیں اسکے اس قول کی تصویب کی تھی مگر ابوالمطرف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا اس موقعہ پر ذکر کرنا (استخفاف ہے) لہذا اس پر ضرب شدید اور قید طویل واجب اور وہ فقیہ جس نے اس کے اس قول کی تصویب کی تھی وہ اس قابل ہے کہ فقیہ کے بالمقابل اسے فاسق کہا جائے پھر وہ ان کے سامنے لایا گیا اور آپ نے اس کو خوب جھڑکا اور آئینہ اس کا فتویٰ اور اس کی شہادت ناقابل قبول قرار دے دی کیونکہ اس کا اس میں مجروح ہونا اور بغض فی اللہ ہونا ثابت ہو گیا تھا۔

ابو عمر ان رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے کہا اگر میرے خلاف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی شہادت دیں (تو کیا ہے) تو اس سے اس نے ان کی شہادت مراد لی ہے۔ یعنی یہ ایسی شہادت ہے جو مثل ایک شہادت کے ہے جو اس معاملہ میں ایک پر حکم دینا جائز نہیں تو اس کہنے اور مراد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر اس سے اس کے سوا کچھ اور مراد لیا مثلاً تنقیص و اہانت وغیرہ تو

اسے خوب مار لگائی جائے۔ یہ کہ وہ ادھر مراد ہو جائے۔ اسے ازراہ روایت و حکایت بیان کیا۔  
 قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جس تحریر کا ارادہ کیا تھا اس میں ہمارے کلام کی یہاں انتہی ہے اور ہماری وہ غرض بھی پوری ہو گئی جس کا ہم نے قصد کیا تھا اور وہ شرط بھی مکمل ہو گئی جو ہمارا مدعا تھا اور جس کی آرزو تھی کہ اس کی ہر قسم کی خواہش مند کے لئے صاف صاف ہو اور ہر باب مقصود میں بطریق حجت واضح ہو۔

بلاشبہ میں نے اس میں وہ نکات نادرہ بیان کئے ہیں جو نہایت عجیب و غریب اور بدیع ہیں اور میں نے وہ اسلوب تحقیق اختیار کیا ہے جو اس سے پہلے اکثر تصانیف میں پسند کیا گیا۔ جسے بکثرت فصلوں میں ودیعت کیا گیا ہے۔ مجھے وہ شخص نہایت ہی محبوب ہوتا اگر وہ مجھ سے پہلے اس کلام کو شرح و وسط کے ساتھ جمع کرتا ہو یا کوئی ایسا مقتدا اور ہنما میسر آتا جو ایسے ارشادات سے مجھے فائدہ پہنچاتا تا کہ اس کی روایت پر اپنی روایت کو محمول کر لینا کافی ہوتا جسے میں بیان کر کے خود متکفل ہوا ہوں۔

اور اللہ ﷺ ہی سے میری التجا ہے کہ وہ میری اس چیز کو قبول اور اپنی رضا کے ساتھ خاص فرمائے۔ جس کے ساتھ اس نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور جو اس میں بناوٹ اور تصنع ہے اسے معاف فرمائے اور اپنے جمیل کرم و عفو سے ہمارے لئے اسے بخش دے۔ اس لئے جو کچھ ہم نے اس میں قلم بند کیا ہے وہ تیرے برگزیدہ اور حامل وحی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی شرافت و بزرگی میں ہے اور آپ ﷺ ہی کے فضائل حمیدہ کے تتبع کے لئے آنکھوں کو بیدار رکھا ہے اور آپ ﷺ ہی کے خصائص جلیلہ اور وسائل قویہ کے اظہار و بیان کے لئے اپنے دل و دماغ سے کام لیا ہے اور ہمارے تن من کو اپنی بھڑکتی ہوئی آگ سے مامون و مصون رکھے۔ اس لئے کہ ہم نے آپ ﷺ کی عزت و کرم کی حمایت کی ہے۔ اے خدا ہم کو اس زمرہ صحباء میں شامل فرما جو حضور کے حوض سے نہ دور کئے جائیں گے جب کہ دین میں تغیر و تبدل کرنے والے وہاں سے دھتکارے جائیں گے۔

اے خدا ہمارے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو اس کتاب کی کتابت (شائع) کرے اور اس سے فیض حاصل کرے ایسا سبب اور ذخیرہ بناوے جو ہم کو اس کے اسباب موصلہ کی جانب واصل کر دے۔ جسے ہم اس دن پائیں جس دن ہر جاندار اپنے عمل خیر کو موجود پائے گا۔ اسی سے ہم تیری رضا کے طلب گار ہیں اور تیرے اجر کے خواہش مند اور ہمیں ہمارے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی جماعت کے زمرہ میں خاص فرما اور ہمارا حشر جماعت اولیٰ اور ان لوگوں کے ساتھ ہو جو حضور ﷺ کی شفاعت سے محفوظ و مامون دروازے والے ہیں۔ آمین۔

ہم اللہ ﷺ کی حمد اس پر کرتے ہیں کہ اس نے اس کتاب کے جمع کرنے کی ہدایت فرمائی اور جن حقائق کو ہم نے اس میں درج کیا ہے ان کے ادراک و فہم کے لئے ہماری بصیرت کو منکشف فرمایا

اور ہم اللہ ﷻ کے ساتھ ایسی دعا سے جو مہموغ نہ ہو اور ایسے علم کے جو نفع نہ دے اور ایسے عمل سے جو قبول نہ کیا جائے پناہ مانگتے ہیں۔ وہ بڑا ہی بخشش والا ہے کہ کسی امیدوار کو نامراد نہیں رکھتا اور جسے وہ رسوا کرے اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں۔ وہ طالبین کی دعا کو رد نہیں کرتا اور نہ وہ مفسدوں کے عمل کی اصلاح کرتا ہے۔

وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَصَلَوَةٌ عَلَى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ خَاتِمِ  
النَّبِيِّينَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ وَسَلِّمْ تَسْلِيمًا كَثِيرًا وَالْحَمْدُ  
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ بِحَمْدِهِ تَعَالَى وَاحْسَانِهِ.

## تمت بالخیر

بعونہ تعالیٰ و بکرمہ ترجمہ کتاب مستطاب الشفاء بتعريف حقوق المصطفى (صلوات  
اللہ ﷻ و سلامہ علیہ) مسمی باسم تاریخی نعیم العطاء فی حدیث الحجۃ (۱۳۷۹ھ) آج بتاریخ ۲۷ شعبان المعظم  
۱۳۸۰ء بروز سہ شنبہ بعد نماز عشاء ۹ بجے اختتام پذیر ہوا۔ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ مَوْلَى سُبْحٰنَهُ وَتَعَالَى  
اپنے فضل و کرم سے اسے مقبول اور مفید عام و خاص فرمائے اور ہمارے لئے حضرت علامہ صاحب  
تصنیف ہذا قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کو قبول فرمائے۔ میرے اور میرے والدین، مشائخ و اساتذہ  
بالخصوص سیدی و استاذی، مرشدی و مولائی، صدر الافاضل استاذ العلماء سلطان العلوم حضرت مولانا مفتی  
حکیم حافظ سید محمد نعیم الدین صاحب جلالی مراد آبادی قدس سرہ السامی کو اس کے اجر و ثواب سے بہرہ یاب  
کرے۔ آمین۔

بِحَاہِ سَيِّدِنَا وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ صَلَوَاتُ اللَّهِ تَعَالَى وَسَلَامُهُ  
عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ آمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ.

غلام معین الدین نعیمی

سوادِ اعظم، لاہور

كَانَ أَقْدَمَ خَلَقْتَ كَمَا تَدْرِكُ

گو یا کہ بیسے آپ چاہتے تھے ویسا ہی آپ کو پیدا کر  
You were shaped exactly as you wanted

خَلَقْتَ مَبْرَأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ

آپ ہر عیب سے مبرا اور پاک پیدا کیے گئے ہیں  
You were created free from any flaw

اس کتاب کی شان میں بزرگوں کے اشعار و بے ترجمہ

شفاء عیاض عیاض لشفاء و شففاء و لشفاء و شففاء و شففاء

شفاء قاضی عیاض لوگوں کی شفائے اور جس شخصیت پر یہ مثل ہے وہ حق نہیں

وَمَنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ نَبِيِّنَا عَرَفَا وَاعْتَمَلُوا كَحَقْوَقِ جَفْنَانَا

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے حق کی رعایت کی ہے اور آپ کے حقوق سے غفلت جاتی ہے

- ت ۴۰۰۰ / ۱۰۵۵ / ۱۰۵۵ -

وَمَا كَرِيْمٌ شَمُّ اَكْرَمِيْنَ بِشَيْءٍ وَاَعْظَمُ مَدَى الدَّخْرِ مِنْ شَيْءٍ

ہر تو اس کتاب کی عظمت و کرم کرآء اور زندگی ہر اس کی عظمت شان بیان کرآء

اِذَا طَاعَ الْمَرْءُ مَضْمُونًا رَسِيٌّ فِيْ اِيْمَانٍ اِيْمَانِيَّةٍ

جب کوئی اس کے مضمون کا نفاذ کرتا ہے تو اس کے ایمان کی جڑ ہدایت پر مضبوط ہو جاتی ہے

لِقِرْوَتِ رَبِّيْ الْبَدِيَّةِ وَخَيْرِ الْاَنَامِ تَبِيَّةٍ

وہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہما اپنے مل بیان سے نبی ہدایت اور افضل خلق جن جن سے یاد کرے اس کی شان بیان کرتے رہے

فَجَارَاهُ رَبِّيْ خَيْرَ الْجَسَدِ وَجَادَ عَلَيَّ لِعَفْوِ رَأْيِيْ

یہ آریب انہیں بہترین جزا عطا فرمائے اور انہیں اپنی مغفرت سے نوازے

لَقَدْ سَمِعْتُ جَمَالَتَ لَنْ يَدْعِيَنَّ

مَنْ اَشْهَدَ اَنْ نِيْ اَفْتَتِ عَوْضِيْنَ

بِهِمْتَ فِيْهِ اِحَادِيْثًا مُّصَحَّحَةً

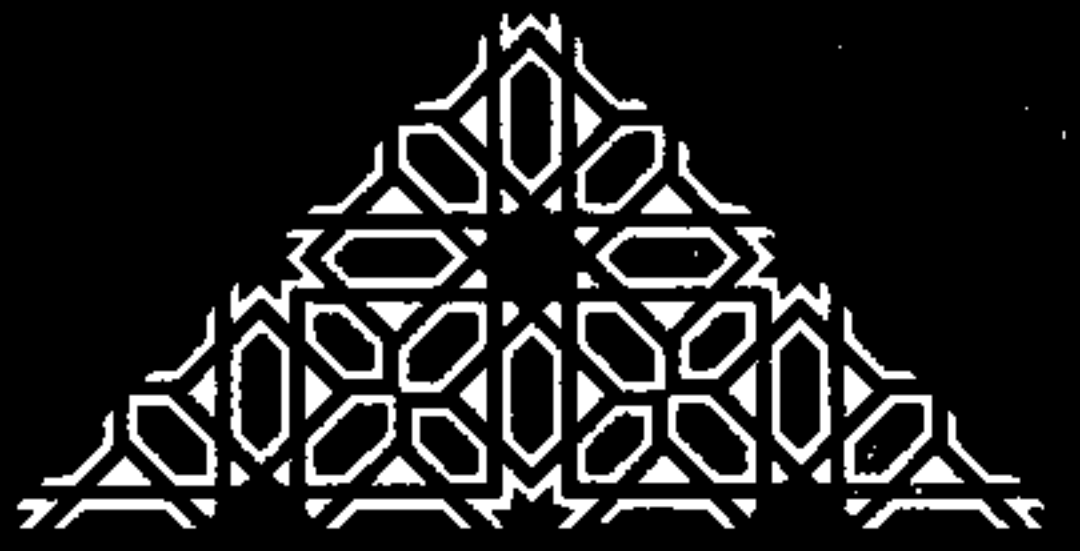
فَهُوَ اَشْفَاؤُ الْمَنِّ فِيْ قَلْبِهِ مَرْضً

اے قاضی عیاض رحمہ اللہ! آپ کو شفا کی تالیف کے عوض جناب عدن دی جانیں

آپ نے اس میں صحیح حدیثیں جمع کی ہیں اس لیے یہ کتاب ہر اس شخص کو جس کے دل

(كشف الظنون جلد ۲ ص ۱۰۵۵)

میں مرض ہے کے لیے شفا ہے



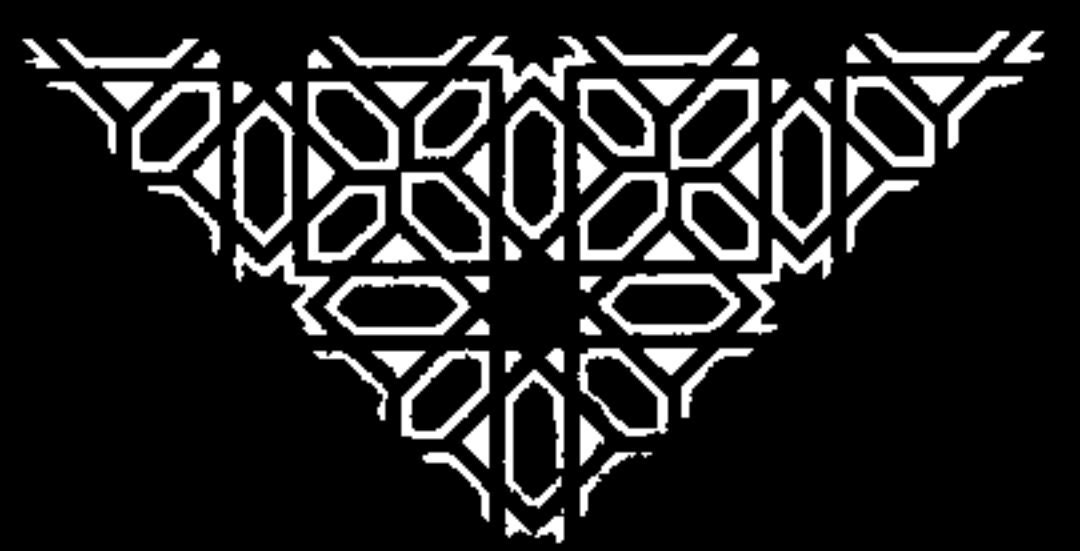
کتاب الشفاء

کا مقام

سب سے بڑا ہے فرماتے ہیں

اس کتاب کا پڑھنا بیماریوں سے شفا اور مشکلات سے نجات حاصل کرنے کیلئے مجرب عمل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اس کے پڑھنے والا ڈوبنے جلنے اور طاغون کی مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے

نزد تیب حاصل ہوگی اور یقین حاصل رکھئے



کتاب کی شان میں بزرگوں کے اشعار و بیانات

شِفَاءٌ عِمِيَاضٍ لِّلضَّرِّ وَالشِّفَاءُ لِمَنْ شَفِيَ، وَبِئْسَ لِّلْفَضْلِ وَالشِّفَاءُ لِمَنْ شَفِيَ

شفا قاضی عیاضوں کی شفا ہے اور جس شخصیت پر یہ مثل ہے وہ حق نہیں

وَمَنْ رَسُلَ إِلَيْهِ لِيُغْفِرَ عَفَا وَأَعْفَانُ الْمُحْتَوِقُونَ

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کے بعد آپ کے حق کی رحمت کی ہے اور آپ کے حقوق سے غفلت کرتے ہیں

تاریخ: ۱۰۵۵ھ / ۱۹۴۵ء

وَبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَأَعْظَمُ مَدَى الدَّخْرِ مِنْ شَيْءٍ

پس تو اس کتاب کی عظمت و کرم و کرامت اور زندگی پر اس کی عظمت کی شان بیان کرتا ہوں

إِذَا طَاعَ الْمَرْءُ مَعْذُومًا رَسُلًا فِي أَمْرٍ مِنْ أَمْرَائِهِ

جب کوئی اس کے مضمون کا حکم کرتا ہے تو اس کے ایمان کی جڑ ہدایت پر مضبوط ہو جاتی ہے

يُقَرِّئُكَ رَبِّي الْبَدَىٰ وَخَيْرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبِيءِي

وہ قاضی عیاض کی طرف اشارہ ہے اور افضل و خلق اولیٰ و اولاد اولیٰ کی شان بیان کرتے رہے

فَجَارَاهُ رَبِّي خَيْرَ الْجَسَدِ وَجَادَ عَلَيْكَ لِعَفْوِ كَرَمِي

یہ کتاب انہیں بہترین خزانہ دہانے اور انہیں اپنی مغفرت سے نوازے

عَفَا بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اے قاضی عیاض رحمہ اللہ! آپ کو شفا کی تالیف کے عوض جنات عدن دی جائیں

آپ نے اس میں صحیح حدیثیں جمع کی ہیں اس لیے یہ کتاب ہر اس شخص کو جس کے دل

میں مرض ہے کے لیے شفا ہے (کشف الظنون جلد ۲ ص ۱۰۵)



کتاب الشفاء

کامقام

سب سالانہ ہیں فرماتے ہیں

اس کتاب کا پڑھنا بیماریوں سے شفا اور مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے لیے موجب عمل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اسکے پڑھنے والا ڈوبنے جلنے اور طاعون کی مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے

مراد تب حاصل ہوگی اگر یقین کامل رکھے

